تفسیر مظہری
ضیاء القرآن پبلیکیشنز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر مظہری جلد نہم

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ تفسیر

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین ۔ بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ـــ کراچی ـــ پاکستان

نام کتاب	تفسیر مظہری (جلد نہم)
تالیف	حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ متن	ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ
	مولانا محمد انور مگھالوی
	فضلاء دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف
تعداد	ایک ہزار
اشاعت	دسمبر 2002ء (رمضان المبارک 1323 ہجری)
کمپیوٹر کوڈ	1Z348

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:۔ 042-7238010

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست

سورۃ التحریم

سورۃ الفتح

آیاتہا ۲۹ سُوْرَۃُ الْفَتْحِ مَدَنِیَّۃٌ ۴۸ رکوعاتہا ۴

سورۃ الفتح مدنی ہے اس میں انتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۙ﴿۱﴾

"یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی لے"

لے امام احمد، امام بخاری، امام ترمذی، امام نسائی، ابن حبان اور ابن مردویہ رحمہم اللہ اجمعین نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک چیز کے بارے میں تین دفعہ سوال کیا آپ ﷺ نے مجھے کوئی جواب ارشاد نہ فرمایا میں نے اپنے آپ سے کہا اے عمر تیری ماں تجھ پر روئے تو نے تین بار رسول اللہ ﷺ سے اصرار کے ساتھ پوچھا آپ نے کسی بار بھی تمہیں جواب نہ دیا تو میں نے اپنے اونٹ کو تیز تیز چلایا یہاں تک کہ میں تمام لوگوں سے آگے نکل گیا مجھے ڈر تھا کہیں میرے بارے میں قرآن کا کوئی حکم نازل نہ ہو جائے تھوڑا وقت بھی نہ گزرا تھا کہ ایک ندا کرنے والے کی آواز سنی جو مجھے ہی بلا رہا تھا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا آپ نے فرمایا آج رات مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ہر اس چیز سے محبوب ہے جس پر سورج چمکتا ہے پھر آپ نے سورۃ فتح کی تلاوت کی۔(1)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے مسعود بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے روایت کیا ہے کہ مکمل سورۃ فتح حدیبیہ کے موقع پر مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان نازل ہوئی(2) تاہم علماء نے اس فتح کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے۔ ابو جعفر رازی نے قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد فتح مکہ ہے۔ یہ ایک وعدہ ہے۔ اسے فعل ماضی کے ساتھ اس لئے تعبیر کیا گیا کیونکہ اس کا وقوع یقینی تھا اس لئے اسے واقع ہونے کے قائم مقام رکھا، اس میں معجزہ ہے تاہم صحیح بات یہ ہے کہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ اسے امام احمد، ابن سعد، ابوداؤد اور حاکم رحمہم اللہ اجمعین نے روایت کیا نیز حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصحیح کی۔ ساتھ ہی ساتھ ابن منذر، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہم اللہ اجمعین نے مجمع بن حارثہ انصاری سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا ہم حدیبیہ میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب ہم حدیبیہ سے کراع الغمیم آئے تو حضور ﷺ کراع الغمیم پہنچ چکے تھے۔ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں جمع ہو گئے تو حضور ﷺ نے انہیں یہ سورت پڑھ کر سنائی تو ایک صحابی نے عرض کی کیا یہ فتح ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بے شک یہ فتح مبین ہے(3) ہم

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 159 (وزارت تعلیم) 2۔ الدرالمنثور زیر آیت ہذا۔ 3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 420 (صادر)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کریں گے جو یہ ہے کہ اسلام میں صلح حدیبیہ سے بڑی کوئی فتح نہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء سے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ صلح حدیبیہ کو فتح کا نام یا تو اس لئے دیا کیونکہ یہ فتح مکہ کی تمہید بنا یا اس وجہ سے کہ فتح کا معنی بند چیز کا کھلنا ہے اس کی صورت یہ بنی کہ مشرکین کے ساتھ صلح حدیبیہ (ا) ہو گئی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ فتح کا معنی قضاء ہے۔ یعنی ہم نے آپ کے حق میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ آپ اگلے سال مکہ مکرمہ میں داخل ہو جائیں۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ فتح حدیبیہ ہی تھی جس میں حضور ﷺ کو یہ خوشخبری سنائی گئی لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ اسی کے نتیجہ میں صحابہ نے خیبر کی کھجوریں کھائیں، قربانیاں اپنے محل کو پہنچیں (ب) اگلے سال رومی ایرانیوں پر غالب آئے۔ مجوسیوں پر اہل کتاب (رومیوں) کے غلبہ کی وجہ سے مومن خوش ہوئے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں۔ اس کی صورت یہ بنی کہ مشرکوں کو مسلمانوں کے ساتھ میل جول کا موقع ملا۔ مشرکوں نے مسلمانوں کی گفتگو سنی جس کے نتیجہ میں اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو گیا۔ تین سالوں میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد مسلمان ہو گئی جن کی وجہ سے مسلمانوں کی جمعیت میں بہت بڑا اضافہ ہو گیا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ایسی واضح فتح تھی کہ اس میں کوئی جنگ نہ ہوئی۔ صلح بھی فتح کی ایک صورت ہے (2)۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسے فتح کا نام اس لئے دیا کیونکہ یہ صلح اس وقت ہوئی تھی جب حضور ﷺ کو مشرکوں پر غلبہ ہو چکا تھا اور انہوں نے خود صلح کا مطالبہ کیا تھا۔ یہی فتح مکہ کا سبب بنی تھی۔ اسی فتح کے نتیجہ میں حضور ﷺ کو دوسرے عرب قبائل سے معاملات کرنے کا موقع ملا تھا آپ نے ان کو پیغام پہنچایا۔ آپ نے کئی علاقوں کو فتح کیا اور خلق کثیر کو اسلام میں داخل کیا۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾

"تاکہ دور فرما دے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ [1] جو الزام (ج) آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے ہیں اور مکمل فرما دے اپنے انعام کو آپ پر ہے اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر ہے"

[1] لیغفر یہ اس فتح کا مقصود ہے کیونکہ کفار سے جہاد کرنے، شرک کو مٹانے کی کوشش کرتے، دین کو سر بلند کرتے، بزور بازو ناقص نفوس کو مکمل کرنے تاکہ بعد میں یہ کمال بتدریج ان کے اختیار سے ہو جائے اور کمزور مسلمانوں کو ظالموں کے ہاتھ سے چھڑانے کا نتیجہ یہی مغفرت ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں لام لام کی ہے معنی یہ ہوگا تاکہ مغفرت کے ساتھ آپ کے لئے نعمت اور فتح مکمل ہو جائے۔ حسین بن فضل نے کہا یہ لام سورۂ محمد میں آیت وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ کے متعلق ہے جس طرح لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ کو الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ کے متعلق کیا ہے تاہم یہ تعبیر حقیقت سے بہت دور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ لام محذوف کلام کے متعلق ہے۔ تقدیر اس طرح ہو گی فَاشْكُرْ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ يا فَاسْتَغْفِرْ لِيَغْفِرَ۔ محمد بن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے کیونکہ انہوں نے یہ کہا کہ یہ اللہ

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

(ا)۔ معاملات اور میل جول میں جو انقطاع تھا وہ بند کھل گیا۔ مترجم (ب) اگلے سال عمرہ کے موقع پر مسلمانوں نے حدود حرم میں قربانیاں کیں۔

(ج) حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں یہاں ایک مبسوط مقالہ تحریر کیا اہل ذوق اس کی طرف رجوع فرمائیں۔ مترجم

تعالیٰ کے فرمان اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ کی طرف راجع ہے۔

۲۔ یعنی وہ تمام لغزشیں جو اعلان نبوت سے پہلے ہوئیں اور وہ تمام لغزشیں جو اس سورت کے نازل ہونے کے بعد ہوں گی اور جن پر عتاب کرنا صحیح ہوگا۔ یہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ حضور ﷺ سے معصیت کا ارتکاب ہوا کیونکہ ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں شمار ہوتی ہیں۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ما تقدم سے مراد وہ اعمال ہیں جو آپ نے اعلان نبوت سے قبل کئے اور ما تاخر سے مراد وہ اعمال ہیں جو آپ نے نہیں کئے۔ یہ کلام تاکید کے لئے بطور ضرب المثل ذکر کی جاتی ہے جس طرح کہا جاتا ہے اس نے جسے دیکھا اسے بھی عطا کیا اور جسے نہیں دیکھا اسے بھی عطا کیا نیز یہ جملہ بھی ذکر کیا جاتا ہے اسے جو ملا اس کو بھی اس نے مارا اور جو نہیں ملا اسے بھی مارا۔ عطا خراسانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ سے مراد آباء واجداد کی لغزشیں ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام، یعنی آپ کی برکت سے ان کے گناہ معاف فرما دیئے اور مَا تَاَخَّرَ سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں(1)

۳۔ اس میں نعمت کو مکمل کرنے، دین کو مکمل کرنے، اسلام کو غالب کرنے، جاہلیت کی علامات کو مٹانے کا وعدہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اطمینان کے ساتھ حج اور عمرہ کریں گے۔ کوئی مشرک ان کے ساتھ اس عبادت میں شریک نہیں ہوگا جس وعدہ کو پورا کرنے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں کیا تھا اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ الخ نعمت کی تکمیل ہی فتح مکہ اور صلح حدیبیہ کا نتیجہ تھی۔

4۔ رسالت کی تبلیغ، حکومت، نبوت اور ریاست کے ضوابط قائم کرنے میں آپ کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یھدیک کا معنی یہ ہے کہ آپ کو ہدایت پر ثابت قدم کرے یا اس کا معنی یہ ہے تا کہ آپ کے لئے فتح کے ساتھ تمام نعمت کو جمع کرے جو مغفرت اور دین میں کمال کی طرف راہنمائی کرنے کی صورت میں ہے۔ اس طرح کہ اس کے بعد دین کا نسخ جائز نہیں۔

وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِيۡزًا ۝

"اور تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہے۔ ۱"

۱۔ اگر یہ کہا جائے کہ يَنۡصُرَكَ اللّٰهُ کا عطف يغفر پر ہے، جبکہ مغفرت فتح پر مرتب ہے (یعنی فتح پہلے ہے اور مغفرت اس کے بعد ہے) خواہ مغفرت کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے اور وسائل صرف کرنے کا نتیجہ قرار دیا جائے یا اسے مقدر شکر اور استغفار کا سبب بنایا جائے تو لازماً مدد کا وقوع فتح کے بعد ہوگا، جبکہ اصل میں معاملہ اس طرح نہیں ہوتا بلکہ نصرت حقیقت میں فتح کا سبب ہوتی ہے اور فتح سے پہلے ہوتی ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیں گے اگر فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے تو صلح اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کے طور پر کی گئی اطاعت اس مدد کا سبب بنی مدد فتح کا سبب بنی اگر اس فتح سے مراد فتح مکہ ہے تو آیت فتح کا وعدہ ہے اور وعدہ نصرت کا سبب ہے اور نصرت فتح سے پہلے ہوتی ہے جو کسی پر بھی مخفی نہیں۔

نَصۡرًا عَزِيۡزًا سے مراد ایسی مدد ہے جس کے ذریعے مدد کیا گیا فرد غالب آ جاتا ہے۔ عزیز کے ساتھ نصر کی صفت مبالغہ کے لئے لائی گئی ہے یا اس سے مراد ایسی مدد ہے جس میں عزت اور غلبہ ہو۔ شیخین نے صحیحین میں، امام ترمذی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا آخر تک اس وقت نازل ہوئی جب آپ حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے، آپ کے صحابہ غمگین اور پریشان تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی جو تمام دنیا کے

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

مقابلہ میں مجھے محبوب ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اسے تلاوت کیا تو ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ جو سلوک کرنے والا ہے اسے آپ پر اس نے ظاہر کر دیا تو مابعد آیت فوزا عظیما تک نازل فرمائی۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

"وہی ہے جس نے اتارا اطمینان کو اہل ایمان کے دلوں میں ۱؎ تا کہ وہ اور بڑھ جائیں (قوت) ایمان میں اپنے (پہلے) ایمان کے ساتھ اور اللہ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے ۲؎ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے ۳؎"

۱؎ یہاں سکینہ سے مراد صلح حدیبیہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں ثابت قدمی اور اطمینان ہے یہاں تک کہ وہ ان مواقع پر بھی ثابت قدم رہے جہاں دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں اور قدم ڈگمگا جاتے ہیں جیسے کفار نے ان کے دلوں میں دور جاہلیت کی حمیت پیدا کرنے کی کوشش کی۔

۲؎ لِيَزْدَادُوْٓا یہ اَنْزَلَ فعل کے متعلق ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ عقیدہ کی مضبوطی کے ساتھ اطمینان قلب میں وہ اضافہ کریں۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیبیہ کے موقع پر ہوا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے خواب کو سچ کر دکھایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو لا الٰہ الا اللہ کی گواہی کے لئے مبعوث فرمایا۔ جب لوگوں نے اس کلمہ کی تصدیق کر دی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پہلے نماز پھر زکوٰۃ پھر روزے پھر حج پھر جہاد کے احکام کے ساتھ اضافہ فرمایا پھر ان کے لئے دین کو مکمل کر دیا۔ جب بھی انہیں کسی چیز کا حکم دیا گیا تو صحابہ نے اس کی تصدیق کی اس طرح ان کی تصدیق میں اضافہ ہوتا رہا (1)

۳؎ اس آیت میں یہ بھی واضح فرمایا کہ حدیبیہ میں صلح کا حکم مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت نے اس کا تقاضا کیا تھا۔

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

"تا کہ داخل کر دے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور دور فرمادے ان سے ان کی برائیوں کو اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے ۱؎"

۱؎ لِّيُدْخِلَ اپنے معطوفات کے ساتھ مل کر لِيَزْدَادُوْٓا کے متعلق ہے یا یہ لِيَزْدَادُوْٓا سے بدل اشتمال ہے یا حرف عطف کے حذف کے ساتھ اس کا معطوف ہے پھر وہ انزل فعل کے متعلق ہے یا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ سے بدل اشتمال ہے پھر بدل مبدل منہ فتحنا کے متعلق ہے اور هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ جنت میں داخل کرنا اور غلطیاں معاف کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ انسان منافع کے حصول اور تکالیف کو دور کرنے کے لئے جن چیزوں کو اپنا مطلوب بناتا ہے ان کی یہ انتہاء

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔

ہے۔ ترکیب کلام میں عِنْدَ اللّٰہِ حال ہے اور فوزا ذو الحال ہے اور یہ مکمل جملہ جملہ معترضہ ہے۔

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝

"اور تاکہ عذاب میں مبتلا کر دے منافق مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو [1] جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں [2]۔ انہیں پر ہے بری گردش [3] اور ناراض ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان پر اور (اپنی رحمت سے) انہیں دور کر دیا ہے اور تیار کر رکھا ہے ان کے لئے جہنم اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے [4]۔"

[1] یعذب کا عطف یدخل پر ہے یہ سکینہ کے نازل کرنے کی علت میں داخل ہے کیونکہ منافق اور کافر مومنوں سے ناراض رہتے تھے اور مومنوں کے دین میں طعن و تشنیع کرتے تھے۔ جب مومنوں نے صلح حدیبیہ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی، ان کفار و منافقین نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی کی، پس ان کو عذاب دینے کا سبب بنی۔ اگر لیدخل، فتحنا فعل کے متعلق ہو تو پھر امر بالکل ظاہر ہے۔

[2] ان کے برے ظن سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ گمان رکھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور مومنوں کی کوئی مدد نہیں فرمائے گا اور حضور ﷺ سلامتی کے ساتھ مدینہ طیبہ نہیں لوٹیں گے یا یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے۔ اس کے دونوں مفعول محذوف ہیں اور ظَنَّ السَّوْءِ یہ مفعول مطلق ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے اور سوء سے پہلے امر کا لفظ محذوف ہے۔ سوء کا معنی کسی شے کا ردی اور فاسد ہونا ہے۔ فعل سوء ایسے عمل کو کہتے ہیں جو فاسد اور قابل نفرت ہو۔

[3] عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ یہ بددعا کا جملہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہلاکت اور عذاب کی مصیبت انہیں پر لوٹا دے گا جس سے وہ بچ نہ سکیں گے یا وہ بدگمانی جو وہ مسلمانوں کے بارے میں رکھتے ہیں اور مسلمانوں کی ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں اس کا عذاب انہیں کی طرف لوٹا دے گا۔ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے السوء کو سین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں تاہم غلبہ استعمال میں فرق ہے کہ جب کسی چیز کی مذمت کا ارادہ کیا جائے تو اسے السوء کی طرف مضاف کرتے ہیں۔ جب سین پر ضمہ ہو تو اس سے مراد برائی ہوتی ہے۔ یہ دونوں اصل میں مصدر ہیں۔

[4] دنیا میں بدگمانی کی وجہ سے وہ جس چیز کے مستحق بنے تھے اس پر اس چیز کا عطف کیا جا رہا ہے جس کے وہ آخرت میں مستحق بنے۔ مصیر سے مراد جہنم ہے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

"اور اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑا دانا ہے [1]۔"

[1] جب سب لشکر اسی کے ہیں تو جو آدمی اللہ تعالیٰ کے نبی اور مومنین سے دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے گا ان کی خفیہ تدبیروں کو ناکام بنا دے گا اللہ تعالیٰ غالب ہے، کفار سے اس کے عذاب کو دور کرنے والا کوئی نہیں اور وہ اپنی ہر تدبیر میں حکمت والا ہے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٨﴾

"بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر (اپنی رحمت کی) خوشخبری سنانے والا (عذاب سے) بروقت ڈرانے والا ۱؎"

۱؎ ک ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے، یعنی اے محمد ﷺ آپ کو آپ کی امت پر گواہ بنا کر بھیجا ہے۔ شَاهِدًا کاف ضمیر سے حال ہے اور اطاعت کرنے والوں کے لئے جنت کی بشارت دینے والا اور نافرمانوں کو جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٩﴾

"تا کہ (اے لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر ۱؎ اور تا کہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو اور پاکی بیان کرو اللہ کی ۲؎ صبح اور شام ۳؎"

۱؎ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے لیؤمنوا غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ اسی طرح وہ تینوں افعال جو اس پر معطوف کئے گئے ہیں ان میں ضمیر تمام لوگوں کے لئے ہے، جبکہ باقی قراء نے چاروں افعال کو غائب کے ساتھ مخاطب کے صیغے پڑھے ہیں، جبکہ خطاب حضور ﷺ اور آپ کی امت کو ہے، پہلے آپ کو اکیلے خطاب فرمایا پھر جمع کے صیغے کے ساتھ خطاب کیا۔ یہ التفات کے مشابہ ہے۔

۲؎ ان تینوں افعال میں منصوب ضمیریں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ تُعَزِّرُوْهُ کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے رسول ﷺ کو قوت یا ہم پہنچاؤ۔ یہ معنی بھی کرنا جائز ہے کہ تمام قوتوں کی نسبت اسی طرف کر دو کسی اور طرف نہ کرو اور اپنی زبانوں سے یہ کہو لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تُعَزِّرُوْهُ اور تُوَقِّرُوْهُ کی منصوب ضمیریں رسول کی طرف لوٹ رہی ہیں اور تُسَبِّحُوْهُ کی منصوب ضمیر اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے پسند نہیں کیا کیونکہ اس میں انتشار ضمائر لازم آتا ہے ہم کہتے ہیں جب قرینہ موجود ہو اور التباس کا اندیشہ نہ ہو تو ضمیروں کو مختلف اسماء کی طرف لوٹانے میں کوئی حرج نہیں۔

۳؎ بُكْرَةً اور اَصِيْلًا تُسَبِّحُوْهُ کے مفعول فیہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہیں یعنی صبح و شام اس کی نماز پڑھو یا اس کا معنی ہے کہ ہمیشہ اس کی پاکی بیان کرو۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٠﴾

"(اے جان عالم) بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے ۱؎ پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہوگا اور جس نے ایفاء کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ سے کیا تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا ۲؎"

۱؎ کاف ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے، یعنی اے محمد ﷺ حدیبیہ کے مقام پر جنہوں نے آپ سے بیعت کی کہ وہ نہیں بھاگیں گے بلکہ وہ اس وقت تک جنگ کریں گے جب تک کہ وہ کامیاب نہ ہو جائیں یا انہیں موت نہ آلے۔ حضور ﷺ کی بیعت کو اللہ تعالیٰ کی بیعت اس لئے قرار دیا کیونکہ حضور ﷺ کی بیعت کا مقصود اللہ تعالیٰ کی بیعت ہی تھا۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یہ جملہ یا تو

حال ہے یا استعارہ تخییلیہ کی بناء پر جملہ مستانفہ ہے اور اس میں قاعدہ مشاکلہ (۱) جاری ہوا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی بیعت کی جارہی ہے اور بیعت کا لفظ ہاتھ میں ہاتھ دینے میں مشہور ہے۔ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرتے وقت آپ کا ہاتھ پکڑتے تھے اور آپ کی بیعت کرتے تھے۔ اس بیعت میں مشاکلہ کی تاکید کے لئے ہاتھ کا تصور کیا گیا، جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات جسم اور اس کے اعضاء ہونے سے پاک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یَدُ اللّٰہِ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو خیر کا وعدہ کیا ہے اس کو پورا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے (1)۔ میں کہتا ہوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تاویل کے مطابق یَدُ اللّٰہِ سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کی کیفیت کا ادراک نہیں کیا جا سکتا اور نہ کسی عضو کے ساتھ اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یَدُ اللّٰہِ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جو اس نے ہدایت کی صورت میں کی ہے جو ان کے بیعت کرنے کے عمل سے فوقیت رکھتی ہے (2) جس کی وضاحت غزوہ حدیبیہ اور بیعت رضوان کی صورت میں کی۔ اس کا سبب وہ روایت ہے جسے عبد بن حمید اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ اور بیہقی نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے، ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن یزید سے محمد بن عمرو نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ امن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ سب نے حلق یا بال کٹوائے ہوئے ہیں۔ آپ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے، آپ نے چابی لی ہوئی ہے اور آپ نے مقام عرفات میں دوسرے لوگوں کے ساتھ وقوف کیا ہوا ہے (3) یہ خواب حدیبیہ کی طرف نکلنے سے پہلے مدینہ طیبہ میں آیا تھا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا اور محمد بن یوسف صالحی نے سبل الرشاد میں اسی طرح کہا۔ مجاہد سے بعض روایات ایسی بھی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر خواب دیکھا، جبکہ صحیح قول پہلا ہے۔ ابن سعد، محمد بن عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ اور دوسرے علماء نے کہا کہ حضور ﷺ نے عربوں اور قریب رہنے والے بادیہ نشینوں کو ساتھ چلنے کی ترغیب دی۔ آپ کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ قریش کہیں جنگ پر آمادہ نہ ہو جائیں اور بیت اللہ شریف کی زیارت سے انہیں روک ہی نہ دیں۔ بہت سارے بدؤں نے ساتھ جانے سے سستی کا مظاہرہ کیا (4)۔ امام احمد، امام بخاری، عبد بن حمید، ابوداؤد، نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے محدثین نے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے عروہ سے، انہوں نے مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے غسل فرمایا، آپ نے سحاک کے بنے ہوئے دو کپڑے زیب تن فرمائے اور دروازے کے پاس سے ہی اپنی اونٹنی قصوی پر سوار ہو گئے۔ حضرت ام سلمہ، ام منیع، اسماء بنت عمرو اور ام عمارہ اشہلیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئیں نیز آپ ﷺ کے ساتھ مہاجرین و انصار بھی سفر پر روانہ ہوئے اور بدوں میں سے جو بھی آپ کے ساتھ شامل ہوا مذکورہ خواب کی وجہ سے اسے فتح کے بارے میں کوئی شک نہ تھا۔ ان کے ساتھ کوئی اسلحہ نہ تھا، صرف ایک تلوار، وہ سامان والے تھیلے میں تھی۔ حضور ﷺ نے ہدی اپنے ساتھ ہانکی۔ آپ مدینہ طیبہ سے چھ ہجری ذی قعدہ کے مہینہ میں پیر کے روز سفر پر روانہ ہوئے۔ آپ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو ظہر کی نماز ادا کی پھر قربانی کے اونٹ منگوائے جن کی تعداد ستر تھی۔ انہیں جلیں پہنائی گئیں پھر آپ نے ان میں سے کئی کا دائیں

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔　2۔ ایضاً　3۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 33 (العلمیہ)　4۔ ایضاً

(۱) کسی چیز کو ایسے لفظ کے ساتھ ذکر کرنا جو اس کے لئے وضع نہ کیا گیا ہو اس طرح ذکر کرنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ساتھ ساتھ واقع ہوتے ہیں جس طرح برائی کی جزاء کو برائی کا نام دیا گیا، مترجم۔

جانب شعار کیا جبکہ، اونٹوں کا منہ قبلہ کی جانب تھا پھر آپ نے ناجیہ بن جندب کو حکم دیا جنہوں نے باقی اونٹوں کا شعار(۱) کیا ان کے گلے میں جوتے لٹکائے مسلمانوں نے بھی اپنے اونٹوں کا شعار کیا اور ان کے گلے میں قلادے ڈالے۔ ان صحابہ کے پاس دو سو اونٹ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بشیر بن سفیان کو اپنا جاسوس بنا کر بھیجا۔ عباد بن بشیر کو بیس گھڑ سواروں کے ساتھ مقدمۃ الجیش بنا کر بھیجا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے اس مقدمۃ الجیش کا امیر سعد بن زید اشہلی تھا پھر آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور ذوالحلیفہ کی مسجد کے دروازے سے سواری پر سوار ہوئے۔ جب آپ کی سواری قبلہ رو ہو کر اٹھی تو آپ نے عمرہ کا احرام باندھا تا کہ لوگ جنگ سے بے خوف ہو جائیں اور لوگ بھی جان لیں کہ آپ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں، آپ نے تلبیہ کہا۔ صحابہ کی اکثریت اور ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے احرام باندھ لیا۔ صحابہ میں سے کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے جحفہ میں جا کر احرام باندھا۔ آپ نے بیداء والا راستہ اپنایا اور مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان بنی بکر، مزینہ اور جہینہ کے بدوی قبائل کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی ساتھ آنے کی دعوت دی مگر وہ اپنے کام کاج میں مشغول رہے اور آپس میں کہنے لگے محمد ﷺ ہمیں ساتھ لے کر ایسی قوم سے جنگ کرنا چاہتے ہیں جو گھوڑوں اور اسلحہ کے ساتھ تیار ہے۔ بے شک محمد ﷺ اور آپ کے ساتھی گوشت کا لقمہ بن جائیں گے۔ محمد ﷺ اور آپ کے ساتھی اس سفر سے کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ یہ ایک ایسی قوم ہے جن کے پاس نہ اسلحہ ہے اور نہ ہی وافر تعداد پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ناجیہ بن جندب آئے جن کے ساتھ بنی اسلم کے کچھ نوجوان تھے، ان کے ساتھ مسلمانوں کی قربانیاں تھیں۔ اسی سفر میں وہ واقعہ بھی پیش آیا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک جنگلی گدھا شکار کیا، آپ نے احرام نہیں باندھا تھا۔ انہوں نے یہ شکار حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، جبکہ آپ ابواء کے مقام پر تھے۔ یہ حدیث سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ جحفہ کے مقام پر پہنچے تو آپ نے ایک درخت کے نیچے پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ اس کے نیچے فروکش ہوئے اور لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا میں تمہارا پیش رو بننے والا ہوں۔ میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے، وہ کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت ہے۔ جب مشرکین مکہ تک یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کے سفر پر روانہ ہو چکے ہیں، وہ اکٹھے ہوئے، باہم مشورہ کیا کہ حضرت محمد ﷺ عمرہ کے بہانے اپنے لشکروں کے ساتھ ہمارے شہر میں زبردستی داخل ہونا چاہتے ہیں۔ عرب سنیں گے کہ آپ ﷺ ہم پر سختی سے داخل ہوئے، جبکہ ہمارے اور ان کے درمیان جنگ جاری ہے۔ اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوگا پھر قریش نے خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے دستہ کا امیر بنا کر کراع الغمیم کی طرف بھیجا۔ خالد بن ولید نے احابیش کے لوگوں کو بھی ساتھ لے لیا اور بنو ثقیف تو ان کے ساتھ کھنچے چلے آئے۔ یہ سب بلدح کے مقام کی طرف نکلے۔ وہاں اپنے خیمے نصب کئے، ان کے ساتھ عورتیں اور نوخیز بچے بھی تھے۔ انہوں نے یہاں لشکروں کو جمع کیا اور اس امر پر پختہ وعدہ کیا کہ حضور ﷺ کو مکہ مکرمہ داخل نہیں ہونے دیں گے اور آپ سے جنگ کریں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اپنے جاسوس متعین کر دیئے، ان کی کل تعداد دس تھی۔ یہ جاسوس اشاروں سے ایک دوسرے کو بتاتے کہ حضرت محمد ﷺ اب یہ کر رہے ہیں، اب یہ کر رہے ہیں یہاں تک کہ بلدح کے مقام پر قریش کو سب اطلاع ہو جاتی۔ بشر بن سفیان جسے رسول اللہ ﷺ نے جاسوس بنا کر بھیجا تھا۔ وہ بھی مکہ مکرمہ سے لوٹ آئے، وہ حضور ﷺ کے پاس عسفان کے پیچھے غدیر اشطاط کے مقام پر پہنچے۔ انہوں نے عرض کی یا

(۱) اونٹوں کی کوہان میں نیزہ مارنا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ قربانی کا اونٹ ہے، مترجم۔

رسول اللہ ﷺ یہ قریش ہیں جنہوں نے آپ کے سفر کے بارے میں سن لیا ہے۔ وہ گھروں سے نکل پڑے ہیں، ان کے ساتھ نوزائیدہ بچے بھی ہیں۔ انہوں نے دشمنی کا اعلان کر دیا ہے، وہ ذی طوی کے مقام پر ڈیرے ڈال چکے ہیں۔ وہ اللہ کی قسمیں اٹھا رہے ہیں کہ وہ کبھی بھی مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ خالد بن ولید کو انہوں نے آگے بھیجا ہے جو کراع الغمیم میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا قریش پر سخت افسوس ہے، جنگیں انہیں کھا چکی ہیں۔ ان کا کیا نقصان ہوتا اگر وہ میرے اور دوسرے عربوں کے درمیان حائل نہ ہوتے۔ اگر عرب مجھ پر غالب آ جاتے تو جس کا انہوں نے ارادہ کیا ہے وہ انہیں اس طرح حاصل ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے عربوں پر غلبہ عطا کر دیتا تو ہماری جماعت میں داخل ہو جاتے اور تعداد میں اضافہ کرتے اور اگر وہ ہماری جماعت میں داخل نہ ہوتے تو وہ جنگ کر لیتے کیونکہ ان میں طاقت موجود ہے۔ قریش کیا خیال رکھتے ہیں اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے مجھے جس پیغام کے ساتھ مبعوث کیا ہے اس پر میں ان سے جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غلبہ عطا فرمادے یا میں اکیلا رہ جاؤں پھر رسول اللہ ﷺ مسلمانوں میں کھڑے ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جو اسے زیبا تھی پھر فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت مجھے مشورہ دو کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ میں ان کے بچوں کی طرف بڑھوں اور انہیں پکڑ لوں اگر وہ بدلہ لینے سے بیٹھ جائیں تو انتقام لئے بغیر بیٹھ جائیں گے اور اگر وہ خاموش رہنے سے انکار کر دیں (یعنی ہم سے جنگ کریں) تو ان میں سے بعض کی اللہ تعالیٰ گردنیں کاٹ دے گا، یعنی اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک جماعت کو ہلاک کر دے گا یا تمہاری یہ رائے ہے کہ ہم نے بیت اللہ شریف کا قصد کیا تھا پھر جو ہمیں بیت اللہ شریف کی زیارت سے روکے گا ہم اس سے جنگ کریں گے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے نکلے تھے، آپ ﷺ کسی سے جنگ و جدال کے لئے سفر پر روانہ نہ ہوئے تھے آپ ﷺ بیت اللہ شریف کا ہی قصد کریں جو ہمیں اس کی زیارت سے روکے گا ہم اس سے جنگ کریں گے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کی موافقت کی(1)۔

ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد گفتگو کی اور کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ ﷺ ہم وہ بات نہیں کریں گے جو بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کی تھی: فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ بلکہ آپ اور آپ کا رب جائے قتال کرلے ہم جنگ میں آپ ساتھ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کا نام لے کر چلو۔ خالد بن ولید اپنے سواروں کے ساتھ اتنا قریب آ گیا یہاں تک کہ اس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو دیکھ لیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ اور قبلہ کے درمیان گھڑ سوار دستے کی صف بندی کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے عباد بن بشیر کو حکم دیا وہ اپنے گھڑ سوار دستے کے ساتھ آگے بڑھے۔ حضرت عباد بن بشیر آگے بڑھے اور خالد بن ولید کے سامنے کھڑے ہوئے اور اپنے ساتھیوں کی صف بندی کر دی۔ ظہر کا وقت ہو گیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان اور اقامت کہی۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی تو خالد بن ولید نے کہا وہ غفلت میں تھے اگر ہم ان پر نماز کی حالت میں حملہ کر دیتے تو ان پر غلبہ پا لیتے لیکن ابھی ایک اور نماز کا وقت آئے گا یہ نماز انہیں اپنی جانوں اور بیٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہے تو جبرئیل امین ظہر اور عصر کی نماز کے درمیان نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ الآیۃ۔ عصر کی نماز کا وقت ہوا تو حضور ﷺ نے صلوٰۃ خوف ادا کی۔ اس کی

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 33 (العلمیہ)

وضاحت سورۂ نساء میں گزر چکی ہے۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی سند سے روایت کی ہے جس کے راوی ثقہ ہیں، وہ ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں اور محمد بن عمر اپنے شیوخ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا جب رسول اللہ ﷺ کو شام ہوگئی تو آپ نے فرمایا حمص کے سامنے سے دائیں طرف چلو کیونکہ خالد بن ولید مقدمۃ الجیش کے طور پر کراع الغمیم میں موجود ہے۔ حضور ﷺ نے خالد بن ولید سے جنگ کرنے کو ناپسند کیا کیونکہ آپ ﷺ صحابہ کرام کے لئے بہت رحم دل تھے۔ آپ نے پوچھا تم میں سے کون ثنیہ ذات حنظل کو پہچانتا ہے۔ بریدہ بن حصیب نے کہا میں جانتا ہوں(1)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے اور ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا ہم حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے۔ جب ہم عسفان کے مقام پر تھے تو ہم رات کے آخری پہر چلے یہاں تک کہ ہم عقبہ ذات الحنظل کے سامنے آگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج کی رات اس گھاٹی کی مثال اس دروازے جیسی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيٓـٰٔتِكُمْ آج رات جو بھی اس گھاٹی سے گزر جائیگا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمیں خوف ہے کہ قریش ہماری جلائی ہوئی آگ دیکھ لیں گے تو حضور ﷺ نے فرمایا وہ تمہیں ہرگز نہ دیکھ سکیں گے۔ جب صبح ہوئی تو حضور ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی پھر آپ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تمام قافلہ والوں کو بخش دیا گیا مگر ایک ایسے شخص کو جو سرخ اونٹ پر ہے (تلاش کیا گیا) تو وہ بنی ضمرہ کا ایک فرد تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے اس سے کہا آؤ ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ آپ ﷺ تیرے لئے بخشش کی دعا کریں۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میں اسے زیادہ پسند کرتا ہوں کہ میں اپنی گم شدہ چیز پالوں بنسبت اس کے کہ آپ کے صاحب میرے لئے بخشش کی دعا کریں۔ اسی اثناء میں ہم سراوع کے ارد گرد پہنچ گئے کہ اس کی اونٹنی کا پاؤں پھسلا تو وہ نیچے گر گیا اور مر گیا کسی کو اس کی موت کا علم تک نہ ہوا یہاں تک کہ درندے اسے کھا گئے۔

مسور بن مخرمہ اور مروان نے کہا جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ کی سواری کا پاؤں زمین پر جا لگا (وہ بیٹھ گئی) لوگوں نے حل حل (ا) پکارا، اونٹنی نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ مسلمانوں نے کہا قصویٰ اڑ گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قصویٰ اڑی نہیں اور نہ ہی اس کی یہ عادت ہے لیکن اسے اسی ذات نے روک دیا ہے جس نے ہاتھی کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا پھر کہا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے آج قریش مجھ سے جو بھی مطالبہ کریں گے میں مان لوں گا بشرطیکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی محرمات کی تعظیم ہو پھر آپ ﷺ نے اونٹنی کو جھڑکا تو اونٹنی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی پھر حضور ﷺ رخ موڑ کر چلے یہاں تک کہ حدیبیہ کے ایک کونے میں جا اترے جہاں حدیبیہ کا تھوڑا سا پانی جمع تھا۔ لوگوں نے اس پانی کو بہت ہی قلیل جانا اور گمان کیا کہ لوگ اسے جلد ختم کر دیں گے۔ تھوڑا وقت بھی نہ گزرا تھا کہ انہوں نے اسے ختم کر دیا۔ لوگوں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں پانی کے کم ہونے کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے اپنے ترکش سے ایک تیر لیا اور حکم دیا کہ اس تیر کو اس جوہڑ کے باقی ماندہ پانی میں گاڑ دو (حکم کی تعمیل کی گئی) پانی اتنا زیادہ ہو گیا یہاں تک کہ لوگ سیر ہو کر لوٹنے لگے۔ مسور نے کہا لوگ کنویں کے

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 37 (العلمیہ)

(ا) یہ لفظ اونٹ کو اٹھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اس کو حَلِ حَلِ یا حَلٍ یا حَلِ حَلْ پڑھتے ہیں۔ (مترجم)

کنارے بیٹھ کر اپنے برتن بھرنے لگے جو آدمی تیر لے کر کنویں میں اترا تھا وہ ناجیہ بن جندب تھا جس کے ذمہ حضور ﷺ کے قربانی کے اونٹ ہانک کر لے جانے کی ذمہ داری تھی۔ محمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مجھے ہیثم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے وہ عطاء بن ابی مروان سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہا مجھے بنی اسلم میں سے چودہ صحابہ کرامؓ نے روایت کیا ہے کہ تیر گاڑنے والا ناجیہ بن عجمہ تھا۔ ناجیہ کہا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس وقت بلایا جب آپ ﷺ کی خدمت میں پانی کی قلت کی شکایت کی گئی۔ آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور مجھے عطا کیا۔ آپ نے اسی کنویں کا پانی منگوایا۔ میں پانی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے وضو کیا، کلی کی پھر ڈول میں کلی والا پانی ڈال دیا، لوگ سخت گرمی کا شکار تھے۔ کنواں صرف ایک ہی تھا کیونکہ مشرکین بلدح میں پہلے ہی ڈیرہ ڈال چکے تھے اور تمام پانیوں پر قبضہ کر چکے تھے فرمایا ڈول لے کر نیچے اتر جانا کنویں میں ڈول الٹ دینا۔ اور تیر اس میں گاڑ دینا میں نے حکم کی تعمیل کی۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں ابھی کنویں سے نکلنے بھی نہ پایا تھا یہاں تک کہ پانی مجھ پر غالب آ گیا۔ کنواں یوں جوش مار رہا تھا جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے یہاں تک کہ وہ کناروں کے برابر ہو گیا اور لوگ اس کے کنارے سے چلو بھر کر پانی پینے لگے(1)

امام احمد، امام بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ اور دوسرے محدثین نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ، ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل ڈول انڈیلنے کا قصہ نقل کیا ہے اس میں تیر کا ذکر نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حدیبیہ کے روز لوگ پیاسے تھے، جبکہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پانی کا پیالہ رکھا تھا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس پانی نہیں جس کے ساتھ ہم وضو کریں اور ہمارے پاس آپ ﷺ کے پیالے کے علاوہ پینے کے لئے بھی پانی نہیں۔ ہم نے (حسب ارشاد) پانی اس برتن میں انڈیل دیا جو آپ کے سامنے پڑا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی چشمے کی طرح ابلنے لگا۔ ہم نے اس سے پانی پیا اور اس سے وضو کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا اس روز تم کتنے تھے؟ کہا ہم اس روز پندرہ سو تھے۔ اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا(2) جب رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ میں اطمینان ہو گیا تو بدیل بن ورقاء آیا جو بعد میں مسلمان بھی ہو گیا۔ اس کے ساتھ بنو خزاعہ کے عمرو بن سالم، حراس بن امیہ، خارجہ بن کوز اور یزید بن امیہ تھے۔ جہاں ملاقات ہوئی وہ بخشی جگہ تھی۔ حضور ﷺ نے انہیں کامل نصیحت کی ان میں سے کچھ مسلمان تھے اور کچھ غیر مسلم تاہم حضور ﷺ سے کوئی چیز چھپا نہیں رہے تھے۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے آپ کو سلام کیا۔ بدیل بن ورقاء نے کہا ہم آپ کی قوم کعب بن لوی اور عامر بن لوی کی طرف سے آئے ہیں۔ انہوں نے احابیش کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکا رکھا ہے جن لوگوں نے آپ کی قوم کی اطاعت کی ہے وہ سب حدیبیہ کے چشموں پر جمع ہو چکے ہیں، ان کے ساتھ نوزائیدہ بچوں کی مائیں اور کم عمر بچے بھی ہیں۔ وہ سب اللہ کی قسم کھا چکے ہیں کہ وہ آپ کو بیت اللہ شریف کی زیارت کی اجازت نہ دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم کسی سے جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے ہم تو بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کے لئے آئے ہیں جو ہمیں زیارت سے روکے گا ہم اس سے جنگ کریں گے۔ قریش کو جنگوں نے پہلے ہی کمزور کر رکھا ہے اگر وہ چاہیں تو ہم ایک مدت کے لئے ان سے معاہدہ

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 39 (العلمیہ) 2۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 292 (الفکر)

کر لیتے ہیں جس میں وہ امن سے رہیں اور ہمارے اور دوسرے عربوں کے معاملات میں دخل نہ دیں، جبکہ دوسرے عربوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اگر دوسرے عرب مجھے اپنی گرفت میں لے لیں تو یہی قریش کی مراد ہے اگر میرا دین لوگوں پر غالب آجائے تو وہ بھی اسی دین میں داخل ہو جائیں جس میں دوسرے لوگ داخل ہوئے ہیں یا وہ میرے ساتھ جنگ کر لیں، جبکہ انہوں نے بہت کچھ جمع کر لیا ہوگا اگر وہ معاہدہ کرنے سے انکار کریں تو میں اپنی کوشش جاری رکھوں گا یہاں تک کہ میری گردن اکیلی رہ جائے (میں شہید کر دیا جاؤں) یا اللہ تعالیٰ اپنا حکم نافذ کر دے (میں کامیاب ہو جاؤں) بدیل نے کہا جو کچھ آپ کہتے ہیں میں آپ کا پیغام ان تک پہنچا دوں گا۔ وہ قریش کے پاس آیا کہا ہم حضرت محمد ﷺ کے پاس سے تمہارے پاس آئے ہیں اور تمہیں ان کے متعلق خبر دیتے ہیں تو عکرمہ بن ابی جہل اور حکم بن عاص جو بعد میں مسلمان ہوئے انہوں نے کہا ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ تو ان کے متعلق ہمیں خبر دے بلکہ تم ہماری طرف سے اسے خبر دو کہ وہ اس سال کسی صورت میں بھی مکہ میں داخل نہ ہو سکیں گے مگر اسی صورت میں کہ ہم میں سے کوئی آدمی بھی باقی نہ رہے۔ اس کے بعد عروہ بن مسعود ثقفی نے انہیں اشارہ کیا کہ وہ بدیل کی بات سنیں اگر اچھی لگے تو قبول کر لیں ورنہ اسے چھوڑ دیں تو صفوان بن امیہ اور حارث بن ہشام جو بعد میں مسلمان ہوئے دونوں نے کہا جو کچھ تم نے سنا وہ بتاؤ تو نبی کریم ﷺ نے جو کچھ کہا تھا وہ اس نے بیان کیا تو عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا اے میری قوم کیا تم میرے بیٹوں جیسے نہیں ہو تو سب نے کہا کیوں نہیں پھر اس نے کہا کیا میں تمہارے باپ جیسا نہیں ہوں سب نے کہا کیوں نہیں۔ عروہ بن مسعود کی عبد شمس کے سات خاندانوں سے رشتہ داری تھی اس نے کہا کیا تم مجھ پر تہمت لگاتے ہو؟ اس نے کہا کیا تم جانتے نہیں کہ میں اہل عکاظ کو تمہارے لئے کھینچ لایا تھا اور جب وہ مدد کرنے سے قاصر رہے تو میں اپنے گھر والوں، بیٹوں اور جنہوں نے میری بات مانی انہیں لے کر تمہارے پاس آ گیا۔ بے شک اس نے تمہارے لئے اچھی بات کہی ہے، اسے مان لو اور مجھے اجازت دو کہ میں حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤں وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے عروہ سے بھی ایسی ہی بات کی جیسی بدیل سے کی تھی تو عروہ نے کہا اے محمد ﷺ مجھے بتاؤ اگر تم اپنی قوم کی جڑ کاٹ دو تو کیا تم نے عربوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی سنا ہے جس نے اپنی اصل کو کاٹا ہو اگر دوسری بات ہو تو اللہ کی قسم تو میں نہیں ایسے لوگ دیکھتا ہوں کہ یہ آپ کو دھوکہ دے جائیں گے اور تجھے چھوڑ جائیں گے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا لات (بت) کی شرمگاہ چوستا رہے کیا ہم بھاگ جائیں گے اور آپ کو چھوڑ دیں گے۔ عروہ نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں تو اس نے کہا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تیرا احسان مجھ پر نہ ہوتا جس کی اطلاع میں نے تجھے بھی نہیں دی تو میں تمہیں ضرور جواب دیتا۔ عروہ بن مسعود نے ایک دیت کی ادائیگی میں مدد طلب کی تھی جو دیت اس نے اپنے ذمہ لی تھی تو کسی آدمی نے دو دو اور کسی نے تین حصے ڈالے تھے، جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دس حصے ڈالے تھے۔ یہ عروہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا احسان تھا۔ عروہ حضور ﷺ سے گفتگو کرنے لگا جب وہ گفتگو کرتا تو وہ حضور ﷺ کی داڑھی مبارک کو پکڑ لیتا۔ مغیرہ بن شعبہ حضور ﷺ کے پاس کھڑے تھے اور ان کے پاس تلوار تھی اور سر پر خود تھا۔ عروہ جب بھی اپنا ہاتھ حضور ﷺ کی داڑھی مبارک کی طرف اٹھاتا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اپنی تلوار عروہ کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے اپنے ہاتھ کو حضور ﷺ کی داڑھی سے دور رکھو کیونکہ کسی مشرک کے لئے جائز نہیں کہ وہ اسے چھوئے۔ عروہ بن مسعود نے اپنا سر اوپر اٹھایا پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ مغیرہ بن شعبہ ہے۔ عروہ نے کہا او دھوکے باز اللہ کی قسم تو نے اپنی وہ نجاست ابھی تک صاف

نہیں کی جو تو نے عکاظ میں کی تھی میں ابھی تک اس کا مزہ چکھ رہا ہوں تو نے ہمیشہ کے لئے ثقیف کے ساتھ ہماری دشمنی پیدا کر دی ہے۔ مغیرہ بن شعبہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کے ساتھ رہے موقع پا کر انہیں قتل کر دیا تھا اور ان کا مال چھین لیا تھا پھر وہ آئے اور اسلام قبول کیا۔ حضور ﷺ نے مغیرہ کو فرمایا تیرا اسلام قبول کرتا ہوں رہا وہ مال میرا اس سے کوئی تعلق نہیں پھر عروہ بن مسعود نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگے اللہ کی قسم حضور ﷺ کے ناک سے ریشہ بھی نہیں نکلتا تھا مگر کوئی صحابی اسے ہاتھ میں لے لیتا، اسے اپنے منہ اور جلد پر مل لیتا جب آپ ﷺ صحابہ کو حکم دیتے تو صحابہ اس کی بجا آوری میں جلدی کرتے جب آپ ﷺ وضو کرتے تو وضو کا پانی لینے میں آپس میں جھگڑ پڑتے جب حضور ﷺ گفتگو کرتے تو آپ کے پاس اپنی آوازوں کو پست رکھتے اور تعظیم کی وجہ سے اپنی نظر اٹھا کر آپ کو نہ دیکھتے۔ عروہ بن مسعود اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا کہا اے قوم اللہ کی قسم میں بادشاہوں کے پاس وفد کی صورت میں گیا۔ قیصر، کسریٰ اور نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے کسی ایسے بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی تعظیم صحابہ کرام حضور ﷺ کی کرتے ہیں اللہ کی قسم ان کے ناک سے ریشہ بھی نہیں نکلتا مگر وہ کسی صحابی کے ہاتھ میں ہوتا ہے جسے وہ اپنے منہ اور جسم پر مل لیتا ہے۔ جب آپ ﷺ صحابہ کو حکم دیتے ہیں تو جلدی سے آپ کے حکم کی تعظیم کرتے ہیں، جب آپ وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی حاصل کرنے کے لئے لوگ آپس میں لڑ پڑتے ہیں، جب آپ گفتگو کرتے ہیں تو اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اور تعظیم کی وجہ سے اپنی نظر اوپر نہیں اٹھاتے۔ انہوں نے تمہارے سامنے ایک اچھی بات کی ہے اسے قبول کرلو۔ قریش نے کہا ایسا کسی صورت میں بھی نہیں ہو سکتا لیکن تم اس سال انہیں واپس کر دو اور اگلے سال وہ آ جائیں۔ عروہ نے کہا میں یہی خیال کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی بہت بڑی مصیبت پہنچنے والی ہے پس عروہ خود اور اس کے دوسرے ساتھی طائف واپس چلے گئے۔

حلیس بن علقمہ اٹھا وہ ان دنوں احابیش کا سردار تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا فرمایا یہ ایسی قوم ہے جو قربانی کے جانوروں کی بڑی تعظیم کرتی ہے اور یہ لوگ خدا پرست ہیں۔ قربانی کے جانور اس کے سامنے سے گزارو تا کہ یہ خود انہیں دیکھ لے جب اس نے قربانی کے جانور دیکھے جو وادی کے عرض سے سیلاب کی مانند آ رہے تھے جن کی گردنوں میں قلادے ہیں زیادہ دیر روکنے کی وجہ سے ان کے بال اڑ چکے ہیں تو جو کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کی تعظیم کی خاطر حضور ﷺ سے ملاقات کئے بغیر قریش کی طرف واپس لوٹ گیا اور قریش سے کہا اے قریش کی جماعت میں وہ کچھ دیکھ آیا ہوں جس کا روکنا حلال نہیں قربانی کے جانوروں کے گلے میں قلادے ہیں زیادہ دیر روکنے کی وجہ سے ان کے بال گر چکے ہیں۔ قریش نے کہا تو بیٹھ جا تو بدو ہے تجھے کچھ علم نہیں۔ یہ سن کر حلیس سخت غصے ہو گیا اور اس نے کہا اے جماعت قریش اللہ کی قسم ہم نے تم سے اس بات کا معاہدہ نہ کیا تھا اور نہ ہی تم سے یہ عہد کیا تھا کہ تم اسے روک دو جو تمہارے پاس بیت اللہ شریف کی تعظیم بجالاتے ہوئے آئے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں حلیس کی جان ہے یا تو تم محمد ﷺ اور ان کے ارادہ میں حائل نہیں ہو گا یا ہم احابیش سب فوراً یہاں سے چلے جائیں گے تو قریش نے کہا اے حلیس چھوڑ دو چھوڑ دو ہمیں مہلت دو تا کہ ہم اپنے لئے وہ فیصلہ کر لیں جو ہمیں پسند ہو تو انہیں میں سے ایک آدمی اٹھا جسے مکرز بن حفص کہتے کہا مجھے اس کے پاس جانے کی اجازت دو۔ قریش نے کہا ٹھیک ہے تم بھی ہو آؤ۔ جب مکرز صحابہ کے سامنے آیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ مکرز ہے، یہ دھوکے باز اور فاجر آدمی ہے جب حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو حضور ﷺ نے اس سے اسی طرح کلام کی جس طرح بدیل اور عروہ سے کلام کی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا تو مکرز

نے قریش کو وہ کچھ بتایا جو رسول اللہ ﷺ نے اسے جواب دیا تھا۔ محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر رحمہما اللہ تعالیٰ اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قریش کی طرف خراش بن امیہ کو اپنے اونٹ پر بھیجا جس اونٹ کا نام ثعلب تھا تاکہ قریش کے اشراف کو اس مقصد سے آگاہ کریں جس مقصد کے لئے حضور ﷺ نے یہ سفر کیا تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور خراش بن امیہ کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ احابیش نے قریش کو اس سے روکا اس کی وجہ سے قریش نے خراش کو جانے دیا وہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور تمام واقعہ عرض کیا(1)۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب حضور ﷺ حدیبیہ میں فروکش ہوئے تو قریش سخت پریشان ہوئے۔ حضور ﷺ نے صحابہ میں سے ایک کو اپنا سفیر بنا کر مکہ بھیجنا چاہا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا تاکہ انہیں قریش کے پاس بھیجیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے قریش سے اپنی ذات کے بارے میں خوف ہے، مجھے قریش سے جو عداوت ہے سب قریش اسے جانتے ہیں اور بنی عدی کا مکہ مکرمہ میں ایسا کوئی آدمی بھی نہیں جو میرا دفاع کر سکے لیکن میں ایک ایسے آدمی کے بارے میں آپ کو بتاتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں میری نسبت زیادہ معزز اور محفوظ ہے اور وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، انہیں فرمایا قریش کے پاس جاؤ اور انہیں بتاؤ ہم جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے، ہم عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ قریش کو اسلام کی دعوت دو۔ حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ وہ مکہ مکرمہ میں مقیم مومن مردوں اور مومن عورتوں کے پاس بھی جائیں اور انہیں فتح کی خوشخبری سنائیں اور انہیں یہ بھی بتائیں کہ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ میں اپنے دین کو غالب کرے گا یہاں تک کہ کوئی بھی یہاں اپنے دین کو نہیں چھپائے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریش کی طرف چل پڑے۔ آپ بلدح سے قریش کے سواروں کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے آپ سے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں اسلام اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دوں تاکہ تم سب اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرنے والا اور اپنے نبی کو عزت دینے والا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم خود آپ کی مخالفت سے رک جاؤ، کوئی اور اس معاملہ کو ہاتھ میں لے لے۔ اگر وہ رسول اللہ ﷺ پر غالب آ جائے تو تمہارا مقصود بھی یہی تھا۔ اگر رسول اللہ ﷺ اس پر غالب آ جائیں تو تمہیں اختیار ہوگا کہ تم بھی دوسرے لوگوں کی طرح اس دین میں داخل ہو جاؤ یا تم آپ سے جنگ کر لینا، جبکہ تمہارے پاس مال وافر ہو چکا ہوگا۔ کیونکہ جنگ نے تمہیں کمزور کر دیا ہے اور تمہارے عظیم لوگوں کو اپنی گرفت میں لے چکی ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو خبر دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کسی سے جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے بلکہ آپ ﷺ تو عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں، ان کے ساتھ ھدی کے جانور ہیں جن کے گلے میں قلادے ہیں، جن جانوروں کو آپ یہاں ذبح کریں گے اور پھر واپس چلے جائیں گے۔ قریش نے کہا جو کچھ تم کہتے ہو ہم نے سن لیا یہ کبھی بھی نہ ہو سکے گا۔ اپنے ساتھی کی طرف واپس چلے جاؤ اور انہیں بتا دو کہ وہ ہم تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ابان بن سعید جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ابان نے آپ رضی اللہ عنہ کو خوش آمدید کہا اور آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور کہا اپنے کام میں کوئی کوتاہی نہ کریں پھر اپنے گھوڑے سے اترا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو زین پر سوار کیا اور خود پیچھے بیٹھ گیا اور آپ رضی اللہ عنہ

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 43 (العلمیہ)

سے کہا آ جاؤ، کسی سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سعید کے بیٹے حرم میں بڑے معزز سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ آ گئے اور قریش کے سرداروں میں سے ایک ایک کے پاس آئے۔ سب نے یہی جواب دیا کہ حضرت محمد ﷺ کبھی بھی یہاں داخل نہ ہو سکیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ ان مومن مردوں اور عورتوں کے پاس بھی تشریف لے گئے جو مکہ مکرمہ میں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور کہا بے شک رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں فتح مند ہو کر تمہارے پاس آنے والا ہوں یہاں تک کہ مکہ میں کوئی بھی اپنے ایمان کو چھپانے والا نہیں ہوگا تو سب مومن خوش ہو گئے اور عرض کیا کہ ہمارا اسلام حضور ﷺ کو پہنچانا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیغام رسانی کے فریضہ سے فارغ ہوئے تو قریش کے سرداروں نے کہا اگر تم چاہو تو بیت اللہ شریف کا طواف کر لو تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کریں میرے لئے طواف کرنا مناسب نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں تین دن تک رہے اور قریش کو دعوت دیتے رہے۔ مسلمانوں نے کہا، جبکہ وہ حدیبیہ میں موجود تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان سے بیت اللہ شریف کی طرف چلے گئے ہیں وہ وہاں طواف کر لیں گے تو حضور ﷺ نے فرمایا اگر وہ اس حالت میں ایک سال تک رہتے ہیں وہ اس وقت تک طواف نہ کریں گے یہاں تک کہ میں طواف نہ کروں۔ حضور ﷺ نے رات کے وقت نگہبانی کرنے کا حکم دیا۔ تین صحابہ باری باری یہ فریضہ سرانجام دیتے تھے، اوس بن خولی، عباد بن بشر اور محمد بن سلمہ۔ ایک رات محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی نگہبانی کر رہے تھے۔ جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں تھے تو قریش نے پچاس آدمیوں پر مشتمل ایک دستہ بھیجا جن کا امیر مکرز بن حفص تھا۔ انہیں یہ کہا گیا تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ارد گرد چکر لگائیں، موقع پائیں تو حملہ کر دیں۔ محمد بن مسلمہ نے انہیں پکڑ لیا اور حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لے آیا۔ اس واقعہ سے حضور ﷺ کا وہ ارشاد ہر کسی پر ظاہر ہو گیا کہ وہ ایک دھوکے باز آدمی ہے۔ مسلمانوں میں سے کچھ افراد حضور ﷺ کی اجازت سے مکہ مکرمہ گئے تھے جن میں کرز بن جابر فہری، عبد اللہ بن سہیل بن عمرو بن عبد شمس، عبد اللہ بن حذافہ سہمی، ابو الروم بن عمیر بن عمرو، عمیر بن وہب جمحی، حاطب بن ابی بلتعہ اور عبد اللہ بن ابی امیہ یہ سب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امان میں داخل ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ خفیہ طریقہ سے داخل ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں پتہ چل گیا اس لئے یہ صحابہ پکڑے گئے قریش کو بھی یہ خبر پہنچ گئی کہ ان کے ساتھی قید کر دیئے گئے ہیں۔ یہ وہ افراد تھے جنہیں محمد بن سلمہ نے پکڑا تھا۔ قریش کی ایک جماعت حضور ﷺ اور صحابہ کی طرف آئی یہاں تک کہ انہوں نے تیر اور پتھر پھینکے۔ مسلمانوں نے ان میں سے بھی بارہ سواروں کو گرفتار کر لیا اور مسلمانوں میں سے ابن زنیم شہید ہو گئے۔ حدیبیہ کی ایک پہاڑی پر یہ چڑھ گئے تھے۔ مشرکین نے انہیں تیر مارے اور انہیں شہید کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر بھی پہنچی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا ہے تو حضور ﷺ نے صحابہ کو بیعت کرنے کی دعوت دی۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ رضی اللہ عنہ سے، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے اور محمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیوخ سے نقل کیا ہے کہ سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا اسی اثناء میں کہ جب ہم قیلولہ کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک منادی کرنے والے نے ندا کی اے لوگو بیعت کرو، بیعت کرو۔ جبرئیل امین حاضر ہوئے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے نام پر باہر نکلو(1)۔ صحیح مسلم میں سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے میں نے بیعت کی

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 6، صفحہ 134 (العلمیہ)

پھر دوسرے لوگوں نے بیعت کی یہاں تک کہ جب آدھے لوگ بیعت کر چکے تو حضور ﷺ نے فرمایا اے سلمہ بیعت کرو۔ میں نے عرض کی میں تو بیعت کر چکا ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا پھر بیعت کرو۔ میں نے پھر بیعت کی پھر لوگوں نے بیعت کی یہاں تک کہ جب لوگ ختم ہونے والے تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا اے سلمہ کیا تو بیعت نہیں کرے گا؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے سب سے پہلے اور پھر لوگوں کے درمیان بیعت کی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر بیعت کرو تو میں نے تیسری دفعہ بیعت کی (1)۔

صحیح بخاری میں سلمہ سے ہی مروی ہے آپ سے پوچھا گیا تم کس چیز پر حضور ﷺ کی بیعت کرتے تھے؟ تو حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم موت پر آپ ﷺ کی بیعت کرتے تھے (2)۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور آپ ﷺ ایک پھل دار درخت کے نیچے تشریف فرما تھے (3) تو جد بن قیس انصاری کے علاوہ ہم سب نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، وہ اونٹ کے نیچے چھپ گیا تھا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے اور ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن حبیش رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا تو سب سے پہلے ابو سنان اسدی پہنچا تو اس نے کہا اپنا ہاتھ آگے بڑھائیے تاکہ میں آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کروں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے ہاتھ پر اس چیز پر بیعت کر جو تیرے دل میں ہے (4)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ زائد ذکر کیا ہے کہ ابو سنان نے پوچھا میرے دل میں کیا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا میں آپ کے سامنے تلوار چلاتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں غالب کر دے یا مجھے شہید کر دیا جائے تو حضرت ابو سنان رضی اللہ عنہ نے آپ سے بیعت کی اور لوگوں نے بھی ابو سنان والی بیعت کی۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان کا حکم دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے قاصد کے طور پر مکہ مکرمہ کے مکینوں کے پاس گئے ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیرے اور تیرے رسول کے کام میں مصروف ہے تو پھر آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر مارا اور کہا یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے حضور ﷺ کا ہاتھ ان کے اپنے ہاتھوں سے بہتر تھا۔ قریش نے سہیل بن عمرو، حویطب بن عزی (یہ دونوں بعد میں مسلمان ہوئے) اور مکرز بن حفص کو حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بھیجا تو سہیل نے کہا آپ کے جن ساتھیوں کو روکا گیا ہے اور جنہوں نے آپ سے قتال کیا ہے وہ ہم میں سے کسی صاحب رائے کا عمل نہیں۔ ہم اسے ناپسند کرتے ہیں، ہمیں اس کا پہلے علم تک نہ تھا۔ یہ سب ہمارے بے وقوف لوگ تھے۔ آپ نے پہلی دفعہ اور دوسری دفعہ جو ہمارے ساتھی گرفتار کیے ہیں وہ ہماری طرف بھیج دیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کی شہادت کی جو خبر تھی وہ سب جھوٹی ثابت ہو چکی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں انہیں اس وقت تک آزاد نہیں کروں گا جب تک تم میرے ساتھی نہیں چھوڑ دو گے تو قریش کے وفد نے کہا آپ نے انصاف کی بات کی ہے تو سہیل اور اس کے ساتھیوں نے شتیم بن عبد مناف تیمی کو بھیجا تو قریش نے ان آدمیوں کو چھوڑ دیا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دس دوسرے افراد تھے تو رسول اللہ ﷺ نے قریش کے ان آدمیوں کو چھوڑ دیا جنہیں صحابہ نے

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 113 (قدیمی)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 113 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح مسلم، جلد 13، صفحہ 3 (العلمیہ)
4۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 6، صفحہ 137 (العلمیہ)

گرفتار کیا تھا۔ صحیحین میں سہیل بن حنیف سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سنن کے ہاں مروان بن حکم سے مروی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی مکہ مکرمہ میں آئے تو سہیل بن عمر، حویطب اور مکرز قریش کے پاس واپس گئے تو انہوں نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو سب کچھ بتایا کہ کس طرح نبی کریم ﷺ کے صحابہ بیعت کرنے میں جلدی اور جنگ کے لئے تیار ہوئے تو یہ ان پر بڑا شاق گزرا تو ان میں سے صاحب رائے نے کہا اس سے بہتر کوئی چیز نہیں کہ تم حضرت محمد ﷺ سے اس بات پر صلح کرو کہ اس سال وہ واپس چلے جائیں اور بیت اللہ شریف تک نہ آئیں تاکہ عربوں میں سے جنہوں نے آپ کے سفر کے بارے میں سنا ہے وہ یہ بھی سن لیں کہ ہم نے انہیں روک دیا ہے۔ وہ اگلے سال آئیں، وہ تین دن تک یہاں رہیں، وہ قربانی کے جانور ذبح کریں اور واپس چلے جائیں تو تمام نے اس رائے پر اتفاق کیا۔ انہوں نے سہیل سے کہا کہ تم حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کرو اور صلح میں یہ شرط ہونی چاہئے کہ وہ اس سال مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوں گے اللہ کی قسم عرب یہ باتیں نہ کریں کہ ہم پر زبردستی داخل ہو گئے ہیں۔ سہیل حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا جب انہوں نے سہیل کو بھیجا ہے تو گویا انہوں نے صلح کا ارادہ کر لیا ہے۔ ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملے کو آسان کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ چوکڑی مار کر بیٹھ گئے۔ عباد بن بشیر، سلمہ اور اسلم آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے، پہلے دونوں لوہے میں چھپے ہوئے تھے۔ سہیل اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اس نے رسول اللہ ﷺ سے کلام کی اور طویل گفتگو کی۔ دونوں طرف سے سوال و جواب ہوتے رہے کبھی آوازیں بلند ہو جاتیں اور کبھی پست ہو جاتیں۔ عباد بن بشیر نے سہیل سے کہا رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اپنی آواز کو پست رکھو۔ بات چلتی رہی یہاں تک کہ لوگوں میں صلح ہو گئی آؤ ہم آپس میں معاہدہ لکھ لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو بلایا[1] جس طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں براء کی حدیث ہے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سہیل نے کہا رحمن رحیم اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے؟ بلکہ یہ لکھو باسمک اللّٰھم جس طرح تم لکھتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا اللہ کی قسم تو نہیں لکھے گا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا لکھو باسمک اللّٰھم پھر حضور ﷺ نے فرمایا لکھو یہ وہ معاہدہ ہے جس کا فیصلہ محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے تو سہیل نے کہا اللہ کی قسم اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتے اور نہ ہی آپ سے جنگ کرتے بلکہ محمد بن عبد اللہ لکھو تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا رسول اللہ کے لفظ کو مٹا دو تو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں مٹانے والا کون ہوتا ہوں[2]۔ محمد بن عمران نے ذکر کیا ہے کہ اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا کہ وہ محمد رسول اللہ ہی لکھیے ورنہ ان کے درمیان اور ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ آوازیں بلند ہونے لگیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے دکھاؤ۔ حضرت علی نے وہ الفاظ آپ کو دکھائے تو نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھوں کے ساتھ اسے مٹا دیا اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا محمد بن عبد اللہ لکھو۔ براء کی حدیث کی بعض اسناد میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خط لے لیا آپ اچھی طرح نہیں لکھ سکتے تھے تو لکھا یہ وہ معاہدہ ہے جو حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو نے فیصلہ کیا ہے۔ اس امر پر صلح کی گئی کہ دس سال تک باہم جنگ نہیں ہوگی جس میں لوگ بے خوف رہیں گے اور بعض بعض سے اپنے آپ کو روک لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 51 (العلمیہ)

2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 330 (صادر)

سہیل سے فرمایا کہ ہمیں بیت اللہ تک جانے دو وہاں ہم بیت اللہ شریف کی زیارت کریں گے۔ سہیل نے کہا ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا اللہ کی قسم لیکن آپ اگلے سال آ سکتے ہیں تو اسے لکھ لیا گیا۔ سہیل نے کہا ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہمارے افراد میں سے کوئی فرد اپنے ولی کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس نہیں آ سکے گا اگر چہ وہ آپ کے دین پر ہی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ آپ کے پاس آئے گا تو آپ ہمیں واپس کر دیں گے۔ مسلمانوں نے کہا سبحان اللہ کیا یہ بھی معاہدہ میں لکھا جائے گا اسے مشرکوں کی طرف کیسے لوٹایا جا سکتا ہے، جبکہ وہ مسلمان ہو کر ہمارے پاس آ چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں ایسے ہی ہوگا ہم میں سے جو ان کے پاس جائے گا اللہ تعالیٰ نے اسے ہم سے دور کر دیا اور ان میں سے جو ہمارے پاس آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راہ کھول دے گا۔

براء نے کہا حضور ﷺ نے تین شرطوں پر صلح کی تھی کہ مشرکوں کا کوئی رشتہ دار مسلمانوں کے پاس آئے گا تو حضور ﷺ اسے واپس کر دیں گے اور مسلمانوں میں سے جو مشرکوں کے پاس چلا جائے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔ تیسری شرط یہ تھی کہ مسلمان اگلے سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے وہاں تین دن قیام کریں گے اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت اسلحہ تلوار، تیر کمان وغیرہ غلاف میں رکھیں گے۔ صلح اس شرط پر واقع ہوئی کہ یہ صلح مشرکین مکہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان بند صندوق میں ہوگی نہ اس میں کوئی چیز چوری چھپے داخل کی جائے گی اور نہ ہی اس میں خیانت کی جائے گی اور اس معاہدہ میں یہ بھی شامل تھا کہ جو چاہے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کر لے اور جو چاہے قریش کے ساتھ معاہدے میں شامل ہو جائے۔ خزاعہ نے کہا ہم حضور ﷺ کے ساتھ معاہدے میں شریک ہیں اور بنو بکر نے کہا ہم قریش کے ساتھ معاہدے میں شریک ہیں۔ جب صلح کی بات ہو چکی صرف تحریر باقی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں، حضور نے فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کی کیا ہم حق پر نہیں اور وہ باطل پر نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کی کیا ہمارے مقتول جنت میں نہیں ہوں گے اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں ہوں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں، عرض کی آپ کیوں ہمارے دین میں یہ کمزوری دے رہے ہیں کہ ہم لوٹ جائیں گے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں میں اس کی نافرمانی ہرگز نہ کروں گا اور وہ مجھے ضائع نہیں کرے گا۔ عرض کی کیا آپ ﷺ ہمیں یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم بیت اللہ شریف جائیں گے اور ہم یقیناً طواف کریں گے فرمایا بات بالکل اسی طرح ہے فرمایا کیا میں نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ ہم اسی سال بیت اللہ شریف آئیں گے۔ عرض کی ایسا تو نہیں کہا تھا فرمایا تم اس میں آؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے کے عالم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور صبر نہ آیا پوچھا اے ابوبکر کیا آپ ﷺ نبی برحق نہیں، فرمایا کیوں نہیں پوچھا کیا ہم حق پر نہیں اور وہ باطل پر نہیں، فرمایا کیوں نہیں۔ پوچھا کیا ہمارے مقتول جنت میں نہیں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں، فرمایا کیوں نہیں تو پوچھا پھر ہمیں کیوں دین میں ضعف دیا جا رہا ہے ہم اس حال میں لوٹ جائیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے انسان وہ اللہ کے رسول ہیں، وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کا حامی اور مددگار ہے تم مرتے دم تک ان کا دامن پکڑے رہو اللہ کی قسم وہ حق پر ہیں۔ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں وہ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ پوچھا کیا آپ ہمیں یہ نہیں بتاتے تھے کہ آپ بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں تو کیا حضور ﷺ نے تجھے یہ بتایا تھا کہ تو اسی سال بیت اللہ شریف میں آئے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نے یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک تو بیت اللہ شریف آئے گا اور اس کا طواف کرے گا۔ یہ شرائط حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بڑی شاق گزریں (1)۔ جس طرح صحیح میں ہے جب سے میں مسلمان ہوا مجھے کبھی شک نہیں گزرا مگر اس روز مجھے شک نے گھیر لیا۔ اسی وجہ سے وہ بار بار حضور ﷺ پر اپنی بات لوٹاتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابن خطاب رضی اللہ عنہ جو کچھ تم کہتے ہو ہم تو اس کے بارے میں کہتے ہیں نعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں بھی شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنے لگا۔

ابن اسحاق اور ابوعمر واسلمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں لگاتار صدقے کرتا رہا، روزے رکھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا اس غلطی کی وجہ سے جو میں نے اس روز کی تھی۔ امام احمد، امام نسائی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وہی روایت کیا ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ ان نے کہا اسی اثناء میں جب ہم بات چیت کر رہے تھے کہ تیس نوجوان ہم پر حملہ آور ہو گئے جو مکمل مسلح تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہرہ کر دیا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا کر دیا۔ ہم ان کی طرف اٹھے اور انہیں پکڑ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کیا تم کسی سے عہد کر کے آئے ہو یا تمہیں کسی نے امان دی ہے۔ انہوں نے کہا اس میں سے کوئی بھی بات نہیں تو حضور ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ (2)۔ امام احمد، امام مسلم اور ابن ابی شیبہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جبل تنعیم کی جانب سے مکہ مکرمہ کے اسی مسلح افراد رسول اللہ ﷺ پر حملہ کرنے کے لئے اتر پڑے۔ وہ اچانک حضور ﷺ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ حضور ﷺ نے ان کے حق میں بددعا کی تو انہیں پکڑ لیا گیا تو پھر حضور ﷺ نے انہیں معاف کر دیا (3)۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث مروان اور مسعود سے مروی ہے۔ امام مسلم، امام احمد اور عبد بن حمید رحمہم اللہ تعالیٰ نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہا جب میں نے ابن زنیم کی شہادت کی خبر سنی تو میں تلوار سونت کر چار مشرکوں کی جانب گیا وہ سوئے ہوئے تھے۔ میں نے ان کا اسلحہ قبضہ میں لے لیا اور انہیں ہانکتا ہوا حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لے آیا (4) تو اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ الآیہ۔ لوگ اسی طرح موجود تھے کہ ابو جندل جو سہیل بن عمر کا بیٹا تھا بیڑیوں میں جکڑا ہوا وادی کے نشیب سے آپہنچا اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا۔ ان کے باپ سہیل نے انہیں بیڑیوں میں جکڑ دیا تھا اور قید میں ڈال رکھا تھا۔ مسلمان اسے مبارکباد اور خوش آمدید کہنے کے لئے آگے بڑھے۔ جب ان کے باپ سہیل نے اسے دیکھا تو ان کی طرف اٹھا اور کانٹے دار ٹہنی ان کے منہ پر ماری اور اس کا گریبان پکڑ لیا اور کہا اے محمد ﷺ یہ پہلا آدمی ہے جس کی واپسی کا میں تم سے مطالبہ کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابھی تو تحریر مکمل نہیں ہوئی۔ سہیل نے کہا اللہ کی قسم تو پھر میں کسی چیز پر مصالحت نہیں کروں گا۔ حضور ﷺ نے سہیل کو فرمایا اسے میری نگہبانی میں دے دو۔ سہیل نے کہا میں اسے آپ کی نگہبانی میں نہیں دوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں، ایسا کر دو۔ سہیل نے کہا میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا تو مکرز اور حویطب نے کہا ہم آپ کی طرف سے اسے اپنی نگہبانی میں لیتے ہیں تو دونوں نے اسے پکڑ لیا، خیمے میں داخل ہوئے اور اسے پناہ دی۔ ان کا باپ سہیل ان سے

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 54 (العلمیہ)　2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 87 (صادر)
3۔ صحیح مسلم، جلد 12، صفحہ 158 (العلمیہ)　4۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 49 (صادر)

لاتعلق ہو گیا۔ ابوجندل نے کہا اے مسلمانوں کی جماعت کیا مجھے مشرکین کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا میں تو مسلمان بن کر تمہارے پاس آیا تھا جو کچھ مجھ پر گزر رہی ہے کیا تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے انہیں سخت اذیتیں دی گئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے کہا ابوجندل صبر کرو اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے ساتھ کمزور مسلمانوں کے لئے کوئی نہ کوئی راہ پیدا کرے گا۔ ہم نے اس قوم کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا ہے ہم نے انہیں اور انہوں نے ہمیں عہد و پیمان دیا ہے اب ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ابوجندل کی طرف چل کر گئے اسے فرمایا صبر کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک یہ مشرک ہیں اور ان کا خون کتے کے خون کے برابر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار کا دستہ اس کے قریب کرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے امید تھی کہ وہ تلوار پکڑ لے گا اور اپنے باپ کو مار ڈالے گا۔ ابوجندل کو باپ کے سپرد کر دیا گیا۔

نبی کریم ﷺ کے صحابہ بڑے خوش تھے اور انہیں مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بارے میں کوئی شک نہ تھا کیونکہ حضور ﷺ نے اس بارے میں اپنے خواب کا ذکر کیا تھا۔ جب انہوں نے صلح اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے بغیر واپسی کا معاملہ دیکھا تو لوگوں پر یہ امر بڑا شاق گزرا۔ وہ تو مرے جاتے تھے، ابوجندل کے معاملہ نے تو ان کی پریشانی میں مزید اضافہ کر دیا۔ جب صلح کا معاملہ مکمل ہو گیا تو مسلمانوں اور مشرکوں کی جانب سے کچھ لوگوں نے گواہی دی ان میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن سہیل بن عمرو، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت محمود بن مسلمہ، حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم اور مکرز بن حفص جو مشرک تھا۔ جب آقائے دو عالم ﷺ معاہدہ کی تحریر سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اٹھو اور اپنی قربانیوں کو ذبح کرو پھر حلق کراؤ تو اللہ کی قسم کوئی آدمی بھی نہ اٹھا یہاں تک کہ آپ نے یہ بات تین دفعہ کہی۔ حضور ﷺ پر صحابہ کا یہ طرز عمل بڑا شاق گزرا تو آپ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں داخل ہوئے فرمایا مسلمان ہلاک ہو گئے میں نے انہیں جانور ذبح کرنے اور حلق کرانے کا حکم دیا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ انہیں ملامت نہ کریں ان پر اس صلح اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے بغیر واپس لوٹنے کی وجہ سے امر عظیم آن پڑا ہے جس کے نتیجہ میں آپ کو بھی یہ پریشانی دیکھنی پڑی اے اللہ کے نبی آپ باہر تشریف لے جائیں کسی سے کوئی بات نہ کریں یہاں تک کہ آپ اپنی قربانی ذبح کریں، حلق کرنے والے کو بلائیں وہ آپ کا حلق کر دے۔ آپ باہر تشریف لے گئے، آپ نے کسی سے کوئی کلام نہ کیا یہاں تک کہ آپ نے اپنی قربانی کو ذبح کیا، جبکہ بلند آواز سے (بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ اَكْبَر) تکبیر کہی۔ اپنے حلق کرنے والے کو بلایا اس نے آپ کا حلق کیا۔ جب صحابہ نے آپ کو یہ کرتے ہوئے دیکھا وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور قربانیوں کو ذبح کیا۔ صحابہ نے ایک دوسرے کا حلق کرنا شروع کر دیا قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے کو زخمی کر دیں۔ حضرات ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا حدیبیہ کے روز کچھ صحابہ نے حلق کرایا اور دوسروں نے قصر کرایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حلق کرانے والوں پر رحم فرمائے۔ لوگوں نے عرض کی قصر کرانے والوں پر بھی فرمایا حلق کرانے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ عرض کی اور قصر کرانے والوں پر بھی تو حضور ﷺ نے فرمایا اور قصر کرانے والوں پر بھی۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا وجہ ہے کہ آپ نے حلق کرانے والوں کے لئے رحمت کی طلب میں اضافہ کیا فرمایا کیونکہ انہیں کوئی شک نہیں رہا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کی وجہ یہ بنی کہ بعض لوگوں نے انتظار کیا تھا کہ شائد ہم طواف کر لیں۔ حضور ﷺ حدیبیہ میں انیس دن رہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے بیس راتیں رہے۔ یہ قول محمد بن عمرو نے ایام مقام حدیبیہ میں ذکر کیا ہے۔

حضور ﷺ نے کعب بن عجرہ سے فرمایا جب کہ آپ نے اس کے چہرے سے جوئیں گرتی ہوئی دیکھ لی تھیں، جبکہ صحابہ صلح سے پہلے محصر ہو چکے تھے۔ فرمایا کیا یہ جوئیں تجھے اذیت دیتی ہیں۔ عرض کی جی ہاں! حضور ﷺ نے اسے حلق کرانے اور روزوں، صدقہ یا قربانی کی صورت میں فدیہ دینے کا حکم دیا۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ الآیۃ من البقرة وہاں ہم نے احصار، عذر کی صورت میں بال منڈوانے اور جو اس کے متعلق مسائل تھے ان کا ذکر کر دیا ہے۔(1)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، بزار، طبرانی اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی جیش محمد بن عمر رضی اللہ عنہ اور اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ حدیبیہ سے واپس ہوئے تو مرالظہران میں پڑاؤ ڈالا پھر آپ ﷺ نے عسفان میں قیام کیا تو لوگوں کے پاس کھانے کو کچھ نہ رہا تو لوگوں نے حضور ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور عرض کی کیا ہم اپنے گدھوں کو ذبح کر لیں تو حضور ﷺ نے اجازت دے دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں عرض کی ایسا نہ کیجئے اگر لوگوں کے پاس اپنی سواریاں رہیں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ ہمارا کیا حال ہوگا جب کل ہم دشمن سے ملیں گے پھر بھوکے بھی ہوں گے اور پیاسے بھی اگر آپ ﷺ پسند فرمائیں تو لوگوں کا بچا ہوا زاد راہ منگوائیں پھر آپ ﷺ اس میں برکت کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ضرور ہمیں منزل مقصود تک پہنچائے گا۔ حضور ﷺ نے باقی ماندہ زاد راہ طلب فرمایا، آپ نے چمڑے کا ایک دستر خوان بچھایا۔ صحابہ میں سے سب سے زیادہ جو زاد راہ لایا وہ وہ صحابی تھے جس نے ایک صاع (چار سیر) چھوارے پیش کئے تو صحابہ کا زاد راہ اس چمڑے کے دستر خوان پر جمع ہو گیا۔ سلمہ نے کہا میں نے گردن لمبی کی کہ اندازہ لگاؤں کہ کتنا زاد راہ اکٹھا ہوا، جبکہ میں اس کیفیت کو کسی پر ظاہر بھی نہیں ہونے دے رہا تھا۔ اس وقت ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اللہ تعالیٰ نے جو چاہا آپ نے اتنی دعا کی پھر صحابہ نے کھایا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئے پھر انہوں نے اپنے برتن بھر لیے تو اتنا ابھی باقی بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ مسکرائے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں بھی ظاہر ہو گئیں فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اللہ کی قسم کوئی بندہ مومن ان دونوں گواہیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات نہیں کرتا مگر اسے آگ سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حدیث میں کہا پھر مومن عورتیں آئیں تو یہ آیت نازل ہوئی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ...... بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی روز ان دو عورتوں کو طلاق دی جو دور جاہلیت میں آپ کی بیویاں تھیں۔ ان میں سے ایک نے معاویہ بن ابی سفیان کے ساتھ نکاح کیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اسی موقع پر مومنوں کو منع کر دیا گیا کہ وہ مومن عورتوں کو مشرک خاوندوں کی طرف نہ بھیجیں بلکہ مہر واپس کرنے کا حکم دیا(2)۔ امام احمد، امام بخاری، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے مسعود بن مخرمہ سے، امام بیہقی نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے مدینہ طیبہ آئے تو آپ کی خدمت میں ابوبصیر عتبہ بن اسید مسلمان ہو کر آئے۔ یہ بنی زہرہ کے حلیف تھے۔ اس کی اپنی قوم کا کوئی فرد وہاں نہیں تھا۔ اخنس بن شریف ثقفی اور ازہر بن عبد عوف زہری نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا۔ ان دونوں نے بنی عامر کے خنیس بن جابر کو بھیجا۔ انہوں نے خط میں اس صلح کا ذکر کیا جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی۔ یہ بھی لکھا کہ ابوبصیر کو واپس بھیج دیا جائے۔

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 56 (العلمیہ)

2۔ ایضاً، صفحہ 58

عامری مدینہ طیبہ آیا، اس کے ساتھ اس کا غلام بھی تھا جسے کوثر کہتے ہیں ابوبصیر کے تین دن بعد یہاں پہنچے۔ حضور ﷺ نے ابوبصیر کو حکم دیا کہ وہ واپس چلا جائے۔ فرمایا اے ابوبصیر تم جانتے ہو کہ ہم نے اس قوم کے ساتھ معاہدہ کر رکھا ہے ہمارے دین میں وعدہ توڑنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے جیسے دوسرے مسلمانوں کے لئے نجات کی کوئی راہ پیدا کرے گا۔ وہ دونوں ابوبصیر کو لے کر چل پڑے۔ جب وہ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے۔ ابوبصیر نے وہاں مسجد میں دو رکعت نماز ادا کی۔ ان کے ساتھ کھجوروں کی صورت میں زاد راہ موجود تھا، وہ اسے کھانے لگے۔ عامری اور اس کے ساتھی کو بھی کھانے کی دعوت دی تاکہ وہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائیں۔ وہ کھجوریں کھانے لگے۔ عامری کے پاس تلوار تھی دونوں نے باہم گفتگو کی۔ عروہ کے الفاظ ہیں عامری نے اپنی تلوار لہرائی اور کہا میں کئی دن تک اس تلوار کے ساتھ اوس وخزرج کو ماروں گا۔ ابوبصیر نے کہا کیا تیری تلوار شمشیر براں ہے۔ عامری نے کہا بالکل۔ ابوبصیر نے کہا مجھے دو تاکہ میں اسے دیکھوں اگر تو پسند کرے۔ عامری نے تلوار ابوبصیر کو دے دی۔ ابوبصیر نے تلوار جب اپنی گرفت میں لے لی تو عامری پر ضرب لگائی یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ کوثر بھاگ گیا یہاں تک کہ وہ مدینہ طیبہ جا پہنچا، مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تجھے کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا اللہ کی قسم میرا ساتھی قتل کر دیا گیا میں تیزی سے بھاگ آیا ورنہ مجھے بھی قتل کر دیا جاتا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے مدد طلب کی۔ حضور ﷺ نے اسے امان دے دی۔ ابوبصیر بھی پیچھے سے پہنچ گیا اس نے عامری کا اونٹ بٹھایا اور تلوار لئے وحشت کے عالم میں مسجد میں داخل ہوا۔ عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ پورا کرا دیا آپ نے مجھے دشمن کے حوالے کر دیا میں اپنے دین کی وجہ سے آزمائش میں پڑنے سے محفوظ رہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا افسوس یہ جنگ کو بھڑکائے گا کاش اس کے لئے کوئی ہوتا۔ ابوبصیر نے عامری سے چھینا گیا مال آپ کی خدمت میں پیش کیا تاکہ اس میں سے آپ خمس لے لیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر میں اس میں سے خمس لوں تو قریش مکہ یہ خیال کریں گے کہ میں نے ان سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا نہیں کیا۔ یہ مال جانے اور تو جانے جہاں چاہتے ہو یہاں سے چلے جاؤ۔ صحیح میں یہ روایت بھی ہے کہ ابوبصیر نے جب رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا اس پر افسوس یہ جنگ بھڑکانے والا ہے کاش اس کو مکہ لے جانے والا کوئی ہوتا تو ابوبصیر پہچان گیا کہ اسے مکہ مکرمہ بھیج دیا جائے گا تو ابوبصیر اور اس کے پانچ ساتھی مدینہ طیبہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ اس کے ساتھی مکہ مکرمہ سے مسلمان ہو کر آئے تھے لیکن کسی نے ان کے بارے میں مطالبہ نہ کیا تھا یہ سیف البحر میں آ گئے یہ عیص اور ذوی مروہ کے درمیان سیف البحر میں ٹھہر گئے یہی وہ جگہ تھی جہاں سے قریش کے قافلے گزرتے تھے۔ وہ مسلمان جو مکہ مکرمہ میں محبوس تھے انہوں نے ابوبصیر کے بارے میں خبر سن لی تو وہ خفیہ طریقہ سے اس کے پاس پہنچنے لگے(1)۔ محمد بن عمر نے کہا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف لکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبصیر کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے اس پر افسوس یہ جنگ کی آگ بھڑکائے گا کاش ایسے لوگ ہوتے (جو اسے واپس کرتے)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی مکہ کے مسلمانوں کو خبر دی کہ ابوبصیر ساحل سمندر پر مقیم ہے ابوجندل جسے رسول اللہ ﷺ نے واپس کر دیا تھا وہ آزاد ہو گیا تو ابوجندل اور ستر مسلمان افراد اونٹوں پر سوار ہو کر ابوبصیر کے پاس پہنچ گئے۔ جب ابوجندل ابوبصیر کے پاس پہنچا تو ابوبصیر نے معاملات ابوجندل کے سپرد کر دیئے کیونکہ ابوجندل قریشی تھا ابوجندل انہیں امامت کراتا جب ابوجندل کی آمد کے بارے میں لوگوں نے سنا تو بنی غفار، بنی سلمہ، جہینہ اور دوسرے لوگوں کی ایک معقول تعداد ان کے پاس جمع ہو گئی یہاں تک کہ یہ تین سو جنگجو ہو گئے جس طرح بیہقی رحمۃ

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 61 (العلمیہ)

اللہ علیہ کے نزدیک ابن شہاب سے مروی ہے قریش کا کوئی قافلہ بھی ان کے پاس سے نہیں گزرتا تھا مگر وہ اسے پکڑ لیتے اور جو افراد قافلے کے ساتھ ہوتے وہ انہیں قتل کر دیتے۔ انہوں نے قریش پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ یہ جس آدمی کو بھی پاتے اسے قتل کر دیتے۔ قریش نے ابوسفیان کو حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بھیجا کہ آپ ابو بصیر اور اس کے ساتھیوں کی طرف پیغام بھیجیں کہ وہ واپس آ جائیں اور یہ بھی پیغام دیا کہ ہم میں سے جو آدمی آپ کے پاس آئے اسے آپ اپنے پاس روک لیں تو یہ آپ کے لئے جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو بصیر اور ابو جندل کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ دونوں مدینہ طیبہ آ جائیں اور دوسرے افراد کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں اور خاندانوں میں چلے جائیں قریش اور یا کوئی بھی قافلہ وہاں سے گزرے تو اس سے کوئی تعرض نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ کا خط ابو بصیر کے پاس اس وقت پہنچا، جبکہ ان کی موت کا وقت قریب تھا خط ان کے ہاتھ میں تھا کہ ابو بصیر کا انتقال ہو گیا۔ ابو جندل نے اسے وہاں ہی دفن کیا اور ساتھ ہی ایک مسجد بنا دی پھر ابو جندل اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باقی دوسرے لوگ اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے۔ جب جن لوگوں نے حضور ﷺ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ابو جندل کو باپ کے حوالے نہ کیا جائے اب ان کی رائے یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی بہتر ہے خواہ وہ کسی معاملہ کو پسند کریں، یا پسند نہ کریں۔ جس روز حضور ﷺ عمرہ کی قضا کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ نے فرمایا میں نے تم سے اسی کا وعدہ کیا تھا جس روز مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ نے بیت اللہ شریف کی چابی اپنے ہاتھ میں لی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا اسی کے بارے میں میں نے تم سے کہا تھا۔ جب حجۃ الوداع کیا تو آپ مقام عرفات میں کھڑے تھے فرمایا اے عمر اسی کے متعلق میں نے تم سے کہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صلح حدیبیہ سے بڑی کوئی فتح نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی فرماتے تھے صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں لیکن لوگ اس کو سمجھنے سے قاصر رہے جو اللہ اور اس کے رسول کے پیش نظر تھا۔ لوگ جلدی کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بندوں جیسی جلدی نہیں کرتا یہاں تک کہ معاملات وہاں تک پہنچ جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر سہیل بن عمرو کو دیکھا وہ قربان گاہ کے قریب کھڑے تھے، وہ قربانی کے جانور حضور ﷺ کے قریب لاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ اپنے دست اقدس سے انہیں ذبح کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے حلاق کو بلایا اس نے حضور ﷺ کا حلق کیا۔ میں سہیل کو دیکھ رہا تھا وہ حضور ﷺ کے بال اٹھاتے تھے اور انہیں اپنی آنکھوں پر رکھتے تھے۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ انہوں نے حدیبیہ کے روز بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھنے سے انکار کر دیا تھا اب وہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت سے نوازا (1)

یعنی جو آدمی اپنی بیعت کو توڑے گا تو اس کا نقصان اسی کی طرف لوٹے گا اور جو بیعت پر ثابت قدم رہا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت، اللہ تعالیٰ کی رضا اور اپنے دیدار کی صورت میں اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ حفص نے علیہ کی ضمیر کو مضموم پڑھا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کا اظہار ہو، جبکہ باقی قراء نے اسے مکسور پڑھا ہے۔ نافع، ابن کثیر اور ابن عامر رحمہم اللہ تعالیٰ نے فسنؤتیہ کو جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے غائب کا صیغہ پڑھا ہے، اس میں مرفوع ضمیر غائب لفظ اللہ اسم جلالت کی طرف لوٹے گی۔

سَیَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَاۤ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْــًٔا اِنْ

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 62 (العلمیہ)

اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪

"عنقریب آپ سے عرض کریں گے وہ دیہاتی جو پیچھے چھوڑ گئے تھے ہمیں بہت مشغول رکھا ہمارے مالوں اور اہل و عیال نے پس ہمارے لئے معافی طلب کریں [1] (اے حبیب) یہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں [2] آپ (انہیں) فرمایئے کون ہے جو اختیار رکھتا ہے تمہارے لئے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا اگر ارادہ فرمائے تمہارے لئے کسی ضرر کا یا ارادہ فرمائے تمہارے لئے کسی نفع کا بلکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے [3]"

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں اعراب سے مراد بنی غفار، بنی مزینہ، بنی جہینہ، بنی نخع اور بنی اسلم ہیں۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ جانے میں سستی کی تھی، جبکہ حضور ﷺ نے حدیبیہ کے سال انہیں ساتھ چلنے کو کہا تھا۔ وہ قریش کے ساتھ جنگ سے ڈرتے تھے ان کے گمان میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی نیز ان کے عقیدہ میں ضعف بھی تھا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ صحیح وسالم واپس تشریف لائے تو انہوں نے ساتھ نہ جانے پر معذرت کی، کہنے لگے ہمارا ایسا کوئی فرد نہیں تھا جو ہمارے معاملات کی نگہداشت رکھتا۔ اس غلطی پر آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں ہمارے لئے بخشش طلب کریں۔ اس میں ایک معجزہ بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو وہ تمام باتیں بتا دیں جو گھروں میں بیٹھے رہنے والے بعد میں کرنیوالے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی معذرت کو جھٹلا دیا۔

[2] یعنی وہ معذرت اور استغفار کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ زبانوں سے ہی کہتے ہیں ان کے دلوں میں کچھ بھی نہیں، انہیں کچھ پرواہ نہیں نبی کریم ﷺ ان کے حق میں بخشش طلب کریں یا بخشش طلب نہ کریں۔ یہ جملہ سَيَقُولُ سے بدل ہے۔

[3] یعنی ایسا کوئی بھی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قضا سے تمہیں محفوظ رکھ سکے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ضرا کو ضاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس سے مراد قتل یا شکست یا مال اور اہل کی ہلاکت یا آخرت کا عذاب ہے۔ نفعا سے مراد اس کی اضداد ہیں بات اس طرح نہیں جس طرح تم معذرت کے بارے میں کہتے ہو بلکہ تمہارے پیچھے رہنے کے اصل مقصد کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ اہل مکہ سے ڈر کی وجہ سے ان کے ساتھ موافقت کرنا ہے۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ⑫

"حقیقت یہ ہے کہ تم نے خیال کر لیا تھا کہ اب ہرگز لوٹ کر نہیں آئے گا یہ پیغمبر اور ایمان والے اپنے اہل خانہ کی طرف کبھی [1] اور بڑا خوش نما لگتا تھا یہ ظن (فاسد) تمہارے دلوں کو اور تم طرح طرح کے برے خیالوں میں مگن رہے (اس وجہ سے) تم برباد ہونے والی قوم بن گئے [2]"

[1] کم ضمیر سے مراد پیچھے رہ جانے والے ہیں، یعنی تم یہ گمان رکھتے تھے کہ مشرکین مکہ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں گے اور مسلمان واپس نہ آ سکیں گے۔ بل اضراب کے لئے ہے اس کا عطف اضراب اول کے مضمون پر ہے، یعنی بلکہ تم نے اہل مکہ کے ساتھ موافقت کو ظاہر ہی نہیں کیا بلکہ تم نے یہ گمان کیا کہ مومن واپس نہ آ سکیں گے۔

ﷺ اور آپ کے ساتھی واپس نہ آئیں گے یا اس کے علاوہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بارے میں برے اعتقاد رکھتے تھے۔ ظَنَّ السَّوْءِ مفعول مطلق ہونے کے اعتبار سے منصوب ہے۔ بورا سے مراد ہلاک ہونے والی کیونکہ عقیدہ بھی فاسد نیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بارے میں وہ برا اعتقاد رکھتے تھے۔

ع۔ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے ساتھ شیطان نے تمہارے دلوں میں اسے مزین کیا اور تم یہ سوءِ ظن رکھتے تھے کہ حضرت محمد

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾

"اور جو نہ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر تو بے شک ہم نے ان تمام کافروں کے لئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے[1]"

[1] اس میں ان بدوؤں کے متعلق اشارۃً بات کی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ ایمان ان کے گمانات اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ جانے کے مخالف ہے۔ یہاں شرط کی جزاء محذوف ہے۔ اس کے بعد جزاء کی تعلیل ہے جسے جزاء کے قائم مقام رکھ دیا گیا ہے۔ اس کی جزاء یضرتا ہے۔ لِلْكٰفِرِيْنَ کو اسم ضمیر کی جگہ ذکر کیا تا کہ یہ بتا دیا جائے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان کو جمع نہیں کرتا وہ کافر ہے اور سَعِيْرًا (جہنم) کا مستحق ہے ہولناکی کے بیان کیلئے لفظ سَعِيْرًا کو نکرہ ذکر کیا ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

"اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی بخش دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے[1]"

[1] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہتا ہے اسے بخش دیتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اسے عذاب دیتا ہے۔ اس کی ذات پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اس آیت کریمہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مغفرت اور رحمت اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ ہیں اور عذاب دینا بالعرض اس کی قضا کے تحت داخل ہیں۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾

"کہیں گے (پہلے سفر جہاد سے) پیچھے چھوڑے جانے والے جب تم روانہ ہو گے اموال کی طرف تا کہ تم ان پر قبضہ کر لو، ہمیں بھی اجازت دو کہ تمہارے پیچھے پیچھے آئیں وہ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کو بدل دیں[1]۔ فرمایئے تم قطعاً ہمارے پیچھے نہیں آسکتے یونہی فرما دیا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے پھر وہ کہیں گے کہ (نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو (ان کا یہ خیال غلط ہے) در حقیقت وہ (احکام الٰہی کے اسرار کو) بہت کم سمجھتے ہیں[2]"

[1] مخلفون سے مراد مذکورہ بدو لوگ ہیں۔ وہ کہیں گے ہمیں بھی اجازت دو ہم تمہارے ساتھ جنگ میں شامل ہوں تا کہ مال غنیمت

میں سے حصہ پائیں یُرِیْدُوْنَ والا جملہ سَیَقُوْلُوْنَ سے بدل اشتمال ہے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کَلِمَ اللّٰہِ پڑھا ہے۔ ان کے نزدیک یہ کلمۃ کی جمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں مغانم سے مراد صرف خیبر کی غنیمتیں ہیں۔

محمد بن عمرو نے کہا کہ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کو خیبر کی طرف نکلنے کا حکم دیا تو آپ کے ارد گرد جو لوگ تھے انہوں نے اس میں بڑی ہمت دکھائی اور جو لوگ صلح حدیبیہ میں حاضر ہوئے تھے وہ بھی جہاد کے لئے تیار ہو گئے۔ جو لوگ حدیبیہ کے موقع پر ساتھ نہیں گئے تھے وہ بھی آئے تا کہ وہ بھی اس غزوہ میں شریک ہوں۔ مقصود مال غنیمت کا حصول تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا ہمارے ساتھ وہی نکلیں جو جہاد میں رغبت رکھتے ہیں۔ جو مال غنیمت میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ ساتھ نہ چلیں (1)۔ ظاہر یہ ہے کہ آیت سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ جو صلح حدیبیہ کے موقع پر گھروں میں ہی بیٹھے رہے کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ مسلمان کمزور ہیں اور ان کی تعداد کم ہے اور جب مسلمانوں کو قوی خیال کرتے ہیں اور غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ مسلمان غنیمت حاصل کریں گے تو وہ اس وقت یہ کہتے ہیں ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ...... ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بدل دیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ ابن زید اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کہا ہے۔ میں کہتا ہوں پیچھے رہ جانے والوں نے مومنوں کو جب اس حال میں دیکھا کہ وہ جہاد میں بڑی رغبت رکھتے ہیں اور انہوں نے بیعت رضوان کے بارے میں سنا نیز بطن مکہ میں مشرکوں کے خلاف اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جو کامیابی دی ہے۔ مشرک صلح پر راضی ہو گئے ہیں اور مسلمان اہل مکہ سے بے خوف ہو گئے۔ اب وہ عام عربوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے فارغ ہیں تو گھروں میں بیٹھے رہنے پر شرمندہ ہوئے اور مسلمانوں کے غلبہ اور غنیمتیں حاصل کرنے کے بارے میں گمان ہوا تو انہوں نے یہ بات اس وقت کی جب حضور ﷺ نے اہل خیبر سے جہاد کا عزم کیا، جبکہ خیبر والے مکہ مکرمہ والوں سے بھی زیادہ طاقتور تھے کیونکہ ان میں دس ہزار جنگجو موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قریش پر رحمت کرتے ہوئے حضور ﷺ اور مومنوں کو ان سے روکے رکھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہاتھی کو ان سے روک دیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان کی اکثریت ایمان قبول کرے گی اور ان سے مومن روحیں نکلیں گی۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بے علمی میں ان مومن مردوں اور مومن عورتوں کو مار ڈالا جاتا جو مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھے جن کا کسی کو علم نہ تھا۔

ع اے محمد ﷺ فرما دیجئے کہ تم ہماری ہرگز اتباع نہیں کرو گے۔ لَنْ تَتَّبِعُوْنَا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی جا رہی ہے کہ وہ تمہارے ساتھ نہیں نکلیں گے۔ جبکہ وہ غنائم کے حصول میں پختہ عزم کر چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تبدیل نہیں ہوتا اس میں دو غیب کی خبریں ہیں۔ ایک قول کی اور دوسری ساتھ نہ جانے کی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ ہے تو نفی لیکن نہی کا معنی دے رہی ہے۔

یعنی ایسا ہی قول جو میں نے تم سے کہا اے پیچھے رہ جانے والو وہ خبر ہو یا نہی ہو اللہ تعالیٰ نے وحی غیر متلو کی صورت میں فرما دیا تھا کہ خیبر کی غنیمتیں صرف اہل حدیبیہ کے لئے ہیں۔ ان میں کسی اور کا حصہ نہیں یا یہ کبھی بھی آپ کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور آپ کبھی بھی جنگ میں ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اس سے فاستاذنوک کا قول مراد نہیں کیونکہ یہ ہجرت کے نویں سال غزوہ تبوک میں نازل ہوا۔ فَسَیَقُوْلُوْنَ کا عطف سَیَقُوْلُ پر ہے۔ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا کا عطف کلام محذوف پر ہے جو لَمْ یَقُلِ اللّٰهُ كَذٰلِكَ ہے، یعنی تم یہ بات حسد کی وجہ سے کرتے ہو کہ وہ غنائم میں تمہیں ہمارے ساتھ شریک نہ کر لے۔ بَلْ كَانُوْا لَا یَفْقَهُوْنَ کا عطف سَیَقُوْلُوْنَ پر ہے،

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 115 (العلمیہ)

یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح پیچھے رہ جانے والوں نے گمان کیا بلکہ وہ جانتے ہی نہیں کہ دین کے معاملہ میں ان کے کیا حقوق ہیں اور کیا فرائض ہیں اگر وہ جانتے ہیں تو انتہائی معمولی جانتے ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اِلَّا قَلِيْلًا کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کی وہ تھوڑے ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں اسی تاویل کی وجہ سے نحویوں کے نزدیک یہ بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے کیونکہ کلام مثبت نہیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑯

"فرما دیجئے ان پیچھے چھوڑے جانے والے بدوی عربوں کو کہ عنقریب تمہیں دعوت دی جائے گی ایک ایسی قوم سے جہاد کی جو بڑی سخت جنگ جو ہے تم ان سے لڑائی کرو گے یا وہ ہتھیار ڈال دیں گے پس اگر تم نے اس وقت اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھا اجر دے گا اور اگر تم نے (اس وقت بھی) منہ موڑا جیسے پہلے تم نے منہ موڑا تھا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا[1]"

[1] اس اسم (مخلفین) کے ساتھ ان کو مکرر ذکر کیا ہے تاکہ مذمت میں مبالغہ ہو اور یہ شعور دلایا جائے کہ گھروں میں بیٹھے رہنا بڑا ہی شنیع عمل ہے۔ کعب نے کہا اس قوم سے مراد رومی ہیں(1) اس جنگ سے مراد غزوہ تبوک ہے۔ میں کہتا ہوں اس قوم کی جو آگے صفت بیان کی جارہی ہے وہ اس قول کی نفی کرتی ہے کیونکہ رومیوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہوا کیونکہ نبی کریم ﷺ تبوک تشریف لے گئے، آپ نے وہاں دس دن سے زائد قیام کیا۔ ہرقل مقابلہ کے لئے نہ آیا اور نہ ہی اس نے کوئی لشکر بھیجا۔ نبی کریم ﷺ جنگ کے بغیر ہی واپس آگئے۔ سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس (قوم) سے ہوازن، ثقیف اور غطفان مراد ہیں۔ جنگ سے غزوہ حنین مراد ہے(2)۔ میں کہتا ہوں یہ درست نہیں کہ حنین کے موقع پر حضور ﷺ نے بدوؤں کو جنگ کی دعوت دی اور نہ ہی یہ درست ہے کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ طاقت رکھتے تھے بلکہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں تعداد میں کم تھے۔ امام زہری اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس قوم سے مراد بنی حنیفہ ہیں جو مسیلمہ کذاب کے ساتھی تھے۔ رافع بن خدیج نے کہا یہ آیت ہم تلاوت کرتے تھے لیکن ہمیں یہ علم نہ تھا کہ وہ کون لوگ ہیں یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بنی حنیفہ کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی تو ہمیں پتہ چلا کہ اس قوم سے مراد بنی حنیفہ ہیں(3) یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے صفت کے قرینہ کی وجہ سے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ یعنی دو امروں میں سے ایک ہوگا جنگ یا اسلام۔ ان کے علاوہ ان کے ساتھ کوئی معاملہ نہ ہوگا جس پر اویسلموا کی قرأت دلالت کرتی ہے کیونکہ او یہ اِلٰی اَنْ کے معنی میں ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ مشرکین عرب اور مرتد بھی ایسے لوگ تھے جن سے اسلام اور تلوار کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں کی جاتی تھی، جبکہ دوسرے لوگوں کے ساتھ جنگ جزیہ پر بھی ختم ہو جاتی تھی۔ اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت پر بھی دلیل ہے کیونکہ آپ نے ہی مرتدوں کے ساتھ جنگ کی دعوت دی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، مجاہد اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مراد ایرانی ہیں(4) کیونکہ یہ دوسروں کی

1۔ تفسیر ابن کثیر زیر آیت ہذا 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

بہ نسبت زیادہ طاقتور تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی تھی۔ اس آیت میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلیل ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مبنی ہے۔ اس صورت میں یُسْلِمُوْنَ کا معنی ہوگا کہ وہ جزیہ دینے میں اطاعت کرتے ہیں۔ معطوف اور معطوف علیہ دونوں جملے ستدعون سے بدل اشتمال ہیں۔ اگر تم اس امیر کی اطاعت کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت سے نوازے گا۔ اگر تم نے اسی طرح روگردانی کی جس طرح تم نے حدیبیہ کے موقع پر روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں سخت عذاب دے گا کیونکہ تمہارا جرم کئی گنا بڑا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو معذور لوگوں نے کہا ہمارا کیا بنے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

"نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ ہی مریض پر کوئی گناہ ہے (اگر یہ شریک جہاد نہ ہوسکیں) اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا اسے باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں اور جو شخص روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا[1]"

[1] حرج کا معنی تنگی، سختی اور عذاب ہے جو جہاد ترک کرنے کے باعث لازم ہوتا ہے۔ جو جہاد اور دوسرے امور میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ مذکورہ جزاء کا مستحق بنے گا اور جو قدرت کے باوجود اطاعت سے اعراض کرے گا وہ اس سزا کا مستحق بنے گا۔ نافع اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ندخله اور نعذبه کو جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ غائب کی صورت میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہوگی۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

"یقیناً راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ سے اس درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جن کو وہ (عنقریب) حاصل کریں گے اور اللہ سب سے زبردست بڑا دانا ہے[1]"

[1] یعنی جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر بیعت کی۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ کے ساتھ بطور تاکید متعلق ہے۔ درمیان میں معترضہ جملے ہیں۔ اسی آیت کی وجہ سے اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ اس آیت کی غرض مومنین کی تعریف کرنا ہے اور سابق آیت میں وعدہ پورا کرنے پر برانگیختہ کرنا ہے۔ صحیحین میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم صلح حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو افراد تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے بارے میں فرمایا تھا تم زمین میں رہنے والے لوگوں میں سے بہترین لوگ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 129 (قدیمی)

ہو (1)۔امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ام بشر سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جس نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی ان میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ سے صدق اور وفاء مراد ہے۔ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ یعنی ان پر اطمینان کا القاء کیا جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت حضور قلب کی صورت میں ظاہر ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی ہوئے اور انہوں نے اپنی خواہشات نفسانی پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دی۔ فَتْحًا قَرِیْبًا سے فتح خیبر مراد ہے۔ایک قول یہ کیا گیا کہ حدیبیہ سے لوٹنے کے بعد حضور ﷺ مدینہ طیبہ میں دس دن رہے۔ابن عائذ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔سلیمان تیمی کے نزدیک پندرہ دن کا ذکر ہے۔ابن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں بیس دن رہے۔ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے مسعود اور مروان کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ ذی الحجہ میں مدینہ طیبہ تشریف لائے پھر وہاں ہی قیام کیا اور محرم کے مہینہ میں خیبر کی طرف سفر کیا۔خیبر سن سات ہجری میں فتح ہوا۔واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی مغازی میں اسی طرح ہے۔حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہی قول راجح ہے۔حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے واقدی سے یہی قول نقل کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جب خیبر فتح ہو گیا تو ہم نے کہا اب ہم کھجوروں سے سیر ہوں گے (1)۔حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم کھجوروں سے کبھی سیر نہیں ہوئے یہاں تک کہ خیبر فتح ہوا (2)۔حافظ محمد بن یوسف صالحی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ خیبر ایک قطعہ زمین کا نام ہے جو قلعوں، کھیتیوں اور کھجور کے باغات پر مشتمل ہے جو حدیبیہ سے تین دن کی مسافت پر ہے اور شامی حاجیوں کے راستہ کی بائیں سمت واقع ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَهْدِیَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۲۰﴾

"(اے غلامان مصطفیٰ) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم (اپنے اپنے وقت) پر حاصل کرو گے پس جلدی دے دی ہے تمہیں یہ (صلح) اور روک دیا ہے اس نے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے اور تا کہ ہو جائے یہ (ہماری نصرت کی) نشانی اہل ایمان کے لئے اور تا کہ ثابت قدمی سے گامزن رکھے تمہیں صراط مستقیم پر ؎"

؎ اس سے قیامت تک فتوحات مراد ہیں۔مسلمان مکہ مکرمہ سے صلح کے ساتھ جو واپس آئے تھے اس میں ان کے لئے تسلی ہے۔هٰذِهٖ اسم اشارہ سے مراد فتح خیبر ہے۔امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب حضور ﷺ نے خیبر کا محاصرہ کیا تو بنی اسد اور بنی غطفان نے ارادہ کیا کہ وہ مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے گھر والوں اور بچوں پر حملہ کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال کر انہیں حملہ سے روک دیا۔ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بنی غطفان رسول اللہ ﷺ کے خلاف یہودیوں کے حمایتی تھے۔مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ بنو غطفان نے جب حضور ﷺ کے بارے میں سنا کہ آپ ﷺ خیبر میں فروکش ہیں تو یہودیوں کی مدد کے لئے گھروں سے نکل پڑے۔جب تھوڑا دور چلے تو انہوں نے اپنے اموال اور گھر والوں میں کچھ حرکت محسوس کی۔انہوں نے گمان یہ کیا کہ مسلمان وہاں پہنچ گئے ہیں اس لئے واپس لوٹ گئے اور اپنے گھر والوں اور بچوں کی حفاظت میں ڈٹے رہے اور رسول اللہ ﷺ کے لئے خیبر کا راستہ کھلا چھوڑ دیا۔

1۔صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 609 (وزارت تعلیم)
2۔ایضاً

ابن قانع، بغوی اور ابونعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے عرفہ میں سعید بن شتیم سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ وہ عیینہ بن حصین کے سواروں میں تھا۔ جب وہ خیبر کے لئے آیا تھا تو ہم نے عیینہ بن حصین کے لشکر میں ایک آواز سنی اے لوگو اپنے گھر والوں کا خیال کرو ان پر حملہ کر دیا گیا ہے تو لوگ پلٹ گئے وہ ایک دوسرے کو بھی نہیں دیکھتے تھے۔ یہی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ آواز آسمان کی جانب سے آئی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اہل مکہ کو صلح کے ذریعے تم سے روک لیا۔

لِتَكُونَ کا ف کف پر عطف ہے یا عجل پر عطف ہے یا لتاخذوا پر عطف ہے تقدیر کلام یوں ہوگی لتسلموا او تغنموا لتکون یا یہ محذوف کلام کی علت ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فعل ذلک لِتَكُونَ الْكَفَّةُ اَوِ الْغَنِيْمَةُ۔ تا کہ ان باتوں میں آپ کی صداقت کی دلیل بن جائے جو آپ نے مکہ کے فتح ہونے اور دوسرے وعدے کئے تھے اور صراط مستقیم سے یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد اور ان پر بھروسہ ہے یا اس کا معنی ہے کہ تمہیں اسلام پر ثابت قدم کر دے اور آپ کے یقین اور بصیرت میں اضافہ کر دے۔

غزوۂ خیبر کا واقعہ

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ پر سباع بن عرفطہ کو نائب بنایا۔ امام احمد، ابن خزیمہ اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ اور صحابہ نے لشکر کشی کی تیاری کی تو مدینہ کے یہودیوں پر یہ امر بڑا شاق گزرا۔ مدینہ طیبہ کے یہودیوں میں سے جس کا بھی جس صحابی پر حق تھا اس نے اس کا مطالبہ شروع کر دیا۔ امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابی جدر سے روایت کیا ہے کہ اس پر ابوشحم یہودی کے پانچ درہم قرض تھے تو اس نے ادائیگی کا مطالبہ کیا۔ ابوجدر نے کہا مجھے مہلت دو، مجھے قوی امید ہے کہ میں تیرے ساتھ واپس آؤں گا اور تیرا حق تجھے دے دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے نبی کو خیبر کی غنیمتیں عطا فرمائے گا تو ابوشحم نے کہا کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ خیبر کی جنگ ان عربوں کی جنگوں جیسی ہے جو تم کر چکے ہو۔ تورات کی قسم خیبر میں دس ہزار جنگجو رہتے ہیں پھر دونوں نے اپنا مسئلہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا حق ادا کرو وہ باہر نکلا میں نے اپنا کپڑا تین درہم میں بیچا، الحدیث(1)۔

جب رسول اللہ ﷺ صہباء کے مقام پر پہنچے جو خیبر کے قریب جگہ ہے، آپ ﷺ نے ہم سے زادِ راہ منگوایا صرف ستو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ نے ستو پانی میں بھگویا، آپ نے کھایا اور ہم نے بھی اسے کھایا پھر آپ مغرب کی نماز کے لئے اٹھے، آپ نے کلی کی پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ اسے امام بخاری اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ محمد بن عمرو نے کہا پھر نبی کریم ﷺ چلے یہاں تک کہ آپ اس جگہ تک پہنچے جہاں خیبر کا بازار لگتا تھا جو جگہ فتح کے بعد زید بن ثابت کے حصہ میں آئی تھی آپ نے وہاں رات کے پچھلے حصہ میں تھوڑا سا آرام کیا۔ اس سے قبل یہودی یہ گمان نہیں رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان پر حملہ کریں گے کیونکہ ان کی طاقت، اسلحہ اور تعداد بے شمار تھی۔ جب انہیں حضور ﷺ کے غزوہ کے لئے روانہ ہونے کا علم ہوا تو ہر روز دس ہزار جنگجو صف در صف باہر نکلتے اور کہتے محمد ﷺ کا ارادہ بدل گیا ہے یہاں آنا تو بہت دور کی بات ہے۔ ہر روز ان کا یہی معمول تھا جب رسول اللہ ﷺ ان کے میدان میں اترے تو اس رات انہوں نے کوئی حرکت نہ کی۔ ان کے مرغوں نے آذان تک نہ دی یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا۔ وہ اٹھے تو ان کے دل کانپ رہے تھے اور انہوں نے قلعوں کے دروازے کھول دیئے۔ صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 115 (العلمیہ)

خیبر کی طرف روانہ ہوئے، رات کے وقت وہاں پہنچے حضور ﷺ جب بھی کسی قوم پر حملہ آور ہوتے تو دھوکے سے حملہ نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ صبح ہوتی۔ جب صبح ہوتی اگر آذان کی آواز سنتے تو اس قوم پر حملہ نہ کرتے اور اگر آذان کی آواز سنائی نہ دیتی تو صبح کے وقت حملہ کرتے۔ ہم نے خیبر کے قریب صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھی۔ آپ نے آذان کی آواز نہ سنی۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ خود بھی سوار ہوئے اور مسلمان بھی سوار ہو گئے۔ بستی کے لوگ اپنے ٹوکرے اور تیسیاں لے کر کھیتوں کی طرف جانے کے لئے نکلے۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو کہا محمد اور لشکر آ گیا تو پچھلے پاؤں بھاگ کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے کہا اللہ اکبر خیبر برباد ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو جن لوگوں کو خبردار کیا جاتا ہے ان کی صبح بہت بری ہوتی ہے (یعنی جب وہ ہماری بات نہ مانیں تو ان کے لئے تباہی و بربادی ہوتی ہے) آپ نے جنگ کا آغاز نطاۃ والوں سے کیا۔ آپ نے مسلمانوں کی صف بندی کی اور انہیں نصیحتیں کیں اور انہیں جنگ سے منع کیا یہاں تک کہ آپ خود جنگ کی اجازت دیں تو بنی اشجع میں سے ایک مسلمان نے ایک یہودی پر حملہ کر دیا۔ یہودی نے اس پر جوابی حملہ کیا اور مسلمان کو قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا وہ مسلمان شہید ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں جنگ کرنے سے منع نہیں کیا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا آپ ﷺ نے منع کیا تھا۔ حضور ﷺ نے منادی کرنے والے کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں میں سے یہ منادی کرے کہ کسی نافرمان کے لئے جنت حلال نہیں (1)۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دشمن سے جنگ کی طلب نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے امن و عافیت کا سوال کرو۔ تم نہیں جانتے کہ اس جنگ کے ذریعے تمہیں کس آزمائش میں ڈالا جا رہا ہے۔ جب تم کسی دشمن سے ملو تو یوں دعا کرو اے ہمارے اور ان کے رب ہماری اور ان کی پیشانیاں تیرے قبضے میں ہیں، تو ہی ان کو قتل کرے گا پھر زمین پر بیٹھ جاؤ جب وہ تم پر حملہ کر دیں تو اٹھ کھڑے ہو اور اللہ اکبر کہو، الحدیث (2)۔

ابن اسحٰق محمد بن عمرو بن سعید رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے جھنڈے تقسیم کئے، لوگوں کو جنگ کی اجازت دی اور صابر رہنے پر برانگیختہ کیا۔ سب سے پہلے جس قلعہ کا محاصرہ کیا وہ ناعم علاقہ نطاۃ کا قلعہ تھا۔ ان سے سخت جنگ کی۔ اہل نطاۃ نے بھی شدید ترین جنگ کی۔ جب شام کا وقت ہو گیا تو آپ رجیع کی طرف لوٹ آئے۔ رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت حملہ کرتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر قلعہ فتح کر دیا۔ امام بیہقی، ابو نعیم اور محمد بن عمر رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ مسلمان جب خیبر میں آئے تو کھجوروں کا پھل ابھی کچا تھا۔ مسلمانوں نے وہ کچی کھجوریں کھا لیں تو انہیں بخار ہو گیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مشکوں میں پانی بھر لو جب صبح کی دو اذانوں کے درمیان کا وقت ہو تو پانی اپنے اوپر انڈیل لو اور اللہ کو یاد کرو گویا ان کا بند کھل گیا اور وہ چست ہو گئے۔ ناعم کی فتح کے بعد آپ نے صعب بن معاذ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ محمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے ابی الیسر کعب بن عمر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس قلعہ کا تین دن محاصرہ کیا۔ یہ ایک مضبوط قلعہ تھا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بنی اسلم کے ایک آدمی سے اور محمد بن عمر نے معتب اسلمی سے روایت کیا ہے کہ ہماری جماعت بنی اسلم کو سخت بھوک نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ہم خیبر میں آئے اور نطاۃ کے قلعہ پر دس دن تک محاصرہ کئے بیٹھے رہے۔ کوئی ایسی جگہ فتح نہ ہوئی جس میں کوئی کھانے پینے کی چیز ہو تو ہمارے ساتھیوں نے اسماء بن حارثہ کو حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بھیجا۔ اسماء نے عرض کی بنی اسلم آپ کو سلام پیش کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں ہم بھوک

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 118 (العلمیہ)

2۔ کنز العمال، جلد 4، صفحہ 361 (التراث الاسلامی)

اور کمزوری کی وجہ سے تحت مصیبت کا شکار ہیں ہمارے لئے دعا کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے قبضہ میں ایسی کوئی چیز نہیں جس کے ذریعے میں انہیں رزق بہم پہنچاؤں۔ میں نے ان کا حال پہچان لیا پھر فرمایا اے اللہ ان پر ایسا قلعہ فتح کر دے جس میں سب سے زیادہ چربی ہو اور جھنڈا حباب بن منذر کو عطا فرمایا اور لوگوں کو ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے کی دعوت دی۔ ابھی ہم واپس نہیں پلٹے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے صعب بن معاذ کا قلعہ فتح کر دیا۔ خیبر میں اس قلعہ سے بڑھ کر کوئی ایسا قلعہ نہ تھا جس میں اس سے زیادہ کھانا اور چربی ہو۔ حضرت حباب رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرنے کے لئے یوشع یہودی آیا۔ حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا پھر حضرت حباب رضی اللہ کے لئے زیال آیا۔ حضرت عمارہ بن عقبہ غفاری رضی اللہ عنہ نے جلدی سے اس کا کام تمام کر دیا۔ صحابہ نے کہا حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ کا جہاد باطل ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس پر کوئی حرج نہیں اسے اجر دیا جائے گا اور وہ قابل تعریف ہے۔

محمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے صعب کے قلعہ میں کھانے کی وہ چیزیں پائیں جن کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا جیسے جو، کھجور، گھی، شہد، تیل اور چربی۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک منادی کرنے والے نے ندا کی کہ اس میں سے کھاؤ، استعمال کرو اور اسے اپنے شہروں کی طرف نہ لے جانا(1)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عمرو سے روایت کیا ہے جب یہودی ناعم اور صعب کے قلعہ سے قلعہ زبیر (1) کی طرف چلے گئے یعنی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ والا قلعہ جو بعد میں آپ کے حصہ میں آیا۔ پہاڑ کی چوٹی پر یہ قلعہ تھا۔ تین دن اس قلعہ کا محاصرہ رہا۔ ایک یہودی آیا جسے غزال کہا جاتا عرض کی اے ابوالقاسم ﷺ آپ مجھے اس شرط پر امان دے دیجئے کہ میں آپ ﷺ کو ایسی تدبیر بتاؤں کہ آپ اس قلعہ والوں کے جھگڑے سے امان پا جائیں اور ہمیں آپ شق (جگہ کا نام) کی طرف جانے کی اجازت دیں دے کیونکہ اہل شق آپ ﷺ کے رعب سے مرے جا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اس کے اہل اور مال کے ساتھ امان دے دی۔ اس یہودی نے عرض کی اگر آپ ایک ماہ تک ان کا محاصرہ کئے رہیں تو انہیں کچھ پرواہ نہ ہو گی۔ زیر زمین ان کے پاس پانی کا ذخیرہ ہے۔ وہ رات کو نکلتے ہیں اس سے پانی حاصل کرتے ہیں پھر اپنے قلعے کی طرف پلٹ آتے ہیں اور آپ سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ ان کے پانی کے راستہ کو کاٹ دیں تو وہ باہر نکل آئیں گے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پانی کے ذرائع کی طرف تشریف لے گئے اور ان کے ان وسائل کو ختم کر دیا۔ جب ان کے پانی کے وسائل ختم ہو گئے تو وہ باہر نکل آئے، انہوں نے شدید ترین جنگ کی۔ اس روز مسلمانوں میں سے کچھ لوگ شہید ہوئے اور دس یہودی مارے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فتح کیا۔ یہ نطاۃ کا آخری قلعہ تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نطاۃ سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ علاقہ شق کی طرف روانہ ہوئے جس قلعہ سے آپ نے یہاں جنگ کا آغاز کیا وہاں قلعہ پر ایک چھاؤنی تھی جسے سموان کہا جاتا۔ اس چھاؤنی والوں نے شدید ترین جنگ کی۔ یہودیوں میں سے ایک آدمی نکلا جسے غزول کہتے، اسے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ ایک اور یہودی نکلا جسے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا، اس کی زرہ اور تلوار لے لی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ سامان حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو ہی دے دیا۔ اب یہودی باہر نکل کر مقابلہ کرنے سے رک گئے۔ مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور قلعہ پر حملہ کر دیا۔ مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے ان کے آگے آگے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ صحابہ نے اس میں سازوسامان، بھیڑ بکریاں اور غلہ پایا جو جنگجو وہاں تھے سب بھاگ گئے اور نزال کے قلعہ کی طرف چلے گئے۔ نطاۃ کے علاقہ سے جو لوگ

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 120 (العلمیہ)

(1) وہ پہاڑی چوٹی جو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آئی جس پر ایک قلعہ تھا، مترجم۔

باقی بچے تھے وہ سب نزال کے قلعہ میں آ گئے، دروازوں کو بند کر دیا اور سختی سے اپنا دفاع کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ نزال آ گئے اور ان لوگوں سے قتال کیا۔ شق علاقہ کے لوگوں میں سے یہ تیر پھینکنے اور سنگ باری میں سب سے سخت تھے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ تھے یہاں تک کہ کچھ تیر حضور ﷺ کے کپڑوں میں جا لگے اور الجھ کر رہ گئے۔ حضور ﷺ نے ان تیروں کو جمع کیا پھر آپ نے کنکریوں کی مٹھی بھری اور ان کے قلعے کی طرف پھینکا اس وجہ سے قلعہ میں زلزلہ برپا ہو گیا پھر اس کی دیواریں زمین بوس ہو گئیں یہاں تک کہ مسلمان اس میں داخل ہو گئے اور وہاں کے لوگوں کو پکڑ لیا۔ جب حضور ﷺ نے نطاہ اور شق کے علاقوں کے قلعے فتح کر لئے تو ان علاقوں کے لوگ کثیبہ کے قلعوں کی طرف بھاگ گئے یہاں سب سے بڑا قلعہ قموص تھا، بڑا مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا۔

ابن ابی عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں بیس دن کا محاصرہ کیا یہ سرزمین صحت کے لئے مضر تھی (1)۔

شیخین نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، امام بخاری اور ابو نعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے سلمہ بن اکوع، ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر، ابن عباس، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمران بن حصین، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا۔ امام مسلم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام احمد، ابو یعلی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ، ابو نعیم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ کو آدھے سر کا درد ہوتا تھا، آپ ﷺ ایک یا دو دن ٹھہرتے اور باہر تشریف نہ لاتے۔ جب آپ ﷺ خیبر میں فروکش ہوئے تو آپ کو یہی تکلیف ہو گئی تو آپ لوگوں کے پاس تشریف نہ لائے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا لیا، سخت جنگ کی پھر دوبارہ حملہ کیا۔ دوسرے دن کی جنگ پہلے دن کی جنگ سے سخت تھی۔ آپ پھر لوٹ آئے اور فتح نہ ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ پہلے دونوں دن یہودیوں کو غلبہ حاصل رہا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کے بارے میں بتایا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کل جھنڈا میں ایسے آدمی کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا کرے گا، وہ میدان سے بھاگنے والا نہیں ہو گا، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو گا اور زبردستی فتح حاصل کرے گا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم خوش تھے کہ کل فتح ہو جائے گی۔ لوگ رات کے وقت آپس میں باتیں کرتے رہے کہ کل کس کو جھنڈا دیا جائے گا۔ جب صبح ہوئی تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ حضور ﷺ جھنڈا اسے عطا فرمائیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی مگر میں نے اس دن اس کی خواہش کی۔ جب رسول اللہ ﷺ صبح بیدار ہوئے اور صبح کی نماز پڑھی پھر آپ نے جھنڈا منگوایا، آپ کھڑے ہوئے۔ ابن شہاب رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نے لوگوں کو وعظ فرمایا پھر فرمایا علی کہاں ہیں۔ لوگوں نے عرض کی ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ صحابہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ حضرت مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ کو ساتھ لایا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس نے عرض کی میری آنکھ میں آشوب چشم کا مرض ہے، میں سامنے نہیں دیکھ سکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرے قریب ہو جاؤ۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے میرا سر اپنی گود میں رکھا پھر اپنے ہاتھ میں اپنا لعاب لیا اور میری آنکھوں میں مل دیا۔ صحابہ نے بیان کیا وہ یوں صحت یاب ہو گئے

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 122 (العلمیہ)

گویا انہیں آنکھ کی تکلیف تھی ہی نہیں۔ آپ کو بعد میں بھی آنکھ کی تکلیف نہ ہوئی یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کے حق میں دعا کی اور انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) میں ان سے جنگ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ وہ ہماری مثل ہو جائیں (اسلام قبول کرلیں)۔ حضور ﷺ نے فرمایا آہستہ آہستہ ان کی طرف چلو جب تم ان کے علاقے میں پہنچو تو انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دو اور انہیں یہ بتاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کا تمہارے اوپر کیا حق ہے؟ اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے کسی ایک آدمی کو ہدایت دے تو تیرے لئے یہ سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ لشکر کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ قلعہ کے نیچے جا کر پڑاؤ ڈالا۔ ایک یہودی نے قلعہ سے آپ کی طرف جھانکا اس نے پوچھا تو کون ہے؟ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں علی ہوں، یہودی نے کہا اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا تم غالب آ گئے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ واپس نہ ہوئے مگر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔

محمد بن عمر و رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خیبر کے قلعوں میں سے سب سے پہلے دعوت مبارزت دیتے ہوئے جو باہر آیا وہ حارث تھا، جو مرحب کا بھائی تھا اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ حارث کے ساتھی قلعے کی طرف لوٹ گئے پھر عامر باہر آیا۔ یہ بڑا لمبا اور مضبوط جسم کا مالک تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عامر آیا ہے کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اس کے پانچ بازو ہیں وہ مقابلہ کی دعوت دے رہا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لئے نکلے اور اسے قتل کر دیا پھر یاسر باہر آیا، اس کے مقابلہ کے لئے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نکلے تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے کہا میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو میرے اور اس کے درمیان حائل نہ ہو۔ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لئے نکلے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ میرے بیٹے کو قتل کر دے گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تیرا بیٹا اسے قتل کرے گا انشاء اللہ تعالیٰ تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا میرے چچا میں تجھ پر قربان فرمایا ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حواری ہوتا ہے میرے حواری حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے مرحب رجز یہ اشعار پڑھتے ہوئے باہر نکلا تو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب میں نے مرحب کو قتل کر دیا تو میں اس کا سر حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لایا(2)۔ بیہقی اور محمد بن عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ نے مرحب کو قتل کیا(3) جبکہ صحیح وہ ہے جو مسلم شریف میں ہے کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ابو رافع رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے، جب حضور ﷺ نے آپ کو یہودیوں سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا۔ جب آپ قلعہ کے قریب پہنچے تو قلعہ والے باہر نکل آئے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی۔ ایک یہودی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وار کیا تو آپ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی۔ قلعہ کے نزدیک ایک دروازہ تھا جس کو آپ رضی اللہ عنہ نے اٹھا لیا اور اسی کو ڈھال بنا لیا، یہ دروازہ آپ کے ہاتھ میں رہا اور آپ جنگ کرتے رہے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ جنگ سے فارغ ہوئے تب آپ نے اس دروازے کو پھینکا پھر سات افراد تھے اور میں ان کے ساتھ آٹھواں تھا ہم اس دروازے کو الٹنا چاہتے تھے لیکن اسے نہ الٹ سکے(4)۔

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 124 (العلمیہ)
2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 111 (صادر)
3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 4، صفحہ 216 (العلمیہ)
4۔ ایضاً، صفحہ 212

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دو سندوں سے مطلب بن زیاد سے، انہوں نے لیث بن سلیم سے، انہوں نے ابو جعفر محمد بن علی سے، انہوں نے اپنے آباء سے روایت کیا ہے، کہا مجھے جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے خیبر کے روز وہ دروازہ اٹھایا جس پر مسلمان چڑھے اور انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا اسے چالیس آدمی نہ اٹھا سکے (1) اس کے راوی ثقہ ہیں مگر لیث بن سلیم ضعیف ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک اور سند سے بھی یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو سند ضعیف ہے کہا ستر آدمی جمع ہوئے ان کی کوشش تھی کہ دروازہ کو واپس اسی جگہ رکھ دیا جائے (2)۔ صالحی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے، واللہ اعلم۔ ابوالحقیق کے قلعہ قموص سے کچھ قیدی لائے گئے، ان میں صفیہ بنت حیی بن اخطب بھی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں اور ایک عورت کو اس راستہ سے لائے جہاں یہودیوں کے مقتول پڑے تھے۔ جب اس عورت نے مقتولوں کی لاشوں کو دیکھا تو چیخنے لگی، اپنے چہرے پر طمانچے مارے اور اپنے سر پر مٹی ڈالی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا! اسے (شیطانہ کو) الگ لے جاؤ۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حکم دیا وہ آپ کے پیچھے نکلیں، آپ نے اپنی چادر اس پر ڈال دی۔ مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے لئے منتخب کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اس عورت کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تجھ سے رحم چھین لیا گیا تو ان عورتوں کو اس راستے سے لایا جہاں ان کے مردوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ صفیہ بنت حیی بنت اخطب نے ایک خواب دیکھا تھا، جبکہ اس کی شادی کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق سے ہوئی تھی کہ چاند اس کی گود میں گرا ہے۔ اس نے اپنا خواب اپنے خاوند سے ذکر کیا تو اس نے کہا اے فلاں تو حجاز کے بادشاہ محمد کی تمنا رکھتی ہے اور اس کے منہ پر تھپڑ مارا جس کی وجہ سے اس کی آنکھ پر نیل پڑ گیا۔ جب اسے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو وہ نشان موجود تھا۔ حضور ﷺ نے صفیہ سے اس نشان کے بارے میں پوچھا تو اس نے سارا واقعہ بیان کیا۔ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے عرض کی اے اللہ کے نبی قیدیوں میں سے مجھے ایک لونڈی عطا فرما دیجئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جاؤ ایک لونڈی لے لو تو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے صفیہ بنت حیی کو پسند کیا۔ ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا عرض کی اے اللہ کے نبی آپ نے دحیہ کو حیی کی بیٹی عطا فرما دی، جبکہ وہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کی سردار ہے، وہ آپ کے لئے ہی موزوں ہے۔ فرمایا ان دونوں کو بلا لاؤ۔ حضرت دحیہ صفیہ کو لے کر حاضر ہوئے۔ جب حضور ﷺ نے صفیہ کو دیکھا تو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اس کے علاوہ کوئی اور لونڈی لے لو۔ راوی نے کہا حضور ﷺ نے صفیہ کو آزاد کر دیا اور ان سے عقد نکاح کر لیا۔ ابھی آپ راستہ میں ہی تھے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے صفیہ کو تیار کیا اور حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پیش کر دیا۔ آپ نے صبح کی تو اپنی زوجہ سے متمتع ہو چکے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا جس کسی کے پاس کچھ ہو وہ اسے لے آئے، آپ نے چمڑے کا دستر خوان بچھایا کوئی آدمی کھجوریں لا رہا تھا، کوئی گھی۔ کہا میں گمان کرتا ہوں کہ راوی نے ستو کا ذکر کیا تو صحابہ نے حلوہ بنایا، یہی حضور ﷺ کا ولیمہ تھا۔ ثابت نے کہا اے ابوحمزہ حضور ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو کیا مہر عطا کیا تھا؟ کہا حضور ﷺ نے اسے آزاد کیا اور اس سے شادی کی (3)۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر کے دنوں میں ہمیں بھوک نے سخت ستایا۔ جب خیبر کا دن آیا ہم نے پالتو گدھے پکڑے، ہم نے انہیں ذبح کیا۔ جب ہنڈیاں جوش مارنے لگیں تو

1۔ دلائل النبوۃ، جلد 4، صفحہ 212 (العلمیہ)
2۔ ایضاً۔
2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 176 (الفکر)

حضور ﷺ کی طرف سے ایک منادی کرنے والے نے منادی کی کہ ہنڈیوں کو الٹ دو اور پالتو گدھوں میں سے کچھ نہ کھاؤ (1)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غنیمت کے اموال تقسیم ہونے سے پہلے بیچنے سے منع کیا اور ایسی حاملہ عورتوں سے وطی کرنے سے بھی منع کیا یہاں تک کہ وضع حمل ہو جائے۔ فرمایا کیا تو غیر کی کھیتی کو سیراب کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے پالتو گدھوں اور انیاب والے درندوں سے بھی منع کیا۔ اسے دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (2)۔ محمد بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ گدھوں کی تعداد بیس سے تیس تھی۔ ابن اسحق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضور ﷺ مال پر مال لیتے جاتے اور قلعہ پر قلعہ فتح کرتے جاتے یہاں تک کہ وہ وطیح اور سلالم تک پہنچ گئے۔ یہ فتح کے اعتبار سے خیبر کے آخری قلعے تھے۔ وہ قلعہ سے باہر نہیں آتے تھے اور نہ ہی ان کی ہلاکت کا یقین آ رہا تھا۔ آپ نے ان پر منجنیق نصب کرنے کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے چودہ دن تک ان کا محاصرہ کیا۔ انہوں نے حضور ﷺ سے صلح کی درخواست کی اور کنانہ بن ابی الحقیق نے ایک یہودی کو بھیجا جسے شماخ کہتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس بات پر صلح کی کہ قلعہ میں جو جنگجو ہیں ان کی جان محفوظ ہوگی اور ان کی اولادوں کو چھوڑ دیا جائے گا وہ خیبر اور اس کے علاقے سے اپنی اولادوں کے ساتھ نکل جائیں گے اور جو کچھ ان کے پاس مال، زمین، سونا، چاندی، گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ ہے سب حضور ﷺ کے لئے چھوڑ جائیں گے وہ اپنے ساتھ وہی کپڑے لے جائیں گے جو ان کے جسم پر موجود ہیں اگر تم کوئی چیز چھپاؤ گے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے وعدہ سے میں بری ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا آپ کو ان دونوں قلعوں سے سو زرہیں چار سو تلواریں پانچ سو عربی کمانیں ملیں ان کے ساتھ ترکش بھی تھے جبکہ کتیبہ سے پانچ سو کمانیں ترکشوں کے ساتھ پہلے ہی مل چکی تھیں (3)۔ ابن سعد اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے وہی ذکر کیا جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ کسی چیز کو چھپا کر نہیں لے جائیں گے اگر انہوں نے کسی چیز کو چھپایا تو ان کے لئے کوئی وعدہ نہیں (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کنانہ بن ابی الحقیق جو صفیہ بنت حیی کا خاوند تھا اسے اس کے بھائی ربیع اور اس کے چچازاد بھائی کو لایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حیی کے اس تھیلے کا کیا بنا جو بنو نضیر لائے یہ سونے سے بھرا ہوا تھا۔ دونوں نے کہا عام اخراجات اور جنگوں نے اسے ختم کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا زمانہ تھوڑا گزرا ہے جبکہ مال اس سے زیادہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا اگر تم دونوں نے مجھ سے اس کے متعلق چھپایا بعد میں مجھے اس کے بارے میں اطلاع مل گئی تو مجھ پر تمہارے خون حلال ہوں گے اسی طرح تمہاری اولادیں بھی میرے لئے حلال ہوں گی اس نے کہا ٹھیک ہے۔ حضرت عروہ اور محمد بن عمر رضی اللہ عنہم نے کہا جسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں سے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس خزانہ کی جگہ کے بارے میں اطلاع دے دی۔ حضور ﷺ نے کنانہ سے فرمایا تو اللہ کے حکم سے جھوٹا ثابت ہو گیا ہے۔ حضور ﷺ نے ایک انصاری کو بلایا فلاں میدان میں جاؤ وہاں دائیں طرف ایک کھجور کا درخت ہوگا اور ایک کھجور کا درخت بائیں طرف ہوگا وہاں جو خزانہ ہے اسے میرے پاس لے آؤ وہ صحابی ایک برتن اور کچھ مال لے آیا جس کی مالیت دس ہزار دینار لگائی گئی ان کی گردنیں اڑا دی گئیں اور ان کے گھر والوں کو قیدی بنا لیا گیا کیونکہ انہوں نے وعدہ خلافی کی تھی (5)۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 606 (وزارت تعلیم)　2۔ سنن الدار قطنی، جلد 3، صفحہ 69 (المحاسن)

3۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 131 (العلمیہ)　4۔ دلائل النبوۃ، جلد 4، صفحہ 229 (العلمیہ)

5۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 132 (العلمیہ)

حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عروہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے
حضرت موسیٰ بن عقبی رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو فتح کیا تو وہاں کے لوگوں نے کہا اے محمد ﷺ
ہمیں یہاں ہی رہنے دیجئے، ہم اس زمین کو سیراب کریں گے اور اس کو آباد کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے پاس
ایسے غلام نہ تھے جو اس کام کو سرانجام دیتے اور وہ خود بھی فارغ نہ تھے کہ اس فریضہ کو سرانجام دیں۔ حضور ﷺ نے انہیں اس شرط پر
اجازت دے دی کہ ہر قسم کی فصل میں سے تمہارے لئے نصف ہوگا اور باقی حضور ﷺ کے لئے ہوگا۔ ایک حدیث میں الفاظ یہ ہیں
جب تک ہم چاہیں تم آباد رہو گے۔ ایک حدیث میں الفاظ اس طرح ہیں جب تک اللہ تعالیٰ تمہیں برقرار رکھے گا۔ حضرت عبداللہ بن
رواحہ رضی اللہ عنہ ہر سال ان کے پاس آتے، تمام فصل باہر اکٹھی کراتے پھر دو حصوں میں تقسیم کرتے۔ یہودیوں نے آپ کی شکایت
حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں کی نیز انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو رشوت دینے کی بھی کوشش کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ
عنہ نے فرمایا اے اللہ کے دشمنوں کیا تم مجھے حرام کھلاتے ہو۔ میں ایسی ہستی کے پاس سے آتا ہوں جو مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب
ہیں اور تم مجھے بندروں اور خنزیروں سے بھی مبغوض ہو مگر تم سے بغض اور حضور ﷺ کی محبت مجھے تمہارے درمیان ناانصافی کی اجازت
نہیں دیتی تو یہودیوں نے کہا آسمان اور زمین اسی عدل پر ہی تو قائم ہیں تو اسی فیصلہ کی بناء پر وہ وہاں ہی ٹھہرے رہے۔ جب حضرت عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو مسلمانوں کو دھوکہ دیا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو چھت سے نیچے پھینک دیا اور آپ کے ہاتھوں کو
موڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے یہودیوں نے رات کے وقت ان پر جادو کر دیا تھا۔ صبح کے وقت وہ اٹھے تو ہاتھ کا جوڑ ٹیڑھا ہو گیا تھا گویا
ان کے ہاتھوں کو جکڑ دیا گیا تھا۔ آپ کے ساتھی آئے تو انہوں نے آپ کے ہاتھوں کو درست کیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے
لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا کہا رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ اپنے اموال میں سے حصہ دیں گے
اور فرمایا تھا ہم تمہیں یہاں اتنی دیر تک رکھیں گے جتنی دیر تک اللہ تمہیں رکھے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنا مال لینے کے لئے
گئے تھے، رات کے وقت ان کے ساتھ زیادتی کی گئی، ان کے ہاتھوں کو موڑ دیا گیا۔ ان یہودیوں کے علاوہ ہمارا وہاں کوئی دشمن نہیں، وہی
لوگ ہماری نظر میں کھٹکتے ہیں۔ میں نے ان کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا ہے جس کسی کا خیبر میں کوئی حصہ ہو وہ وہاں حاضر ہوتا کہ وہ اپنا
حصہ الگ کرا لے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے جلاوطن کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو ان کے ایک رئیس نے کہا جو ابی الحقیق کے
خاندان سے تھا آپ ہمیں یہاں سے نکالیں ہمیں یہاں ہی چھوڑ دیں ہم اس علاقہ میں اسی طرح رہیں گے جس طرح حضور ﷺ
اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہاں رہنے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے رئیس سے فرمایا کیا تجھے حضور ﷺ کا وہ
ارشاد یاد ہے کہ آپ نے فرمایا تھا تیرا کیا حال ہوگا جب تو خیبر سے نکلے گا، جبکہ تیری اونٹنی کئی راتیں دوڑتی ہوئی تجھے لے جائے گی تو اس
نے کہا وہ تو ابوالقاسم ﷺ کی طرف سے مذاق تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو نے جھوٹ بولا اور انہیں جلاوطن کر دیا۔
شیخین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، ابن سعد اور ابونعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، دوسرے محدثین نے
حضرت جابر، حضرت ابوسعید، حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے نیز زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ زینب بنت حارث جو
سلام بن مشکم کی بیوی تھی اور مرحب کی بھتیجی تھی اس نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک زہر آلود بکری بھون کر آپ ﷺ کی
خدمت میں بطور تحفہ بھیجی۔ اس نے پوچھا تھا کہ بکری کا کونسا گوشت حضور ﷺ کو زیادہ محبوب ہے تو بتایا گیا بازو کا گوشت زیادہ پسند

ہے۔ اس نے بازو کے گوشت میں زیادہ زہر ملایا اور باقی حصہ میں تھوڑا ملایا۔ حضور ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے، جبکہ آپ کے ساتھ بشر بن براء بھی تھے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے وہ بھنی ہوئی بکری پیش کی۔ نبی کریم ﷺ نے اس کا بازو لیا، اس سے گوشت نوچا اور منہ میں گھمایا۔ حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے اس بکری سے ہڈی لی اسے منہ میں گھمایا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت بشر رضی اللہ عنہ اس لقمہ کو نگل گئے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے اسے پھینک دیا تھا۔ ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب رسول اللہ ﷺ نے ایک لقمہ لیا تو بشر نے بھی لقمہ لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھ کھانے سے کھینچ لو کیونکہ بکری کا یہ کندھا مجھے بتا رہا ہے کہ وہ زہر آلود ہے۔ حضرت بشر رضی اللہ عنہ نے عرض کی مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو عزتوں سے نوازا میں نے اپنے لقمہ میں ایسی ہی بات پائی تھی مگر میں نے صرف آپ ﷺ کی تعظیم کی خاطر اسے باہر نہیں پھینکا۔ جب آپ ﷺ نے اپنے منہ میں لقمہ لیا تو میں اپنے آپ کو آپ ﷺ پر ترجیح نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے بھی امید رکھی کہ یہ زہر آلود نہیں، جبکہ اس میں زہر تھی۔ حضرت بشر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا رنگ چادر کی طرح بدلنے لگا اور وہ اسی جگہ فوت ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی روز اپنے کندھے پر پچھنے لگوائے۔ ابو ہند نے پچھنے لگائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی تکلیف باقی رہی یہاں تک کہ آپ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا۔ آپ نے فرمایا خیبر کے دن جو میں نے زہر آلود بکری سے ایک لقمہ کھایا تھا اس کا اثر اب بھی پاتا ہوں یہاں تک کہ مجھے موت نے آلیا تو اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے شہادت کا درجہ بھی پایا ہے۔ حضور ﷺ نے اس عورت کو بلا بھیجا جس نے اس بکری میں زہر ملایا تھا۔ اس عورت نے پوچھا آپ ﷺ کو کس نے بتایا؟ مجھے اس نے بتایا ہے جو میرے ہاتھ میں ہے وہ یہ بازو ہے۔ عورت نے اقرار کر لیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا آپ کو کس نے اس امر پر برانگیختہ کیا۔ عورت نے کہا آپ نے میری قوم کے ساتھ وہ سلوک کیا جو آپ پر مخفی نہیں، میں نے کہا اگر آپ صرف بادشاہ ہیں تو ہم اس سے نجات پا جائیں گے اگر وہ نبی ہیں تو انہیں خبر دے دی جائے گی تو حضور ﷺ نے ان سے درگزر کیا۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں معمر سے، انہوں نے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ وہ عورت مسلمان ہو گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کچھ نہیں کہا تھا۔ سلیمان تیمی نے اس کے مسلمان ہونے کے بارے میں یقین سے ذکر کیا ہے، اس کے یہ الفاظ بھی ہیں اگر تو جھوٹا ہے تو میں لوگوں کو تجھ سے آرام دے دوں گی۔ اب مجھ پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ آپ سچے ہیں میں آپ کو اور جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں لا الہ الا اللہ و محمد عبدہ و رسولہ۔ جب وہ مسلمان ہو گئی تو حضور ﷺ نے اسے کچھ نہ کہا۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث بزار رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موجود ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہودی عورت سے سوال کر لیا اور عورت نے اس کا اعتراف بھی کر لیا تو حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ بکری کی طرف بڑھایا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ ہم نے اس کا گوشت کھایا اور اس پر اللہ کا نام لیا تو اس گوشت نے ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ حافظ عماد الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت منکر اور غریب ہے۔ محمد بن عمر رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کے گوشت کے بارے میں حکم دیا کہ اسے جلا دیا جائے تو اسے جلا دیا گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو حضور ﷺ نے یہودی عورت کو قتل کرنے کا حکم دیا تو اس عورت کو قتل کر دیا گیا۔ اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ محمد بن عمر نے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے وہ عورت بشر بن براء کے اولیاء کے

حوالے کر دی گئی تو انہوں نے اس عورت کو قتل کر دیا۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ احتمال موجود ہے کہ آپ نے اس عورت کو چھوڑ دیا ہو کیونکہ حضور ﷺ اپنی ذات کی وجہ سے انتقام نہیں لیتے تھے پھر آپ ﷺ نے حضرت بشر رضی اللہ کے بدلے میں قتل کا حکم دیا ہو۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور ﷺ نے اس عورت کو چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کے قتل کے حکم کو مؤخر کیا یہاں تک کہ حضرت بشر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا کیونکہ حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے قصاص کا وجوب ثابت ہو گیا(1)۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کا قصہ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ہمیں یہ خبر پہنچی کہ حضور ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر گئے ہیں، جبکہ ہم یمن میں تھے تو ہم ہجرت کرتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہماری کشتی نے ہمیں حبشہ پہنچا دیا۔ ہم حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہاں بھیجا ہے اور ہمیں یہاں ہی رہنے کا حکم دیا ہے، اس لئے ہمارے ساتھ ہی مقیم رہو۔ ہم ان کے ساتھ ہی ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ہم سب وہاں سے آئے۔ ہم حضور ﷺ سے اس وقت ملے جب آپ ﷺ نے خیبر فتح کر لیا تھا، آپ نے ہمیں بھی حصہ دیا۔ حضور ﷺ نے خیبر کی غنیمت سے صرف انہی کو حصہ دیا جو صلح حدیبیہ میں حاضر ہوئے تھے۔ جو آدمی اس غزوہ میں شریک نہیں ہوا تھا اسے کچھ حصہ عطا نہیں فرمایا تھا۔ صرف کشتی والوں (جو حبشہ سے ہجرت کر کے آرہے تھے) کو حصہ عطا فرمایا۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ ان دو باتوں میں سے کس پر زیادہ خوشی کا اظہار کروں خیبر کی فتح پر یا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد پر۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو دیکھا تو شرمندہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے فرمایا تمہاری دو ہجرتیں ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی دوسیوں کی آمد کا قصہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، میں طیبہ آیا جبکہ قبیلہ دوس کے اسی خاندان بھی یہاں آئے پھر ہم خیبر آئے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نطاہ کو فتح کر چکے تھے اور آپ کتیبہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ ہم وہاں ہی ٹھہرے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا کی۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں سے گفتگو فرمائی اور ہمیں مال غنیمت میں شریک کر لیا۔ اسے امام احمد، امام بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی تاریخ میں حاکم، بیہقی، ابن خزیمہ اور طحاوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے(3)۔

فدک کا قصہ

جب فدک کے لوگوں نے حضور ﷺ کے اس طرز عمل کے بارے میں سنا جو حضور ﷺ نے خیبر والوں کے ساتھ کیا تھا تو انہوں نے رسول ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ انہیں یہاں سے جانے دیں، ان کی جانوں کو امان ہو گی اور وہ اپنا سب مال چھوڑ جائیں گے تو حضور ﷺ نے ان کی شرائط مان لیں اور انہیں اس شرط پر یہاں رہنے کی اجازت دی کہ جب ہم چاہیں گے انہیں نکال دیں گے۔ خیبر

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 132 (العلمیہ) 2۔ دلائل النبوۃ، جلد 4، صفحہ 244 (العلمیہ) 3۔ ایضاً، صفحہ 247

کا علاقہ مسلمانوں پر تقسیم کر دیا گیا اور فدک کا علاقہ صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے مختص ہو گیا کیونکہ ان پر گھوڑے اور اونٹ دوڑانے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر کے یہودیوں کو جلاوطن کیا تو فدک کے یہودیوں کو بھی جلاوطن کر دیا۔

خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم

جب وطیح اور سلالم کے قلعے صلح کے ذریعے فتح ہو گئے تو حضور ﷺ نے ان کے اموال کو ان لوگوں کے لئے مختص کر دیا جو کسی حادثہ کا شکار ہوں۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری، دوسی خاندانوں اور حبشہ سے آنے والے لوگوں کو اسی مال سے حصہ عطا فرمایا تھا، حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ خیبر کے کچھ علاقے صلح سے فتح ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کا اہل حدیبیہ سے مشورہ ان کے حقوق میں کمی کے متعلق نہیں تھا بلکہ یہ عام مشورہ تھا اور شاورھم فی الامر کے حکم پر عمل تھا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ خیبر کے اموال میں سے شق، نطاۃ اور کتیبہ کے اموال مجاہدوں میں تقسیم کئے گئے کتیبہ کے اموال میں سے حضور ﷺ نے خمس وصول فرمایا جو نبی کریم ﷺ قریبی رشتہ داروں، مساکین، مسافروں، ازواج مطہرات کی ضروریات اور ان لوگوں کی ضروریات کے لئے استعمال کیا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور اہل فدک کے درمیان بات چیت کا فریضہ سرانجام دیا تھا۔ ان میں سے ایک محیصہ بن مسعود تھا جسے حضور ﷺ نے تیس وسق جو اور تیس وسق کھجوریں عطا فرمائیں۔ نطاۃ اور شق کے اموال غنیمت غازیوں کے حصہ میں آئے۔ آپ نے ان کے کل اٹھارہ حصے بنائے۔ نطاۃ کے پانچ حصے تھے اور شق کے تیرہ حصے تھے۔ اہل حدیبیہ میں سے جو خیبر میں حاضر تھا یا اس سے غائب تھا اس کو یہ مال عطا فرمایا۔ اہل حدیبیہ میں سے صرف حضرت جابر بن عبداللہ بن حرام غائب تھے۔ آپ نے ان کا حصہ بھی حاضرین کی طرح بنایا، پیدل افراد کی تعداد چودہ سو تھی، دو سو سوار تھے۔ ایک حصہ گھوڑے کا تھا اور ایک حصہ سوار کا تھا، پاپیادہ کا ایک حصہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا حصہ بھی دوسرے غازیوں کی طرح ایک حصہ تھا۔ خیبر کے تمام حصوں کے اٹھارہ رئیس بنائے گئے اور سو حصے رئیس کے ساتھ جمع کر دیئے گئے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ ایک رئیس تھے، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ دوسرے تھے۔ ابن اسحق رحمۃ اللہ علیہ نے تمام کی وضاحت کی ہے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کرنے کا حکم دیا تو خیبر کی غنیمتیں پانچ حصوں میں تقسیم کی گئیں، ایک حصہ اللہ کے لئے اور باقی چار کے اٹھارہ حصے بنائے۔ ایک حصہ سو آدمیوں کے لئے اور گھوڑے کے لئے چار حصے (1)

وادی قری کی فتح کا قصہ

جب رسول اللہ ﷺ خیبر سے وادی قری کی طرف گئے تو آپ نے وہاں کے رہنے والوں کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اس سے انکار کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بزور طاقت فتح کیا اور ان کے اموال کو مال غنیمت کے طور پر تقسیم کر دیا۔ مسلمانوں کو اس سے سامان اور اسباب ملے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے خمس وصول کیا اور زمین یہودیوں کے ہاتھ میں ہی رہنے دی اور ان سے اسی طرح کا معاہدہ کیا جس قسم کا معاہدہ خیبر والوں سے کیا تھا (2)۔

وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 5، صفحہ 141 (العلمیہ) 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 148

"اور کئی مزید فتوحات بھی جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے لیکن وہ اللہ کے احاطہ قدرت میں ہیں اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے[1]"

[1] اُخریٰ محل نصب میں ہے، اس کا عطف مغانم کثیرۃ پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے اور غنیمتوں کا وعدہ بھی کیا ہے یا اس کا عطف ھذہٖ پر ہے، یعنی اس غنیمت کے بعد تمہارے لئے بہت جلد مزید غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے یا یہ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اور غنیمتوں کو مقدر فرمایا ہے جو بھی تعبیر کریں لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا ید اخریٰ کی صفت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اخریٰ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہو اور لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا اس کی صفت ہو اور قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا یہ مبتدا کی خبر ہو یا لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا مبتدا کی خبر ہو اور قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ عَلَيْهَا کی ضمیر سے حال ہو اور مغانم سے مراد فارس اور روم کی غنیمتیں ہوں۔ عرب اس سے پہلے ایرانیوں اور رومیوں سے جنگ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ وہ اسلام کی وجہ سے ان کے ساتھ جنگ کرنے پر قادر ہوئے۔ حضرت ابن عباس، حسن بصری اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی تعبیر کی ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے غزوہ حنین کی غنیمتیں مراد ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے خیبر کے بعد جو بھی فتح عطا فرمائی ہے وہ مراد ہے، یعنی یہ سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اس لئے اس نے تم کو کامیابی سے نوازا یا یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ تمہیں فتح سے نوازے گا۔ اگر چہ تم کسی چیز پر قادر نہ تھے تاہم اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾

"اور اگر جنگ کرتے تم سے یہ کفار تو پیٹھ دے کر بھاگ جاتے پھر نہ پاتے کسی کو (دنیا بھر میں) اپنا دوست اور مددگار[1]"

[1] الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے مراد اہل مکہ ہیں اور جن لوگوں نے صلح نہ کی۔ وَلِيًّا سے مراد ایسا حامی جو ان کی حفاظت کرے اور نَصِيْرًا سے مراد مددگار ہے جو زبردستی ان کو چھڑا سکے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

"یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور اللہ کے دستور میں تو ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا[1]"

سُنَّةَ کا لفظ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: سَنَّ اللّٰهُ سُنَّةً عَلَيْهِ اَوْلِيَائِهٖ وَاَنْبِيَائِهٖ عَلٰى اَعْدَائِهٖ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے۔ ایک موقع پر فرمایا اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ایک اور جگہ فرمایا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ یہ طریقہ سابقہ امتوں میں بھی چلا آرہا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

"اور اللہ وہی ہے جس نے روک دیا تھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے وادی مکہ میں باوجود یکہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا[1]"

[1] ھم ضمیر سے مراد کفار مکہ ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ مکہ مکرمہ کے اسی آدمی اور دوسری

روایت میں ستر آدمی جبل تنعیم سے حملہ کی نیت سے ظاہر ہوئے تو انہیں پکڑ لیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں معاف کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں یہ ذکر تھا کہ ہم پر تیس آدمی حملہ آور ہوئے۔ مسلم بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے چار آدمیوں پر تلوار سونت لی۔ ابو عمرو نے یاء کے ساتھ یعلمون غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے، جبکہ باقی قراء نے ''تاء'' کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔ وہ کیونکہ بصیر ہے اس لئے ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا۔

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٢٥﴾

''یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا مسجد حرام (میں داخل ہونے) سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی کہ وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں) چند مسلمان مرد اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روند ڈالو گے انہیں سو تمہیں پہنچے گی ان کی وجہ سے عار بے علمی کے باعث (نیز) تاکہ داخل کر دے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے اگر یہ (کلمہ گو) الگ ہو جاتے تو (اس وقت) جنہوں نے کفر کیا ان میں سے تو ہم انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے۔''

الَّذِينَ كَفَرُوا سے مراد اہل مکہ ہیں جنہوں نے تمہیں طواف کرنے سے روک دیا تھا۔ ھدی سے مراد وہ جانور ہے جسے مکہ مکرمہ بھیجا جائے وہ اونٹ ہو، گائے ہو یا بکری ہو۔ الھدی کا عطف صدوکم کی ضمیر منصوب پر ہے۔ ان یبلغ کا عطف الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ پر ہے گویا یہاں ایک عامل کے دو معمولوں کا ایک دوسرے پر عطف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان یبلغ کا تعلق معکوفا کے ساتھ ہو اور اس سے پہلے من مقدر ہو اور معکوفا، الھدی سے حال ہو۔ محلہ سے مراد حرم کا علاقہ ہے۔ اس کو محل اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہاں اس کا وقت پورا ہو جاتا ہے۔ احناف نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ ھدی کو حرم کی حدود میں ہی ذبح کیا جا سکتا ہے اور محصر اپنی ھدی حرم میں بھیجے گا۔ ہم نے یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں اس آیت فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ میں ذکر کیا ہے۔

لَمْ تَعْلَمُوهُمْ کا معنی یہ ہے کہ تم انہیں پہچانتے نہیں کیونکہ وہ مشرکوں کے ساتھ خلط ملط رہتے ہیں یا تم ان کے مومن ہونے کو نہیں پہچانتے رجال مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور بعد میں اس کی صفات ہیں ''ان تطؤھم'' یہ مضاف کی تقدیر کے ساتھ مبتدا سے بدل اشتمال ہے، اس کی خبر محذوف ہے، یعنی وہ مکہ مکرمہ میں موجود ہو۔ لولا کا جواب محذوف ہے۔ لو تذیلوا کے جواب نے اس کا جواب ذکر کرنے سے غنی کر دیا ہے۔ معنی یہ ہوگا اگر یہ بات ناپسند نہ ہوتی کہ تم ہماری مدد کی صورت میں اور کفار پر تمہیں غلبہ دینے کی صورت میں تم مومنوں کو روند ڈالو گے تو ہم ضرور کفار کو قتل اور قید کرنے کی صورت میں عذاب دیتے۔

فَتُصِيبَكُمْ کا عطف تطؤھم پر ہے۔ منھم سے مراد ان کی جہت سے ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے معرۃ کا معنی گناہ کیا ہے (1)

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا۔

کیونکہ قتل خطا بھی گناہ سے خالی نہیں ہوتا جس طرح کفارہ کا وجوب دلالت کرتا ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد دیت کی چٹی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد کفارہ ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد جنگ ہے۔ یہاں اس کا اطلاق مضرت پر ہوگا جسے جنگ کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ معصوۃ سے مراد مومنوں کے قتل پر افسوس کرنا اور اس امر پر کفار کو شرمندہ کرنا ہے۔

بِغَیْرِ عِلْمٍ ان تطؤھم کے متعلق ہے یا تصیبکم کے متعلق ہے جس طرح تنازع فعلین کا قاعدہ ہے۔ طبرانی اور ابو یعلی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابی جمعہ جنید بن سبع سے روایت کیا ہے کہ میں نے دن کے پہلے پہر کافر کی حیثیت سے حضور ﷺ کے ساتھ جنگ کی اور دن کے پچھلے پہر میں نے مسلمان کی حیثیت سے جنگ کی۔ ہم تین مرد اور سات عورتیں تھے، ہمارے متعلق ہی یہ آیت نازل ہوئی (2)۔

لِیُدْخِلَ یہ محذوف کے متعلق ہے جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے، یعنی مکہ مکرمہ میں زبردستی داخل ہونے سے روکنا اس لئے تھا تاکہ اللہ تعالیٰ اہل مکہ میں سے جسے چاہے اپنے دین اور جنت میں داخل کر دے۔ فتح مکہ کے روز بے شمار مشرکوں کو امان دی گئی تھی۔ اس ضمن میں یہ بات کی گئی یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کمزور مومنوں کو اپنی دنیوی رحمت، یعنی عافیت اور زیادہ عرصہ تک باقی رہنے میں داخل کر دے اگر یہ مومن کفار سے الگ ہو جاتے اور ممتاز ہو جاتے تو اہل مکہ میں سے کفار کو دنیا میں ہی قتل و قید کی صورت میں عذاب میں مبتلا کر دیتے۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٢٦﴾

"جب جگہ دی کفار نے اپنے دلوں میں ضد کو یعنی (زمانہ) جاہلیت کی ضد تو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین کو اپنے رسول (مکرم) پر اور اہل ایمان پر اور انہیں استقامت بخش دی تقویٰ کے کلمہ پر اور وہ اس کے حق دار بھی تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے [1]"

[1] اِذْ ظرف یا تو عذبنا کے متعلق ہے یا صدوکم کے متعلق ہے یا یہ اذکر فعل محذوف کے متعلق ہے اور اس کی ظرف ہے۔ دلوں میں حمیت راسخ کرنے کی صورت یہ بنی کہ انہوں نے حضور ﷺ کو طواف کرنے سے روک دیا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھنے سے انکار کیا، محمد رسول اللّٰہ کا انکار کیا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اہل مکہ نے کہا انہوں نے ہمارے بیٹوں اور بھائیوں کو قتل کیا۔ کیا پھر بھی وہ ہمارے شہر میں زبردستی داخل ہوں گے تو عرب یہی باتیں کریں گے کہ وہ زبردستی ہم پر داخل ہوئے۔ لات و عزیٰ کی قسم وہ مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوں گے۔

حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، اَلْحَمِيَّةَ سے بدل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنین پر سکینہ نازل فرمایا جس کے باعث وہ مطمئن ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے جنگ کرنے سے جو انہیں منع کیا تھا اس کی انہوں نے اطاعت کی، جبکہ وہ جنگ کرنے پر قدرت رکھتے تھے۔

ابن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک، عکرمہ، سدی، ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ اور اکثر مفسرین نے کہا کہ کلمۃ التقوی سے مراد لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ہے۔ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہے۔ عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ مراد ہے۔ زہری

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا   2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (1) ہے۔ ان سب کا مفہوم و معنی ایک ہی ہے۔ کلمہ کے لفظ کو تقویٰ کی طرف مضاف کیا کیونکہ کلمہ توحید ہی تقویٰ کا سبب اور اس کی بنیاد ہے اور مراد اہل تقویٰ کا کلمہ ہے۔ اسے اپنے اوپر لازم کرنے سے مراد حمیت چھوڑ کر ان کا اس پر ثابت قدم ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں یا اس کے مستحق تھے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی تائید اور اپنے نبی کی صحبت کے لئے چن لیا۔ یہ آیت اور اللہ تعالیٰ کا فرمان لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ روافض کے نقطہ نظر کو باطل قرار دیتی ہیں جو وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابہ کافر اور منافق تھے نعوذ باللہ من ذلک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو برباد کرے۔ صحابہ کے دلوں میں جو ایمان اور رسول اللہ ﷺ سے جو محبت ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ جب صلح ہوگئی اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے بغیر مدینہ طیبہ لوٹنا ثابت ہو چکا، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے جس طرح ہم نے صلح حدیبیہ کے قصہ میں ذکر کیا تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کے خواب کی کیا تعبیر ہے تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ کہ تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن و امان سے منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشواتے ہوئے تمہیں (کسی کا) خوف نہ ہوگا پس وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے تو اس نے عطا فرما دی (تمہیں) اس سے پہلے ایسی فتح جو قریب ہے لے۔“

لے یہ جملہ محذوف قسم کا جواب ہے۔ ماضی کا صیغہ ذکر کیا، جبکہ مراد مستقبل کا زمانہ ہے تا کہ اس کے یقینی وقوع پر دلالت ہو۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صدق و کذب دونوں قول میں ہوتے ہیں، یعنی جب خبر واقعہ کے مطابق ہو اس خبر کو صدق کہتے ہیں بصورت دیگر اسے کذب کہتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ دونوں الفاظ فعل کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اس صورت میں صدق تحقیق کے معنی میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ، یعنی انہوں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا یہاں بھی دوسرا معنی مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے خواب کو پورا کر دکھایا۔ اس صورت میں الرؤیا، رسولہ سے بدل اشتمال ہوگا۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صدق بھی دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اس صورت میں رسولہ مفعول اول اور الرؤیا مفعول ثانی ہوگا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے خواب کے معاملہ میں آپ کو سچا کر دکھایا مدارک میں ہے حرف جار حذف کر دیا اور فعل کا عمل مفعول تک پہنچا دیا۔

بِالْحَقِّ شبہ فعل محذوف کے متعلق ہے جس کا معنی حکمت بالغہ ہے اور یہ رؤیا سے حال ہوگا یا یہ مصدر محذوف کی صفت ہوگا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی صِدْقًا مُلْتَبِسًا بِالْحَقِّ وہ ایمان پر ثابت قدم اور اس میں متزلزل کے درمیان تمیز کا قصد کرتا ہے یہ بھی جائز ہے۔ کہ بالحق سے مراد اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم ہو کیونکہ حق اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے یا اس سے مراد باطل کی ضد ہو اور اس قسم کا جواب

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ ہے، بِالۡحَقِّ میں جو پہلی دو تعبیریں کی گئی ہیں اس اعتبار سے لَتَدۡخُلُنَّ محذوف قسم کا جواب ہے۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لَتَدۡخُلُنَّ یہ حضور ﷺ کا کلام ہے جو آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا، اپنے خواب کی حکایت کے طور پر ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خبر دی کہ آپ نے یہ قول کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ قول خواب کے فرشتہ کا ہو جس کی اللہ تعالیٰ نے حکایت کی۔ دونوں تقدیروں (۱) کی صورت میں انشاء اللہ کے ساتھ قید ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے آداب بجالانے کے لئے ہے، جبکہ اس پر پورا پورا یقین تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَایۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا ۙ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ۔ ابو عبیدہ نے کہا ان یہاں اذ کے معنی میں ہے۔ حسین بن فضل نے کہا یہ بھی جائز ہے کہ استثناء دخول سے ہو کیونکہ خواب اور اس کی تصدیق کے درمیان ایک سال کا عرصہ حائل تھا (۱) جبکہ اسی سال آپ کا وصال (ب) ہو گیا تو پھر اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ان شاء اللّٰہ تم میں سے ہر ایک مسجد حرام میں داخل ہوگا۔ اٰمِنِیۡنَ یہ لَتَدۡخُلُنَّ کے فاعل سے حال ہے اور درمیان میں شرط ان شاء اللہ جملہ معترضہ ہے مُحَلِّقِیۡنَ اور مُقَصِّرِیۡنَ یہ دونوں اٰمِنِیۡنَ کی ضمیر سے یا لَتَدۡخُلُنَّ کے فاعل سے حال ہوگا لَا تَخَافُوۡنَ یہ اٰمِنِیۡنَ کے فاعل سے حال موکدہ ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی اس کے بعد تمہیں کوئی خوف نہیں ہوگا۔ فعلم میں فاء سببیہ ہے اس کا عطف کلام محذوف پر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: اَخَّرَ الدُّخُوۡلَ لِحِکۡمَۃٍ فَعَلِمَ مِنَ الۡحِکۡمَۃِ فِی التَّاۡخِیۡرِ۔

فَتۡحًا قَرِیۡبًا سے مراد فتح خیبر ہے یا صلح حدیبیہ ہے۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ شَهِیۡدًا ﴿ؕ۲۸﴾

”وہ (اللہ) ہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کر تا کہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر اور (رسول کی صداقت پر) اللہ کی گواہی کافی ہے[1]“

بِالۡهُدٰی میں باء مصاحبت کے معنی میں ہے یا باء سببیہ ہے یا من اجلیہ کے معنی میں ہے۔ دین حق سے مراد دین اسلام ہے۔ الدِّیۡنِ کُلِّہٖ سے مراد تمام ادیان ہیں ان میں سے جو حق تھے ان کو منسوخ کر دیا اور جو باطل تھے ان کا فساد دلائل اور آیات کے ساتھ واضح کر دیا یا اللہ تعالیٰ کسی وقت ان ادیان کے حامل افراد پر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ میں باء زائدہ ہے۔ شَهِیۡدًا اسم جلالت لفظ اللہ سے حال ہے یا یہ نسبت سے تمیز ہے یعنی اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے یا اللہ تعالیٰ نے فتح کا جو وعدہ کیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے یا رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معجزات حضور ﷺ کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کا جو وعدہ کیا تھا اس پر اس آیت میں تاکید ہے اور یہ دونوں اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا کی تاکید ہیں درمیان میں جملے معترضہ ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ تَرٰىهُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا ۫ سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ

(۱) یہ فرشتے کا قول ہو یا رسول اللہ کا قول ہو۔ (مترجم)۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

(ب) یہ تعبیر درست نہیں کیونکہ صلح حدیبیہ سن چھ ہجری معاہدہ کے مطابق عمرہ سن سات ہجری فتح مکہ سن آٹھ ہجری، جبکہ آپ کا وصال سن گیارہ ہجری میں ہوا (مترجم)

السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۚۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــٴَـهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۲۹﴾

"(جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ (سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں آپس میں بڑے رحم دل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے، کبھی سجدہ کرتے ہوئے طلب گار ہیں اللہ کے فضل اور رضا کے ان (کے ایمان وعبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے یہ ان کے اوصاف تورات میں (مذکور) ہیں نیز ان کی صفات انجیل میں بھی (مرقوم) ہیں (یہ صحابہ) ایک کھیت کی مانند ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا پھر تقویت دی اس کو پھر وہ مضبوط ہو گیا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا تنے پر (اس کا جوبن) خوش کر رہا ہے بونے والوں کو تا کہ (آتش) غیظ میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار اللہ نے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے مغفرت کا اور اجر عظیم کا[1]"

[1] مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یہ جملہ اس امر کی وضاحت کر رہا ہے جس پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لفظ محمد موصوف ہو اور رسول اللہ اس کی صفت ہو اور لفظ محمد مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ھو الذی ارسلہ بالھدی محمد یا لفظ محمد مبتدا ہے اور اَلَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اس کا معطوف ہے اور ان کے مابعد اس کی خبر ہے یا اسم موصول مبتدا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے اور پھر جملے کا جملے پر عطف ہے۔ وہ کفار پر سخت ہیں، اس میں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ایک اور جگہ فرمایا لَا تَتَّخِذُوْا۔۔۔ بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ اور فرمایا وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اس قسم کی آیات بے شمار ہیں۔ وہ آپس میں رحم دل ہیں، وہ اللہ اور اس کے پیارے رسول کی محبت کی وجہ سے باہم محبت کرتے ہیں کیونکہ محبوب کا محب بھی محبوب ہوتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے میرے جلال کے زیر اثر کون باہم محبت کرنے والے ہیں؟ آج میں انہیں اپنے سائے میں جگہ عطا کروں گا، جبکہ آج میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث میں نقل کیا ہے(1)۔ حضور ﷺ کا ایک قول بھی آئے گا جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ہی ان سے محبت کی۔ اس آیت کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ اللہ تعالیٰ رافضیوں کو ذلیل ورسوا کرے جو یہ گمان رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام باہم ایک دوسرے سے بغض رکھتے تھے۔ اے محمد ﷺ آپ انہیں اکثر اوقات میں نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے رکوع وسجود میں دیکھیں گے وہ اللہ تعالیٰ سے فضل، یعنی جنت اور دیدار الٰہی چاہتے ہیں اور اس کی رضا کے طالب ہیں۔ سجدوں کا اثر ان کے چہروں سے عیاں ہے۔ سِیْمَاهُمْ مبتدا اور فِیْ وُجُوْهِهِمْ اس کی خبر ہے اور جملہ اسمیہ پہلے مبتدا کی خبر ہے۔ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ یہ اس ضمیر سے حال ہے جو ظرف میں پوشیدہ ہے، یعنی فِیْ وُجُوْهِهِمْ جس شبہ فعل کے متعلق ہے اس کی ضمیر سے حال ہے۔ ایک قوم نے کہا اس اثر سے مراد قیامت کے روز ان کے چہروں کا نور اور سفیدی ہے جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ دنیا میں سجدے کرتے رہے۔ یہی عوفی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ اور

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 317 (قدیمی)

ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نماز کی کثرت کی وجہ سے دنیا میں ان کے چہرے روشن ہوں گے۔ شہر بن حوشب نے کہا ان کے چہروں میں سے سجدہ گاہیں قیامت کے روز چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گی۔ ایک قوم نے کہا اس سے مراد اچھی حالت خشوع اور تواضع ہے۔ یہی والبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ یہی مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شب بیداری کی وجہ سے چہرے کی زردی مراد ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب تو انہیں دیکھے گا تو تو گمان کرے گا کہ وہ مریض ہیں، جبکہ وہ مریض نہیں۔ عکرمہ اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مراد پیشانیوں پر مٹی کا اثر ہے۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مٹی کا اثر اس لئے ہوتا ہے کیونکہ وہ تواضع کی وجہ سے کپڑے کی بجائے مٹی پر سجدہ کرتے تھے (1)۔ مذکورہ صفات تورات میں ہیں۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں کلام مکمل ہو گئی پھر انجیل میں جو ان کی صفات ہیں ان کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ کا عطف مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ پر ہو، یعنی یہ دونوں کتابوں میں مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان كَزَرْعٍ یہ جملہ مستانفہ ہو اور تشبیہ کے ذریعے اس حقیقت کا بیان ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ ذلک مبہم اشارہ ہو جس کی تفسیر اللہ تعالیٰ کا فرمان كَزَرْعٍ کرتا ہو۔ أَخْرَجَ شَطْأَهٗ یہ جملہ اور جو اس کے معطوف ہیں یہ سب زرع کی صفات ہیں۔ ابن کثیر اور ابن ذکوان رحمہما اللہ تعالیٰ نے طاء کے فتحہ اور باقی قراء نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ اس سے مراد کھیتی کی شاخیں ہیں، اس سے مراد دانے سے نکلنے والی ابتدائی کونپلیں ہیں۔ یعنی پہلے وہ نرم تھی اب سخت ہو گئی۔ سوق، ساق کی جمع ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے۔ جب وہ گھنی، سخت، قوی اور خوبصورت منظر والی ہو جاتی ہے تو کاشتکاروں کو خوش کرتی ہے۔ یہ دو مثالیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے صحابہ کے بارے میں بیان فرمائیں لیکن پہلی مثال صحابہ کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بھی ثابت ہوتی ہے جو امت میں سے بہترین لوگ ہوں، جبکہ دوسری مثال صرف صحابہ کے ساتھ مختص ہے، اس میں کوئی دوسرا آدمی شریک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو زمین میں بیج ڈالنے والا بنا کر بھیجا جن پر حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی شیر خدا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایمان لائے، ان کے بعد اور لوگ ایمان لائے۔ جن میں سے حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت حمزہ، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے لوگ ایمان لائے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے ان کی تعداد چالیس ہو گئی جس طرح كَزَرْعٍ (بے یارو مددگار) أَخْرَجَ شَطْأَهٗ اسلام ابتداء میں غریب تھا اگر اللہ تعالیٰ کی حمایت اسے حاصل نہ ہوتی تو قریب تھا کہ کفار اس کو مٹانے کے لئے سب جمع ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین صحابہ کی کوششوں سے اسے قوی بنا دیا۔ صحابہ نے حضور ﷺ کی حیات ظاہری اور اس کے بعد بھی اپنے خون سے اس کھیتی کو سینچا خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں پس اللہ کا دین مضبوط اور قوی ہو گیا اور تمام ادیان پر غالب آ گیا اور دوسروں کی حمایت سے مستغنی ہو گیا اور بیج لگانے والوں کو خوش کرنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی (2) ایک اور موقع پر فرمایا میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنے والی ہو گی، وہ لوگ جو اس سے الگ تھلگ ہوں یا اس کی مخالفت کریں وہ ان لوگوں کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے (3) اسی خصوصیت کی بناء پر صحابہ تمام لوگوں پر فضیلت

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　　2۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 30 (قدیمی)　　3۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 402 (الفکر)

لے گئے ہیں۔ فضیلت والے لوگوں میں سے کوئی بھی ان کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو گالیاں نہ دو۔ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو وہ صحابہ کے ایک مد (۱) یا اس کے نصف کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا (1) یہ حدیث متفق علیہ ہے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا صحابی جس علاقہ میں بھی فوت ہوتا ہے قیامت کے روز وہ دوسرے لوگوں کے لئے ایک قائد اور نور بنا کر اٹھایا جائے گا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے (2) یہی خصوصیت ہی عموماً صحابہ میں باہم فضیلت کا مادہ بنتی ہے جو ایمان لانے میں سبقت لے گئے جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جو دین کی کمزوری کے زمانہ میں اس کی تقویت کا باعث بنے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو یہ دوسرے صحابہ کی بنسبت فضیلت کے حامل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ۔ میں نے صحابہ کے عمومی اور خصوصی فضائل عقل و نقل کے اعتبار سے اپنی کتاب سیف مسلول میں ذکر کر دیئے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے صحابہ کی انجیل میں بیان فرمائی ہے کہ وہ تھوڑے ہوں پھر زیادہ ہو جائیں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور ﷺ کے صحابہ کی مثال انجیل میں اس طرح لکھی ہوئی ہے کہ ایک ایسی قوم ظاہر ہوگی، وہ کھیتی کی طرح بڑھے گی، وہ نیکی کا حکم دے گی اور برائی سے روکے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا کھیتی سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے اور شطأ سے مراد آپ کے صحابہ اور مومن ہیں۔

مبارک بن فضالہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ اسے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ الَّذِينَ مَعَهُ سے مراد حضرت ابوبکر ہیں أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ سے مراد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ سے مراد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا سے مراد حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ ہیں۔ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سے مراد باقی عشرہ مبشرہ ہیں۔ مثل زرع سے مراد حضور ﷺ ہیں أَخْرَجَ شَطْأَهُ سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اسی طرح اور کئی تعبیریں ذکر کی ہیں واللہ اعلم (3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد اہل مکہ سے کہا آج کے بعد اللہ تعالیٰ کی خفیہ عبادت نہیں کی جائے گی۔

لِيَغِيظَ بِهِمُ یں ھم ضمیر کا مرجع الَّذِينَ مَعَهُ ہے یا معنی کا اعتبار کرتے ہوئے شطأ ہے کیونکہ شطأ سے مراد وہ لوگ ہیں جو بعد میں اسلام میں داخل ہوئے۔ بھم جار مجرور فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت اور رحیم بنایا، ان کو زیادہ کیا، انہیں قوت عطا کی اور ان کے واسطہ سے اسلام کو قوی کیا تاکہ اس سے کفار کو غیظ و غضب میں مبتلا کرے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا جو اس حال میں صبح کرے کہ اس کے دل میں صحابہ کے بارے میں غیظ و غضب ہو تو وہ اس آیت کا مصداق بنے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مغفل سے مروی ہے میرے بعد انہیں اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنا لینا جس نے ان

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 13، صفحہ 196 (العلمیہ) 2۔ ایضاً، جلد 13، صفحہ 197 3۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

(۱) ایک سیر کے برابر جنس۔ (مترجم)

سے محبت کی تو انہوں نے میری محبت سے ہی ان کے ساتھ محبت کی اور جس نے ان سے بغض کیا تو اس نے میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض کیا۔ جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جو اللہ تعالیٰ کو اذیت دے امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پکڑ لے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا فرمایا یہ حدیث غریب ہے (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرے لئے راز یہ ہے کہ تو جنتی ہے۔ ایک قوم ہوگی جو تجھ سے محبت کا دعویٰ کرے گی (مگر وہ محبت کرنے والی نہیں ہوگی) وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ رافضی ہیں۔ اگر تو انہیں پائے تو ان سے جہاد کرنا کیونکہ وہ مشرک ہیں .... اسے امام بغوی اور دار قطنی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں نظر ہے۔ صحابہ کرام کے عمومی اور خصوصی فضائل وارد ہوئے ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔

منھم میں مِنْ بیانیہ ہے اور **ھم** ضمیر اسی طرف لوٹ رہی ہے جس طرف **بینھم** کی ضمیر لوٹ رہی ہے۔ مغفرت اور اجر کو نکرہ اس لئے ذکر کیا تاکہ ان کی عظمت شان کا اظہار ہو۔ اس پر اجماع ہے کہ صحابہ سب عادل ہیں اور سب کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت ہے۔

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 13، صفحہ 197 (العلمیہ)

سورۃ الحجرات

آیاتھا ۱۸ | سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ ۴۹ | رکوعاتھا ۲

سورۃ الحجرات مدنی ہے، اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

ہم تیری حمد کرتے ہیں اے وہ ذات پاک جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، ہم تیری تسبیح کرتے ہیں، ہم تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں، ہم تجھ سے بخشش کے طلب گار ہیں، ہم تیرا شکر بجالاتے ہیں، ہم دنیا و آخرت میں تجھ سے خیر کے طالب ہیں۔ ہمیں اپنے ان صالح بندوں کے ساتھ شامل کرلے جنہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب ہے زمین و آسمان اور جو کچھ اس میں ہے اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اس کا رب ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے، ہم تیرے رسول تیرے حبیب تمام مخلوقات کے آقا اپنے سید و سردار محمد ﷺ پر اور آپ کی تمام آل اور صحابہ اور ان کی اتباع کرنے والوں پر تا قیامت درود و سلام پیش کرتے ہیں، برحمتک یا ارحم الراحمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے ابو ملیکہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے انہیں خبر دی کہ بنی تمیم کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ان پر قعقاع بن معبد کو امیر بنا دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی نہیں بلکہ اقرع بن حابس کو امیر بنا دیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے محض میری مخالفت کا قصد کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آپ کی مخالفت کا کوئی ارادہ نہیں کیا۔ دونوں میں جھگڑا ہو گیا اور ان کی آوازیں بلند ہو گئیں (1) تو یہ آیت ولو انھم صبروا تک نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

"اے ایمان والو آگے نہ بڑھا کرو اللہ اور اس کے رسول سے ¹ اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے ²"

¹ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے لا تقدموا کو تاء اور دال کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ تقدم باب تفاعل سے مشتق ہے، اس میں سے ایک تاء کو حذف کر دیا گیا، جبکہ جمہور قراء نے تاء کے ضمہ اور دال کے کسرہ کے ساتھ تقدیم سے پڑھا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا باب تفعیل سے جو فعل ہے وہ بھی لازم ہے جیسے بین اور تبین کا معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ متعدی ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے اس کو حذف اس لئے کیا تا کہ ذکر کرنے کی صورت میں جو تعیین ہو جاتی اس کا وہم باقی نہ رہے۔ معنی یہ بنا کہ قول اور

1۔ صحیح بخاری، جلد 4، صفحہ 1834 (ابن کثیر)

فعل دونوں صورتوں میں اللہ اور اس کے رسول سے پیش قدمی نہ کرو یا اس کا مفعول مطلق متروک ہے، فعل متعدی کو فعل لازم کی جگہ رکھا ہے معنی یہ ہوگا تم سے تقدیم صادر نہ ہو۔

بَیْنَ یَدَیِ کا لفظ دائیں اور بائیں جہت میں برابر مسافت کے لئے بطور مجاز استعمال ہوتا ہے، اس میں تقدم زمانی کو تقدم مکانی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ معنی یہ بنے گا کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے پہلے نہ کوئی قول کرو اور نہ ہی کوئی فعل کرو۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ جنگ اور شریعت کے احکام میں تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے برعکس کوئی فیصلہ نہ کرو۔ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عرب کہتے ہیں حکم دینے، جھڑکنے اور منع کرنے میں امیر اور باپ سے سبقت نہ لے جاؤ(1) ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں اصل مقصود یہ ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ سے پہل نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر محض تعظیم کے لئے ہے اور اس بات کا شعور دلانے کے لئے ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہل کرنا گویا اللہ تعالیٰ سے پہل کرنا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مقام حاصل ہے جس کی تعظیم بجالانا اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالانا ہے اور آپ کی بے ادبی اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہے جس طرح اسی مفہوم کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ

ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو کچھ لوگوں نے حضور ﷺ سے پہلے قربانی ذبح کر دی تو حضور ﷺ نے انہیں دوبارہ جانور ذبح کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کو نازل فرمایا۔ ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اضاحی میں ان الفاظ سے اسے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے نماز سے پہلے قربانی کو ذبح کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(2)۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے دسویں ذی الحجہ کو ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا، فرمایا آج ہم سب سے پہلا کام یہ کریں گے کہ ہم نماز پڑھیں گے پھر ہم واپس آئیں گے اور ہم جانور ذبح کریں گے جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا اور جس نے نماز سے پہلے ہی جانور ذبح کر دیا یہ اس کا گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لئے جلدی تیار کر لیا قربانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں، متفق علیہ۔ حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو حضور ﷺ نے نماز ادا کی پھر آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا پھر آپ نے جانور ذبح کیا پھر فرمایا جس نے نماز کی ادائیگی سے پہلے جانور ذبح کیا ہے وہ دوبارہ جانور ذبح کرے، متفق علیہ۔ ہم نے جو احادیث ذکر کی ہیں ان سے امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ استدلال کیا ہے کہ امام کی نماز سے قبل قربانی ذبح کرنا جائز نہیں، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر مختلف ہے وہ کہتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کو سورج کے طلوع ہونے کے بعد قربانی کرنا جائز ہے، جبکہ اتنا وقت گزر چکا ہو کہ جس میں نماز اور دو خطبے دیئے جا سکتے ہیں۔ امام نے نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو۔ عطاء نے کہا مطلقاً سورج کے طلوع ہونے کے بعد قربانی کرنا جائز ہے۔ لیکن ان دونوں کے خلاف ان روایات سے دلیل قائم کی جائے گی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ فرمایا ہے ان احادیث میں اس کی کوئی دلیل نہیں کہ قربانی صرف اسی وقت جائز ہے جب وہ نماز عید اور امام کی قربانی کے بعد کی جائے شائد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول اللہ تعالیٰ کے اسی فرمان سے اخذ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قربانی سے پہلے قربانی ذبح نہ کرو، جبکہ امام رسول اللہ ﷺ کا نائب ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں حدیث آیت کی وضاحت کرتی ہے اس لئے جو چیز حدیث سے مستفاد نہیں اس کو بطور شرط ذکر نہیں کیا جا سکتا۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

مسئلہ :۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دیہاتی لوگوں کے لئے یہ جائز ہے کہ فجر ثانی کے طلوع ہونے کے بعد قربانی کر لیں، جبکہ وہاں عید کی نماز نہ پڑھی جاتی ہو، جبکہ باقی تینوں ائمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے جب تک امام کے نماز پڑھنے کا یقین نہ ہو اس وقت تک قربانی کرنا جائز نہیں، یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ جب تک امام کے نماز پڑھنے اور اس کے ذبح کرنے کا یقین نہ ہو اس وقت تک قربانی کرنا جائز نہیں۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے جب تک سورج کے طلوع ہونے کے بعد اتنا وقت نہ گزر جائے جس میں نماز اور دو خطبے دیئے جا سکیں اس وقت تک قربانی دینا جائز نہیں۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے کیونکہ تمام نصوص مطلق ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قربانی کو مؤخر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ کہیں اس کے باعث وہ نماز سے ہی غافل نہ ہو جائیں اس لئے دیہاتی لوگوں پر اس کی تاخیر کی کوئی وجہ نہیں جبکہ ان پر نماز عید بھی لازم نہیں، واللہ اعلم۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے تھے جو مہینے کا آغاز پہلے کر لیتے اور نبی کریم ﷺ سے پہلے ہی روزہ رکھ لیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان شروع ہونے سے پہلے ایک یا دو روز روزے نہ رکھو مگر ایسا آدمی روزہ رکھ سکتا ہے جو اپنی عادت کے مطابق روزہ رکھتا تھا تو وہ اس دن روزہ رکھ لے (وہ مخصوص دنوں میں روزہ رکھتا تھا کہ وہ دن رمضان کے شروع ہونے سے پہلے آ گئے) اس حدیث کو اصحاب صحاح ستہ کے اصحاب نے روایت کیا ہے، اصحاب سنن اربعہ نے روایت کیا ہے اور اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عمار سے معلق ذکر کیا ہے کہ جس نے شک کے روز روزہ رکھا، اس نے حضرت ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر اسے افطار کرو۔ اگر آسمان ابر آلود ہو جائے تو شعبان کے تیس دن پورے کر لیا کرو۔ یہ صحیحین میں بھی ہے۔ انہیں سے ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے اگر تمہارے اور چاند کے درمیان بادل حائل ہو جائے تو تیس دن پورے کرو اور مہینے کو پہلے ہی شروع نہ کر دو، واللہ اعلم۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ہمارے سامنے یہ بات ذکر کی گئی کہ کچھ لوگ یہ کہا کرتے تھے کاش اس معاملہ میں کوئی حکم نازل ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

سے اللہ تعالیٰ کا حق ضائع کرنے، رسول اللہ ﷺ کا حق ضائع کرنے اور اس کے حکم کی مخالفت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال اور نیات کو جانتا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ②

"اے ایمان والو[1] نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کریم کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو (اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال[2] اور تمہیں خبر تک نہ ہو[3]"

[1] زیادہ بصیرت کی استدعا کرنے، الفاظ میں مبالغہ پیدا کرنے اور جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس کے اہتمام کے لئے حرف نداء کو مکرر ذکر فرمایا ہے۔

[2] آپ ﷺ کے پاس اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو جس طرح تم ایک دوسرے کو ندا کرتے ہو اس طرح حضور ﷺ کو ندا نہ کرو اس

طرح کہ تم آپ کو آپ کے نام اور کنیت سے خطاب کرو بلکہ تم پر آپ ﷺ کی تعظیم بجالانا، آداب کا خیال رکھنا، آپ کی موجودگی میں آواز کو پست کرنا واجب ہے بلکہ آپ سے خطاب کرو تو یا نبی! اور یا رسول اللہ ﷺ یا اس جیسے باعث تکریم الفاظ سے خطاب کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں۔ اَنْ تَحْبَطَ سے پہلے کراھت کا لفظ مضاف محذوف ہوگا یا ان کے بعد لا نافیہ محذوف ہوگا، یہ فعل نہی کی علت ہوگا۔ یہ تقدیر بھی جائز ہے کہ لان تحبط نہی کے متعلق ہو اور اس میں لام عاقبت کا ہو کیونکہ توہین کے پہلو سے اپنی آواز کو حضور ﷺ پر بلند کرنا اور اونچی آواز سے بلانا کفر کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کا انجام اعمال کا ضائع ہونا ہے بشرطیکہ اس نے توہین کا قصد کیا ہو۔ ہم اس عمل سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ آداب بجالانے میں لاپرواہی کرنا اور اس کی نگہداشت نہ کرنا یہ حضور ﷺ کی صحبت کی برکات سے محرومی کا موجب ہے۔ جب صحابیت کا فائدہ مرتب نہ ہو تو صحابیت کا عمل باطل ہو جاتا ہے۔

ﮊ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ یہ اَعْمَالُكُمْ کی ضمیر مجرور سے حال ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے رازدارانہ بات کرتے تھے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں کہا جو اس آیت کے شان نزول کے بارے میں گزر چکی ہے۔ جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اتنے آہستہ انداز میں بات کرتے کہ حضور ﷺ سن نہ پاتے اور دوبارہ پوچھتے تھے (1)۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ گھر میں ہی بیٹھ گئے اور کہا میں تو جہنمی ہو گیا اور حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہونے سے رک گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا اے ابو عمر ثابت کو کیا ہو گیا کیا وہ بیمار ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی وہ میرے پڑوسی ہیں، مجھے ان کی بیماری کا کچھ علم نہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حضور ﷺ کے ارشاد کا ذکر کیا حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا یہ آیت نازل ہوئی اور تم جانتے ہو کہ میری آواز حضور ﷺ کے سامنے تم سب سے زیادہ ہوتی تھی پس میں تو جہنمی ہو گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پیش کی حضور ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ جنتی ہے (2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن ثابت بن قیس بن شماس سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ راستے میں بیٹھ گئے اور رونے لگے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے پوچھا اے ثابت تم کیوں رو رہے ہو کہا مجھے خوف ہے کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے میری آواز ہی سب سے بلند تھی اور میں ہی جہنمی ہوں مجھے ڈر ہے کہ میرے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، جبکہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ پر رونے کی کیفیت غالب آ گئی وہ اپنی بیوی جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس آئے۔ اس سے کہا جب میں گھوڑا باندھنے کی جگہ داخل ہوں تو اس کا کڑا میرے پاؤں میں باندھ دینا ان کی بیوی نے انہیں کڑے سے باندھ دیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس جگہ سے اس وقت تک باہر نہیں نکلوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے موت نہ دے دے یا اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ مجھ پر راضی نہ ہو جائے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں سب خبر دی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور میرے پاس بلا لاؤ۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 718 (وزارت تعلیم)　2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اسی جگہ آئے جہاں پہلے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا تو وہاں نہ پایا پھر ان کے گھر آئے اور انہیں گھوڑا باندھنے کی جگہ پایا پیغام دیا کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو بلاتے ہیں۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا اس کڑے کو توڑ دو۔ دونوں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا اے ثابت تم کیوں روتے ہو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری آواز بلند ہے اور مجھے خوف ہے کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تو اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تو پسندیدہ زندگی گزارے، شہادت کی موت پائے اور جنت میں داخل ہو۔ عرض کی میں اللہ اور اس کے رسول کی بشارت پر خوش ہوں میں اپنی آواز کبھی بھی رسول اللہ ﷺ پر بلند نہیں کروں گا(1)

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝٣

"بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے [1] انہی کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے [2]"

[1] وہ لوگ جو حضور ﷺ کی تعظیم کی خاطر اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے سینے تقویٰ کے لئے کھول دیتا ہے۔ اولئک مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے اور یہ جملہ اسمیہ ان کی خبر ہے۔ قاموس میں ہے امْتَحَنَ اللّٰهُ کا معنی ہے ان کے دلوں کو کھول دیا اور ان میں وسعت پیدا کر دی(2) اسی میں محنه، منعه، ضوبه کے معنی میں آتا ہے اور امتحنه اختبره کے معنی میں آتا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا انہیں تقویٰ کا تجربہ کرایا اور اس کی انہیں مشق کرائی یعنی ان کے ساتھ ممتحن کا سا معاملہ کیا تو انہیں مخلص پایا یا یہ پہچان لیا کہ یہ دل تقویٰ کے لئے ہی بنے ہیں اور اس کے لئے خالص ہیں کیونکہ امتحان کا مقصود بھی معرفت ہوتی ہے۔ یہاں لام محذوف فعل کا صلہ ہے یا یہاں موجود فعل کا صلہ ہے اور اس میں اصل کا اعتبار کیا گیا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مختلف قسم کے امتحانوں اور مشکل تکالیف میں سے گزارا تا کہ تقویٰ ظاہر ہو کیونکہ تقویٰ اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتا جب تک اس پر صبر نہ کیا جائے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تقویٰ کے لئے خالص کر دیا، یہ امتحن الذهب سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس نے سونے کو پگھلا دیا یا اسے میل کچیل سے الگ کر دیا۔

[2] حضور ﷺ کے ادب کی وجہ سے جو انہوں نے اپنی آوازوں کو پست کیا اور ان کی اطاعتوں کے باعث ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے یہاں مغفرت اور اجر کو جو نکرہ ذکر کیا گیا ہے یہ تعظیم کے لئے ہے۔ یہ جملہ انّ کی دوسری خبر ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے اور ان کی جزاء کا بیان ہے۔ ان کے حال کی خبر دی جا رہی ہے جس طرح ان کے بارے میں ایسے جملے کے ساتھ خبر دی گئی جو دو معرفوں سے مرکب ہے۔ یہاں مبتدا اسم اشارہ ہے۔ یہ ان تمام چیزوں کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے جنہیں ان کے عنوان کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی خبر اسم موصول اور اس کا صلہ ہے جو ان کے کمال کے انتہائی درجے پر پہنچنے پر دلالت کرتی ہے نیز اس پر بھی دال کہ وہ اپنی آوازوں کو پست کرنے اور حضور ﷺ کی رضا حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں اور اشارۃً ان لوگوں کے انتہائی شنیع ہونے کا ذکر ہے جو اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہیں اور بلند آواز سے آپ کو پکارتے ہیں اور جو ان امور کا ارتکاب کرے گا اس کا معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
2۔ القاموس المحیط، جلد 2، صفحہ 1620 (التراث العربی)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہم ایک جنتی کو اپنے سامنے چلتا ہوا دیکھتے تھے وہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ تھے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو قابل تعریف زندگی گزارے گا، تو شہادت کی موت پائے گا اور تو جنت میں داخل ہو گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا یمامہ کی جنگ کے روز جب مسیلمہ کذاب کے ساتھ مقابلہ تھا تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں میں کچھ شکست کے آثار دیکھے اور ایک جماعت بھاگ بھی گئی فرمایا ان لوگوں پر افسوس آپ نے حذیفہ کے غلام سالم سے فرمایا ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں تو اللہ کے دشمنوں کے ساتھ ایسی جنگ نہیں کرتے تھے پھر دونوں اسی جگہ ٹھہر گئے اور جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، جبکہ ان کے جسم پر زرہ موجود تھی آپ کی شہادت کے بعد ایک صحابی نے آپ کو خواب میں دیکھا حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا جان لو کہ فلاں مسلمان نے میری زرہ اتاری ہے اور اسے لشکر کی ایک جانب لے گیا ہے اور جہاں اس نے گھوڑا باندھا ہوا ہے وہاں اس نے اسے رکھا ہے اور اس کے اوپر ایک پتھر کی ہنڈیا رکھ دی ہے، تم خالد بن ولید کے پاس جاؤ، اسے زرہ کے بارے میں بتاؤ تا کہ وہ زرہ واپس لے پھر وہ زرہ حضرت ابوبکر کے پاس لے جاؤ جو رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں اور انہیں کہنا کہ مجھ پر قرض ہے اس زرہ کے بدلے میں قرض چکا دینا اور میرا فلاں غلام آزاد ہے۔ اس آدمی نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو خواب بتایا۔ آپ نے وہ زرہ تلاش کر لی، گھوڑا وہاں ہی تھا جہاں زرہ رکھی گئی تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ واپس لے لی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس خواب کے بارے میں بتایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی وصیت کو نافذ کر دیا۔ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے کہا میں کسی ایسی وصیت کو نہیں جانتا کہ وصیت کرنے والے کی موت کے بعد اسے پورا کیا گیا ہو مگر یہ ایک ایسی وصیت ہے جو اس کی موت کے بعد تسلیم کی گئی اور اسے نافذ کیا گیا۔ طبرانی اور ابو یعلی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سند حسن کے ساتھ زید بن ارقم سے نقل کیا ہے کہ کچھ بدو حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے وہ یوں آوازیں دینے لگے اے محمد ﷺ تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾

"بے شک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ۱؎ ان میں سے اکثر نا سمجھ ہیں ۲؎"

۱؎ جمہور قراء نے حجرات کو جیم کے ضمہ کے ساتھ، جبکہ ابو جعفر نے جیم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حجرۃ کی جمع میں یہ دونوں لغتیں ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حجر کی جمع ہے، جبکہ حجر حجرۃ کی جمع ہے پس الحجرات جمع کی جمع ہے۔ حجرۃ زمین کے ایسے قطعہ کو کہتے ہیں جسے دیواروں نے گھیر رکھا ہو، یہ حجر سے مشتق ہے جس کا معنی روکنا ہے۔ یہاں الحجرات سے مراد نبی کریم ﷺ کی ازواج کے حجرے ہیں۔ یہاں من ابتدائیہ ہے کیونکہ ندا باہر کی جانب سے کی گئی تھی۔ اس میں یہ بھی دلالت ہے کہ حضور ﷺ کمرہ کے اندر تھے کیونکہ آغاز کی جگہ اور اختتام کی جگہ مختلف ہونا ضروری ہے۔ ان کی آوازیں سب کے باہر سے تھیں کیونکہ اگر یہ واقعات متعدد ہوں تو پھر اسے اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ ان کی آوازیں کبھی ان حجرات کے باہر سے ہوئیں اور کبھی دوسرے حجرات کے باہر سے ہوئیں اگر قصہ ایک ہو تو آوازیں سب کے باہر سے ہوئیں یا اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایک ایک کمرے کے باہر آئے اور اس کے باہر سے آپ کو پکارا یا وہ سب حضور ﷺ کی تلاش میں مختلف حجرات کی طرف تقسیم ہو گئے۔

۲؎ اکثر ان میں سے عقل و شعور نہیں رکھتے کیونکہ وہ جنگل کے بدو تھے یا اس کا معنی یہ ہے وہ آپ کی عظمت، حشمت اور حسن ادب کو نہیں

جانتے تھے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ ان میں سے بعض عقلمند بھی تھے، وہ جلد بازی پر راضی نہیں تھے۔ یہاں بعض کے فعل کو کل کی طرف مجازاً منسوب کیا ہے۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ یہاں نفی سے مراد قلت ہو کیونکہ قلت عام کی نفی کی جگہ واقع ہوتا رہتا ہے۔

ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ جن لوگوں نے آپ کو بلایا تھا وہ عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس تھے جو ستر افراد کا وفد لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں دوپہر کے وقت حاضر ہوئے تھے۔ حضور ﷺ اپنی ازواج کے حجروں میں سے کسی ایک حجرے میں آرام فرما تھے۔ دونوں نے آواز لگائی اے محمد ﷺ ہماری طرف باہر آئیے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں سے روایت نقل کی ہے کہ اقرع بن حابس آیا تھا، اس نے یہ کہا تھا اے محمد ﷺ ہماری طرف باہر آئیے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے معمر سے، انہوں نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا، اس نے کہا میری تعریف زینت ہے اور میری ہجو برائی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ یہ روایت مرسل ہے اور ایک مرفوع روایت اس کی شاہد ہے جو حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ اور جابر رحمہما اللہ تعالیٰ کی حدیث ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت اور مابعد آیت بنی تمیم کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تھے اور دروازے پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ کو بلایا تھا۔ یہی چیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ بنو تمیم کے لوگ آئے تھے اور دروازے پر کھڑے ہو کر انہوں نے حضور ﷺ کو بلایا تھا اور کہا تھا اے محمد ﷺ ہماری طرف باہر آؤ کیونکہ ہم جس کی تعریف کریں وہ اس کے لئے زینت بن جاتی ہے اور ہم جس کی ہجو کریں وہ اس کے لئے عیب بن جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے، جبکہ آپ یہ ارشاد فرمار ہے تھے یہ تو اللہ کی شان ہے بے شک اس کی طرف سے کی گئی مدح زینت ہے اور اس کی طرف سے کی گئی مذمت عیب ہے۔ انہوں نے کہا ہم بنو تمیم کے لوگ ہیں۔ ہم، ہمارا شاعر اور ہمارا خطیب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ نے ثابت بن قیس سے فرمایا جو حضور ﷺ کا خطیب تھا اٹھو اور اسے جواب دو۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہیں جواب دیا۔ ان کا شاعر اٹھا، چند شعر کہے، نبی کریم ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا اٹھو اور اس کا جواب دو۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اٹھے اور اسے جواب دیا۔ اقرع بن حابس اٹھا کہا حضرت محمد ﷺ کو ہر خیر عطا کی گئی ہے ہمارے خطیب نے گفتگو کی تاہم تمہارا شاعر اچھا ہے پھر وہ حضور ﷺ کے قریب ہوا اور کلمہ شہادت پڑھا اشهد ان لا اله الا اللّٰه واشهد انک رسول اللّٰه رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اس سے قبل تمہارے اعمال تھے وہ تمہیں کوئی نقصان نہ دیں گے پھر حضور ﷺ نے انہیں ہدایا عطا فرمائے اور لباس دیا۔ عمرو بن اہتم چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے پڑاؤ میں رہ گیا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے بھی وہی عطا کیا جو انہیں عطا کیا تھا۔ بعض لوگوں نے اسے برابر حصہ دینے پر اعتراض کیا اور حضور ﷺ کی موجودگی میں ان کی باہم بحث چل پڑی تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے بنی عنبر کی طرف ایک چھوٹا لشکر بھیجا اور ان پر عیینہ بن حصن فزاری کو امیر متعین کیا۔ جب بنی عمرو کو معلوم ہوا کہ وہ ہماری طرف آ رہے ہیں تو وہ بھاگ گئے اور بال بچوں کو وہیں

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

چھوڑ گئے۔ حضرت عیینہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بال بچوں کو گرفتار کر لیا اور حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لے آئے۔ اس کے بعد ان کے بڑے، بچوں کا فدیہ دینے کے لئے آئے، وہ دو پہر کو پہنچے اور حضور ﷺ کو اپنے گھر میں قیلولہ کرتے ہوئے پایا۔ جب بچوں نے اپنے بڑوں کو دیکھا تو وہ اپنے آباء کے لئے بے چین ہو کر رونے لگے۔ حضور ﷺ کی ہر زوجہ کے لئے ایک کمرہ تھا۔ حضور ﷺ کے باہر تشریف لانے سے قبل ہی انہوں نے جلدی کی اور یوں آوازیں لگانے لگے اے محمد ﷺ ہماری طرف باہر نکلئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو نیند سے بیدار کر دیا۔ حضور ﷺ باہر تشریف لائے عرض کی اے محمد ﷺ ہمارے بال بچوں کا فدیہ لے لیں۔ حضرت جبرئیل امین نازل ہوئے کہا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ آپ اپنے اور ان کے درمیان ایک حکم معین کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کیا تم پسند کرتے ہو کہ میرے اور تمہارے درمیان سبرہ بن عمرو ثالث بنے، جبکہ وہ تمہارے دین پر ہے ان سب نے کہا ہم اس پر راضی ہیں۔ سبرہ نے کہا میں ان کے درمیان اس وقت تک فیصلہ نہیں کروں گا جب تک میرا چچا اس پر گواہ نہ بنے جس کا نام اعور بن شامہ تھا۔ وہ اس پر راضی ہو گئے۔ اعور نے کہا میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کے نصف سے فدیہ لے لیں اور نصف کو آزاد کر دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں اس پر راضی ہوں۔ آپ نے ان کے نصف سے فدیہ لیا اور باقی کو آزاد کر دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

”اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا ۱۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۲۔“

۱۔ یعنی اگر ان کا صبر ثابت ہو جاتا اور وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے میں اپنے آپ کو جلد بازی سے روک لیتے۔ جبکہ یہ جلد بازی تقاضائے عقل کے بھی خلاف تھی کیونکہ جس سے غرض ہو اس کی تعظیم بجالانی چاہئے خصوصاً وہ ہستی جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا مرتبہ حاصل ہو اور اس کا کوئی ہم پلہ بھی نہ ہو اور یہ صبر کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لے آتے تو بہتر ہوتا۔ اس میں یہ شعور بھی دلایا جا رہا ہے کہ مطلق نکلنا صبر کی غایت نہیں بن سکتا بلکہ انہیں اس وقت تک صبر کرنا چاہئے تھا کہ آپ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوں اور ان سے کلام فرمائیں۔ ایسا کرنا بہتر اس لئے ہے کیونکہ اس میں آداب کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعظیم بجالائی جاتی ہے جو ثنا، ثواب اور مقصود میں مذکا موجب ہیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کے حق میں بہتر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کو آزاد کر دیتے اور فدیہ کے بغیر انہیں چھوڑ دیتے (1)۔

۲۔ بے ادب اور حضور ﷺ کی تعظیم بجا نہ لانے والے کو نصیحت کرنے اور تنبیہ کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے کیونکہ وہ جاہل اور کم عقل ہیں۔ محمد بن یوسف صالحی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ عیینہ بن حصن کا سریہ جو بنی تمیم کی طرف بھیجا گیا تھا یہ نو ہجری محرم کے مہینے میں واقعہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ لشکر اس وقت بھیجا جب انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا جس طرح محمد بن عمر رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ قیدیوں میں سے گیارہ عورتیں اور تیس بچے تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے عمدہ سند سے حارث بن ضرار خزاعی سے روایت نقل کی ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے مجھے اسلام کی دعوت دی۔ میں نے اس کا اقرار کیا اور اسلام میں داخل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

مجھے زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دی، میں نے اس کا بھی اقرار کیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی قوم کی طرف جاتا ہوں، انہیں اسلام لانے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ جس نے میری بات مان لی میں اس کی زکوٰۃ جمع کروں گا۔ آپ فلاں فلاں وقت کوئی آدمی بھیج دیں وہ زکوٰۃ آپ کے پاس لے آئے گا۔ جب حارث نے زکوٰۃ کو جمع کیا اور وہ مقررہ وقت آ پہنچا، قاصد نہ پہنچا۔ حارث نے گمان کیا کہ اس کے معاملے میں کوئی ناراضگی ہوگئی ہے۔ اس نے اپنی قوم کے سرداروں کو بلایا، انہیں کہا کہ حضور ﷺ نے ایک قاصد بھیجنے کا وعدہ کیا تھا تو جو زکوٰۃ میرے پاس جمع ہے وہ لے لے، جبکہ حضور ﷺ سے وعدہ خلافی کا بھی کوئی امکان نہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کسی ناراضگی کی وجہ سے قاصد نہیں بھیجا چلو ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ حضور ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے ولید بن عقبہ کو بھیجا جب ولید بن عقبہ گیا تو ڈر گیا اور واپس لوٹ آیا اور حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں یہ کہا کہ حارث نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور مجھے قتل کا ارادہ کیا ہے۔ حضور ﷺ نے ایک لشکر حارث کی طرف بھیجا۔ حارث نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آرہے تھے کہ لشکر دیکھا ان سے پوچھا کہاں جارہے ہو۔ مجاہدین نے کہا تمہاری طرف۔ اس نے پوچھا کیوں تو مجاہدین نے کہا حضور ﷺ نے ولید بن عقبہ کو تیری طرف بھیجا۔ اس کا گمان ہے کہ تو نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور ولید کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے تو حارث نے کہا مجھے اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا نہ میں نے ولید کو دیکھا اور نہ ہی وہ میرے پاس آیا۔ جب حارث حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تو نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ہے اور میرے قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے؟ تو حارث نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا(1) تو مابعد آیت تا غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝

"اے ایمان والو اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر[1] تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو[2] ایسا نہ ہو کہ تم ضرر پہنچا دو کسی قوم کو بے علمی میں پھر تم اپنے کئے پر پچھتانے لگو[3]"

[1] طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل حضرت جابر بن عبد اللہ، علقمہ بن ناجیہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل عوفی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے۔ اسی طرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے حق میں نازل ہوئی جسے رسول اللہ ﷺ نے بنی مصطلق کی طرف زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ دور جاہلیت میں ولید اور بنی مصطلق کے درمیان دشمنی تھی۔ جب بنی مصطلق کے لوگوں نے اس بارے میں سنا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی وجہ سے وہ ولید کے استقبال کے لئے باہر آ گئے۔ شیطان نے اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ وہ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں اس لئے وہ راستے سے ہی رسول اللہ ﷺ کی طرف پلٹ آیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ بنی مصطلق نے صدقات دینے سے انکار کر دیا ہے اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ قوم کو ولید کے واپس چلے جانے کا علم ہو گیا، وہ رسول اللہ ﷺ

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 279 (صادر)

کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جب ہم نے آپ کے قاصد کے بارے میں سنا ہم اس کے استقبال کے لئے باہر نکلے تا کہ اس کی تعظیم بجالائیں اور اسے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کریں۔ انہوں نے واپس جانا مناسب سمجھا تو ہمیں خوف ہوا کہ وہ آپ ﷺ کے کسی خط کی وجہ سے واپس چلے گئے ہوں جو آپ ﷺ نے کسی ناراضگی کی وجہ سے بھیجا ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ کے اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے غضب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں انہیں تہمت کا مستحق جانا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خفیہ طریقہ سے لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ انہیں حکم دیا کہ اپنے ارادہ کو ان پر مخفی رکھیں تیز فرمایا خیال رکھنا اگر تم ان میں کوئی ایسی علامات دیکھو جو ان کے مومن ہونے پر دلالت کریں تو ان کے اموال کی زکوٰۃ وصول کر لینا اور اگر تم ایسی علامات نہ دیکھو تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ ان کے علاقے میں پہنچے، مغرب اور عشاء کی نمازوں کی اذان سنی، ان کے صدقات وصول کئے اور ان میں اطاعت اور بھلائی کے علاوہ کوئی چیز نہ دیکھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں واپس حاضر ہوئے اور صورتحال سے آگاہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ فاسق سے مراد ولید بن عقبہ اور نبا سے مراد قوم کے مرتد ہونے کی خبر ہے۔ فاسق اور نبأ کو نکرہ اس لئے ذکر کیا تا کہ حکم کے عام ہونے پر دلالت کرے گویا کلام یوں کی گئی کوئی بھی فاسق جیسی بھی خبر لائے۔

۲؎ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فتبینوا کو فتثبتوا پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے جب تک صورتحال واضح نہ ہو جائے تم فیصلہ کرنے میں رک جاؤ، جبکہ باقی قراء نے فتبینوا ہی پڑھا ہے جو تبین سے مشتق ہے، جس کا معنی وضاحت طلب کرنا یا معاملے کا ظاہر ہونا ہے۔ دونوں قرأتوں کا معنی قریب قریب ہے۔ یہاں فیصلہ کرنے یا امر کے ظاہر ہونے کو فاسق کی خبر کے ساتھ مشروط کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک عادل آدمی کی خبر قبول کرنا جائز ہے کیونکہ اس کی خبر کے قبول کرنے میں کوئی مانع نہیں۔

لغت میں فسق کا معنی نکلنا ہے، کہتے ہیں کھجور چھلکے سے باہر نکل آئی۔ اصطلاح شرع میں کبھی اس لفظ کا اطلاق کافر پر ہوتا ہے کیونکہ وہ ایمان سے خارج ہوتا ہے۔ قرآن کے محاورہ میں یہ اسی معنی میں غالب ہے، کبھی ایسے شخص کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے جس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو یا وہ گناہ صغیرہ پر اصرار کرے اور ابھی تک اس نے توبہ نہ کی ہو۔ اس آیت میں بالاتفاق یہی معنی ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ ولید بن عقبہ صحابی رسول تھے، اس جھوٹ سے پہلے ان کا فسق ظاہر نہ تھا۔ یہ جھوٹ ان کے فاسد ظن، اور جو لوگ زمانہ جاہلیت میں اس کے دشمن تھے ان پر تہمت لگانے پر مبنی تھا۔ شائد یہاں فاسق سے مراد ایسا شخص ہے جو کسی ایسی شے کی خبر دے قرائن جس کے جھوٹا ہونے پر دلالت کریں اگرچہ خبر دینے والے کی عدالت ظاہر ہو۔ یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ یہاں فاسق سے مراد وہ شخص ہو جس کا صدق اور عدالت ظاہر نہ ہو، اس لئے اس میں مستور الحال آدمی بھی شامل ہو جائے گا۔ بنی مصطلق حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خوشی سے مسلمان ہوئے تھے اور آپ کے احکام کو قبول کیا تھا۔ اب ان سے ارتداد کی خبر بہت ہی دور کی بات تھی، جبکہ ولید سے ارادہ یا فاسد گمان کے ساتھ جھوٹ صادر ہونا اس سے کم درجہ کی بات تھی، یعنی اس کا احتمال زیادہ تھا۔

۳؎ اَنْ تُصِيْبُوْا کی ترکیب کی دو صورتیں ہیں یا تو اس سے پہلے کراهة کا لفظ محذوف ہے یا لئلا تصیبوا ہے یعنی ان سے پہلے لام اور اس کے بعد لا محذوف ہے معنی یہ ہوگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ایسی قوم کے ساتھ جنگ کرو جو نافرمان نہ ہو۔ بِجَهَالَةٍ، اَنْ تُصِيْبُوْا کے

فاعل سے حال ہے، یعنی اس حال میں کہ تم معاملہ کی حقیقت اور قوم کی حالت سے ناواقف ہو۔ فَتُصْبِحُوْا کا عطف تُصِيْبُوْا پر ہے اور یہ تصیروا کے معنی میں ہے۔ عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ جار مجرور ندمین کے متعلق ہے۔ ندمین، تصبحوا کی خبر ہے، یعنی تم نے نافرمانی کے گناہ سے بری قوم سے جو جنگ کی ہے اس پر تم شرمندہ ہو۔ ندامت غم کی ایک قسم ہے جو کسی فعل پر ہے، جبکہ انسان تمنا یہ کرے کہ وہ اس سے صادر نہ ہوتا۔ اس آیت کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ بعض مومنوں نے بنی مصطلق سے جنگ کرنے کو حضور ﷺ کے سامنے مزین کر کے پیش کیا اور انہوں نے ولید کی بات کی تصدیق کی، جبکہ نبی کریم ﷺ نے ان کی بات نہ مانی اور حضرت خالد بن ولید کو صورتحال سے آگاہ ہونے کے لئے بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس آیت کے ذریعے خطاب کیا اور انہیں توقف کرنے اور حقیقت حال سے آگاہ ہونے کا حکم دیا جس طرح رسول اللہ نے کیا تھا تا کہ وہ بعد میں شرمندہ نہ ہوں اور ان پر یہ بھی واضح کیا کہ انہیں یہ زیبا نہیں تھا کہ وہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کو ایک کام کی رغبت دلائیں اور اس پر آپ کو مجبور کریں بلکہ ان پر یہ فرض ہے کہ ہر پسندیدہ اور ناپسندیدہ بات میں حضور ﷺ کی اطاعت کریں۔ اسی پر مابعد آیت بھی دلالت کرتی ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ۙ

''خوب جان لو تمہارے درمیان رسول اللہ تشریف فرما ہیں اگر وہ مان لیا کریں تمہاری بات اکثر معاملات میں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ[1] لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کفر، فسق اور نافرمانی کو[2]۔ یہی لوگ راہ حق پر ثابت قدم ہیں[3]''

[1] لَعَنِتُّمْ کا معنی ہے کہ تم گناہ اور ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لَوْ يُطِيْعُكُمْ والا جملہ یہ فیکم کی ضمیر سے حال ہے۔ انَّ اپنے اسم اور خبر کے ساتھ مل کر اعلموا کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے، جبکہ خبر مذکورہ حال کے ساتھ مقید ہے۔ معنی یہ ہوگا تم میں اللہ کے رسول ہیں اس حال میں کہ تم یہ ارادہ رکھتے ہو کہ رسول اللہ تمہاری رائے کی اتباع کریں اور اگر آپ ایسا کریں تو تم گناہ اور ہلاکت میں واقع ہو جاؤ گے۔ جب صحابہ کرام بنی مصطلق پر اس لئے غضبناک ہوئے کہ انہوں نے ولید کی زبانی یہ سنا تھا کہ وہ مرتد ہو گئے ہیں، ان کی یہ ناراضگی اللہ تعالیٰ کے لئے تھی، اپنی ذات کے لئے نہ تھی۔ سابقہ کلام جب ان کے گناہ گار ہونے اور ملامت کا مستحق ہونے کا وہم دلا رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر کو استدراک کی صورت میں بیان کیا۔

[2] آیت کے سیاق سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فسق کفر سے خفیف اور نافرمانی سے قبیح ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جماعت سے نکل جانا اور عقائد میں ایسی بدعت کا ارتکاب کرنا جس کے باعث اسے کافر قرار نہ دیا جا سکے یہ کفر سے مرتبہ میں کم اور اعضاء کی نافرمانی سے زیادہ خبیث ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ تم سے توقف نہ کرنے کا جو عمل صادر ہوا ہے یہ تمہاری ایمان سے محبت اور کفر سے بغض کے باعث ہے اس لئے نہ تم پر کوئی ملامت ہے اور نہ ہی تم پر کوئی گناہ ہے۔

[3] یہ جملہ معترضہ ہے اور اس میں خطاب کے صیغہ سے غائب کے صیغہ کی طرف التفات ہے اور اس میں یہ شعور دلایا جا رہا ہے کہ جس کی صفت تم جیسی ہو وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

"(یہ سب کچھ) محض اللہ کا فضل اور انعام ہے[1] اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے[2]"

[1] فضلًا اور نعمةً حبّب یا کرّہ کے مفعول لہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہیں، یہ راشدون کے مفعول لہ نہیں کیونکہ فضل اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور راشدون یہ اللہ کے فعل کا مسبب ہے لیکن اسے ان کی ضمیر کی طرف منسوب کیا ہے یا یہ مفعول مطلق ہیں کیونکہ ایمان سے محبت یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے۔ بعض ائمہ تفسیر نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تم میں اللہ کا رسول ہے اس لئے تم اس کی تکذیب نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو خبر دے دیتا ہے اور جھوٹے کے پردے کو چاک کر دیتا ہے اور لو یطیعکم نئی کلام ہے، یعنی اگر رسول اللہ تمہاری اطاعت کریں ان باتوں میں جو تم آپ کو بتاتے ہو جھوٹ بولتے ہوئے تو تم ضرور گناہگار ہو گے۔ یہ تاویل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یایھا الذین امنوا میں خطاب ولید اور اس جیسے لوگوں کو ہو، جبکہ بات اس طرح نہیں کیونکہ جھوٹے کو تو توقف کرنے کا خطاب نہیں ہوگا بلکہ سامع اس کا مخاطب ہے۔ بعض علماء نے یہ کہا واعلموا ان فیکم رسول اللہ کا معنی وہی ہے جو گزر چکا ہے، یعنی آپ سے جھوٹ نہ بولو اور لو یطیعکم نیا کلام ہے جس میں بعض ان مومنوں سے خطاب ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ترغیب دی کہ آپ ﷺ بنی مصطلق پر حملہ کریں اور استدراک (لکن کے بعد) میں خطاب بعض دوسرے مومنوں کو ہے جو حقیقت حال کے ظاہر ہونے تک توقف کا ارادہ رکھتے تھے۔ اولئک هم الراشدون میں یہی لوگ مراد ہیں۔ یہ قول جدال (باہمی جھگڑے) کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ اس صورت میں انتشار(1) ضمائر لازم آتا ہے، جبکہ قرینہ اور سبب بھی موجود نہیں۔ بہترین تعبیر وہی ہے جو امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔

[2] اللہ تعالیٰ مومنوں کے احوال جانتا ہے اور وہ حکیم بھی ہے، وہ توفیق عطا کر کے فضل و احسان فرماتا ہے۔

شیخین (بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ دراز گوش (ب) پر سوار ہوئے اور عبداللہ ابن ابی کے پاس گئے۔ ابن ابی نے کہا مجھ سے دور ہی رہیں۔ آپ کے دراز گوش کی بدبو نے مجھے اذیت دی ہے۔ ایک انصاری نے کہا اللہ کی قسم آپ کا دراز گوش خوشبو میں تم سے بہتر ہے۔ ابن ابی کی قوم کا ایک آدمی یہ سن کر غصے ہو گیا۔ دونوں میں باہم سخت کلامی شروع ہو گئی اور دونوں کے ساتھی بھی غصے میں آ گئے۔ دونوں کے حمایتیوں میں کھجور کی ٹہنیوں، ہاتھوں اور جوتوں کے ساتھ لڑائی شروع ہو گئی(1) تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

"اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر تو پھر سب (مل کر) لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف پس اگر لوٹ

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 370 (وزارت تعلیم)

(1) کبھی ایک ضمیر کا مرجع ایک چیز ہوتی ہے اور کبھی دوسری چیز ہوتی ہے۔ (ب)۔ گدھا۔

آ ئے تو صلح کرادو ان کے درمیان عدل و انصاف سے اور انصاف کرو بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے ۱؎ "

۱؎ طَآىِٕفَتٰنِ یہ فعل مضمر اقتتل کی وجہ سے مرفوع ہے جس کی تفسیر اقتتلوا کر رہا ہے، یعنی باہم جھگڑ پڑیں۔ جمع کا صیغہ معنی کے اعتبار سے لائے ہیں کیونکہ طائفہ سے مراد جماعت ہے۔ یہ جملہ شرطیہ ہے جس کی جزاء جملہ انشائیہ ہے، اسی وجہ سے جملہ انشائیہ کا ان پر عطف ہے۔ یہاں طائفتان کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے بینھما میں ضمیر تثنیہ کی ذکر کی ہے۔ اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے جو غلط راستے پر ہے اسے ظلم سے روکا جائے، شبہ کو دور کیا جائے اور دونوں فریقوں کو اللہ کی کتاب، رسول اللہ ﷺ کی سنت، باہمی حسد اور ایک دوسرے سے بغض نہ کرنے کی طرف دعوت دی جائے۔

اگر ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر زیادتی کرے اور قرآن و سنت کا فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کردے اور انہیں ظلم کرنے سے روکنا بھی ممکن نہیں کیونکہ ان کے حمایتی موجود ہیں تو جو حد سے تجاوز کرنے والے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ بھی اللہ کے حکم کی طرف واپس آ جائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جب وہ مظلوم ہو تو میں اس کی مدد کر سکتا ہوں، جب وہ ظالم ہو تو میں اس کی کیسے مدد کروں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا تو اسے ظلم سے روک دے تو یہی تیری مدد ہے (1)، متفق علیہ۔ اگر باہم جھگڑے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں تو عدل کے تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے ان میں صلح کرادو۔ اس میں یہ شعور بھی دلایا جا رہا ہے کہ اس سے قبل تمہارے درمیان جو جھگڑا ہو چکا ہے وہ تمہیں ناانصافی پر برانگیختہ نہ کرے۔ تمام معاملات میں انصاف سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اس لئے اس کی جزاء بھی اچھی دے گا۔ قسط کا معنی ظلم ہے۔ یہاں باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اس میں سلب کا خاصہ پایا جا رہا ہے، یعنی عدل کے ذریعے ظلم کو دور کردو۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

" بے شک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں ۱؎ پس صلح کرادو اپنے دو بھائیوں کے درمیان ۲؎ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے ۳؎ "

۱؎ انہیں بھائی اس لئے کہا کیونکہ وہ سب ایک اصل کی طرف منسوب ہیں، وہ اصل ایمان ہے جو ابدی زندگی کا باعث ہے۔ جب اس اصل کی بنیاد حضور ﷺ ہیں تو آپ مومنوں کے باپ ہوئے اور آپ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہوئیں۔ اوپر اصلاح کا جو حکم دیا گیا تھا یہ جملہ اس کی علت بیان کر رہا ہے اسی وجہ سے اس کے بعد دوبارہ اس کلام کو ذکر فرمایا۔

۲؎ بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ذکر کیا اور اسے ضمیر کی طرف مضاف کیا اصل میں جنہیں حکم دیا گیا مقصود وضاحت میں مبالغہ کا اظہار ہے۔ فاصلحوا میں فاء سببیہ ہے۔ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بین اخوتکم پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ پڑھا ہے یہاں تثنیہ کا صیغہ ذکر کیا ہے کیونکہ جن میں باہم اختلاف واقع ہوتا ہے وہ کم از کم دو فرد ہوتے ہیں۔

۳؎ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے حکم کی مخالفت نہ کرو تاکہ تمہارے تقویٰ کی وجہ سے تم پر رحم کیا جائے کیونکہ تقویٰ ہی باہم صلہ رحمی، محبت

1۔ الترغیب والترہیب، جلد 3، صفحہ 191 (الفکر)

اور رحم کرنے کا سبب بنتا ہے اور باہم رحم کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا باعث ہوتا ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے اللہ تعالیٰ اپنے رحمدل بندوں پر رحم فرماتا ہے(1) اسے حضرت مجدور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا جو بندوں پر رحم نہیں کرتا(2) یہ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت کیا جاتا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے اسے تلاوت کیا تو دونوں جماعتوں نے آپس میں صلح کر لی اور ایک دوسرے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ سعید بن منصور اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابو مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ دو مسلمان آپس میں الجھ پڑے تو ایک کی برادری دوسرے کی برادری پر غصے ہوگئی، وہ ہاتھوں اور جوتوں کے ذریعے ایک دوسرے کو مارنے لگے(3) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا شائد یہ قصہ بھی بعینہ پہلے والا قصہ ہو۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے نقل کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے سدی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ ایک انصاری تھا جس کا نام عمران اور اس کی بیوی کا نام ام زید تھا۔ اس کی بیوی نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے میکے جائے، اس کے خاوند نے اسے روک دیا اور اپنے گھر کی دوسری منزل میں پابند کر دیا۔ عورت نے اپنے رشتہ داروں کو پیغام بھیج دیا۔ عورت کے رشتہ دار آگئے، انہوں نے ساتھ لے جانے کے لئے عورت کو دوسری منزل سے اتارا۔ خاوند گھر سے باہر نکلا اور اپنے رشتہ داروں سے مدد طلب کی۔ اس کے چچا زاد بھائی آگئے تاکہ عورت کو رشتہ داروں کے ساتھ جانے سے روکیں، وہ ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے اور جوتوں سے مارنے لگے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلا بھیجا، آپ نے ان کے درمیان صلح کرا دی اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے(4)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نقل کیا اور امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہمیں بتایا گیا کہ یہ آیت دو انصاریوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کے درمیان کسی حق کے معاملہ میں کوئی جھگڑا چل رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا میں تم سے زبردستی لے لوں گا۔ یہ بات اس نے قبیلہ کی تعداد کے زیادہ ہونے کی وجہ سے کہی تھی۔ جبکہ دوسرے نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں معاملہ پیش کرنے کی دعوت دی۔ پہلے نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے درمیان جھگڑا اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ وہ الجھ پڑے اور وہ ایک دوسرے کو ہاتھوں اور جوتوں سے مارنے لگے ابھی ان کے درمیان تلواروں کے ساتھ جنگ نہیں ہوئی تھی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جھگڑا دو قبیلوں کے درمیان تھا۔ ایک ثالث ماننے کا کہتا، جبکہ دوسرا اس سے انکار کر دیتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(5) شائد یہ قصہ وہی ہے جو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے گالی دیتا ہے۔ جو اپنے بھائی کی ضرورت پورا کرنے میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات پوری فرما دیتا ہے جو کسی مسلمان کی کوئی مصیبت دور کرے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور فرما دے گا۔ جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان مسلمان کا

1۔ کنز العمال، جلد 3، صفحہ 164 (التراث الاسلامی) 2۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 169 3۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے تنہا چھوڑتا ہے اور نہ ہی اسے ذلیل کرتا ہے۔ تقویٰ یہاں ہے آپ ﷺ نے تین دفعہ اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا ایک مسلمان کے لئے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے (1)۔ دونوں آیتوں میں یہ دلیل موجود ہے کہ حد سے تجاوز کرنا (ظلم) ایمان کے اسم کو زائل نہیں کرتا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جسے حارث اعور نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے جنگ جمل اور جنگ صفین میں شریک مخالف فوجوں کے بارے میں پوچھا گیا وہ مشرک تھے فرمایا شرک سے ان کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کیا وہ منافق تھے؟ فرمایا وہ منافقوں میں سے بھی نہ تھے کیونکہ منافق تو اللہ تعالیٰ کا بہت تھوڑا ذکر کرتے ہیں۔ پوچھا گیا پھر وہ کیا تھے؟ فرمایا وہ ہمارے بھائی تھے جنہوں نے ہم پر بغاوت کی۔

مسئلہ:۔ جب ایک ایسی جماعت جمع ہو جائے جن کے پاس طاقت ہو اور وہ اپنا دفاع کر سکتے ہوں، وہ امام کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیں، امام انہیں دوبارہ اطاعت اختیار کرنے کی دعوت دے، ان کے شبہات کا ازالہ کرے اگر وہ ایسی دلیل لائیں جو ان کی طرف سے جنگ کے جواز کو ثابت کرتی ہو جیسے امام نے ان پر ظلم کیا ہو یا کسی اور نے ان پر ظلم کیا ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو تو لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اس جماعت کی مدد کریں یہاں تک کہ امام ان کے ساتھ انصاف کرنے لگے اور ظلم کرنے سے باز آ جائے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔ اگر وہ ایسی دلیل نہ لائیں اور اجتماعی طور پر جنگ کی تیاری شروع کر دیں تو ان سے جنگ میں پہل کرنا ہمارے لئے حلال ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہمارے لئے ان سے جنگ میں پہل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ جنگ شروع نہ کریں۔ یہی امام مالک، امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ اور اکثر علماء کا قول ہے کیونکہ مسلمان کو اپنا دفاع کرتے ہوئے ہی قتل کرنا جائز ہوتا ہے، جبکہ وہ مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اگر ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر حد سے تجاوز کرے تو سب اس سے جنگ کرو۔

ہم کہتے ہیں لغت میں بغی کا معنی طلب کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي میں یہ لفظ طلب کے معنی میں ہے۔ اس آیت میں بھی یہ لفظ اس چیز کو طلب کرنے کے معنی میں ہے جو شرع کے احکام کو قبول کرنے سے مانع ہو جیسے ظلم اور انکار کرنا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا یعنی تم عورتوں پر ظلم کرنے کی کوئی راہ تلاش نہ کرو اس لئے یہ شرط نہیں لگائی جائے گی کہ ان سے جنگ اس وقت جائز ہوگی جب وہ جنگ میں پہل کریں۔ ہم نے یہ شرط لگائی ہے کہ کیا ان کے پاس اپنا دفاع کرنے کے ذرائع موجود ہیں یا کہ نہیں کیونکہ جب تک ان کے پاس اپنے دفاع کے وسائل نہیں ہوں گے تو ہم انہیں قید کر کے، کوڑے مار کر اور ان جیسے ذرائع استعمال کر کے ان پر اپنی اطاعت لازم کر لیں گے اس وجہ سے ان سے جنگ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہے گی۔ اگر ہم یہ شرط لگائیں کہ جنگ میں وہ پہل کریں تو بعض اوقات ان سے مقابلہ ممکن ہی نہ رہے گا کیونکہ وہ بہت طاقتور ہو چکے ہوں گے اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہو جائے گی۔

مسئلہ:۔ باغیوں کی اگر کمک پہنچانے والی جماعت ہو تو ان کے زخمیوں کو قتل کر دیا جائے گا اور بھاگ جانے والوں کا پیچھا کیا جائے گا۔ اگر ان کی کمک پہنچانے والی جماعت نہ ہو تو نہ ان کے زخمیوں کو قتل کیا جائے گا اور نہ ہی بھاگ جانے والوں کا پیچھا کیا جائے گا۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 317 (قدیمی)

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ دونوں صورتوں میں نہ ان کے زخمیوں کو قتل کیا جائے گا اور نہ ہی بھاگ گئے والوں کا پیچھا کیا جائے گا کیونکہ بھاگ کر یا زخمی ہونے کی وجہ سے وہ جنگ کو ترک کر چکے ہیں۔ اب ان کو قتل کرنا اپنا دفاع نہیں، جبکہ باغیوں کو دفاع کے طور پر ہی قتل کیا جاسکتا ہے۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے عبد خیر سے، انہوں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے جنگ جمل کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا کہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، جو اپنا اسلحہ پھینک دے اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ اسے امان ہے۔ یہ بھی آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ کسی قیدی کو بھی قتل نہ کیا جائے۔ ہم کہتے ہیں ان کے شر کا احتمال اس صورت میں باقی ہے جب ان کا حمایتیوں کے ساتھ مل جانے کا خوف ہو۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا اس وقت جنگ جمل میں شریک افراد کے پیچھے کوئی حمایتی نہ تھے۔ انہوں نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں کوثر بن حکیم سے، انہوں نے نافع سے، انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن ام عبد کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے باغیوں کے بارے میں کیا حکم دیا ہے تو عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا ان کے زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے، کسی اسیر کو قتل نہ کیا جائے، ان کے اموال کو غنیمت کے طور پر تقسیم نہ کیا جائے۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے کوثر بن حکیم کی وجہ سے اسے معلل قرار دیا ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حاکم پر اعتراض کیا ہے۔

مسئلہ:۔ اس پر اجماع ہے کہ ان کی اولادوں کو قیدی نہیں بنایا جائے گا اور نہ ہی ان کے مال تقسیم کئے جائیں گے بلکہ ان کی توبہ تک ان کے اموال کو روک لیا جائے گا۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے جب حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو شکست ہوگئی تو آپ نے منادی کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کرے کہ سامنے سے آنے والے، پیٹھ پھیرنے والے کو قتل نہ کیا جائے، کسی کا دروازہ نہ کھلوایا جائے، کسی شرمگاہ کو حلال نہ جانا جائے اور نہ ہی کسی کے مال پر قبضہ کیا جائے۔ عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل روایت کیا ہے اور یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کسی مقتول کا مال نہیں لیتے تھے اور فرماتے جو اپنی چیز پہچان لے وہ لے لے۔ واسط کی تاریخ میں اس کی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جنگ جمل کے موقع پر فرمایا کسی بھاگ جانے والے کا پیچھا نہ کرو، کسی زخمی کو قتل نہ کرو، کسی قیدی کو قتل نہ کرو، عورتوں سے دور رہو اگرچہ وہ تمہاری عزت کے در پے ہوں اور تمہارے امراء کو گالیاں دیں۔

مسئلہ:۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم ان کے اسلحہ کے ساتھ جنگ کرو بشرطیکہ حاکم وقت کے حمایتیوں کو اس اسلحہ کی ضرورت ہو، اسی طرح ان کے گھوڑوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کی رائے ہے ان کے اسلحہ اور گھوڑوں کو استعمال کرنا جائز نہیں۔ ہماری دلیل وہ حدیث طیبہ ہے جسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف کے آخر میں باب وقعہ جمل میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین جنگ جمل میں جو سواریاں اور اسلحہ لائے تھے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے انہیں لشکر میں تقسیم کر دیا تھا۔ صاحب ہدایہ نے کہا یہ تقسیم ضرورت کی بناء پر تھی، تملیک کے لئے نہ تھی کیونکہ اس پر تو سب کا اجماع ہے کہ ان کے اموال پر ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

مسئلہ:۔ باغیوں نے امیر وقت کا حالت جنگ میں جو جانی اور مالی نقصان کیا ہے اگر ان باغیوں کے پاس کوئی دلیل شرعی ہو تو امام

مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے ایک قول اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نئے قول میں یہ راجح ہے کہ ان سے امام ضمانت نہیں لے گا۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے دوسرے قول میں امام ضمانت لے گا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس فتنہ میں بے شمار لوگ مارے گئے جن کے قاتلوں کا بھی علم تھا بے شمار اموال ضائع کیے گئے پھر جنگ ہونے کے بعد لوگ پرسکون ہو گئے اور حاکم کا حکم ان پر نافذ ہو گیا۔ مجھے کوئی ایسا واقعہ معلوم نہیں کہ کسی سے قصاص لیا گیا ہو یا ضائع شدہ مال کی ضمانت لی گئی ہو۔

مسئلہ:۔ ایک باغی نے ایک عادل (جو امیر وقت کا حامی ہو) کو قتل کر دیا، جبکہ وہ اپنے بارے میں یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ حق پر ہے تو وہ مقتول کا وارث ہوگا۔ اگر اس نے یہ اقرار کیا کہ وہ حق پر نہیں تو وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وارث نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ باغی عادل کا وارث نہیں ہو سکتا خواہ وہ حق پر ہونے کا دعویٰ کرے یا باطل پر ہونے کا اقرار کرے۔ اگر عادل نے باغی کو قتل کر دیا تو بالاتفاق وہ اس کا وارث ہوگا۔

مسئلہ:۔ امام کی اطاعت سے نکلنے والوں کے پاس اگر کوئی دلیل شرعی نہ ہو، ان کے پاس اپنی حفاظت کے وسائل ہوں یا نہ ہوں وہ لوگوں کے مال چھینتے ہوں اور راستے میں لوگوں کو قتل کر دیتے ہوں تو وہ ڈاکو ہیں۔ ان کا حکم سورۂ مائدہ میں گزر چکا ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے گا اور سولی پر چڑھایا جائے گا یا مخالف سمتوں سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے گا۔

مسئلہ:۔ جو امام کی اطاعت سے انکار کر دے اور اس کے پاس اپنے دفاع کا انتظام بھی نہ ہو تو اسے قید کیا جائے گا، کوڑے مارے جائیں گے یا اس جیسی سزا دے کر اسے اطاعت پر مجبور کیا جائے گا، اس کا قتل کرنا جائز نہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت کی گئی کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو مسجد کے ایک کونے میں یہ کہتے ہوئے سنا لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ حکم صرف اللہ کا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا بات صحیح ہے مگر ارادہ غلط ہے، تمہارے ہم پر تین حق ہیں، ہم تمہیں مساجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہیں روکیں گے، جب تک تم ہمارے ساتھ رہو گے ہم تمہیں مال غنیمت میں شامل رکھیں گے اور ہم تمہارے ساتھ جنگ میں پہل نہیں کریں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ ہمیں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا یہ پیغام پہنچا پھر اسی طرح ذکر کیا، واللہ اعلم۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ثابت بن قیس کے کانوں میں گرانی تھی۔ جب وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا، اگر صحابہ پہلے بیٹھے ہوتے تو وہ اسے جگہ دیتے تا کہ وہ آپ ﷺ کے پہلو میں بیٹھ جائے اور آپ ﷺ کے ارشادات کو سن لے۔ ایک دن ثابت حاضر ہوئے تو ایک رکعت نماز مکمل ہو چکی تھی۔ جب حضور ﷺ نماز سے فارغ ہوئے صحابہ نے اپنی نشستیں سنبھال لیں۔ ہر ساتھی اپنی جگہ تنگ بیٹھا ہوا تھا۔ کوئی ایک بھی دوسرے کے لئے جگہ نہیں چھوڑ رہا تھا۔ جب کوئی آدمی آتا بیٹھنے کی جگہ نہ پاتا تو کھڑا ہو جاتا۔ جب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے حضور ﷺ کی طرف بڑھنے لگے اور کہتے کھل جاؤ۔ صحابہ اس کے لئے جگہ چھوڑ دیتے یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ کے اتنے قریب ہو گئے کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ کے درمیان صرف ایک آدمی موجود تھا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا میرے لئے جگہ چھوڑ دو۔ اس آدمی نے کہا تم نے اپنی جگہ پالی ہے اس لئے بیٹھ جاؤ۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ ناراضگی کے عالم میں اس کے پیچھے بیٹھ گئے۔ جب تاریکی چھٹ گئی تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اس

آدمی کو اشارہ کیا اور پوچھا کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں فلاں ہوں۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا تو فلاں عورت کا بیٹا ہے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کی ماں کے بارے میں وہ باتیں کہیں جن کے ساتھ اس کی ماں کو غیرت دلائی جاتی تھی۔ اس آدمی نے اپنا سر جھکا لیا اور شرمندہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

''اے ایمان والو نہ تمسخر اڑایا کرے مردوں کی ایک جماعت دوسری جماعت کا شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں [1] اور نہ عورتیں مذاق اڑایا کریں دوسری عورتوں کا شاید وہ ان سے بہتر ہوں [2] اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر اور نہ برے القاب سے کسی کو بلاؤ [3] کتنا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا [4] اور جو لوگ باز نہیں آئیں گے (اس روش سے) تو وہی بے انصاف ہیں [5]''

[1] قاموس میں قوم سے مراد مردوں اور عورتوں کی جماعت ہے یا صرف مردوں کی جماعت کو قوم کہتے ہیں اور عورتیں ان کی تبع میں شامل ہیں۔ صحاح میں ہے قوم سے مراد مردوں کی جماعت ہے، عورتوں کی جماعت کو قوم نہیں کہتے۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کیونکہ یہاں نساء کو قوم پر عطف کیا گیا ہے۔ شاعر کا شعر ہے میں نہیں جانتا کہ آل حصن قوم ہیں یا عورتیں ہیں، اس شعر میں نساء کو قوم پر عطف کیا گیا ہے۔ عام قرآن میں قوم کا لفظ مردوں اور عورتوں سب کے لئے بولا جاتا ہے تاہم مردوں کے لئے یہ بطور حقیقت استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔ صاحب مدارک نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ مصدر ہے جس کے ساتھ صفت ذکر کی جاتی ہے اب یہ جمع میں مشہور ہو گیا ہے یا یہ قائم کی جمع ہے جس طرح زائر کی جمع زور آتی ہے۔ بڑے بڑے امور کو سرانجام دینا یہ مردوں کا فریضہ ہے اس لئے اس لفظ کے ساتھ ان کی صفت لگائی جاتی ہے۔ رہا قوم ہود، قوم فرعون، قوم نوح اور قوم لوط یا تو یہ لفظ بطور تغلیب استعمال کیا گیا ہے، یعنی مردوں کو عورتوں پر غلبہ دیا گیا ہے یا عورتوں کی بجائے مردوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ عورتیں مردوں کے تابع ہوتی ہیں یہاں جمع کا صیغہ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ مذاق عموماً اجتماع میں زیادہ ہوتا ہے(1)۔

[2] وَلَا نِسَآءٌ کا عطف قوم پر ہے۔ سابقہ بحث میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ عورتیں بھی اس میں شامل ہو سکتی ہیں اس پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ مقصود نہی میں مبالغہ کرنا ہے۔ ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ ہنسی مذاق عموماً عورتوں میں زیادہ ہوتا ہے اس کی وجہ ان کے عقل کی کمزوری اور عورتوں کی جہالت ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو چھوٹے قد والی ہونے کی بناء پر عار دلائی تھی۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب کے حق میں نازل ہوئی۔ ازواج مطہرات نے ان کے بارے میں یہ کہا یہ یہودیہ ہے اور یہودیوں کی بیٹی ہے۔ ایک روایت میں ہے حضور ﷺ نے انہیں فرمایا تم نے یہ جواب کیوں نہ دیا میرے جد اعلیٰ حضرت ہارون علیہ السلام میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام، اور میرے خاوند حضرت

1۔ تفسیر بیضاوی زیر آیت ہذا۔

محمد مصطفی ﷺ ہیں۔

؎ لمز کا معنی زبانی طعن کرنا ہے، یعنی تم میں سے بعض بعض کو عیب نہ لگائیں۔ تنابز یہ نبز سے باب تفاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی لقب ذکر کرنا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نبز برے لقب کے لئے خاص ہے۔ قاموس میں ہے تنابز کا معنی ایک دوسرے کو عار دلانا اور برے لقب سے بلانا ہے(1) یعنی تم ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ بلاؤ۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس کا معنی ہے کوئی آدمی دوسرے کو یہ کہے اے فاسق، اے منافق اور اے کافر۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب کوئی یہودی یا نصرانی اسلام قبول کرتا تو اس کے اسلام لانے کے بعد کہا جاتا اے یہودی، اے نصرانی تو مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ تو اپنے بھائی سے کہے اے گدھے اے خنزیر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تنابزو یہ ہے کہ کسی آدمی نے کوئی برا عمل کیا پھر اس نے توبہ کر لی تو اس کے سابقہ عمل کی وجہ سے اسے عار دلانے سے منع کیا گیا ہے(2) چاروں سنن کے مصنفین نے ابوجبیرہ بن ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ بعض لوگوں کے دو یا تین نام ہوتے اس کو کسی ایسے نام سے پکارا جاتا جس کو وہ پسند نہ کرتے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(3)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت حسن ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں سے ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔ یہ آیت بنی سلمہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہاں ہر ایک آدمی کے دو یا تین نام تھے۔ اگر کوئی آدمی ان میں سے کسی ایک نام کے ساتھ اسے بلاتا تو لوگ کہتے یا رسول اللہ ﷺ یہ اس نام سے چڑتا ہے۔

؎ کسی آدمی کو مسلمان ہونے کے بعد اے یہودی اور اے فاسق کہنا یا اس کے توبہ کر لینے کے بعد اسے اے شرابی کہنا کتنا برا نام ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی دوسرے پر فسق کی تہمت نہ لگائے اور نہ ہی کسی پر کفر کی تہمت لگائے اگر اس کا ساتھی ایسا نہیں تو یہ تہمت تہمت لگانے والے کی طرف پلٹ آتی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے بھی اپنے بھائی کو کافر کہا، یہ کفر ان دونوں میں سے ایک کی طرف لوٹ آئے گا، متفق علیہ۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس انسان کو اے کافر یا اے اللہ کے دشمن کہہ کر پکارا گیا، جبکہ وہ ایسا نہ تھا تو اس کا وبال کہنے والے کی طرف پلٹ آئے گا، متفق علیہ۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ سخریۃ، لمز اور نبز سب فسق ہیں۔ ایمان لانے کے بعد فسق کرنا کتنا ہی برا ہے اس لئے تم کوئی ایسا کام نہ کرو جس کی وجہ سے تمہیں فاسق کہا جائے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے، اس کو قتل کرنا کفر ہے، متفق علیہ۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن مغفل اور عمر بن نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے۔

1۔ القاموس المحیط، جلد 1، صفحہ 724 (التراث العربی) 2۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا 3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 159 (وزارت تعلیم)

یہ جو آدمی مذاق کرنے سے باز نہ آیا، جبکہ اسے ہر طرح کے مذاق سے منع کیا گیا تھا تو وہی لوگ ظالم ہیں کیونکہ انہوں نے اطاعت کی جگہ نافرمانی کو رکھا اور اپنے آپ کو عذاب پر پیش کیا۔ من کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے لم یتب کا صیغہ واحد ذکر کیا اور من کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے لم یتب کا صیغہ واحد ذکر کیا اور من کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ظالمون کو جمع ذکر کیا۔ اگر پاکدامن آزاد پر بدکرداری کی تہمت لگائی جائے تو یہ حد قذف کو ثابت کرتی ہے۔ ہم سورۂ نور میں حد قذف کے مسائل ذکر کریں گے ان شاء اللہ۔ اگر غلام اور کافر پر بدکاری کی تہمت لگائی جائے تو یہ حد قذف کو واجب نہیں کرتی اور تعزیر کے حکم کو واجب کرے گی۔ اگر اس کی طرف ایسے فعل اختیاری کی نسبت کی جائے جو شرع میں حرام ہو اور عرف میں وہ شرمندگی کا باعث ہو ورنہ تعزیر بھی نہ ہوگی ہاں اگر وہ اشراف کی حقارت کا باعث ہو تو ایسی بات کرنے والے پر تعزیر جاری کی جاسکتی ہے۔ جس نے کسی مسلمان کو اے فاسق، اے کافر، اے خبیث، اے چور، اے فاجر، اے خنثے، اے خائن، اے زندیق، اے چور، اے دیوث، اے قرطبان (دونوں لفظ بے غیرت کے لئے بولے جاتے ہیں) اے شرابی اور سود خور تو ایسی بات کرنے پر تعزیر لگائی جائے گی۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا روایت کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے اس آدمی پر تعزیر جاری کی جس نے دوسرے کو اے مخنث کہا تھا اگر وہ یہ کہے اے گدھے، اے خنزیر، اے کتے، اے نر، اے حجام تو اس پر تعزیر جاری نہ کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا تعزیر جاری کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا صرف اس صورت میں تعزیر جاری کی جائے گی جب وہ یہ الفاظ کسی عالم، علوی اور صالح آدمی کو کہے۔ اگر وہ یہ کہے اے لڈو کھیلنے والے وغیرہ یا اے ٹیکس وصول کرنے والے تو اس پر کوئی تعزیر نہ ہوگی کیونکہ یہ عرف میں کوئی عار نہیں اگرچہ شرع میں کسی کو اس طرح کہنا حرام ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک تعزیر میں ادنیٰ حد تک نہیں پہنچا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ادنیٰ حد چالیس درے ہیں جو شراب پینے کی صورت میں غلام کو لگائے جاتے ہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ادنیٰ حد اسی درے ہیں جو شراب پینے کی صورت میں آزاد پر لگائے جاتے ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ادنیٰ حد بیس درے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا امام کو حق حاصل ہے کہ تعزیر میں جتنی سزا مناسب سمجھے اتنی سزا دے دے۔ امام احمد نے فرمایا اگر کوئی آدمی شبہ کی وجہ سے شرمگاہ کے علاوہ میں وطی کرے تو ادنیٰ حد (تھوڑی سی تھوڑی) سے زیادہ درے مارے اور سب سے زیادہ دروں والی حد تک نہ پہنچے اگر اس نے اجنبی عورت کا بوسہ لیا، گالی دی، نصاب سے کم مال چوری کیا تو کم تر حد تک بھی تعزیر نہ لگائی جائے گی، واللہ اعلم۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ جب جہاد پر جاتے یا سفر پر جاتے تو ایک ضرورت مند آدمی کو دو خوشحال آدمیوں کے ساتھ ملا دیتے۔ یہ ان دونوں کی خدمت کرتا، وہ پہلے آگے جاتا ان کے پڑاؤ کی جگہ کو درست کرتا اور کھانے پینے کی چیزوں کو ان کے لئے تیار کرتا۔ حضور ﷺ نے اپنے ایک سفر میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دو آدمیوں کے ساتھ ملا دیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پڑاؤ کی جگہ کی تلاش میں آگے چلے گئے، انہیں نیند آگئی اور ان کے لئے کوئی کھانا تیار نہ کرسکے۔ انہوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم نے کچھ بھی تیار نہیں کیا۔ حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا کچھ بھی نہیں، مجھے نیند آگئی تھی۔ دونوں نے کہا حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں جاؤ، آپ سے ہمارے لئے کھانا طلب کرو۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ سے کھانا طلب کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسامہ بن زید کے پاس جاؤ اور اس

سے کہوا گر اس کے پاس زائد کھانا اور سالن ہے تو تجھے دے دے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ اور آپ کے پڑاؤ کے ذمہ دار تھے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ نے کہا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ واپس اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور سب کچھ بتا دیا۔ دونوں نے کہا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا تو تھا لیکن انہوں نے دینے میں بخل سے کام لیا۔ دونوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کی طرف کھانا لانے کے لئے بھیجا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس بھی کوئی چیز نہ پائی۔ جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ واپس آئے تو دونوں نے کہا اگر ہم آپ کو جاری چشمہ کی طرف بھیجیں گے تو وہ بھی خشک ہو جائے گا پھر جاسوسی کے ارادہ سے نکل پڑے کہ کیا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا تھا جس کے بارے میں حضور ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا۔ جب یہ دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان دونوں سے فرمایا کیا وجہ ہے میں تمہارے منہ سے گوشت کی بو پاتا ہوں۔ دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم ہم نے آج گوشت نہیں کھایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم نے غیبت کی تم حضرت سلمان اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کا گوشت کھاتے رہے ہو (1) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

"اے ایمان والو دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے لے بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں ٹ اور نہ جاسوسی کیا کرو ٣ اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو ٣ کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے ۵ تم اسے تو مکروہ سمجھتے ہو لا اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ٨"

لہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر سند کے روایت کیا ہے اور اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ترغیب میں عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا ان کا گمان ہے کہ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے کھانا کھایا پھر سو گئے اور خراٹے لینے لگے۔ دونوں آدمیوں نے آپ کے کھانے اور سونے کا ذکر کیا تھا (2)، واللہ تعالیٰ عالم۔

ٹ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ یہ جملہ مستانفہ ہے اور سابقہ امر کی علت بیان کر رہا ہے۔ اثم اس گناہ کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان سزا کا مستحق بن جاتا ہے، اس میں ہمزہ واؤ کا بدل ہے گویا یہ اعمال میں گناہ کی آمیزش اور انہیں شکستہ کر دیتا ہے۔ یہاں ظن سے مراد وہ چیز ہے جو یقین کے مقابل ہو خواہ وہ اس میں جانب وجود راجح ہو یا راجح نہ ہو اس کی تحقیق یہ ہے کہ ظن کی کئی قسمیں ہیں:۔

1۔ جس کی اتباع واجب ہے وہ اللہ تعالیٰ، مومنوں اور مومنات کے بارے میں حسن ظن رکھنا ہے، اسی طرح جو حکم ایسی دلیل شرعی سے ثابت ہو جس میں شبہ ہو اس میں کوئی دلیل قطعی نہ ہو یہ عملی احکام کے متعلق ہے علمی احکام کی بھی یہی صورتحال ہوگی اگر اس کے مقابل

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

کوئی قطعی دلیل نہ ہو جیسے مبدا اور معاد کے احوال ہیں۔

2۔ جس کی اتباع حرام ہے جس طرح مومن مردوں اور عورتوں کے بارے میں سوء ظن رکھنا خصوصاً صالحین کے بارے میں نیز الٰہیات اور نبوات کے بارے میں سوء ظن کا شکار ہونا حرام ہے جب اس ظن کے مقابل دلیل قطعی ہو اس ظن کی اتباع بھی حرام ہے۔

3۔ جو ان مذکورہ دونوں قسموں سے تعلق نہ رکھتی ہو جس طرح زندگی کے معاملات کے بارے میں ظن رکھنا نہ واجب ہے اور نہ ہی حرام ہے۔

گناہ ظن کی دوسری قسم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے گمانوں سے اجتناب کا حکم دیا ہے، مقصود احتیاط اور گناہوں سے بچنے میں مبالغہ کرنا ہے اس لئے بندے کو ایسے ظن سے بچنا چاہئے جس میں گناہ ہو اور اس سے بھی بچنا چاہئے جو اس کے مشابہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ان کے درمیان مشتبہ امور ہیں (1)۔

۔ جس کا لغوی معنی ہاتھ سے چھونا ہے، تجسس کا معنی خبر کی تلاش ہے کیونکہ اس میں بھی طلب کا معنی پایا جاتا ہے جس طرح تلمس میں یہ معنی پایا جاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ تم لوگوں کے عیوب کی تلاش نہ کرو اور نہ ہی ان کے ایسے امور کا پیچھا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جن امور کو تم پر مخفی رکھا ہے وہ تم پر ظاہر نہ ہو جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا برے گمان سے بچو کیونکہ سوء ظن سب سے جھوٹی بات ہے۔ بات کو نہ کریدو، باہم برے ناموں سے یاد نہ کرو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ کرو۔ ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ (2) کسی بھائی کی دعوت نکاح پر دعوت نکاح نہ دو یہاں تک کہ وہ نکاح کر لے یا اسے انکار کر دیا جائے۔ اسے امام مالک، امام احمد، ابن ماجہ، ابوداؤد اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے وہ لوگو جو زبان سے تو مسلمان ہوئے اور ایمان ان کے دل تک نہیں پہنچا مسلمانوں کی غیبت نہ کرو ان کے مخفی امور کے پیچھے نہ پڑ جاؤ کیونکہ جو مسلمانوں کے مخفی امور کی تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے پردے کو چاک کر دے گا اور اسے ذلیل و رسوا کر دے گا خواہ وہ باتیں کجاوے کے اندر کی گئی ہوں (انتہائی مخفی ہوں) اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے (3) ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ زید بن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی کیا آپ کو ولید بن عقبہ کی کوئی خبر ہے، اس کی داڑھی سے تو شراب ٹپکتی رہتی ہے تو آپ نے فرمایا ہمیں تجسس سے منع کر دیا گیا ہے اگر ہمارے سامنے کوئی معاملہ آئے گا تو ہم اس کا مواخذہ کریں گے (4)۔

۔ کوئی بھی دوسرے کی عدم موجودگی میں اس کی برائی کا ذکر نہ کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے۔ عرض کی گئی اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں تیرا اپنے بھائی کو اس طرح یاد کرنا جس کو وہ ناپسند کرے۔ عرض کی گئی اگر میرے بھائی میں وہ برائی موجود ہے جو میں ذکر کر رہا ہوں تو پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا اگر اس میں وہ برائی ہے جو تو کہہ رہا ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اگر اس میں وہ برائی نہیں تو تو نے اس پر بہتان باندھا، متفق علیہ (5)۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 275 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 24 (وزارت تعلیم)
4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
5۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 322 (قدیمی)

حضرت عمر ابن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے، وہ دادا سے روایت کرتے ہیں لوگوں نے حضور ﷺ کے سامنے ایسے آدمی کا ذکر کیا کہ جب تک اسے کھلایا نہ جائے وہ نہیں کھاتا، جب تک اسے سوار نہ کیا جائے وہ سوار نہیں ہوتا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم نے اس کی غیبت کی ہے۔ لوگوں نے عرض کی ہم نے وہی بات کی ہے جو اس کے اندر موجود تھی تو حضور ﷺ نے فرمایا جب تو اپنے بھائی کے بارے میں ایسی چیز کا ذکر کرے جو اس میں ہے تو غیبت کے لئے یہی کافی ہے۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

۵ غیبت کرنے والا جس کی غیبت کر رہا ہے اس کی عزت و حرمت سے جو حاصل کرتا ہے اس کی گھناؤنی تصویر کشی کی جارہی ہے، جبکہ استفہام کے ذریعے اس میں مبالغہ کیا جارہا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے جو نفی کے معنی کو پختہ کرتا ہے۔ فعل کو احد کی طرف منسوب کیا گیا ہے مقصود اسے مشروط کرنا ہے۔ محبت کو ایسی چیز کے ساتھ معلق کیا گیا ہے جو انتہائی مکروہ ہے۔ غیبت کرنے کو انسان کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے بھائی قرار دیا اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے مردہ کہا۔

۶ فَكَرِهْتُمُوْهُ سابقہ کلام کے معنی کو بیان کرنے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔ فکرھتموہ محذوف شرط کا جواب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اِنْ صَحَّ ذٰلِکَ اِذْ عُرِضَ عَلَيْكُمْ هٰذَا فَكَرِهْتُمُوْهُ اس کی ناپسندیدگی کا انکار ممکن نہیں۔ اس کا معنی یہ ہے اگر تم پر یہ گوشت پیش کیا جائے تو تم اسے ناپسند کرو گے اور اس کی ناپسندیدگی کا انکار ممکن نہیں یا اس کا عطف مذکورہ استفہام پر ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ محبت کی نفی ہو جس میں ناپسند نہ کرنے کا وہم بھی ہو سکتا ہے اس وہم کو دور کرنے کے لئے اس کلام کا عطف استفہام پر کیا۔

یہ بھی جائز ہے کہ فاء سببیہ ہو فعل ماضی مستقبل کے معنی میں ہو، یعنی تم میں سے کوئی بھی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے بے شک تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا معنی یہ ہے کہ جب انہیں کہا گیا کیا ان میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے(1) گویا انہوں نے جواب دیا نہیں انہیں کہا گیا تم اسے ناپسند کرتے ہو گویا اس کا عطف کلام محذوف پر ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے تم اسے ناپسند کرتے ہو تو عدم موجودگی میں برے ذکر سے اجتناب کرو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرا جن کے ناخن تانبے کے تھے، وہ اپنے منہ اور گوشت نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل امین نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتوں سے کھیلتے تھے۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ میمون رضی اللہ عنہ نے کہا اس اثناء میں کہ میں سویا ہوا تھا کہ میں ایک حبشی مردہ کے پاس موجود تھا کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا اسے کھاؤ میں نے کہا اے اللہ کے بندے میں اسے کیوں کھاؤں؟ اس نے کہا تو نے فلاں کی غیبت کی ہے اس کی وجہ سے اسے کھاؤ۔ میں نے کہا اللہ کی قسم میں نے تو اس کے بارے میں کوئی اچھا برا کلمہ نہیں نکالا۔ اس نے کہا لیکن تو نے اس کے بارے میں باتیں سنیں اور تو راضی ہوا۔ حضرت میمون رضی اللہ عنہ نہ کسی کی غیبت کرتے اور نہ ہی کسی کو اپنے پاس غیبت کرنے کی اجازت دیتے(2)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا آپ کے لئے صفیہ میں یہی عیب کافی ہے کہ وہ چھوٹے قد کی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو نے ایسی بات کہی ہے اگر سمندر کو اس میں ملایا جائے تو یہ کلمہ اس سمندر کو آلودہ کر دے۔ اسے امام احمد، امام ترمذی اور ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو سعید اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے دونوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیبت زنا سے بھی برا عمل ہے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

اللہ غیبت زنا سے کس طرح سخت گناہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایک انسان بدکاری کرتا ہے تو وہ اللہ سے توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے اور غیبت کرنے والے کو اس وقت تک نہیں بخشا جاتا جب تک وہ آدمی اسے نہ بخشے جس کی اس نے غیبت کی ہوتی ہے (1)۔

غیبت کے کفارہ کے بارے میں فائدہ:۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی اس نے غیبت کی ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں توبہ کرے وہ یہ کہے اے اللہ ہمیں بخش دے اور اس انسان کو بھی بخش دے (2) اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

فائدہ:۔ خالد بن معدان نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی گناہ کے ساتھ بھائی کو عار دلائی وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ یہ عمل نہیں کرے گا، یعنی اس نے ایسے گناہ کی عار دلائی جو اس نے کیا تھا اور بعد میں توبہ کر لی تھی (3) اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے، جبکہ خالد نے معاذ کا زمانہ نہیں پایا۔

یعنی جن چیزوں سے تمہیں منع کیا گیا ہے انہیں چھوڑ کر اور جو غلطی تم سے ہوئی اس پر شرمندگی کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے، وہ توبہ کی قبولیت میں مبالغہ سے کام لیتا ہے کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والے کو وہ یوں بنا دیتا ہے گویا اس کا کوئی گناہ ہی نہیں، وہ بندوں پر رحم فرمانے والا ہے، وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی دوسرے کی عزت سے کھیلے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ مقاتل رضی اللہ عنہ نے کہا جس روز مکہ مکرمہ فتح ہوا تو حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا (کہ وہ بیت اللہ شریف کی چھت پر چڑھ کر اذان کہے) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور اذان کہی۔ عتاب بن اسید نے کہا الحمد للہ کہ میرا باپ پہلے ہی مر گیا اس نے یہ دن نہ دیکھا۔ حارث بن ہشام نے کہا کیا محمد ﷺ کو اس کالے کوے کے علاوہ کوئی موذن نہیں ملا۔ سہیل بن عمرو نے کہا جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے بدل دیتا ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں تو کچھ نہیں کہوں گا مجھے تو خوف ہے کہ اس کا رب اسے بتا دے گا۔ جبرئیل امین تشریف لائے جو کچھ ان لوگوں نے کہا تھا جبرئیل امین نے وہ سب کچھ حضور ﷺ کو بتا دیا۔ حضور ﷺ نے ان لوگوں کو بلایا اور جو کچھ انہوں نے کہا تھا اس کے بارے میں پوچھا سب نے اس کا اقرار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور انہیں نسب اور مال کی وجہ سے باہم فخر کرنے اور فقر کی وجہ سے کسی کو ذلیل و رسوا کرنے سے جھڑکا (4)۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

"اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے۔"

۱۔ یہاں انہیں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر خطاب نہیں کیا کیونکہ اسوقت تک وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس قصہ کو مختصر انداز میں نقل کیا ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مبہمات میں کہا میں نے ابن شکوال کا

1۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 47 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً جلد 43 4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

مخطوطہ پایا کہ ابوبکر بن ابی داؤد نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ یہ آیت اس کے بارے میں نازل ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی کسی عورت کے ساتھ اس کی شادی کر دیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ ہماری بیٹیوں کی شادیاں ہمارے آزاد کردہ غلاموں سے کرتے ہیں(1) تو یہ آیت نازل ہوئی۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہ آیت ثابت بن قیس اور اس کے اس قول کے بارے میں نازل ہوئی جو انہوں نے ایک آدمی کو کہا تھا اے فلاں عورت کے بیٹے حضور ﷺ نے فرمایا عورت کا ذکر کس نے کیا تھا؟ ثابت نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے ذکر کیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا قوم کے چہرے دیکھو پوچھا اے ثابت تو نے کیا دیکھا۔ ثابت نے عرض کی میں نے کچھ چہرے سفید کچھ سرخ اور کچھ سیاہ دیکھے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو ان پر دین وتقویٰ میں فضیلت رکھتا ہے۔ یہ آیت ثابت بن قیس کے حق میں نازل ہوئی اور جس نے بیٹھنے کی جگہ نہیں دی تھی اس کے حق میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا الآیۃ نازل ہوئی۔

1۔ یعنی تمہیں حضرت آدم وحواء کی نوع بشر سے پیدا کیا یا تم میں سے ہر ایک باپ اور ماں سے پیدا ہوا اس لئے کسی ایک کو بھی نسب میں دوسرے پر فضیلت نہیں اور نہ ہی اس میں باہم فخر کی کوئی دلیل ہے۔ یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ وہ اخوت جو غیبت کرنے سے روکتی تھی اس کی وضاحت و بیان ہو۔

2۔ عربوں کے نسب میں چھ درجے مشہور تھے ان میں سے سب سے بڑا شعب کہلاتا یہ بہت بڑی جمعیت ہوتی یہ ایک اصل کی طرف منسوب ہوتے یہ کئی قبیلوں کا جامع ہوتا۔ قبیلہ عمائر کو جامع ہوتا عمارۃ بطون کو شامل ہوتا، بطن افخاذ کا جامع ہوتا فخذ فصائل کو جامع ہوتا فصیلہ عشائر کو جامع ہوتا عشیرہ سے نیچے کوئی درجہ نہیں تھا جس کے ساتھ کسی خاندان کی صفت بیان کی جاتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے شعوب عجمیوں کے ہوتے، قبائل عربیوں کے ہوتے اور اسباط بنی اسرائیل کے ہوتے۔ ابوروق نے کہا شعوب انہیں کہتے جو کسی جد اعلیٰ کی طرف منسوب نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ شہروں اور بستیوں کی طرف منسوب ہوتے اور قبائل ان عربیوں کو کہتے جو اپنے آباء کی طرف منسوب ہوتے(2)۔

3۔ لِتَعَارَفُوْا میں ایک تاء کو حذف کر دیا گیا، یعنی ان میں سے بعض بعض سے ممتاز ہو جائیں کہ کون قریبی ہے اور کون نسب میں دور ہے۔ یہ قبائل میں تقسیم اس لئے نہیں کہ وہ باہم فخر کرتے رہیں۔

4۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس آیت میں سب سے بڑی عزت تقویٰ اور سب سے بڑی ذلت فجور ہے(3)۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں کے نزدیک عزت کا باعث مال ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت کا باعث تقویٰ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے روز اپنی سواری پر سوار ہو کر طواف کیا، آپ اپنی کھونٹی سے سلام پیش کرتے۔ جب آپ باہر نکلے تو آپ نے سواری بٹھانے کی جگہ نہ پائی۔ آپ لوگوں کے ہاتھوں پر سواری سے نیچے اترے پھر آپ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی۔ فرمایا تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لئے ہیں جس نے تم سے دور جاہلیت کا تکبر اور نخوت دور فرمائی۔ لوگ دو قسم کے ہیں ایک نیک اور متقی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معزز ہے۔ دوسرا

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 3۔ ایضاً

فاجر بد بخت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں ذلیل ہے پھر آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا پھر فرمایا اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ(1) اسے امام ترمذی اور بغوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ندا کرنے والے کو ندا کا حکم دے گا خبردار میں نے بھی نسب بنایا تم نے بھی نسب بنایا میں نے تم میں سے سب سے متقی کو سب سے زیادہ عزت والا بنایا مگر تم نے اس سے انکار کیا اور یہ کہا فلاں فلاں کا بیٹا فلاں فلاں کے بیٹے سے بہتر ہے۔ آج میں اپنی طرف سے قائم کردہ نسب کو عزت دوں گا اور تمہارے قائم کردہ نسب کو پست کروں گا متقین کہاں ہیں(2)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کون معزز ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ان میں سے سب سے زیادہ متقی زیادہ معزز ہیں۔ لوگوں نے عرض کی ہم نے اس بارے میں تو نہیں پوچھا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سے معزز ترین حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود اللہ کے نبی، ان کے والد اللہ کے نبی، ان کے دادا اللہ کے نبی، ان کے پردادا اللہ کے نبی اور اس سے آگے اللہ کے خلیل ہیں۔ لوگوں نے عرض کی ہم نے اس بارے میں بھی نہیں پوچھا تھا۔ فرمایا کیا تم عرب کے خاندانوں کے بارے میں پوچھتے ہو؟ لوگوں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا جو دور جاہلیت میں بہترین لوگ تھے اسلام کے دور میں بھی تم سے بہترین ہیں بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوں(3) اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ آپ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے(4) اسے امام مسلم اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

لے اللہ تعالیٰ تمہارے باطن اور فضائل کو خوب جانتا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ بنی اسد کی ایک جماعت ایک خشک سال میں حاضر خدمت ہوئی، ظاہر یہ کیا کہ وہ اسلام قبول کر چکے ہیں، جبکہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے تھے۔ انہوں نے مدینہ طیبہ کے راستوں کو غلاظت سے بھر دیا اور مدینہ میں چیزوں کے بھاؤ میں اضافہ کر دیا۔ وہ صبح وشام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کہتے عرب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ وہ صرف آپ اپنی سواریوں پر سوار ہو کر آئے، جبکہ ہم اپنا سب مال واسباب اور بچے لے کر آئے ہیں۔ ہم نے آپ سے جنگ نہیں کی جس طرح آپ سے فلاں فلاں قبیلہ نے جنگ کی۔ وہ نبی کریم ﷺ پر احسان جتلانا چاہتے تھے، اور صدقے کا مال لینا چاہتے تھے وہ یوں کہتے ہمیں کچھ عطا فرمایئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(5)۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

"اعراب کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے لے آپ فرمایئے تم ایمان تو نہیں لائے ۲ البتہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت اختیار کر

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 3۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 53 (الفکر)
4۔ ایضاً، صفحہ 137 5۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

لی ہے ؂ اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم (سچے دل سے) اطاعت کرو گے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ ذرا کمی نہیں کرے گا تمہارے اعمال میں بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ؂۔"

ؔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت ان بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح میں کیا ہے، وہ جہینہ، مزینہ، اسلم، اشجع اور غفار قبیلہ کے لوگ ہیں، وہ کہتے تھے ہم ایمان لے آئے۔ ان کا مقصود یہ ہوتا کہ ان کی جانیں اور ان کے مال محفوظ ہو جائیں۔ جب حضور ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر انہیں ساتھ چلنے کی دعوت دی تو وہ گھروں میں بیٹھے رہے (1) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں امنا کا معنی ہے کہ ہم نے تصدیق کی۔

؂ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیں تم ایمان نہیں لائے کیونکہ ایمان تو دل کی صفت ہے جس کو تصدیق قلبی کہتے ہیں۔ زبان سے اقرار کرنا زائد رکن ہے جو اختیار سے صادر ہو۔ اس کا مقصد اقرار کرنے والے پر احکام جاری کرنا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لائے نیز تو اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے (2)۔ صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے جو حضرت جبرئیل امین کے سوال کے جواب میں ہے۔

؂ یہاں اسلام سے مراد ظاہری اطاعت ہے۔ نظم کلام کا مقتضی یہ ہے کہ کلام یوں کی جاتی لا تقولوا امنا ولکن قولوا اسلمنا یا یہ کہا جاتا لم یؤمنوا ولکن اسلمتم مگر اس اسلوب سے اس نظم کی طرف پھیر دیا گیا مقصد (۱) یہ تھا اس نہی (لا تقولوا) سے بچا جائے اور ان کے اسلام کے یقینی ہونے سے بھی بچا جائے، جبکہ ان میں وہ شرط مفقود تھی جو اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ہے۔

؂ یہ جملہ قُوْلُوْٓا کے فاعل سے حال ہے یا لَمْ تُؤْمِنُوْا پر اس کا عطف ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ زمانہ ماضی میں ایمان کی نفی کی تاکید ہو جائے اور زمانہ مستقبل میں اس کی توقع پر دلالت ہو۔ لَمْ تُؤْمِنُوْا میں توقع پر دلالت نہ تھی اس لئے کلام میں تکرار لازم نہیں آتا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿١٥﴾

"(کامل) ایماندار تو وہی ہیں جو ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر پھر (اس میں) کبھی شک نہیں کیا ؔ اور جہاد کرتے رہے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں ؂ یہی لوگ راست باز ہیں ؂۔"

ؔ یعنی وہ دل سے اخلاص کے ساتھ ایمان لائے اور احکام کی اطاعت کی پھر رسول اللہ ﷺ جو پیغام حق لائے اس میں کوئی شک نہ کیا۔ ثم کا لفظ اس بات کا شعور دلاتا ہے کہ جس طرح ایمان لانے کے آغاز میں شک کا نہ ہونا ضروری ہے اسی طرح آخر زندگی تک کسی قسم کا شک نہ ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ثم استقاموا کا بھی یہی مفہوم ہے۔

؂ یہ بھی جائز ہے کہ جاھدوا کا مفعول لفظوں میں محذوف اور ذہن میں مراد ہو، یعنی جنگجو دشمن سے جہاد کرو یا شیطان سے جہاد کرو یا خواہش نفسانی سے جہاد کرو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے فعل لازم بنایا جائے مقصود کوشش میں مبالغہ کرنا ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ مجاھدہ سے مراد قلبی، سری، بدنی اور مالی عبادات ہوں۔ یہ آیت تمام احکام کی اطاعت اور تمام منہیات سے رک جانے کے لئے ہے اگر

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 27 (قدیمی)

(۱) لا تقولوا امنا کہنے سے نہی لازم آتی ہے اور دوسرا قول اسلمنا کرنے سے ان کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (مترجم)

مجاهده سے مراد مطلق مجاہدہ ہو تو یہ عبارۃ النص ہوگی۔ اگر اس سے مراد کفار کے ساتھ جنگ ہو تو یہ دلالۃ النص ہوگی کیونکہ جو انسان اپنی جان اور مال جہاں کی اصلاح، اسے فساد سے پاک کرنے، کلمۃ اللہ کو بلند کرنے اور دین کو پھیلانے کے لئے خرچ کرتا ہے، وہ بطریق اولی احکام کو بجالانے اور مناہی سے رک کر پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرے گا۔

۳؎ جو لوگ ان صفات سے موصوف ہیں وہی ایمان کے دعوی میں سچے ہیں، یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ صلہ موصولہ مل کر مبتدا کی صفت ہو اور یہ جملہ اس کی خبر ہو۔

جب سابقہ دونوں آیات نازل ہوئیں تو بدو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں اٹھا رہے تھے کہ وہ سچے مومن ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ اس کے برعکس ان کی پہچان رکھتا تھا۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾

"آپ فرمائیے کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ کو اپنے دین سے ۱؎ حالانکہ اللہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے ۲؎ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے ۳؎"

۱؎ تم امنا کہہ کر کیا اللہ تعالیٰ کو اپنے ایمان سے آگاہ کرتے ہو۔

۲؎ یہ جملہ لفظ اللّٰہ اسم جلالت سے حال ہے جو تُعَلِّمُوْنَ کا مفعول بہ ہے۔

۳؎ اس کا عطف اللّٰهُ یَعْلَمُ پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے رازوں کی حقیقت کو جانتے ہوئے تمہاری خبر کا وہ محتاج نہیں۔ تم پر یہ فرض ہے کہ تم اپنے باطن کی اصلاح کرو۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن سند سے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ، بزار رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے، ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ عرب کے کچھ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم مسلمان ہو گئے اور آپ سے کوئی جنگ نہ کی، جبکہ فلاں قبیلہ والوں نے آپ سے جنگ کی (1)۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا یہ اس وقت ہوا جب مکہ مکرمہ فتح ہو چکا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾

"وہ احسان جتلاتے ہیں آپ پر کہ وہ اسلام لے آئے فرمائیے مجھ پر مت احسان جتلاؤ اپنے اسلام کا بلکہ اللہ نے احسان فرمایا ہے تم پر کہ تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی ۱؎ اگر تم اپنے ایمان کے دعوی میں سچے ہو ۲؎"

۱؎ اَنْ اَسْلَمُوْا حرف جار کے حذف کے ساتھ محل نصب میں ہے، اصل میں بان اسلموا تھا نیز ان کی وجہ یہ بھی ہے کہ فعل اعتداء کا معنی لئے ہوئے ہے، اسی طرح اِسْلَامَكُمْ اور اَنْ هَدٰىكُمْ حرف جار کے حذف کے ساتھ محل نصب میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں تصدیق پیدا فرما کر تم پر احسان کرتا ہے۔

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا۔

۲؎ اگر تم دعویٰ ایمان میں سچے ہو۔ شرط کا جواب محذوف ہے جس پر ماقبل کلام دلالت کرتا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ فِیْ اِدِّعَاءِ الْاِیْمَانِ فَلِلّٰهِ الْمِنَّةُ عَلَیْكُمْ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ سب اپنے ایمان کے دعویٰ میں سچے نہ تھے۔ اسی وجہ سے اس کے پیچھے اس قول کو ذکر فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین ۱؎ کے سب چھپے بھیدوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے جو تم کر رہے ہو ۱؎"

۱؎ یعنی زمین و آسمان میں جو کچھ پوشیدہ ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور جو عمل تم چھپ کر یا اعلانیہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ تمہارے ضمیر میں جو کچھ پوشیدہ ہے اللہ تعالیٰ پر وہ مخفی نہیں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تَعْمَلُوْنَ پڑھا ہے۔ اس میں بدوؤں کو خطاب ہے اور یہ قل کے مقولہ کے تحت داخل ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ ضمیر ان بدوؤں کی طرف لوٹے گی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیا کلام ہوگا۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب قرظی اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں سعید بن جبیر سے اسی کی مثل روایت کیا ہے کہ بنی اسد کے دس افراد پر مشتمل جماعت نو ہجری کو حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئی۔ ان میں طلحہ بن خویلد بھی تھا، جبکہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ انہوں نے آپ کو سلام کیا، ان کے خطیب نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، جبکہ آپ نے ہماری طرف کوئی لشکر نہیں بھیجا، ہم اپنے باقی ماندہ افراد کے لئے پیغام صلح لائے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1)۔

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

سورۂ ق

ایاتھا ۴۵ | سورۃ ق مکیۃ ۵۰ | رکوعاتھا ۳

سورۂ ق مکی ہے، اس میں پینتالیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ①

"قاف[1] قسم ہے قرآن مجید کی (کہ میرا رسول سچا ہے)[2]۔"

[1] صحیح یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ سورت کا نام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ قرآن حکیم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء قدیر، قادر، قاہر، قریب اور قابض کا آغاز ہے(1) ایک قول یہ کیا گیا اس میں قضی الامر اور قضی ماھو کائن کی طرف اشارہ ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان راز ہے، اس کے معنی کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا علم میں رسوخ رکھنے والے بعض علماء جانتے ہیں۔ اس کے بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ عکرمہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ق سے مراد سبز زمرد کا ایسا پہاڑ ہے جس نے زمین کو گھیر رکھا ہے، اس کی سبزی آسمان کی سبزی جیسی ہے۔ آسمان اس پہاڑ پر قبہ کی شکل میں ہے، اسی پہاڑ پر آسمان کی ہتھیلیاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے یہ اس حجاب سے بھی ایک سال کی مسافت پر ہے جس کے پیچھے سورج غائب ہوتا ہے(2)۔

[2] واو قسمیہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ق کے ساتھ قسم اٹھائی جا رہی ہے(3) یعنی قسم کے حرف کو حذف کر دیا گیا ہے یا مضمر کیا گیا ہے اور فعل براہ راست ان میں عمل کر رہا ہے اور یہ واؤ عاطفہ ہے۔ معنی یہ ہوگا میں ق اور قرآن کی قسم اٹھاتا ہوں۔ مجید صفت اس لئے ذکر کی کیونکہ یہ تمام کتابوں پر بزرگی اور شرف رکھتی ہے یا مجید اس لئے صفت ذکر کی کیونکہ بزرگ ذات کا کلام ہے یا اس لئے یہ صفت ذکر کی کہ جو آدمی اسے سیکھے اس کے معانی سے آگاہ ہو اور اس کے احکام کی اطاعت کرے اس کو شرف و بزرگی سے نوازا جاتا ہے۔ یہاں جواب قسم محذوف ہے، تقدیر کلام اس کی یہ ہے لَقَدْ صَدَقَ الرَّسُوْلُ الْمُنْذِرُ لَتُبْعَثُنَّ (وہ رسول جو تمہیں خبردار کرتا ہے کہ تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا) اس نے سچ کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وما یلفظ من قول۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا جواب یہ ہے قد علمنا۔ اہل کوفہ نے کہا اس کا جواب مابعد کلام ہے(4)۔

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ②

"مگر یہ (نادان) حیران ہیں[1] اس بات پر کہ آیا ہے ان کے پاس ڈرانے والا ان میں سے[2] تو کہنے لگے کفار یہ تو بڑی عجیب و غریب بات ہے[3]۔"

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

1۔ قد، عجبوا کے معنی میں ہے اور جواب قسم ہے۔ واؤ ضمیر سے مراد کفار مکہ ہیں۔ اگر پہلی تقدیر کی جائے تو اس کا عطف کلام محذوف پر ہوگا، تقدیر کلام یوں ہوگی وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ لَقَدْ صَدَقَ الرَّسُوْلُ کفار نے اس کا انکار کیا بلکہ وہ تو متعجب ہوئے۔

2۔ اس سے پہلے حرف جار محذوف ہے، اس کی وجہ سے یہ محل نصب میں ہے، یعنی اس بات سے متعجب ہوئے کہ انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا حالانکہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں یا ان کی قوم میں سے ڈرانے والا آئے جس کی عدالت کو وہ جانتے ہیں اور اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں جو اس قسم کا آدمی ہو وہ اپنی قوم کے لئے مخلص ہوتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے کہ انہیں کوئی ناپسندیدہ چیز نہ پہنچے۔ جب اسے علم ہو کہ ایک خوفناک امر انہیں اپنی لپیٹ میں لینے والا ہے تو اس پر یہ لازم ہے کہ وہ انہیں خبردار کرے تو وہ اس سے کیوں خبردار نہیں کرے گا جو انتہائی خوفناک۔ ہو یہی بات حضور ﷺ نے اس وقت کہی تھی جب قریش کے تمام خاندان اکٹھے ہوئے تھے کہ مجھے بتاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس وادی سے ایک لشکر نکلے گا جو تم پر حملہ کر دے گا کیا تم میری تصدیق کرو گے۔ سب نے کہا ہم آپ کی تصدیق کریں گے، ہم نے آپ کے بارے میں سچ کا ہی تجربہ کیا ہے تو حضور ﷺ نے انہیں فرمایا میں آنے والے سخت عذاب سے تمہیں ڈراتا ہوں، یہ حدیث متفق علیہ ہے(1) اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

3۔ قال پر فاء تفسیر کے لئے ہے، یہ ان کے تعجب کا بیان ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو رسالت کے لئے چن لیا ہے۔ عجبوا میں ذکر کو مضمر کرنا اور یہاں اس کو ظاہر کرنا ان کے کفر کرنے پر مہر لگانے کے لئے ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فاء تعقیب کے لئے ہے، اور اس میں موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی طرف اشارہ ہو جس چیز سے انہیں خبردار کیا گیا ہے۔ اس پر ان کے تعجب کرنے کو عطف کیا ہے ان کے اس تعجب کو جو انہوں نے ڈرائے جانے والے کے دوبارہ اٹھانے پر کیا تھا۔ مقصود یہ ہے کہ اس تعجب کے انکار میں مبالغہ کیا جائے۔ اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو پیدا کرنے پر قادر ہے اور وہ اس بات کا اقرار بھی کرتے تھے کہ پہلی دفعہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اب انہوں نے دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیا حالانکہ عقل خود اس کی گواہی دیتی ہے کہ جزاء کا ہونا ضروری ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ھذا سے اشارہ مبہم کی طرف ہو جس کی تفسیر مابعد کلام کرتی ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝۳

"(وہ کہتے ہیں) کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ کئے جائیں گے) یہ واپسی تو (عقل سے) بعید ہے 1۔"

1۔ اِذَا ظرف ہے جو کلام محذوف کے متعلق ہے جس پر مابعد کلام دلالت کرتی ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اَنَرْجِعُ اِلَى الْحَيٰوةِ اِذَا مِتْنَا وَصِرْنَا تُرَابًا، یعنی کیا ہم زندگی کی طرف پلٹ آئیں گے، جبکہ ہم مر چکے ہوں گے اور مٹی ہو چکے ہوں گے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝۴

"ہم خوب جانتے ہیں جو زمین ان کے جسموں سے گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے 1۔"

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 114 (قدیمی)

لہ موت کے بعد زمین انسان کے جسم میں سے جو چیز کھا جاتی ہے وہ ہم جانتے ہیں اور ہم سے کوئی چیز غائب نہیں ہوتی اس لئے جو چیز کم ہوئی اس کو دوبارہ جمع کرنا اور موت عطا کرنے کے بعد دوبارہ اٹھانا ہمارے لئے مشکل نہیں۔ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ جواب قسم ہے وہ یہ وضاحت بھی کرتے ہیں کہ جواب قسم ہے۔ جس لام کا ہونا ضروری ہے وہ کلام کے طویل ہونے کی وجہ سے حذف ہو چکا ہے۔
وہ کتاب شیاطین کی دست برد، مٹنے اور تبدیلی سے محفوظ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ اشیاء کی تمام تفاصیل کو اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہے۔ جو فرشتے وہاں موجود ہوتے ہیں وہ اس کتاب سے اشیاء کا علم حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ جملہ علمنا کے فاعل سے حال ہے۔ وہ نبوت کا جو انکار کرتے تھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝

"بلکہ انہوں نے جھٹلایا (دین) حق کو لہ جب وہ ان کے پاس آیا پس (اس وجہ سے) وہ بڑی الجھن میں پھنس گئے ہیں لہ"

لہ حق سے مراد وہ نبوت ہے جو معجزات کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے۔ بل کا لفظ اضراب کے لئے ہے، پہلے اضراب سے اضراب ہے کیونکہ وہ چیز جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہو اس کی تکذیب کرنا تعجب سے بڑا عمل ہے۔
لہ لَمَّا ظرف ہے جو كَذَّبُوا کے متعلق ہے۔ فاء سببیہ ہے، مَّرِيْجٍ سے مراد مضطرب ہے کیونکہ ان کا جھٹلانا ان کے اضطراب کا سبب ہے۔ قتادہ اور حسن رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا جس نے حق کو چھوڑ دیا اس پر امر مشتبہ ہو جاتا ہے اور اس کا دین اس پر ملتبس ہو جاتا ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے ان کے امر کے اختلاط کا معنی یہ ہے کہ کبھی وہ کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ وہ جادوگر ہے، کبھی کہتے ہیں کہ اسے کوئی پڑھا جاتا ہے، کبھی کہتے ہیں مجنون ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ وہ بہتان باندھنے والا ہے(1) یہ سب اقوال باہم متضاد ہیں پھر ان کی تکذیب کا رد کیا اور اس استدلال کی طرف راہنمائی کی کہ جب وہ عالم کو پیدا کر سکتا ہے تو وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝

"کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف جو ان کے اوپر ہے ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور اسے کیسے آراستہ کیا ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں لہ"

لہ یہاں ہمزہ انکار اور توبیخ (شرمندہ کرنا) کا معنی دے رہا ہے، فاء عاطفہ ہے، اس کا عطف کلام محذوف پر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اَكَذَّبُوْا بِالْبَعْثِ فَلَمْ يَنْظُرُوْا حِيْنَ كَذَّبُوْا بِهٖ کیا انہوں نے دوبارہ اٹھائے جانے کی تکذیب کی کیا انہوں نے جب تکذیب کی تو انہوں نے غور و فکر نہیں کیا اور السماء ذو الحال ہے اور فوقهم اس سے حال ہے یا فوقهم ظرف ہے جو لم ينظروا کے متعلق ہے۔ کیف یہ حال ہے اور بنینها میں ها ضمیر ذو الحال ہے، یعنی اسے بنایا اور ستونوں کے بغیر اسے بلند کیا اور اس آسمان کو ستاروں سے مزین کیا۔ بنینها اور زینها مفرد کی تاویل میں ہو کر السماء سے بدل ہیں۔ کیف کے ساتھ جو استفہام ہے یہ تقریر کا معنی دے رہا ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا کہ ہم نے ان پر آسمان بنا دیا اور اسے ستاروں کے ساتھ مزین کر دیا جو خوبصورت کیفیت کے ساتھ مکیف ہوتا ہے۔ فروج کا معنی شقوق ہے، یہاں من زائدہ ہے یہ جملہ بنینها کے مفعول سے حال

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

ہے، یعنی اسے ایسی حالت پر بنایا کہ اس میں کوئی عیب اور کوئی سراغ نہیں۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ۝۷

"اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور جما دیئے اس پر بڑے بڑے پہاڑ اور اگا دی ہیں اس میں ہر قسم کی رونق افزا چیزیں۔[1]"

[1] الْاَرْضَ ایک ایسے مقدر کے ساتھ منصوب ہے جس کی تفسیر مابعد فعل مَدَدْنٰهَا کرتا ہے، یعنی ہم نے زمین کو پھیلا دیا اس جملے کا عطف بنینها پر ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ بنینها جملہ مفرد کی تاویل میں ہے جو السماء سے بدل ہے جس طرح ہم ذکر کر چکے ہیں، جبکہ جملہ معطوفہ میں تو مفرد کی تاویل کرنا درست نہیں۔ ہم جواب دیں گے اس کلام میں حذف ہے اور اضمار ہے یا تو اس کی تقدیر کلام یہ ہوگی اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَاِلَی الْاَرْضِ تَحْتَهُمْ كَیْفَ مَدَدْنٰهَا یا اس کی تقدیر کلام یہ ہوگی والارض مددنا ها تحتها۔ یہ بھی جائز ہے کہ جملہ مفرد کی تاویل میں ہو اور اس کا عطف السماء پر ہو۔ معنی یہ ہوگا کیا وہ ہمارے زمین پھیلانے کی طرف نہیں دیکھتے۔

رَوَاسِیَ سے مراد مضبوط پہاڑ ہیں۔ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ سے مراد نباتات کی ہر قسم ہے جس میں حسن اور سرور ہے۔

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰی لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝۸

"یہ (آثار قدرت) بصیرت افروز اور یاد دہانی ہیں ہر اس بندے کے لئے جو اپنے رب کی طرف مائل ہے۔[1]"

[1] دونوں اسم علت غائی (1) کی وجہ سے منصوب ہیں کیونکہ تمام اشیاء کے پیدا کرنے کا مقصد یہی ہے کہ یہ چیزیں بصیرت عطا کرنے والی اور نصیحت کرنے والی ہوں اور جو اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے، قدیم، قدیر، علیم، واجب الوجود ہونے اور صفات کمالیہ سے متصف ہونے پر دلالت کریں۔

مُّنِیْبٍ سے مراد وہ بندہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو اس کا یہ رجوع اس کی مخلوقات میں غور و فکر سے حاصل ہوتا ہے یہاں عَبْدٍ مُّنِیْبٍ کو خاص اس لئے کیا کیونکہ یہی بندہ ہی اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ ۝۹

"اور ہم نے اتارا آسمان سے برکت والا پانی پس ہم نے اگائے اس سے باغات اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے"

[1] مَآءً مُّبٰرَكًا سے مراد ایسا پانی ہے جس کے بے شمار منافع ہیں۔ یہاں حَبَّ کو الْحَصِیْدِ کی طرف مضاف کیا ہے، جبکہ حب عام ہے اور الْحَصِیْدِ خاص ہے جس طرح حق الیقین کل الدرهم اور عین الشیٔ میں عام کو خاص کی طرف مضاف کیا ہے۔ اس سے مراد وہ دانہ ہے جسے کاٹا جاتا ہے جیسے گندم جو وغیرہ جنہیں کاشت کیا جاتا ہے اور اس کو خوراک بنایا جاتا ہے۔ یہاں حَبَّ کو الْحَصِیْدِ کی طرف مضاف کر کے خاص کیا گیا ہے کیونکہ حبوب سے کامل مقصود اور کمال نفع یہی ہے کہ اسے کاٹا جائے اور اسے خوراک بنایا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ اضافت مسجد الجامع اور صلوة الاولی کی قسم سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اس میں مضاف الیہ کا موصوف محذوف ہے۔ مسجد الجامع اصل میں مسجد الصلوة الجامع اور صلوة الاولی اصل میں صلوة الساعة الاولی تھا۔ اس

(1) اسم مفعول لہ ہے جو اس فعل کی غرض و غایت بیان کرتا ہے اور اس کا مقصود اصلی ہے۔

صورت میں اس کلام کا معنی یہ ہوگا اس کھیتی کا دانہ جس کی شان یہ ہے کہ اسے کاٹا جائے جس طرح گندم، جو وغیرہ۔

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾

"اور کھجور کے لمبے لمبے درخت جن کے گچھے (پھل سے) گندھے ہوتے ہیں[1] بندوں کی روزی کے لئے اور ہم نے زندہ کر دیا اس پانی سے مردہ شہر۔ یونہی (روز محشر ان کا) نکلنا ہوگا[2]"

[1] النخل کا عطف جنات پر ہے، باسقات کا معنی یا تو طویل ہے یا پھل اٹھانے والی ہیں، یہ بسقت الشاۃ سے مشتق ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بکری حاملہ ہو۔ نخل کو خصوصی طور پر اس لئے ذکر کیا کیونکہ اس کے منافع بہت زیادہ ہیں اور یہ بہت بلند ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے، اس درخت کی مثال مسلمان جیسی ہے مجھے بتاؤ وہ کونسا درخت ہے؟ لوگ جنگل کے درختوں کے بارے میں بتانے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے (1) اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بیان کیا ہے حضور ﷺ کا فرمان ہے اپنی پھوپھی یعنی کھجور کے درخت کی تعظیم کرو کیونکہ اسے اس مٹی سے پیدا کیا گیا جو تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی سے بچی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس درخت سے معزز کوئی درخت نہیں جس درخت کے نیچے حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنا تھا۔ بچہ جننے والی عورتوں کو پکی تر کھجوریں کھلاؤ اگر تر نہ ہوں تو خشک کھجوریں کھلاؤ (2) اسے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ، ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند، ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے کامل، عقیلی، ابن السنی، ابو نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ نے طب میں اور ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

طلع کا معنی پھل ہے یا پھل کی جگہ ہے، اسے طلع اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اسی جگہ سے پھل ظاہر ہوتا ہے۔ طلع اس پھل کو بھی کہتے ہیں جو پہلی دفعہ ظاہر ہو اور اس سے غلاف نہ اترے۔

نضید یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے، اس پھل کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھا ہوا ہو، اس سے مراد گا ہے کا ایک دوسرے پر چڑھے ہونا یا اس میں پھل کا زیادہ ہونا مراد ہے۔ لہٰذا طلع نضید یہ جملہ النخیل سے دوسرا حال ہے۔

[2] رِزْقًا یہ انبتنا کا مفعول لہ ہے یا یہ مفعول مطلق ہے اگرچہ فعل کا مادہ اور ہے کیونکہ معنی اور مقصود دونوں کا ایک ہے۔

وَاَحْيَيْنَا بِهٖ اس جملے کا عطف انبتنا پر ہے اور ہ ضمیر سے مراد پانی ہے۔

بَلْدَةً مَّيْتًا سے مراد ایسی زمین ہے جو بنجر ہو اور وہاں کوئی پانی نہ ہو۔

جس طرح جب سبب پایا جاتا ہے تو زمین سے نباتات اگتی ہے اسی طرح مردوں کو قبور سے نکالا جائے گا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو نفخوں (ا) کے درمیان چالیس ہیں۔ لوگوں نے پوچھا اے ابو ہریرہ یہاں اربعون سے مراد چالیس دن ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں یہ قول کرنے سے انکار کرتا ہوں لوگوں نے

1۔ صحیح مسلم، جلد 17، صفحہ 126 (العلمیہ) 2۔ مجمع الزوائد، جلد 5، صفحہ 49 (الفکر)

(ا) دو صور پھونکے جاتے کے درمیان جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو ہر شے فنا ہو جائے گی اور جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا۔ مترجم۔

پوچھا وہ چالیس مہینے ہیں؟ آپ نے کہا میں یہ کہنے سے بھی انکار کرتا ہوں لوگوں نے پوچھا چالیس سال ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس سے بھی انکار کرتا ہوں پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے نزول اجلال فرمائے گا تو لوگ زمین سے یوں نکل پڑیں گے جس طرح نباتات نکلتی ہیں؛ انسان کا تمام جسم بوسیدہ ہو جائے گا بصرف ایک ہڈی باقی رہے گی جسے عجب الذنب کہتے ہیں۔ قیامت کے دن اسی ہڈی سے اس کا جسم بنایا جائے گا(1)۔ ابن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ دونوں صوروں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہا عرش کے نیچے سے پانی کا ایک نالہ دو صور پھونکے جانے کے درمیان بہتا رہے گا، ان دو صوروں کی درمیانی مدت چالیس سال ہے تو اس پانی سے ہر بوسیدہ مخلوق زمین سے نکل آئے گی وہ انسان ہو، پرندہ ہو یا چوپایہ ہو اگر کوئی انسان ان کے پاس سے گزرے گا تو وہ انہیں نہیں پہچان سکے گا ؛ وہ زمین میں پہلے انہیں پہچانتا ہی ہو پھر اللہ تعالیٰ روحوں کو ان کی طرف بھیجے گا، انہیں جسموں کے ساتھ ملا دیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کا بھی مفہوم ہے۔

امام احمد، ابو یعلی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو آسمان سے ان پر پھوار برسے گی(2)۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو تسلی دینے اور کافروں کو ڈرانے کے لئے مابعد آیت کو نازل فرمایا کہ ان کفار کو وہی عذاب پہنچ سکتا ہے جو ان سے پہلے لوگوں کو پہنچا تھا۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾

"(حق کو) جھٹلایا تھا ان (اہل مکہ) سے پہلے قوم نوح، اہل رس اور ثمود نے [1] اور (جھٹلایا تھا) عاد فرعون اور قوم لوط نے بھی"

[1] ھم ضمیر سے مراد کفار مکہ ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک ڈرایا لوگوں نے آپ کو جھٹلایا تو طوفان نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، جبکہ وہ ظلم کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا جو اس کشتی میں سوار تھے۔

قاموس میں ہے رس سے مراد کسی شے کی ابتداء اور پتھروں سے لپٹا ہوا پتھر ہے، یہ کنواں ان لوگوں کا تھا جو قوم ثمود میں سے بچ گئے تھے انہوں نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور اس کنواں میں بند کر دیا۔ اس کا معنی کھودنا اور میت دفن کرنا بھی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا رس سے مراد کنواں ہے۔ اس باولی کو بھی رس کہتے ہیں جس کو پتھروں اور اینٹوں سے پختہ نہ کیا گیا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا رس سے مراد معدن ہے، اس کی جمع رسائس آتی ہے یہ رس والے لوگ کون تھے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا جس طرح صاحب قاموس نے کہا یہ قوم ثمود کے باقی ماندہ افراد تھے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابو روق نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرموت کے ایک شہر حاصورا میں ایک کنواں تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والے چار ہزار افراد جو عذاب سے محفوظ رہے تھے وہ حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ حضرموت کے علاقہ میں تشریف لائے تھے۔ جب وہ یہاں پہنچ گئے تو حضرت صالح علیہ السلام کا وصال

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 195 (الفکر)   2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 267 (صادر)

ہو گیا تو اسی وجہ سے اس علاقہ کا نام حضر موت پڑ گیا کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام جب یہاں تشریف لائے تو آپ کا وصال ہو گیا۔ انہوں نے ایک کنواں بنایا، اس کے پاس بیٹھ کر ایک آدمی کو اپنا امیر بنایا وہ ایک طویل زمانہ تک وہاں رہے، ان سے آگے نسل پھیلی یہاں تک کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی پھر انہوں نے بتوں کی پوجا شروع کر دی اور کفر اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک نبی کو بھیجا جن کا نام حضرت حنظلہ بن صفوان تھا، وہ ایک مزدور تھے، لوگوں نے انہیں بازار میں قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہلاکت ان پر مسلط کر دی، ان کا کنواں بے آباد ہو گیا اور ان کے محلات تباہ و برباد ہو گئے(1) انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِیْدٍ۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا اصحاب رس کا ایک نبی تھا جنہیں حضرت حنظلہ بن صفوان کہا جاتا، لوگوں نے آپ کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا(2)۔ وہب بن منبہ نے کہا اس سے مراد وہ لوگ تھے جن کا ایک کنواں اور چوپائے تھے۔ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا آپ ان لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے تو وہ سرکشی اور حضرت شعیب علیہ السلام کو اذیت دینے میں اور بڑھ جاتے۔ اسی اثناء میں کہ وہ ایک روز کنویں کے ارد گرد اپنے گھروں میں موجود تھے کہ کنویں کا پانی ابلنے لگا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گھروں اور ان کے مال اسباب کو زمین میں دھنسا دیا اس طرح سب ہلاک ہو گئے(3)۔

قتادہ اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا رس ایک کنواں تھا جو یمامہ کے علاقہ میں تھا۔ ان لوگوں نے اپنے نبی کو قتل کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ کعب، مقاتل اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا رس انطاکیہ میں ایک کنواں ہے جہاں حبیب نجار کو قتل کیا گیا، یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر سورۂ یٰسین میں ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے اصحاب اخدود (خندق والے) مراد ہیں جنہوں نے اس خندق کو کھودا تھا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نبی کو کنویں میں رسی کے ذریعے لٹکا دیا تھا(4)۔ قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا جس کا ذکر اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ...... اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ میں ہے۔ آپ معجزہ کے طور پر دس ماہ کی گابھن اونٹنی لے آئے جو ایک چٹان سے نکلی تھی، اس نے اپنے جیسا بچہ جنا، وہ ایک روز سارا پانی پی جاتی تھی اور دوسرے روز پانی نہ پیتی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے کہا یہ اونٹنی ہے، ایک باری اس کی ہے اور ایک باری تمہاری ہے۔ دن سب کو معلوم ہیں اسے کوئی تکلیف نہ دینا اگر تم اسے کوئی تکلیف دو گے تو تمہیں سخت عذاب اپنی گرفت میں لے لے گا۔ ان لوگوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں پس وہ شرمندہ ہوئے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا اپنے گھروں میں تین دن تک لطف اندوز ہو لو یہ ایک ایسا وعدہ ہے جس میں کوئی جھوٹ نہیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ پر ایمان لانے والوں کو نجات عطا فرما دی اور جنہوں نے ظلم کیا تھا ایک چیخ نے انہیں آ لیا اور صبح کے وقت وہ سب مرے پڑے تھے۔

۲۔ قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا جب حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں میں تو تمہارے لئے رسول امین بن کر آیا ہوں پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو انہیں سخت ہوا کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا جو ہوا سرکش ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس ہوا کو ان پر سات دن اور آٹھ راتوں تک مسلط کر رکھا وہ یوں گرے پڑے تھے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔

فرعون کی قوم عمالقہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو مبعوث کیا، فرمایا فرعون کے پاس جاؤ، اس نے سرکشی کی ہے، اسے کہو کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ اپنا تزکیہ کرے اور میں تیرے رب کی طرف تیری راہنمائی کروں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 122 (الفکر) 2۔ ایضاً، صفحہ 238 3۔ ایضاً، صفحہ 237 4۔ ایضاً

پس تو ڈر ے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے بڑا معجزہ دکھایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ دوڑتا ہوا ایک سانپ تھا، آپ نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالا، ہاتھ نکلا تو وہ سفید تھا اس میں کوئی بیماری نہ تھی یہ ایک اور معجزہ تھا۔ فرعون نے آپ کو جھٹلایا، رخ پھیر لیا اور کہا میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میرے بندوں کو رات کے وقت لے کر نکل پڑو۔ سمندر میں اپنا عصا مارو تو پانی کا ہر حصہ یوں کھڑا ہو جائے گا جیسے پہاڑ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو نجات عطا فرمائی۔ فرعون اور اس کے لشکروں نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا، پانی ان پر غالب آ گیا جب وہ غرق ہونے لگا تو کہا میں اس اللہ پر ایمان لے آیا جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی مسلمان ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تم ایمان لائے، ہو جبکہ اس سے پہلے تم نے نافرمانی کی، جبکہ تو فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا، آج تیرا رب تجھے باہر نکالے گا تاکہ تو بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے ایک نشانی ہو جائے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جب انہیں حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کیا تم ڈرتے نہیں میں تمہارے پاس رسول امین بن کر آیا ہوں پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو کیا تم مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے ہو اور تمہارے رب نے تمہارے لئے جو پیدا کیا ہے اسے چھوڑتے ہو بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو تو وہ کہنے لگے اے لوط اگر تم باز نہیں آؤ گے تو تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ فرمایا تمہارے عمل کو سخت ناپسند کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو وہاں سے نکال دیا مگر آپ کی بیوی پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر مٹی کے نشان زدہ پتھروں کی بارش کی جو حد سے تجاوز کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود تھے۔

وَّ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾

"نیز ایکہ کے باشندوں [1] اور تبع کی قوم نے [2] ان سب نے جھٹلایا تھا رسولوں کو پس پورا ہو گیا (ہمارا) عذاب کا وعدہ [3]"

[1] اصحاب ایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا کیونکہ جب حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا گیا، آپ نے فرمایا کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہاری طرف رسول امین بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اللہ سے ڈرو، میری اطاعت کرو، پورا وزن کرو اور کم نہ تولو، صحیح ترازو کے ساتھ وزن کرو، لوگوں کو دی جانے والی چیزوں میں کمی نہ کرو، زمین میں فساد برپا نہ کرو تو انہوں نے جواب دیا آپ تو جادوگر ہیں آپ ہماری طرح بشر ہیں ہم تو آپ کو جھوٹا گمان کرتے ہیں اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دیں۔ انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو عذاب نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، وہ سخت گرمی کا دن تھا، وہ زمین میں بنائے گئے گھروں میں داخل ہوتے تو وہاں اور زیادہ گرمی پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سایہ کر دیا لوگ اس سایہ میں جمع ہو گئے۔ اس سایہ نے ان پر آگ کی بارش کر دی تو وہ سب جل گئے۔

[2] امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قتادہ رحمۃ اللہ نے کہا یہ تبع حمیری ہے، یہ یمن کا بادشاہ تھا، یہ لشکروں کے ساتھ مشرق کی طرف روانہ ہوا یہاں تک کہ حیرہ اور ثمرقند تک جا پہنچا۔ اس کو تبع اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس کی اتباع کرنے والے بے شمار لوگ تھے۔ ہر بادشاہ کو تبع کہتے کیونکہ وہ دوسرے بادشاہ کے پیچھے آتا۔ یہ بادشاہ آتش پرست تھا، وہ اسلام لے آیا، اس نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام لانے سے انکار کر دیا۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ سے روایت کیا ہے کہ آخری تبع بادشاہ کا نام ابوکرب اسعد بن ملیکیب بن یکرب تھا۔ جب مشرق سے واپس آیا تو اس نے مدینہ سے گزرنے کا پروگرام بنایا۔ جب وہ پہلے یہاں سے گزرا تھا تو وہ اپنا بیٹا یہاں چھوڑ گیا تھا۔ اسے دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ وہ یہاں اس لئے آیا تا کہ اس کو برباد کرے اور اس کے مکینوں کو ہلاک کر دے۔ انصار(۱) کے قبیلہ نے جب اس کے ارادہ کے بارے میں سنا تو وہ اس سے جنگ کرنے کے لئے شہر سے باہر نکل آئے۔ انصار دن کے وقت اس سے جنگ کرتے اور رات کے وقت اسے آرام کرنے دیتے۔ ان کے اس رویئے نے اسے متعجب کیا۔ اس نے کہا یہ بڑے معزز لوگ ہیں، ایک روز وہ اسی حالت میں تھا کہ دو عالم آئے جن میں سے ایک کا نام کعب اور دوسرے کا نام اسد تھا جو بنی قریظہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ دونوں عالم تھے، یہ دونوں چچازاد تھے، جب انہوں نے یہ سنا کہ تبع نے مدینہ کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے اور شہر کو برباد کرنے کا ارادہ کیا ہے تو ان دونوں نے اس سے کہا اے بادشاہ ایسا نہ کرو اور اگر تم اپنے ارادے سے باز نہ آئے تو ہمیں ڈر ہے کہ کوئی آفت تمہارے اور ان کے درمیان حائل ہو جائے گی کیونکہ یہ جگہ اس نبی کی ہجرت کی جگہ ہے جو قبیلہ قریش سے ظاہر ہوگا اس کا نام محمد ہوگا، اس کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوگی اور یہ اس کی ہجرت کی جگہ ہے جس جگہ تم اب ٹھہرے ہوئے ہو، یہاں آپ کے ساتھیوں اور آپ کے دشمنوں کے درمیان بڑا معرکہ بپا ہوگا۔ تبع نے کہا جب وہ نبی ہوں گے تو پھر ان سے جنگ کون کرے گا؟ علماء نے کہا آپ کے قبیلہ (قریش) کے لوگ آئیں گے، یہاں آپ سے جنگ کریں گے۔ مدینہ طیبہ کے بارے میں جو اس نے ارادہ کیا تھا ان کی باتوں سے وہ باز آ گیا پھر ان دونوں نے اسے اپنے دین کی دعوت دی اس نے ان کی دعوت قبول کر لی اور ان کے دین کی اتباع کرنے لگا۔ بادشاہ نے ان دونوں کی بڑی تعظیم کی اور مدینہ طیبہ سے کوچ کر گیا اور ان دونوں اور کچھ یہودیوں کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ ارادہ یمن جانے کا تھا راستے میں بنی ہذیل کے کچھ لوگ تبع کے پاس آئے، انہوں نے کہا ہم آپ کو ایسے گھر کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں جس میں موتیوں، زبرجد اور چاندی کا خزانہ ہے۔ اس نے پوچھا وہ گھر کون سا ہے؟ ان لوگوں نے کہا وہ گھر مکہ مکرمہ میں ہے۔ بنی ہذیل اس کی ہلاکت کا ارادہ رکھتے تھے کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ جس نے بھی برے ارادہ سے کعبہ کا قصد کیا اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ تبع نے اس بارے میں علماء سے بات کی۔ علماء نے کہا ہم زمین میں بیت اللہ شریف کے بغیر تو ایسا کوئی گھر نہیں جانتے اسے سجدہ گاہ بنائیں، اس کے پاس جانور قربان کریں، اونٹ ذبح کریں، اپنا سر منڈا دیں۔ اس قوم نے تو آپ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا ہے کیونکہ جس نے بھی اس بارے میں بری نیت کی وہ ہلاک ہو گیا۔ اس کی تعظیم کیجئے، اس کے پاس وہی عمل کیجئے جو یہاں کے لوگ کرتے ہیں۔ جب علماء نے بادشاہ کو یہ بات بتائی تو اس نے بنی ہذیل کے ان لوگوں کو پکڑ لیا، ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیے، ان کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی پھر انہیں سولی پر لٹکوا دیا۔ جب وہ مکہ مکرمہ آیا تو بطائح کی گھاٹی میں اترا، بیت اللہ شریف پر پردہ چڑھایا۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے بیت اللہ شریف پر پردہ چڑھایا۔ اس نے اس گھاٹی میں چھ ہزار اونٹ ذبح کئے، وہاں چھ دن رہا، بیت اللہ شریف کا طواف کیا، بال کٹوائے اور واپس چلا گیا۔ جب وہ یمن کے قریب پہنچا اور داخل ہی ہوا چاہتا کہ حمیر آڑے آ گئے، انہوں نے بادشاہ سے کہا تم اس شہر میں داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ تم نے ہمارے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ بادشاہ نے انہیں اپنے دین کی طرف دعوت دی اور کہا یہ دین تمہارے دین سے بہتر ہے۔ لوگوں نے کہا ہمارا فیصلہ آگ کرے گی ایک پہاڑ کے نیچے آگ تھی جس معاملہ میں اختلاف ہو

(۱) یہ نام مستقبل کے اعتبار سے ذکر کیا گیا، جبکہ اس زمانہ میں انہیں انصار نہیں کہا جاتا تھا۔

جاتا وہ اسی آگ سے فیصلہ کراتے تھے۔ وہ آگ ظالم کو کھا جاتی اور مظلوم کو کچھ نہ کہتی تھی۔ تبع نے کہا تم نے انصاف کیا ہے قوم اپنے بتوں اور اپنے دین میں جن چیزوں کو وہ قربانی کے لئے پیش کرتے تھے لے کر چل پڑے اور دونوں علماء چلے، جبکہ ان کی گردنوں میں آسمانی کتابیں تھیں یہاں تک کہ وہ اس جگہ بیٹھ گئے جہاں سے آگ نکلتی تھی۔ آگ نکلی، وہ بڑھی یہاں تک کہ وہ بتوں، قربان کی جانے والی چیزوں اور حمیر کے لوگوں کو کھا گئی۔ دونوں علماء نکلے، ان کی گردنوں میں صحیفے تھے، وہ تورات کی تلاوت کرتے تھے، ان کی پیشانیوں سے پسینہ بہہ رہا تھا آگ انہیں کوئی تکلیف نہیں دے رہی تھی۔ آگ واپس پلٹی یہاں تک کہ جس جگہ سے نکلی تھی وہاں ہی غائب ہوگئی جس وجہ سے حمیر کے لوگوں نے ان علماء کے دین کو قبول کرلیا یمن میں یہاں سے یہودیت کا سلسلہ شروع ہوا۔

ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے رقاشی سے ذکر کیا ہے کہ ابوکرب اسعد حمیری تبع بادشاہوں میں سے ایک تھا یہ حضور ﷺ کی بعثت سے سات سو سال پہلے آپ پر ایمان لے آیا تھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ کعب کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے تبع کی قوم کی تو مذمت کی ہے۔ تبع کی مذمت نہیں کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں تبع کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ وہ ایک نیک آدمی تھا۔ سعید بن جبیر نے کہا یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے کعبہ پر غلاف چڑھایا تھا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں یہ نہیں جانتا کہ تبع نبی تھا یا نبی نہیں تھا۔ سورۂ دخان میں بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اپنے اختتام کو پہنچا۔

ہر ایک نے یا ہر قوم نے یا سب نے رسولوں کو جھٹلایا۔ فعل کو واحد اس لئے ذکر کیا کہ لفظ کل میں ظاہراً جمع کی علامت موجود نہیں۔ رسل کو جمع ذکر کیا کیونکہ ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کو جھٹلانے کے مترادف ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان قوموں میں سے کوئی بھی اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان نہیں رکھتا تھا تو وہ رسولوں کی بعثت کا بدرجہ اولیٰ انکار کرتے تھے تو ان پر میرا عذاب ثابت ہوگیا جس سے انہیں ڈرایا گیا تھا۔ ورش نے وصل کی صورت میں یاء کو قائم رکھا ہے، یعنی وعیدی پڑھا ہے، جبکہ دوسرے قراء نے دونوں صورتوں (فصل و وصل) میں یاء کو گرا دیا ہے۔

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾

"تو کیا ہم تھک گئے ہیں پہلی مرتبہ مخلوق کو پیدا کر کے (ایسا نہیں) بلکہ یہ (کفار) از سرنو پیدا ہونے کے بارے میں شک میں ہیں[1]"

قاموس میں ہے عَيِيَ بالامر سے مراد ہے اس نے اپنے مقصد کا راستہ نہ پایا یا وہ اس سے عاجز آ گیا اور اس کے احکام کی اس نے طاقت نہ رکھی۔ اس میں ہمزہ استفہام انکار کا معنی دے رہا ہے اور فاء عاطفہ ہے اور تعقیب کا معنی دے رہی ہے، اس کا تعلق افلم ینظروا کے ساتھ ہے اور کذبت قبلهم قوم نوح سے لے کر آخر تک جملہ معترضہ ہیں۔ مراد یہ ہے ہم نے آسمان کو بغیر کسی سوراخ کے پیدا کیا، ہم نے زمین کو پھیلایا، اس میں پہاڑ گاڑ دیے، آسمان سے پانی نازل کیا اور پانی کے ساتھ ان چیزوں کو اگایا جن کا ذکر کیا گیا ہے تو ان چیزوں کو پہلی دفعہ تخلیق کرنے سے ہم نہیں تھکے جن کا تم مشاہدہ کرتے ہو اور اعتراف بھی کرتے ہو تو ہم دوبارہ پیدا کرنے سے کیسے عاجز ہوں گے، جبکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا دوسری دفعہ پیدا کرنے سے آسان نہیں۔ کفار یہ اعتراف کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو پیدا کیا اور یہ دلیل بھی موجود ہے لیکن وہ دوبارہ اٹھائے جانے کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

تلبس کا معنی خلط ملط ہونا اور شبہ کا واقع ہونا ہے۔ یہاں اس سے مراد شک ہے، جبکہ لبس کا اصل معنی پوشیدہ کرنا ہے، شک کی حالت میں حق باطل کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے اور حق پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ خلق جدید سے مراد معاد (دوبارہ اٹھایا جانا) ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اسے یہ زیبا نہیں تھا، اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اسے یہ زیبا نہیں۔ اس کا مجھے جھٹلانے سے مراد یہ ہے کہ بندہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ نہیں پیدا کرے گا جس طرح میں نے اسے پہلی دفعہ پیدا کیا حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا دوسری دفعہ پیدا کرنے سے آسان نہیں۔ اس کا مجھے گالی دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بچہ بنالیا ہے حالانکہ میں اللہ یکتا ہوں، بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ ہی مجھے جنا گیا اور نہ ہی میرا کوئی شریک ہے(1) اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾

"اور بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم (خوب) جانتے ہیں اس کا نفس جو وسوسے ڈالتا ہے اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں[1]"

[1] وسوسہ سے مراد پست آواز ہے۔ یہاں اس سے مراد وہ چیز ہے جو دل میں کھٹکتی ہے۔ ما توسوس میں ما موصولہ ہے۔ بہ میں باء صلہ ہے۔ کہتے ہیں صوت بکذا اس میں ضمیر ما کی طرف لوٹ رہی ہے یا ما مصدریہ ہے اور باء تعدیہ کے لئے ہے اور ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے اور نعلم مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ خلقنا کے فاعل سے حال ہے یا اس کے مفعول سے حال ہے یا دونوں سے حال ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی نَحْنُ نَعْلَمُ مَا تحدث بہ نَفْسُہٗ بہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان اور وسوسہ کو پیدا فرمایا۔ ہر شے کا ایک عرض ہوتا ہے اور ایک جو ہر ہوتا ہے۔ اختیار اور ارادہ کے ساتھ تخلیق کرنے سے پہلے علم کا ہونا ضروری ہے۔

حبل سے مراد رگ ہے اس کی ورید کی طرف اضافت ایسے ہی ہے جیسے شجرۃ الاراک اور یوم الجمعۃ کی اضافت ہے، مقصود اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ یہ جملہ خلقنا کے فاعل سے حال ہے۔ دو ریدان دو رگیں ہیں۔ گردن میں ہوتی ہیں جن کا تعلق دل کی رگ کے ساتھ ہوتا ہے۔ انہیں ورید اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ سر سے نیچے آتی ہیں نام کی ایک وجہ یہ ذکر کی گئی کہ ان میں روح اترتی ہے۔

شہ رگ سے زیادہ قریبی ہونے کی تعبیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ علماء ظاہر نے کہا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم اس کے حال سے اس ذات سے بھی زیادہ واقف ہیں جو شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہو یہاں قرب ذات قرب علم کے لئے بطور مجاز ذکر کیا گیا ہے کیونکہ قرب ذات قرب علم کا سبب ہے۔ حبل الورید کا لفظ قرب کے کمال کے لئے بطور ضرب المثل استعمال ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں موت شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے ہم اسے شہ رگ سے بھی زیادہ جانتے ہیں کیونکہ انسان کے اجزاء میں سے بعض بعض کو چھپا دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہوتی۔ اس تاویل کی بناء پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ طبیب مریض کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے کیونکہ مریض تو اپنی صحت اور مرض کے بعض احوال کو نہیں جانتا جتنا طبیب جانتا ہے اگرچہ طبیب کا علم علم استدلالی ہوتا

1۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 1 صفحہ 48 (الفکر)

ہے خصوصاً جب ایک چیز ایسی ہو جس کے پاس نہ علم ہوتا ہے اور نہ عقل۔ اس کے بعض حالات کا علم تو ہوتا ہے مگر وہ چیز خود اپنے احوال کو نہیں جانتی تو اس تعبیر کی بناء پر یہ کہنا جائز ہوگا اَنَا اَقْرَبُ اِلَـيْهِ مِنْ نَّفْسِهٖ۔ میرے نزدیک اقربیت کے اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا پسندیدہ نہیں۔ صوفیاء کا فرمان ہے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ ان کی ذاتوں سے بھی زیادہ قرب رکھتا ہے، یہ قرب قرب ذاتی ہے زمانی اور مکانی نہیں اور نہ ہی مطلقاً کسی کیفیت کے ساتھ متکیف ہے، اس قرب کو نور فراست سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ حواس اور استدلال سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقام پر زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ عالم اپنے وجود اور بقاء میں واجب لذاتہ کا محتاج ہے اس کی واجب کی طرف جو نسبت ہے اسے اس نسبت کے ساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے جو ایک سائے کو اصل کے ساتھ نسبت ہوتی ہے کیونکہ سائے کا وجود اور اس کی بقاء اس کے اصل کے وجود کے ساتھ ہوتی ہے اسی لئے اصل سایہ کے زیادہ قریب تھا، جبکہ اس کی ذات سایہ کے اتنی قریب نہیں ہوتی اور واجب ممکن کے زیادہ قریب ہوتا ہے، جبکہ ممکن کی ذات اس کے اتنے قریب نہیں کیا تم دیکھتے نہیں کہ ممکن جب واجب کی طرف منسوب نہ ہو تو وہ کسی چیز کے ساتھ ثابت نہ ہوا جب وہ ثابت نہ ہوا تو وہ پایا نہ گیا جب تک پایا نہ جائے تو اس کا اپنی ذات پر حمل اولی درست نہ ہوا جب تک ذات زید موجود نہ ہوا سے زید کہنا درست نہیں اور اس کی ذات کی نفی درست ہے کیونکہ نسبت ایجابی کے لئے موضوع کا وجود ضروری ہے اگر یہ حمل اولی ہو تو ممکن کا وجود ممکن کی ذات کے اتنا قریب ہوا جتنا کہ ممکن اپنی ذات کے قریب ہے کیونکہ جب تک کوئی چیز نہ پائی جائے اس وقت تک شے کی نفی درست ہوتی ہے۔ یہاں وجود سے مراد معنی مصدری نہیں بلکہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ موجودیت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ممکن کی ذات سے زیادہ ممکن کے قریب ہے وہ وجدان میں بہت دور اور ذات کے اعتبار سے بہت قریب ہے۔ جب صوفیاء عالم کو ظل (سایہ) کے دائرے کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ظل (سایہ) کو صفات کی طرف اور صفات کو ذات کی طرف منسوب کرتے ہیں، جبکہ ظلال کے کئی مراتب ہیں جس پر حضور ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے نور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں اگر وہ پردے ہٹا دیئے جائیں تو اس کی ذات کے انوار حد نگاہ تک مخلوق کو جلا کر خاکستر کر دیں۔ اس کی صفات میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے زمین میں جو کچھ ہے اگر وہ قلمیں ہو جائیں اور سات سمندر روشنائی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے کلمات پھر بھی ختم نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہ العزیز نے فرمایا اللہ سبحانہ وراء الوراء ہے پھر وراء الوراء ہے پھر وراء الوراء ہے، اس کی جہت میں قرب ہے بعد نہیں، یعنی صفات کے ظلال ممکن سے بھی زیادہ ممکن کے قریب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات ممکن کی ذات اور ظلال سے زیادہ ممکن کے قریب ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ممکن کے اس کی ذات، ظلال اور صفات سے زیادہ قریب ہے، واللہ اعلم۔

فائدہ:۔ وہ قرب جو اس آیت سے سمجھا جا رہا ہے تمام مخلوقات کو عام ہے حتیٰ کہ یہ قرب کافروں کو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے خاص بندوں کے ساتھ ایک اور قسم کا قرب ہے۔ پہلی قسم کے قرب کے ساتھ صرف اس کے نام کے ساتھ موافقت ہے حقیقت میں کوئی موافقت نہیں۔ یہ قرب بھی صحیح فراست کے ساتھ معلوم کیا جا سکتا ہے اور قرآن وسنت سے یہ ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے سجدہ کرو اور اللہ کے قریب ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے، میرا رب میرے ساتھ ہے اور ان آیات میں عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ، عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ، فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کی طرح کی

دوسری آیات ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ (1) اسی طرح کی دوسری احادیث ہیں اس قرب کو قرب ولایت کہتے ہیں، اس کے بے شمار مراتب ہیں جن پر لا یزال کا کلمہ دلالت کرتا ہے اس کے مقابل وہ بعد (دوری) ہے جو کفار کے ساتھ مختص ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ۔ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ۔ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾

"جب (اس کے اعمال کو) لے لیتے ہیں دو لینے والے (ان میں سے) ایک دائیں جانب اور (دوسرا) بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے۔[1]"

[1] وہ دو فرشتے جو انسان پر مقرر ہیں جب وہ عمل لے لیتے ہیں۔ فعل کا مفعول بہ محذوف ہے جو عمل اور گفتگو ہے، یعنی وہ دونوں فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور انہیں لکھ لیتے ہیں۔ جار مجرور قعید کے متعلق ہے اور قعید متلقیان کا بدل ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی عَنِ الْيَمِينِ قَعِيدٌ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ۔ قعید مقاعد کے معنی میں ہے جس طرح جلیس مجالس کے معنی میں ہے۔ پہلے قعید کو اس لئے حذف کر دیا گیا کیونکہ دوسرا قعید اس پر دلالت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا فعیل کا لفظ واحد اور جمع دونوں پر دلالت کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ یہاں قعید سے مراد وہ ہے جو ہر وقت جیفار ہے یہ قاعد کی ضد ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا قعید سے مراد نگہبان ہے (2) اور ظرف اذکر کے متعلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اُذْكُرْ إِذْ يَتَلَقَّى یا یہ اقرب کے متعلق ہے۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے اس عمل سے مستغنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ جاننے والا ہے بلکہ جو چیزیں ان پر مخفی ہوتی ہیں ان سے بھی آگاہ ہوتا ہے لیکن اس نے ان کی ڈیوٹی لگائی ہے یہ کسی حکمت کی وجہ سے ہے جس نے اس بات کا تقاضا کیا کہ انہیں یہ ذمہ داری سونپی جائے نیز ان پر حجت لازم کرنے کے لئے کہ جس روز گواہیاں دی جائیں یہ فرشتے گواہی دیں۔

مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾

"وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لئے) تیار ہوتا ہے۔[1]"

[1] مِن قَوْلٍ میں من زائدہ ہے اور قول کا لفظ مفعول بہ ہے۔ رَقِيبٌ یہ وہ تاڑنے والا ہے جو لکھنے کے لئے اس کی تاڑ میں رہتا ہے، یہ استثناء مفرغ ہے اور مستثنیٰ قول کی صفت ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فرشتے دو حالتوں میں انسان سے جدا ہوتے ہیں جب وہ قضائے حاجت کرتا ہے، جب وہ جماع کرتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ دونوں اس کے اعمال لکھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس کی مرض میں بھی اعمال لکھتے ہیں۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ انسان کے صرف وہی اعمال لکھتے ہیں جن پر اس کو اجر دیا جاتا ہے یا عذاب دیا جاتا ہے (3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیکیاں لکھنے والا فرشتہ انسان کے دائیں کندھے پر ہوتا ہے اور برائیاں لکھنے والا انسان کے بائیں کندھے پر ہوتا ہے۔ نیکیاں لکھنے والا برائیاں لکھنے والے پر امیر ہوتا ہے۔ جب انسان اچھا عمل کرتا ہے تو دائیں کندھے والا دس نیکیاں لکھ لیتا ہے جب کوئی انسان برائی کرتا ہے تو دائیں کندھے والا بائیں کندھے والے کو کہتا ہے سات گھنٹوں تک اس کی برائی نہ لکھو شاید یہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے اور استغفار کرے۔ ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اس کو روایت کیا ہے اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں

1۔ مشکوٰۃ المصابیح جلد 2 صفحہ 12 (الفکر) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 3۔ ایضاً

روایت کیا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ وہ لوگ جزاء کے لئے دوبارہ اٹھائے جانے کو بعید جانتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کو اس طرح زائل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور علم کو بیان فرمایا اس کے لئے عالم کی پیدائش، یعنی آسمان اور زمین کی تخلیق، انسان اور اس کی زندگی کی تخلیق کو بیان فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ...... اس کے بعد انہیں ڈرانے کے لئے موت کے قریب ہونے اور قیامت کے برپا ہونے کا ذکر فرمایا۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾

''اور آ پہنچی موت کی بے ہوشی سچ مچ (اے نادان!) یہ ہے وہ جس سے تو دور بھاگا کرتا تھا۔''

۱۔ سَكْرَةُ سے مراد موت کی سختی ہے جو انسان پر چھا جاتی ہے اور اس کی عقل کو زائل کر دیتی ہے۔ جَاءَتْ اور اس کے معطوف ماضی کے صیغے میں حالانکہ ان کا معنی مستقبل کا ہے مقصود یہ ہے کہ یہ قریب زمانہ میں یقینی طور پر واقع ہوں گے۔

بِالْحَقِّ میں باء تعدیہ کے لئے ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ موت کی سختی ایسے یقینی امر کو لے آتی ہے جو ثابت شدہ ہے کیونکہ دنیا و مافیہا سراب کی طرح ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں اور موت کے بعد کے واقعات ثابت شدہ امر ہیں جن کو کوئی رد نہیں کر سکتا یا یہ حق وعد کی صفت ہے، یعنی ایسا وعدہ جو موت اور جزاء کی صورت میں ہے، اس کی خلاف ورزی کا احتمال نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ بِالْحَقِّ حال ہو اور یہ ملتبسا کے متعلق ہو۔ حق سے مراد موت اور اس کے بعد کی چیزیں ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ بِالْحَقِّ سابقہ جملہ کی تاکید ہو، تقدیر کلام یہ ہوگی هٰذَا الْقَوْلُ مُلْتَبِسٌ بِالْحَقِّ۔

ذٰلِكَ سے حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس سے مراد موت یا جزاء ہے۔ اے انسان یہ وہ چیز ہے جس سے تو اعراض کرتا ہے اور اس سے بھاگتا ہے، یعنی تو موت کو ناپسند کرتا ہے اور جزاء کا انکار کرتا ہے۔ یہ جملہ قوم کی تقدیر کے ساتھ مقدر کلام سے حال ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی جَاءَتْ سَكْرَةُ مَوْتِ الْاِنْسَانِ بِالْحَقِّ يُقَالُ لَهٗ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۔ کیونکہ یہاں موت سے مراد انسان کی موت ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾

''اور صور پھونکا جائے گا۔ یہی وعید کا دن ہوگا۔''

۱۔ اس نفخہ سے مراد دوبارہ اٹھائے جانے والا نفخہ ہے۔ ذلک سے یوم یقول لجهنم کی طرف اشارہ ہوگا اگر یہ نفخ کی طرف ہے ورنہ نفخ کے مصدر کی طرف اشارہ ہوگا اور مضاف محذوف ہوگا، تقدیر کلام یہ ہوگی وقت ذلک النفخ۔

ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ یہ جملہ یقال محذوف کا مفعول ہوگا، تقدیر کلام یہ ہوگی یقال ذلک یوم الوعید۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیہ میں عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جو لوگ سمندر میں مر جاتے ہیں ان کے گوشت مچھلیاں تقسیم کر لیتی ہیں ہڈیوں کے سوا ان کی کوئی چیز باقی نہیں بچتی، موجیں ان ہڈیوں کو خشکی پر پھینک دیتی ہیں، ہڈیاں وہاں پڑی رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ بوسیدہ ہو جاتی ہیں۔ اونٹ وہاں سے گزرتے ہیں تو ان ہڈیوں کو کھا جاتے ہیں پھر اونٹ چلتے رہتے، ہیں وہ لید کرتے ہیں۔ ایک قافلہ کا اس راستے سے گزر ہوتا ہے وہ وہاں پڑاؤ ڈالتے ہیں، وہ اس لید کو اٹھاتے ہیں اور اس سے آگ جلاتے ہیں پھر وہ آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے، ہوا چلتی ہے اور اس راکھ کو زمین پر پھیلا دیتی ہے۔ جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو وہ لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوں گے اور جو قبروں میں

دفن ہوں گے وہ بھی اٹھ کھڑے ہوں گے۔

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾

''اور حاضر ہوگا ہر شخص اس طرح کہ اس کے ہمراہ ایک (اسے) ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا[1]''

[1] نفس سے مراد مومن اور کافر دونوں ہیں معھا محل نصب میں ہے اور کل سے حال ہے۔ کل اگرچہ نکرہ ہے مگر اضافت کی وجہ سے معرفہ کے حکم میں ہے۔ سعید بن منصور، عبد الرزاق، ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی تفاسیر میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک ہانکنے والا ہوگا جو اس نفس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف ہانکے گا اور ایک گواہ ہوگا جو اس کے عمل پر گواہی دے گا۔ ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سائق فرشتہ ہوگا اور شہید سے مراد عمل ہے(1)۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب البرزخ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جب قیامت برپا ہوگی تو نیکیوں اور بدیوں کے فرشتے اتریں گے اور انسان کے گلے میں لٹکنے والی کتاب کو فوراً قبضہ میں لے لیں گے پھر دونوں فرشتے اس آدمی کے ساتھ حاضر ہوں گے ان میں سے ایک کو سائق اور دوسرے کو شہید کہتے ہیں(2) اسے ابو نعیم، ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سائق فرشتوں میں سے ہوگا اور شاہد اسی کے ہاتھ اور پاؤں ہوں گے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت نقل کی ہے۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾

''تو عمر بھر غافل رہا اس دن سے پس ہم نے اٹھا دیا ہے تیری آنکھوں سے تیرا پردہ سو تیری بینائی آج بڑی تیز ہے[1]''

[1] لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ یہ قول کا مقولہ ہے، تقدیر کلام اس طرح ہے يُقَالُ لَهٗ لَقَدْ كُنْتَ فِي الدُّنْيَا، یعنی جو مصیبت تجھ پر اس دن نازل ہوگی اس سے تو غفلت میں ہوگا۔ غطاء سے مراد وہ چیز ہے جو آخرت کے امور کو چھپائے ہوئے ہو، اس سے مراد غفلت، محسوسات میں انہماک، ان سے محبت کرنا، نظر و فکر میں کوتاہی کرنا، زنگ اور دل کی سیاہی ہے جسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کنایۃً بیان کیا گیا ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ حَدِيْدٌ کا معنی تیز ہونا ہے جسے آنکھ دنیا میں نہیں دیکھتی تھی اب وہ اسے دیکھتی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ جب تیری نیکیاں اور برائیاں تولی جارہی ہوں گی اس وقت ترازو کی زبان کی طرف تیری نظر تیز ہوگی(3)۔

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾

''اور کہے گا اس کا (عمر بھر کا) ساتھی یہ اعمال نامہ جو میرے پاس تھا بالکل تیار ہے[1]''

[1] قَرِيْنُهٗ سے مراد وہ فرشتہ ہے جسے اس پر متعین کیا گیا ہے۔ اس کا عطف يقال پر ہے جو محذوف ہے۔ مَا لَدَيَّ میں ما یا تو موصوفہ ہے اور ظرف اس کی صفت ہے اور عَتِيْدٌ صفت کے بعد دوسری صفت ہے یا یہ ما موصولہ ہے اور مبتدا محذوف کی خبر ہے اور لَدَيَّ اس کا صلہ ہے اور عَتِيْدٌ اس کا بدل ہے یا خبر کے بعد اس کی خبر ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اشارہ یا تو اس شخص کی طرف ہے یا اس کے عمل کے دیوان کی طرف ہے۔ ما کے موصوفہ ہونے کا اعتبار کیا جائے تو معنی یہ ہوگا یہ شے جو میرے پاس حاضر ہے۔ ما کے موصولہ ہونے کا

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا　2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا　3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

اعتبار کیا جائے تو معنی یہ ہوگا یہ وہ ہے جو وقوع پذیر ہوئی میرے پاس حاضر ہے یا اس کا معنی ہے یہ حاضر ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٢٤﴾

"جہنم میں جھونک دو ہر کافر سرکش کو[1]"

[1] یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہے جو سائق اور شہید کو ہے یا جہنم کے داروغوں میں سے دو فرشتوں کو ہے یا خطاب ایک کو ہے۔ فاعل کو تثنیہ لانا فعل کو مکرر لانے کی طرح ہے مقصود تاکید بیان کرنا ہے یا یہ الف نون تاکید خفیفہ کا بدل ہے۔ وصل کو وقف کے قائم مقام رکھا ہے اس کی تائید وہ قرأت بھی کرتی ہے جس میں اسے نون تاکید خفیفہ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ عَنِيْدٍ سے مراد حق سے عناد رکھنے والا ہے۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ﴿٢٥﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿٢٦﴾

"جو بختی سے روکنے والا تھا نیکی سے، حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا تھا جس نے بنا رکھے تھے اللہ کے ساتھ کئی اور خدا پس جھونک دو اس (بدبخت) کو عذاب شدید میں[1]"

[1] خیر سے مراد زکوٰۃ اور مال میں واجب ہونے والا حق ہے۔ مُعْتَدٍ سے مراد ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار نہیں کرتا۔ مریب سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے دین میں شک کرنے والا ہے۔ الَّذِيْ اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر مبتدا ہے جو اپنے ضمن میں شرط کا معنی رکھتا ہے اسی لئے اس کی خبر پر فاء آیا ہے۔ عذاب شدید سے مراد آگ ہے یا اسم موصول کل کفار سے بدل ہے۔ القیاہ تاکید کے لئے مکرر لایا گیا ہے اسم موصول فعل مضمر کا مفعول بہ ہے جس کی تفسیر فالقیاہ کرتا ہے۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٢٧﴾

"اس کا ساتھی شیطان بولے گا اے ہمارے پروردگار! میں نے تو اسے سرکش نہیں بنایا تھا بلکہ وہ خود ہی گمراہی میں دور تک چلا گیا تھا[1]"

[1] قَرِيْنُهٗ سے وہ فرشتہ مراد ہے جسے یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ابن عباس، سعید بن جبیر اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا جب کافر یہ کہے گا کہ فرشتے نے میرے نامہ اعمال میں اضافہ کیا ہے تو فرشتہ اس وقت یہ کہے گا (1) اے ہمارے رب نہ میں اسے کفر و سرکشی کی طرف لے گیا ہوں اور نہ میں نے اس کے نامہ اعمال میں اضافہ کیا ہے۔ یہ کلام گویا ایک محذوف سوال کا جواب ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ اس فرشتے نے مجھے سرکش بنایا اور مجھ پر جھوٹ بولا ہے تو اس جملہ کو اسی طرح مستانفہ ذکر کیا جس طرح ان جملوں کو مستانفہ کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے جو حکایت کے طور پر ذکر کئے جائیں، جبکہ پہلے جملے کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ جملہ وقال قرینہ ہے، اس کا ماقبل کلام پر عطف کرنا اس لئے واجب ہے تاکہ دونوں جملوں کے مفہوم کے حصول پر دلالت ہو جائے وہ ہر نفس کا آنا اور اس کے ساتھی فرشتے کا قول ہے۔

بعض مفسرین نے کہا یہاں قرین سے مراد شیطان ہے جس نے اس کافر کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے، یعنی کافر کہتا ہے شیطان نے مجھے سرکش بنا دیا۔ شیطان کہتا ہے اے ہمارے رب میں نے اسے گمراہ نہیں کیا اور نہ ہی سرکشی میں مبتلا کیا بلکہ یہ بہت بڑی گمراہی میں

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

مبتلا تھا۔ میں نے اس کی مدد کی ہے کیونکہ شیطان کی طرف سے گمراہی اسی آدمی میں موثر ہو سکتی ہے۔ جس کا عقل پہلے ہی صحیح کام نہ کرتا ہو اور فسق و فجور کی طرف مائل ہو جس طرح قرآن حکیم میں ہے: وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ (شیطان نے کہا مجھے تم پر غلبہ حاصل نہیں تھا میں نے فقط تمہیں دعوت دی تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا اب مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو اس لئے آپ عظیم صوفیاء کو دیکھیں گے کہ وہ مجاہدہ نفس اور اس کے تزکیہ کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کرتے ہیں تا کہ کسی طرح بھی شیطان ان تک راہ نہ پا سکے، واللہ اعلم۔

علماء عربیہ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ جب نکرہ کو مکرر ذکر کیا جائے تو دوسرا پہلے کا غیر ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۭ (الم نشرح:6) تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک عسر کے ساتھ دو سہولتیں ہیں۔ اضافت میں اصل یہ ہوتا ہے کہ اس سے مراد عہد خارجی لیا جائے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ دوسرے قرین سے مراد بھی وہی فرشتہ لیا جائے جو ملک موکل (وہ فرشتہ جو اس کے ساتھ مختص کیا گیا ہے) جس طرح سعید بن جبیر اور دوسرے علماء نے فرمایا۔ بعض متاخرین نے یہ فرمایا ہے کہ دونوں قرینوں سے مراد شیطان ہے جسے کافر پر گرفت دے دی گئی پس وہی کافر کا قرین ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ کا معنی یہ ہوگا وہ شخص جو میرے قبضہ میں ہے وہ جہنم کے لئے حاضر ہے، میں نے اغواء کر کے اسے جہنم کے لئے تیار کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ کا معنی یہ ہوگا میں نے اسے زبردستی اغوا نہیں کیا بلکہ وہ پہلے ہی بڑی گمراہی میں تھا اس نے اپنی پسند سے میری اتباع کی اور میں نے اسے کفر و معاصی کی طرف جو دعوت دی تھی اس نے اسے قبول کر لیا اور تیرے رسولوں کی دعوت اس نے قبول نہیں کی۔

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾

"(اللہ) فرمائے گا مت جھگڑو میرے روبرو میں تو پہلے ہی تم کو وعید سنا چکا ہوں [1]"

[1] آج حساب کے موقع پر تم میرے سامنے نہ جھگڑو کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں، جبکہ میں اپنی کتابوں اور رسولوں کی زبانوں سے تمہیں پہلے ہی سرکشی پر دھمکی دے چکا ہوں اس لئے اب تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ یہ جملہ حال ہے، اس میں فعل نہی کی علت بیان ہو رہی ہے جو لَا تَخْتَصِمُوْا ہے بالوعید میں باء زائدہ ہے یہ بھی جائز ہے کہ بالوعید حال ہو یا مفعول بہ ہو۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾

"میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہوں [1]"

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے خلاف نہیں ہوگا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اس لئے تمہیں میری بخشش کی امید نہیں ہونی چاہئے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا فراء نے اس کا یہ معنی پسند کیا ہے میرے سامنے جھوٹ نہ بولا جا سکتا ہے اور نہ ہی بات کو پھیرا جا سکتا ہے کیونکہ میں سب کچھ جانتا ہوں(1)۔

یہاں ظلم میں مبالغہ کی نفی نہیں بلکہ مطلقاً ظلم کی نفی ہے یہاں مبالغہ کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے مقصود مخاطبین سے اشارہ سے بات کرنا ہے کہ کافر ظالم ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝

"(یاد کرو) وہ دن جب ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو پر ہوگئی وہ (جواباً) کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے [1]"

[1] نافع اور ابوبکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے یقول غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس صورت میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے گی کیونکہ اس کا تعلق لَا تَخْتَصِمُوْا کے ساتھ ہے، جبکہ باقی قراء نے نقول متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ جب پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ جنوں اور لوگوں کے ساتھ جہنم کو بھر دے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال ہوگا تاکہ خبر کی تصدیق ہو جائے اور وعدے کو سچ کر دکھایا جائے تو جواب میں جہنم کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے۔

عطاء، مجاہد اور مقاتل بن سلیمان رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ میں استفہام انکاری ہے۔ معنی اس کا یہ ہے میں بھر چکی ہوں مجھ میں کوئی ایسی جگہ نہیں بچی جو بھری ہوئی نہ ہو (1) یعنی جو بھرنے کا عمل ہو چکا ہے اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا، جبکہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ یہ زیادہ طلب کرنے کے لئے سوال ہے اس کی دلیل وہ روایت ہے جو شیخین نے صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا جہنم میں لگاتار جن وانس پھینکے جاتے رہیں گے اور وہ کہتی رہے گی کیا کوئی اور بھی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا تو جہنم سکڑنے لگے گی اور وہ عرض کرے تیری عزت اور کرم کی قسم بس بس اور جنت میں ایک حصہ خالی رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا فرمائے گا اور اسے جنت کے خالی حصہ میں آباد کرے گا (2)۔ ابن ابی عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے السنۃ میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم زیادہ کا سوال کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم رکھے گا تو وہ سمٹ جائے گی اور جہنم کہے گی بس بس (3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فیصلہ کر دیا ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور لوگوں سے بھر دوں گا جب اللہ تعالیٰ کے دشمن اس کی طرف ہانکے جائیں گے جو قوم بھی اس میں پھینکی جائے گی وہ اس میں ناپید ہو جائے گی، کوئی چیز بھی جہنم کو نہ بھرے گی تو جہنم کہے گی اے اللہ کیا تو نے قسم نہیں اٹھائی تھی کہ تو مجھے بھر دے گا تو اللہ تعالیٰ اپنا قدم جہنم میں رکھے گا پھر ارشاد فرمائے گا کیا تو بھر گئی؟ تو وہ کہے گی بس، بس اب مزید کی گنجائش نہیں۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ سوال وجواب حقیقی معنی میں نہیں بلکہ تخییل وتصویر کے مفہوم میں ہے، یعنی جہنم اپنی وسعت کے باوجود انسانوں اور جنوں کی جماعتیں ڈالنے سے بھر جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے میں جہنم کو ضرور بھر دوں گا۔ یہ کلام اس تقدیر کی صورت میں ہے کہ اس میں استفہام انکاری ہے یا اس کا معنی ہے کہ وہ اتنی وسیع ہے کہ اس میں جسے بھی داخل کیا جائے وہ داخل ہو جائے گا اور اس میں جو آگ کی شدت اور گرمی ہے اور جس طرح وہ نافرمانوں کو اپنی گرفت میں لے گی وہ اسی طرح ہے جس طرح وہ زیادہ کو طلب کر رہی ہے یہ دونوں توجیہیں اس حوالہ سے ہیں کہ یہاں ہمزہ استفہام زیادتی کو طلب کرنے کے لئے ہے لیکن اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں تاہم زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کلام کو حقیقی سوال وجواب پر محمول کیا جائے کیونکہ جہنم کو بولنے کی قدرت دینا یہ کوئی بعید نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ اعضاء کو قوت گویائی عطا فرمائے گا۔ یوم کا لفظ اذکر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے یا یہ نفخ اور جو افعال اس پر معطوف ہیں تنازع فعلین کے طریقہ پر ان کی طرف ہے۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 382 (قدیمی) 3۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

"اور قریب کر دی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے لئے وہ (ان سے) دور نہیں ہوگی [1]"

[1] اُزْلِفَتِ کا معنی قریب کر دینا ہے، اس کا عطف نفخ پر ہے۔ غَیْرَ بَعِیْدٍ ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی یہ مکان دور نہیں یا زمانہ دور نہیں یا یہ حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اس کو مذکر اس لئے ذکر کیا کیونکہ یہ محذوف کی صفت ہے، تقدیر کلام یہ ہے شیئا غیر بعید یا جنت باغ کے معنی میں ہے اس قید کی غرض تاکید ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے قریب غیر بعید اور عزیز غیر ذلیل۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾

"یہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اپنی توبہ کی حفاظت کرنے والا ہے [1]"

[1] مشار الیہ یا تو ثواب ہے یا قریب کرنا ہے۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر مَا تُوْعَدُوْنَ ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ ضمیر متقین کے لئے ہے، جبکہ باقی قراء نے خطاب کے ساتھ پڑھا ہے کہ اس میں خطاب متقین کو ہے اور اس سے پہلے قول محذوف ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی یُقَالُ لَهُمْ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ۔

لِكُلِّ اَوَّابٍ یہ للمتقین سے بدل ہے۔ اسی وجہ سے حرف جار کو دوبارہ ذکر کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ هذا مبتدا ہو، مَا تُوْعَدُوْنَ اس کی صفت ہو اور لِكُلِّ اَوَّابٍ اس کی خبر ہو۔ معنی یہ ہوگا کہ ظاہری و باطنی دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ نافرمانیوں سے طاعات کی طرف رجوع ہو۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے۔ امام شعبی اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مراد وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہ یاد کرتا ہے اور ان پر معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد توبہ کرنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد تسبیح کرنے والا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے اے پہاڑو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد نماز پڑھنے والا ہے (1)۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اوابین کی نماز اس وقت (ا) ہوتی ہے جب اونٹوں کے بچے گرم جگہ چرائے جا رہے ہوں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔

حَفِيْظٍ سے مراد وہ شخص ہے جس کو دائمی حضور قلب نصیب ہو وہ اللہ تعالیٰ سے ایک لحہ بھی غافل نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی حفاظت کرنے والا ہو۔ آپ سے ہی مروی ہے وہ اپنے گناہوں کو یاد رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ ان سے رجوع کرے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہو، یعنی وہ اپنے گناہوں کو آسان خیال نہیں کرتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو اپنے نفس کی محافظت کرے اور اس کی نگہبانی کرے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تاڑنے والے کو حفیظ کہتے ہیں۔ سہل بن عبد اللہ نے کہا طاعات پر دوام اختیار کرنے والے کو اَوَّابٍ حَفِيْظٍ کہتے ہیں (3)۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ مشکوۃ المصابیح جلد 1 صفحہ 376 (الفکر) 3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

(ا) وہ وقت بے چین ہوتے ہیں اور شوق کی حدت ہوتی ہے۔ (مترجم)۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿۳۳﴾

"جو ڈرتا تھا رحمٰن سے بن دیکھے اور ایسا دل لئے ہوئے آیا جو یاد الٰہی کی طرف متوجہ تھا [1]"

[1] منیب سے مراد مخلص اور طاعت پر متوجہ ہونے والا ہے۔ من محل جر میں ہے کیونکہ یہ متقین سے بدل ہے یا یہ اَوّاب کے موصوف سے بدل ہے یا یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع اور اس کی خبر مابعد کلام ہے۔

ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾

"داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی سے یہ ہمیشگی کا دن ہے [1]"

[1] یہ جملہ خبر اس تاویل پر ہے گا کہ اسے مقولہ بنایا جائے گا اور اس کا قول محذوف ہوگا۔ جمع کا صیغہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ من کے معنی میں جمع کا مفہوم موجود ہے۔ بالغیب فاعل سے یا مفعول سے حال ہے یا یہ مصدر کی صفت ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی خشیة ملتبسة بالغیب، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عتاب سے ڈرتا ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ سے غائب ہے کیونکہ وہ دنیا میں ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا یا وہ ابھی سزا سے غائب ہے یا وہ ابھی لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہے اسے کوئی بھی نہیں دیکھ رہا۔

ضحاک، سدی اور حسن رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا، یعنی وہ خلوت میں ڈرتا ہے جہاں اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا یہاں لفظ رحمن کو خاص طور پر ذکر کرنا یہ شعور دلانے کے لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے تھے یا وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، جبکہ انہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت ہی وسیع ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھوکے میں مبتلا نہیں ہوتے اور اس کی نافرمانی کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ یہاں قلب کی صفت منیب ذکر کی ہے کیونکہ معتبر دل سے رجوع کرنا ہوتا ہے۔ بسلام یہ واؤ ضمیر سے حال ہے، یعنی عذاب، غموں اور نعمت کے زوال سے محفوظ جنت میں داخل ہو جاؤ یا یہ معنی ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا سلام ہو۔ ذلک اسم اشارہ کا مشار الیہ دخول ہے، مضاف مقدر ہوگا وَقْتُ ذٰلِکَ الدُّخُوْلِ فِي الْجَنَّةِ۔

يَوْمُ الْخُلُوْدِ سے مراد وہ دن ہے جس روز ہمیشہ رہنا ان کے لئے مقدر کیا جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ۔ شیخین نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائیں گے پھر ایک اعلان کرنے والا کھڑا ہوگا۔ اے جہنمیو! اب موت نہیں ہوگی۔ اے جنتیو! اب موت نہیں ہوگی۔ جو کوئی جس میں ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا(1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے جنتی کو کہا جائے گا اے جنتی تیرا یہاں رہنا ہمیشہ کے لئے ہے اب موت نہ آئے گی۔ اے جہنمی تیرا یہاں رہنا ہمیشہ کے لئے ہوگا اب موت نہیں آئے گی(2)۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾

"انہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ وہاں خواہش کریں گے اور ہمارے پاس تو (ان کے لئے) اس سے بھی زیادہ ہے [1]"

[1] وہ ان چیزوں میں سے ہے جو لوگوں کے دلوں میں نہیں کھٹکی، نہ کسی آنکھ نے اسے دیکھا اور نہ ہی کسی کان نے اسے سنا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں سب سے کم مرتبے والا وہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا آرزو کر۔ وہ آرزو کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نے آرزو کی؟ وہ عرض کرے گا میں نے آرزو کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 382 (قدیمی) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 969 (وزارت تعلیم)

تو نے آرزو کی وہ تیرے لئے۔ اور اس کی مثل بھی تیرے لئے اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1)۔ نہاد نے ابوسعید سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور ایک طویل حدیث ذکر کی اس میں یہ بھی موجود ہے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے کہ میں جنت میں کسی آدمی کو داخل نہیں کروں گا مگر میں جنت میں اس کے لئے وہ بنادوں گا جو وہ چاہے گا جنت میں وہ کچھ ہے جو تم سوال کرو اور اس کی مثل بھی تمہارے لئے ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہاں مَزِیْدٌ سے مراد دیدار الٰہی ہے۔ امام مسلم اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم کس چیز کی خواہش کرتے ہو جس میں میں تمہارے لئے اضافہ کردوں۔ وہ لوگ عرض کریں گے کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور ہمیں آگ کے عذاب سے نجات نہیں دی کہا اللہ تعالیٰ حجاب اٹھادے گا تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑھ کر انہیں کوئی چیز نہیں دی گئی ہوگی (2) پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا: لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِیَادَةٌ۔ ابن خزیمہ اور ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری، کعب بن عجرہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے ابن مردویہ اور ابوالشیخ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ابن عباس، حضرت حذیفہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک ندا کرنے والے کو بھیجے گا وہ ندا کرے گا جسے ہر کوئی سنے گا اے جنتیو اللہ تعالیٰ نے تم سے حسنیٰ اور زیادتی کا وعدہ کیا تھا حسنیٰ سے مراد جنت ہے اور زیادتی سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾

"اور قریش مکہ سے پہلے ہم نے برباد کردیا بہت سی قوموں کو جو شوکت و قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں پس وہ گھومتے رہتے شہروں میں کیا عذاب الٰہی سے انہیں کوئی پناہ گاہ ملی؟ ۔ل"

لے قَبْلَهُمْ اور منهم میں هم ضمیر سے مراد آپ کی قوم ہے۔ بَطْشًا سے مراد قوت ہے۔ وہ کون لوگ تھے جو اس قوم سے زیادہ قوی تھے وہ قوم عاد اور قوم فرعون تھی اسی طرح کی دوسری قومیں تھیں۔ هم اشد یہ جملہ قرن کی صفت ہے۔ قاموس میں نقب فی الارض، یعنی وہ زمین میں دور چلا گیا اسی طرح نقّب اور انقب ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں تشدید کثرت سے بیان کرنے کے لئے ہے معنی یہ ہوگا ملکوں میں تصرف کرنے اور لطف اندوز ہونے کے لئے پھیل جاؤ اس صورت میں فاء سببیہ ہوگی کیونکہ ان کی سخت گرفت ملکوں میں تصرف کا سبب ہے یا اس کا معنی ہے وہ موت کے ڈر سے زمین میں خوب گھومے پھرے اس صورت میں فاء صرف تعقیب کے لئے ہوگی۔

مِنْ مَّحِيْصٍ میں من زائدہ ہے اور مَحِيْص فاعل ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہے یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔ اس میں استفہام انکاری ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی بل کان لهم محيص یا معنی یہ ہوگا کیا وہ اپنے لئے کوئی پناہ گاہ پاتے تھے تو پھر اہل مکہ کیسے غافل ہوگئے اور آرزوؤں نے انہیں لاپرواہ کردیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ نقبوا کا عطف اهلكنا پر ہو۔ اس میں ضمیر اہل مکہ کی طرف لوٹے گی۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ سابقہ اقوام کے شہروں میں گھومے پھرے۔ انہوں نے ان کی خبروں کی چھان بین کی، ان

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 101 (قدیمی)
2۔ ایضاً، صفحہ 100

کے آثار کو دیکھا تو کیا کوئی ایسا ٹھکانہ پایا ہے کہ وہ اس قسم کی توقع کرنے لگے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِیْدٌ ۝

"بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل (بینا) رکھتا ہو یا (کلام الٰہی کو) کان لگا کر نے متوجہ ہو کر سنے"

ذٰلِكَ مشار الیہ سورت ہے اور اگر نقبوا کی ضمیر اہل مکہ کی طرف لوٹ رہی ہو تو اس صورت میں یہ بھی جائز ہے کہ مشار الیہ نقبوا کا مصدر ہو، یعنی ان کے ملکوں میں سیر و سیاحت میں نصیحت ہے۔ یہاں قلب سے مراد ایسا دل ہے جو کدورتوں سے صاف ہو، اللہ تعالیٰ کی صفات کی تجلیات کے لئے موزوں ہو جو تجلیات کسی کیفیت سے متکیف نہیں، وہ دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے، غیر اللہ سے مطلقاً فارغ ہو۔ اس کی تصدیق ایک حدیث قدسی بھی کرتی ہے کہ میں زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا لیکن بندہ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔ دل کی یہ کیفیت صوفیاء کی اصطلاح میں فناء کے بعد ہی ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی جس کا عقل ہو(1) حال کو محل کا نام دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد ایسا عبرت حاصل کرنے والا دل ہے جو امور کے حقائق پر غور و فکر کرتا ہے۔ كَانَ اگر ناقصہ ہو تو اس کا یہی معنی ہوگا یا كَانَ صار کے معنی میں ہوگا تو قَلْبٌ اس کا اسم ہوگا اور لَهٗ اس کی خبر ہوگی۔ اگر كَانَ تامہ ہو تو قَلْبٌ اس کا فاعل ہوگا اور لَهٗ فاعل سے حال ہوگا اور لِمَنْ جار مجرور ذکریٰ کے متعلق ہوگا یا یہ ظرف مستقر ہوگی۔

اَلْقَى کا عطف من کے صلہ پر ہے۔ وَ هُوَ شَهِیْدٌ یہ اَلْقَى کے فاعل سے حال ہوگا یعنی یہ سورت اس کے لئے سراپا نصیحت ہے قلب سلیم رکھتا ہو یا قرآن سنے تو حاضر دماغ ہو اگرچہ حضور قلب کے لئے اسے تکلف سے کام لینا پڑے نہ کہ جان بوجھ کر غافل بنا رہے یا شہید شاھد کے معنی میں ہے یعنی دل اس کی تصدیق کرے پس وہ اس ظاہر احکام سے نصیحت حاصل کرے اور اس کی تنبیہات سے فائدہ اٹھائے اور رک جائے۔ میں کہتا ہوں پہلی توجیہ میں کاملین کا بیان ہے اور دوسری توجیہ میں مخلص ارادتمندوں کا بیان ہے۔ اس کی مثال احسان میں ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے(2) اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو اللہ تعالیٰ تو تمہیں دیکھ رہا ہے، یعنی حضور قلب تکلف کے ساتھ واقع ہو سکتا ہے۔

حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ یہودی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور آسمان و زمین کی تخلیق کے بارے میں دریافت کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اتوار کو زمین پیدا فرمائی، منگل کو پہاڑ اور ان میں جو کچھ منافع ہیں پیدا فرمائے، بدھ کو درخت، پانی، شہر، آبادیاں اور کھنڈرات پیدا فرمائے، جمعرات کو آسمان پیدا فرمائے، جمعہ کے روز ستارے، سورج، چاند اور فرشتے پیدا فرمائے، جبکہ جمعہ کی صرف تین ساعتیں باقی تھیں۔ پہلی ساعت میں موت کے اوقات کو پیدا فرمایا جن میں لوگ مرتے ہیں، دوسری ساعت میں ان آفات کو پیدا فرمایا جو ان تمام چیزوں پر واقع ہوتی ہیں جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے، تیسری ساعت میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اسے جنت میں سکونت عطا کی اور ابلیس کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے اور اس کے آخری حصہ میں اسے جنت سے نکال دیا۔ یہودیوں نے کہا اے محمد ﷺ اس کے بعد پھر کیا ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا ثم استوی علی العرش پھر نظام کائنات اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہودیوں نے کہا آپ نے صحیح بات کہی کاش آپ بات مکمل کرتے پھر انہوں نے خود ہی کہا پھر اللہ تعالیٰ نے آرام کیا تو

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 127 (قدیمی)

نبی کریم ﷺ سخت غصے ہوگئے(1) تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

"اور ہم نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں اور ہمیں تھکن نے چھوا تک نہیں لے پس آپ صبر فرمائیے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے ۲ے اور رات کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی ۳ے"

لے لغوب کا معنی تھکاوٹ ہے۔

۲ے جو یہودی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تھک گیا پس اس نے آرام کیا یا مشرک دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں جو کہتے ہیں اس بارے میں صبر کرو کیونکہ جو ذات عالم کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ اٹھانے اور ان سے انتقام لینے پر قادر ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے مگر اس میں یہودیوں اور آیت کے نزول کا ذکر نہیں۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے روز، پہاڑوں کو اتوار کے روز، درختوں کو پیر کے روز، ناپسندیدہ چیزوں کو منگل کے روز، نور کو بدھ کے روز پیدا فرمایا، جمعرات کے روز ان میں جانور پھیلا دیئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز عصر کے بعد پیدا فرمایا۔ یہ مخلوقات کے آخر میں پیدا ہوئے یہ وقت عصر اور رات کے درمیان تھا(2)۔

میں کہتا ہوں شائد ہفتہ کے روز زمین کی تخلیق کا ذکر بعض روایات کی غلطی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق کا آغاز اتوار کو ہوا اور اس کی تکمیل جمعہ کو ہوئی جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ اور ہفتہ کا دن ساتواں دن تھا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق آسمان، زمین، فرشتوں اور جنوں کی پیدائش کے طویل عرصہ بعد ہوئی اس سے پہلے یہاں جنوں کی سلطنت تھی۔ ابلیس فرشتوں میں شامل ہو چکا تھا زمین اور آسمان دنیا اور جنت اس کی حکومت میں شامل تھے وہ کبھی زمین میں اللہ کی عبادت کرتا کبھی آسمان دنیا میں اور کبھی جنت میں اللہ تعالیٰ کے فرمان هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْكُوْرًا کہ حضرت آدم علیہ السلام پر چالیس سال ایسے بھی گزرے ہیں کہ آپ کی مٹی روح پھونکنے سے پہلے مکہ اور طائف کے درمیان پڑی رہی نہ اس کا کوئی ذکر کیا جاتا تھا اور نہ ہی اس کی کوئی پہچان تھی اور نہ ہی آپ کا نام کسی کو معلوم تھا اور نہ ہی آپ کا مقصد تخلیق کسی کو پتہ تھا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے اسی طرح کا قول ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کی آخری ساعت میں پیدا کئے گئے جس ساعت میں فرشتے اور افلاک بھی پیدا کئے گئے تھے تو ان روایات میں تطبیق کیسے ہوگی۔ میرا خیال یہ ہے کہ شاید حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے مراد لوح محفوظ میں اس کی تقدیر ہے جس پر یہ قول بھی دلالت کرتا ہے کہ آپ کو موت کے لئے مقرر کئے گئے اوقات کی پہلی ساعت میں پیدا کیا گیا، جبکہ جس کو موت آتی ہے وہ انہیں معین اوقات میں مرے گا۔ اس کی دوسری ساعت ہر اس شے پر آفت نازل کی گئی جن سے انسان نفع حاصل کرتا ہے کیونکہ تقدیر کے معنی میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 543 (النصر)
2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 371 (قدیمی)

صبح اور عصر کی نماز ادا کرو اس حال میں کہ تم اپنے رب کی حمد بیان کر رہے ہو گویا بِحَمْدِ رَبِّكَ ترکیب کلام میں حال بن رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ غروب سے پہلے ظہر اور عصر کی نماز ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی شاید وجہ یہ ہے کہ ان دونوں نمازوں کا ضروری وقت ایک ہے۔ جس طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے فرمایا۔

یعنی مغرب اور عشاء کی نماز پڑھو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد رات کی نفل نماز ہے خواہ کسی وقت پڑھی جائے(2)۔ نافع، ابن کثیر اور حمزہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے حمزہ کے کسرہ کے ساتھ اِدبار پڑھا ہے جو ادبر کا مصدر ہے، جبکہ باقی لوگوں نے اسے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اسے دبر کی جمع بنایا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہم، امام شعبی، امام نخعی اور امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے مراد مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں ہیں اور ادبار النجوم سے مراد فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی عوفی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت نقل کی ہے۔ اکثر مفسرین نے اسی طرح کہا ہے تاہم مجھ پر یہ حقیقت ظاہر نہیں ہوسکی کہ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ کو مغرب کی نماز سے قبل کی دو رکعتوں پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے کیونکہ عین غروب کا وقت اور اس کے بعد والا وقت سجدے کا وقت نہیں۔ میرے نزدیک غالب رائے یہ ہے کہ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے مراد وہ نوافل ہیں جو فرائض کے بعد ادا کیے جاتے ہیں۔ اس کا یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ تو سبحان اللہ اور الحمد للہ کہے۔ شیخین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے صبح و شام سو مرتبہ سبحان اللہ کہا جتنا اچھا عمل اس نے کیا اتنے اچھے عمل کے ساتھ قیامت کے روز کوئی نہیں آئے گا مگر وہ شخص جس نے یہی عمل کیا ہوگا یا اس سے زیادہ تسبیحات پڑھی ہوں گی(3)۔ شیخین نے انہیں سے ایک مرفوع حدیث یوں بھی روایت کی ہے جس نے دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ و بحمدہ کہا اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں گی اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں(4)۔ شیخین نے انہیں سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ دو کلمے جو زبان پر خفیف (ہلکے) ہیں ترازو میں بھاری ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بڑے محبوب ہیں وہ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم ہیں(5)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ کے فرمان اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے مراد فرض نمازوں کے بعد زبان سے تسبیحات پڑھنا ہیں(6)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہر فرض نماز کے بعد تینتیس دفعہ سبحان اللہ، تینتیس دفعہ الحمد للہ اور تینتیس دفعہ اللہ اکبر کہا تو یہ ننانوے تسبیحات ہو گئیں پھر اس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہا تو اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں(7) اسے امام مسلم اور امام بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اس کی مثل امام مالک اور ابن خزیمہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾

"اور کان کھول کر سنو اس دن کے بارے میں جب پکارنے والا قریب سے پکارے گا"

یہ امر کا صیغہ ہے اور اس کا مابعد مفرد کی تاویل میں ہو کر یا مضاف کو مقدر ماننے کے ساتھ مفعول بہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی۔ اِسْمَعْ مَا

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 344 (قدیمی) 4۔ ایضاً
5۔ ایضاً 6۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 7۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 219 (قدیمی)

یُمْلِی عَلَیْکَ یَااِسْمَعْ حَدِیْثَ یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ اللہ تعالیٰ کا فرمان استمع تنبیہ کرنے، ڈرانے اور جس کے بارے میں خبر دی جارہی ہے اس کی عظمت بیان کرنے کے لئے ہے۔ پہلی تاویل کی صورت یوم فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر یَوْمُ الْخُرُوْجِ دلالت کرتا ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی یَخْرُجُ النَّاسُ کُلُّھُمْ مِنَ الْقُبُوْرِ یَوْمَ یُنَادِیْ۔ نقاش نے ابی ربیعہ سے، انہوں نے بزی سے اور ابن مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے قنبل سے روایت کیا ہے کہ وہ ینادی کو وقف کی صورت میں یاء پڑھتے ہیں، جبکہ باقی قراء نے یاء کے بغیر اس پر وقف کیا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے وقف و وصل دونوں صورتوں میں المنادی میں یاء کو ثابت رکھا ہے۔ نافع اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے وصل میں یاء کو ثابت رکھا ہے، جبکہ باقی قراء نے دونوں حالتوں میں یاء کو حذف کیا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت اسرافیل حشر کا اعلان کریں گے، اے بوسیدہ ہڈیو، ٹوٹے ہوئے جوڑو، پھٹے ہوئے گوشت اور بکھرے ہوئے بالو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ فیصلے کے لئے جمع ہو جاؤ (1)۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن جابر شافعی سے اس آیت کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام بیت المقدس کی چٹان پر کھڑے ہوں گے اور اعلان کریں گے اے بوسیدہ ہڈیو، پھٹی ہوئی جلدو، ٹوٹے ہوئے بالو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم فیصلے کے لئے جمع ہو جاؤ (2)۔

مِنْ مَّکَانٍ قَرِیْبٍ یہ یُنَادِ کے متعلق ہے، اس سے مراد بیت المقدس کی چٹان ہے، یہ قبروں کے قریب ہے کیونکہ یہ جنس زمین سے ہے، یہ دونوں زمین کے درمیان ہیں۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ جگہ زمین کی دوسری جگہوں کے بنسبت آسمان سے اٹھارہ میل قریب ہے (3)۔

یَّوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾

”جس دن سنیں گے سب لوگ ایک گرجدار آواز بالیقین وہی دن (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا ۱؎“

۱؎ یَوْمَ یَسْمَعُوْنَ یہ یَوْمَ یُنَادِ سے بدل ہے۔ واؤ ضمیر سے مراد وہ مردے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سنتے ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ارادہ کرے تو مردے اور جمادات بھی سننے میں زندوں کی طرح ہیں کیونکہ جو چیز بھی موجود ہے وہ زندگی کی کسی نہ کسی صورت سے متصف ہے جس کو ہم نے سورۂ ملک میں ثابت کیا ہے اسی طرح روح اور جسم دونوں کے لئے عذاب قبر ہونے پر اجماع ہے۔ شیخین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ بدر کے مقتولوں پر کھڑے ہوئے فرمایا اے فلاں اے فلاں بن فلاں اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے اسے حق پایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا میں نے اسے حق پایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ ایسے اجسام سے کیسے گفتگو کر رہے ہیں جن میں روح ہی نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میری بات کو تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے (4) مگر یہ مجھے جواب نہیں دے سکتے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے زندہ کرنے والا نفخہ طویل ہوگا اس کا اول زندہ کرنے کے لئے اور اس کا مابعد قبروں سے نکالنے کے لئے ہوگا۔ نفخہ کا وہ حصہ جو زندہ کرنے کے لئے ہوا سے وہ نہیں سنیں گے جو قبروں سے نکالنے کے لئے ہوگا وہ اسے سنیں گے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ احتمال موجود ہے کہ نفخہ کی ابتداء کو روحیں سن لیں کیونکہ وہ صور اسرافیل میں ہوں گی۔ میں کہتا ہوں اسرافیل کا جو کلام ذکر کیا گیا ہے وہ ہڈیوں اور جلدوں کو ہے، ارواح کو نہیں ہے اس لئے روحوں کے سننے کا کوئی فائدہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

صیحہ سے مراد حضرت اسرافیل علیہ السلام کے نفخہ کی آواز ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا شائد یہ کن کی مثل کا

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 4۔ مجمع الزوائد، جلد 6، صفحہ 124 (الفکر)

اعادہ ہو (جس طرح تخلیق کے وقت کن فرمایا اب بھی اسی طرح کا لفظ فرمایا) یعنی یہ بھی امر تکوینی ہو اس میں سماع شرط نہیں۔ میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کا فرمان یَوْمَ یَسْمَعُوْنَ سننے کے ثابت کرنے میں صریح ہے اس لئے وہی تعبیر بہتر ہے جو میں نے کی۔ بالحق کا تعلق الصیحۃ کے ساتھ ہے اس سے مراد جزاء کے لئے دوبارہ اٹھانا ہے، یہ قبروں کے نکلنے کے روز ہوگا۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿٤٤﴾

"بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے۔ جس روز زمین پھٹ جائے گی ان کے اوپر سے جلدی سے نکل پڑیں گے یہی حشر ہے یہ ہمارے لئے بالکل آسان ہے [1]"

[1] کوفہ کے قراء اور ابو عمرو نے تشقق میں شین کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یعنی باب تفعل کی ایک تاء کو حذف کر دیا گیا، جبکہ باقی قراء نے ایک تاء کو شین کے ساتھ بدلا پھر ایک شین کو دوسری شین میں ادغام کر دیا، یہ اصل میں یتشقق تھا۔

عَنْهُمْ میں ھم ضمیر سے مراد اموات (مردے) ہیں۔ جب انہیں حساب کے لئے بلایا جائے گا تو زمین پھٹ جائے گی۔ یوم تشقق ایک فعل محذوف کی ظرف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ تقدیر کلام یہ ہوگی يُحْشَرُوْنَ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ۔ سِرَاعًا سَرِيْعٌ کی جمع ہے۔ فعل مقدر یحشرون میں جو جمع کی ضمیر ہے اس سے یہ حال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ عنھم میں جو ضمیر مجرور ہے اس سے حال ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ حَالَ كَوْنِهِمْ مُسْرِعِيْنَ فِي الْخُرُوْجِ۔ یعنی جس روز زمین پھٹے گی تو حال یہ ہوگا کہ وہ نکلنے میں جلدی کر رہے ہوں گے۔

ذٰلِكَ کا مشار الیہ حشر ہے جو وضعیہ واقع ہوگا۔ سابقہ کلام سے اس کا مفہوم سمجھا جا رہا ہے۔ عَلَيْنَا يَسِيرٌ کے متعلق ہے، اختصاص کے لئے اسے مقدم کیا گیا ہے، یہ آسان صرف اسی پر ہو سکتا ہے جو عالم ہو اور بالذات قادر ہو کوئی عمل اسے دوسرے عمل سے غافل نہیں کر سکتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ تمہارا پیدا کرنا اور دوبارہ اٹھانا صرف ایک آدمی کے پیدا کرنے اور اٹھانے کی طرح ہے۔

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ﴿٤٥﴾

"ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں پس آپ نصیحت کرتے رہیے اس قرآن سے ہر اس شخص کو جو (میرے) عذاب سے ڈرتا ہے [1]"

يَقُوْلُوْنَ میں واؤ ضمیر سے مراد کفار مکہ ہیں۔ اس کلام میں حضور ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے اور کفار کو دھمکایا جا رہا ہے۔ آپ ان پر جبار نہیں کہ آپ انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں آپ تو نصیحت کرنے والے اور دعوت دینے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن قیس ملائی کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کاش آپ ہمیں ڈراتے تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ پھر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مرسل روایت نقل کی ہے۔ ورش نے صرف وصل کی صورت میں وعیدی پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے دونوں حالتوں میں یاء کو حذف کیا ہے، یعنی قرآن کے ساتھ آپ کی نصیحت صرف مسلمانوں کو فائدہ دیتی ہے جو اس عذاب سے ڈرتے ہیں جس کی نافرمانی کی صورت میں دھمکی دی گئی ہے۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

سورۃ الذاریات

آیاتہا ٦٠ سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ٥١ رکوعاتہا ٣

سورۂ الذاریات مکی ہے، اس میں ساٹھ آیتیں اور تین ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ﴿۴﴾

”قسم ہے ان ہواؤں کی جو اڑا کر بکھیرنے والی ہیں[1] پھر ان بادلوں کی جو (بارش کا) بوجھ اٹھانے والے ہیں[2] پھر کشتیوں کی جو آہستہ چلنے والیاں ہیں[3] پھر فرشتوں کی جو حکم (الٰہی) سے بانٹنے والے ہیں[4]“

[1] ذَرْوًا مصدر ہے اور مفعول مطلق ہے۔ ذاریات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو مٹی اور دوسری چیزوں کو اڑاتی ہیں یا اس سے عورتیں اور بچے مراد ہیں کیونکہ عورتیں بچوں کو پھیلاتی ہیں یا اس سے وہ اسباب مراد ہیں جو مخلوقات کے پھیلانے کا باعث ہیں جیسے فرشتے اور دوسری چیزیں۔ ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے تاء کو ذال میں ادغام کر کے پڑھا ہے۔

[2] وقرًا سے مراد بوجھ ہے۔ یہ ترکیب کلام میں مفعول بہ ہے یعنی وہ ہوائیں جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں یا وہ عورتیں جو حاملہ ہوتی ہیں یا وہ بادل جو بارش کو اٹھائے ہوئے ہیں یا ان چیزوں کے اسباب مراد ہیں۔

[3] یُسْرًا مصدر محذوف کی صفت ہے اصل میں جری یا سھلا تھا۔ اس سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو آہستہ آہستہ چلتی ہیں یا وہ عورتیں ہیں جو حاملہ ہونے کی وجہ سے اپنے خاوندوں کی خدمت میں سستی کرتی ہیں یا وہ کشتیاں ہیں جو سمندر میں آہستہ آہستہ چلتی ہیں یا اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو اپنی منازل میں چلتے رہتے ہیں۔

[4] اَمْرًا مفعول بہ ہے، اس سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں میں تصرف کر کے بارش تقسیم کرتی ہیں یا وہ فرشتے مراد ہیں جو بارش، رزق اور دوسری چیزیں تقسیم کرتے ہیں یا تقسیم کے جو بھی اسباب ہیں ان کو یہ عام ہے۔ اگر ان کلمات سے مراد مختلف ذاتیں لی جائیں تو فاء اقسام کی ترتیب کے لئے ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرنے کے اعتبار سے ان میں باہم تفاوت پایا جاتا ہے اگر ان سب کلمات سے ایک ذات مراد ہو تو پھر فاء افعال میں ترتیب ظاہر کرنے کے لئے ہوگا ان سب کا جواب قسم مابعد کلام ہے۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ﴿۵﴾ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۶﴾

”بے شک جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ سچا ہے[1] اور یقیناً جزاء وسزا کا دن ضرور آئے گا[2]“

[1] اس میں ما موصولہ ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے یا ما مصدریہ ہے۔ صادق سے پہلے وعد محذوف ہے۔ یہ صفت اسی طرح ہے جس طرح عیشۃ راضیۃ ہے۔

[2] دین سے مراد ثواب اور عتاب کی صورت میں جزاء ہے۔ یہ جزاء ہر صورت میں واقع ہوگی گویا اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی قسمیں

اٹھائیں جو عجیب وغریب ہیں جو صانع کی کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں جو دوبارہ اٹھانے پر قدرت رکھتا ہے جسے جواب قسم کے طور پر ذکر کیا ہے پھر جملہ قسمیہ پر اس جملہ سے عطف کیا۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ﴿۷﴾ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ﴿۸﴾ یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ؕ﴿۹﴾

"قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں[1] بے شک تم مختلف (بے ربط) باتوں میں پڑے ہوئے[2] منہ پھیرے ہے اس (قرآن) سے جس کا منہ ازل سے ہی پھیر دیا گیا ہے[3]"

[1] حبک حبیکہ کی جمع ہے جس طرح طریقہ کی جمع طرق آتی ہے یا یہ حباک کی جمع ہے جس طرح مثال کی جمع مثل آتی ہے۔ قاموس میں ہے حبک سے مراد مضبوطی اور کپڑے میں سجاوٹ کو ظاہر کرنا ہے۔ حُبُک الرمل سے مراد ریت کی دھاریاں اس کا واحد حباک ہے جس طرح کتاب کی جمع کتب ہے۔ حبک الماء سے مراد پانی کی شکستہ لہریں اور حبک الشعر سے مراد گھنگھریالے بال حبک السماء سے مراد ستاروں کی گذرگاہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس، قتادہ اور عکرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مراد خوبصورت اور اچھی بناوٹ والی چیز ہے۔ جب کپڑا بننے والا اچھا کپڑا بنے تو کہتے ہیں ما احسن، جبکہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا خوبصورت چیز کو ذات الحبک کہتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا ستاروں سے آسمان کو مزین کیا گیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی عمارت مضبوط ہے۔ مقاتل، کلبی اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا راستے والا، دھاری والا جس طرح جب ہوا پانی پر چلتی ہے تو پانی میں لہریں پیدا ہوتی ہیں اسی طرح ریت میں دھاریاں نظر آتی ہیں اور گھنگھریالے بالوں میں سلوٹیں نظر آتی ہیں لیکن آسمان کیونکہ بہت دور ہے اس لئے اس کی دھاریاں نظر نہیں آتی۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی راستوں والا ہے۔ اب راستوں سے مراد یا تو مخصوص راستے ہیں جو ستاروں کی گزرگاہیں ہیں یا ان راستوں سے مراد معقول راستے ہیں جنہیں نظر وفکر کرنے والے اپناتے ہیں اور ان کی مدد سے معارف تک پہنچتے ہیں یا اس کا معنی ہے قسم ہے آسمان کی جو ستاروں والا ہے کیونکہ ستاروں کے راستے ہیں یہ ستارے آسمان کو اسی طرح مزین کرتے ہیں جس طرح دھاریاں منقش کپڑوں کو مزین کرتے ہیں۔

[2] اس کا جواب قسم یہ کلام ہے تو کُم ضمیر سے مراد کفار مکہ ہیں۔ کفار رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کبھی کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں، کبھی کہتے ہیں جادوگر ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ مجنون ہیں یا قرآن کے بارے میں مختلف قول کرتے ہیں کہ یہ جادو ہے، یہ کہانت ہے، پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں یا یہ شعر ہے اور اسے یہ اپنی طرف سے کہتے ہیں یا وہ قیامت کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ بعض نے اس کے بارے میں صرف شک کا اظہار کیا۔ بعض نے اسے محال جانا اور اس کا انکار کر دیا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شاید اس قسم میں نکتہ یہ ہے کہ ان کے اقوال میں اختلاف اور ان کی اغراض میں دوری کو آسمان میں موجود راستوں سے تشبیہ دی جائے کیونکہ ان میں قدر مشترک دوری اور مقاصد میں اختلاف موجود ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ خطاب اہل مکہ کو ہو جو مومن اور کفار سب کو عام ہے، یعنی تم میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو تصدیق کرنے والے ہیں اور کچھ وہ لوگ ہیں جو جھٹلاتے ہیں۔

[3] رسول اللہ ﷺ اور قرآن حکیم سے اسے ہی دور کیا جاتا ہے جسے علم الٰہی میں ان سے دور کر دیا گیا ہو، یعنی جسے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ اور قرآن پر ایمان لانے سے محروم کر دیا ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ عنہ کی ضمیر قول مختلف کی طرف لوٹ رہی ہو اور عن حرف جار

من کے معنی میں ہو۔ معنی یہ ہوگا یہ پھرنا اس سے صادر ہوتا ہے جسے اس قول مختلف سے پھیرا گیا ہو۔ اس کا سبب یہ تھا کہ کفار مکہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی ایمان لانے کا ارادہ کرتا تو وہ اسے راستے میں روک لیتے اور کہتے وہ تو جادوگر، جھوٹا، کاہن اور مجنون ہے، اس طرح وہ اسے ایمان سے پھیر دیتے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا بھی یہی معنی ہے، یہ جملہ معترضہ ہے اور جو آدمی ایمان نہیں لاتا اس کے نقصان کو ظاہر کرتا ہے۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۲﴾

"ستیاناس ہو اٹکل پچو باتیں بنانے والوں کا[1] جو غفلت کے نشہ میں بے سدھ پڑے ہیں[2] وہ پوچھتے ہیں روز جزا کب آئے گا[3]"

[1] خراصون سے مراد جھٹلانے والے ہیں، یہ کافروں میں سے مختلف باتیں کرنے والے مراد ہیں۔ خرص کا معنی ظن وتخمین ہے۔ وہاں کوئی ایسی دلیل نہ ہو جو یقین عطا کرے۔ جس کی بنیاد دلیل صحیح پر ہو اس میں اختلاف کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں خراصین کے نام سے ذکر کیا گیا، جبکہ جملہ اصل میں قتل کی بددعا کے لئے ہے، اسے لعنت کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔

[2] غَمْرَةٍ سے مراد ایسی جہالت اور غفلت ہے جو ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ سَاهُوْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جن امور کا انہیں حکم دیا گیا ہے وہ اس سے غفلت کا اظہار کرتے ہیں۔

[3] وہ انکار اور تمسخر اڑانے کے لئے حضور ﷺ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ روز جزاء کب ہوگا؟ یہ جملہ محل نصب میں ہے اور خراصین سے حال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ انہیں جو لعنت کی گئی تھی اس کی علت کا بیان ہو۔

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

"یہ اس دن ہوگا جب وہ آگ پر تپائے جائیں گے[1] اپنی سزا کا مزہ چکھو[2] یہی ہے وہ جس کیلئے تم جلدی مچارہے تھے[3]"

[1] يُفْتَنُوْنَ کا معنی ہے کہ انہیں آگ میں جلایا جائے گا جس طرح سونے کو آگ سے پاک کیا جاتا ہے۔ یہاں علی باء کے معنی میں ہے۔ یہ ظرف یا تو يَوْمُ الدِّيْنِ سے بدل ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ سوال کرتے ہیں کہ کس روز آپ ہمیں عذاب دیں گے؟ اس صورت میں يَوْمَ مبتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہوگا۔ اس پر نصب اس لئے آئی ہے کیونکہ یہ اسم مبنی هم کی طرف مضاف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ انہوں نے جو سوال کیا تھا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جواب ہو، اس صورت میں يَوْمَ خبر ہوگا اور اس کا مبتدا محذوف ہوگا، تقدیر کلام یہ ہوگی هُوَ يَوْمٌ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ یا یہ فعل محذوف کی ظرف ہے اور محل نصب میں ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی يقع الذين يوم هُمْ يُفْتَنُوْنَ اگر اسے سوال کے ضمن میں تصور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ اللہ تعالیٰ کے فرمان قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ کے ساتھ مربوط ہوگا۔

[2] فتنہ سے مراد عذاب یا کفر کی جزاء ہے۔ پہلی آیت میں جب دوسری تاویل کی جائے تو یہ اس ضمیر مرفوع سے حال ہوگا جو يُفْتَنُوْنَ میں ہے یعنی انہیں یہ کہا جائے گا۔

[3] یہ فِتْنَتَكُمْ سے بدل ہے اور اسم موصول اس کی صفت ہے یہ بھی جائز ہے۔ کہ اسم اشارہ مبتدا ہو اور اسم موصول خبر ہو، یعنی یہ وہی چیز

ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ذُوقُوا کی علت ہے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کا ذکر فرمایا جو نبی کریم ﷺ اور قرآن کی تصدیق کرتے ہیں۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٥﴾ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾

"البتہ اللہ سے ڈرنے والے (اس روز) باغات اور چشموں میں ہوں گے [1] (بصد شکر) لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں بخشے گا بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بھی نیکوکار تھے [2]"

[1] عُيُونٍ سے مراد جاری نہریں ہیں۔ ما سے مراد خیر اور کرامت ہے۔ آخِذِينَ یہ ظرف میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جو عطا فرماتا ہے اسے قبول کرنے والے ہیں اور اس پر راضی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں جو عطا فرماتا ہے وہ حسن، پسندیدہ اور مقبول ہوتا ہے۔

[2] جنت میں داخل ہونے سے پہلے وہ دنیا میں حضور قلب اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب تھے۔ یہ جملہ سابقہ جملہ کی علت بیان کرتا ہے پھر ان کے احسان کی وضاحت کی اور مابعد ارشاد کے ساتھ اس کی علت بیان کی۔

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾

"یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے [1] اور سحری کے وقت (اپنی خطاؤں) کی بخشش طلب کرتے تھے [2]"

[1] ما زائدہ ہے اور يَهْجَعُونَ كان کی خبر ہے۔ هجوع کا معنی رات کو سونا ہے۔ قَلِيلًا ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ مِّنَ اللَّيْلِ اس کی صفت مبینہ ہے یا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اور من بعضیہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا وہ رات کا تھوڑا حصہ سوتے تھے یا وہ رات کے کچھ حصہ میں تھوڑا سوتے تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما موصولہ ہو اور ضمیر عائد محذوف ہے یا ما مصدریہ ہو۔ دونوں تقدیروں کی صورت میں قَلِيلًا یا تو كان کی خبر کی حیثیت میں منصوب ہے اور ما يهجعون كانوا کی مرفوع ضمیر سے بدل اشتمال ہے یا یہ ظرف مستقر کی وجہ سے منصوب ہے جو ظرف مستقر كان کی خبر ہے اور مَا يَهْجَعُونَ ظرف کا فاعل ہے، یعنی وہ تھوڑا سوتے تھے اور زیادہ وقت نماز پڑھتے تھے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی رات نہیں گزری ہوگی مگر وہ اس کے کسی حصہ میں نماز پڑھتے ہوں گے اس کے اول حصہ میں، درمیانی حصہ میں یا آخری حصہ میں(1) یعنی وہ رات جس میں وہ سوتے تھے وہ تھوڑی ہوتی تھی۔ مطرف بن عبداللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ضحاک اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا لوگوں میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو رات کا بہت کم حصہ سوتے تھے(2) اس صورت میں قَلِيلًا، كان کی خبر ہوگی اور مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ جملہ مستانفہ ہوگا اور ما نافیہ ہوگا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے فرمایا یہ تعبیر جائز نہیں، جو ما کے بعد فعل یا شبہ فعل ہوتا ہے وہ اس کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔

[2] اسحار سحر کی جمع ہے رات کے آخری چھٹے حصے کو سحر کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے صبح سے تھوڑا پہلے وقت اور ہر شے کی طرف کو

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

سحر کہتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ وہ بہت کم سوتے ہیں اور رات کو کثرت سے نماز پڑھتے ہیں جب سحری کا وقت ہوتا ہے تو وہ مغفرت طلب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مقصود کسر نفسی اور اپنے عمل کو قلیل جاننا ہوتا ہے گویا وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے رات کے وقت گناہ کئے ہیں اور اطاعت کرنے میں ان سے کوتاہی ہوئی ہے۔ فعل کی بناء اسم ضمیر پر رکھی ہے مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کو جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس لئے وہ اسی عمل کے مستحق ہیں۔ اے اللہ میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے جاننے والوں کی خشیت، تجھ سے ڈرنے والوں کا علم اور تجھ پر توکل کرنے والوں کا یقین عطا فرما۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے وہ رات کو بہت کم سوتے ہیں۔ بعض اوقات ان میں نشاط اور چستی ہوتی ہے تو اس بیداری کو سحری تک لمبا کر دیتے ہیں پھر وہ استغفار میں شروع ہو جاتے ہیں (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے، جبکہ رات کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے فرماتا ہے میں بادشاہ ہوں جو مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا ہوں جو مجھ سے سوال کرتا ہے میں اسے عطا کرتا ہوں جو مجھ سے بخشش طلب کرتا ہے میں اسے بخش دیتا ہوں، متفق علیہ (2)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے پھر وہ اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے اور کہتا ہے ایسی ذات کو کون روک سکتا ہے جو نہ تنگ دست ہے اور نہ ہی ظالم۔ وہ یونہی کہتا رہتا ہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ سے یہ حدیث ثابت ہے کہ حضور ﷺ رات کو قیام فرماتے اور تہجد ادا کرتے تو استغفار کرتے کہتے: اے اللہ تیرے لئے حمد ہے، تو زمین و آسمان کو قائم فرمانے والا ہے، صرف تیرے لئے حمد ہے، تو آسمان زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس کا بادشاہ ہے، تیرے لئے حمد ہے تو حق ہے تیرا وعدہ حق ہے، تیری بقاء حق ہے، تیرا قول حق ہے، جہنم کی آگ حق ہے، انبیاء برحق ہیں، حضرت محمد ﷺ سچے ہیں، قیامت برحق ہے، اے اللہ میں نے تیرے سامنے سر خم کیا تجھ پر ایمان لایا تجھ پر توکل کیا تیری طرف رجوع کیا تیری مدد سے دشمنوں کے ساتھ جھگڑتا ہوں تیری بارگاہ اقدس میں اپنا معاملہ پیش کرتا ہوں تو ہمارا رب ہے تیری طرف ہی لوٹنا ہے میرے اگلی پچھلی مخفی ظاہر خطائیں (1) معاف فرما اور وہ خطائیں معاف فرما جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو ہی آگے بڑھانے والا اور پیچھے ہٹانے والا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، متفق علیہ (3)۔ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو رات کو اٹھ کر یہ کلمات کہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پھر یہ کلمات کہے رَبِّ اغْفِرْلِيْ (اے میرے رب مجھے بخش دے) یا یہ کہا پھر وہ دعا مانگے تو اس کی دعا قبول کی جائے گی اگر وہ وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول ہوگی۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (4) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، آپ فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے تو کہتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ میں تیری بارگاہ سے اپنے گناہوں کی بخشش کا طلب گار رہوں تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں اے اللہ میرے علم میں اضافہ

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 59 (وزارت تعلیم)
3۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 353 (الفکر)
4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 155 (وزارت تعلیم)

(1) اللہ تعالیٰ کے انبیاء معصوم ہیں، جبکہ حضور ﷺ انبیاء کے سردار ہیں اس لفظ کی نسبت حضور نے اپنی ذات کی طرف کی اس کا حقیقی مصداق اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ مترجم

فرما جب تو نے مجھے ہدایت دے دی ہے تو میرے دل کو گمراہ نہ کر اپنی بارگاہ اقدس سے خاص رحمت مجھے عطا فرما بے شک تو عطا فرمانے والا ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے(1)

وَفِيٓ أَمْوَٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَٱلْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾ وَفِي ٱلْأَرْضِ ءَايَٰتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾

"اور ان کے اموال میں حق تھا سائل کیلئے اور محروم کیلئے [1] زمین میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اہل یقین کیلئے [2]"

[1] وہ اپنے اموال میں سے ان لوگوں کو عطا کرتے ہیں جو لوگوں سے سوال کرتے ہیں اور انہیں بھی عطا کرتے ہیں جو لوگوں سے سوال نہیں کرتے، جبکہ ان کے حالات سے ناواقف آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ یہ لوگ غنی ہیں کیونکہ یہ سوال کرنے سے اعراض کرتے ہیں۔ محسنین ان کے احوال سے آگاہ ہو کر انہیں عطا کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کے احوال کی تفتیش کرتے ہیں۔ قتادہ، زہری رحمہما اللہ تعالیٰ اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما نے کہا محروم اسے کہتے ہیں جس کا مال غنیمت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا اور نہ مال فئی میں سے اس کا کوئی حصہ معین ہوتا ہے(2)۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حسن بن محمد بن حنیفہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک چھوٹا لشکر بھیجا انہیں ایک ریوڑ مال غنیمت کے طور پر ملا جب یہ لوگ مال غنیمت تقسیم کر چکے تو ایک قوم آ پہنچی تو جن لوگوں نے پہلے مال غنیمت میں اپنا حصہ لے لیا تھا اس میں سے ان لوگوں کو حصہ عطا کر دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(3)۔ زید بن اسلم نے کہا محروم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پھل، کھیتی یا چوپاؤں کی نسل میں کوئی آفت آ پڑے۔ محمد بن کعب قرظی نے یہی کہا ہے(4) اور یہ قرأت کی گئی انا لمغرمون بل نحن محرومون۔

[2] اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ جملہ اور جس جملہ کو اس پر عطف کیا جا رہا ہے ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے فرمان انکم لفی قول مختلف کے ساتھ ہے اور درمیان میں جملہ ہائے معترضہ ہیں، جبکہ میرے نزدیک اس کا عطف سابقہ کلام پر ہے جو محسنین کی تفسیر اور ان کی تعریف میں ہے لیکن یہاں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے جو ضمیر محسنین کی طرف لوٹتی ہے۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ آیات میں استدلال اور تفکر سے ایقان حاصل ہوتا ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی کہ زمین میں ان کے لئے نشانیاں ہیں کیونکہ جب ان کے سامنے ان کے رب کی آیات ذکر کی جاتی ہیں تو وہ بہرے اور اندھے بن کر نہیں گزر جاتے بلکہ وہ اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہیں اور زمین کی تخلیق، قالین کی طرح اسے بچھانے اور اس کے بعض حصے کو زمین سے بلند ہوتے کے بارے میں غور کرتے ہیں کیونکہ اسی حصہ پر اللہ کے بندے رہتے ہیں۔ اسی طرح زمین کے مختلف اجزاء کی کیفیات اور منافع میں مختلف ہونے اور زمین میں اللہ تعالیٰ نے جو معدنیات، نباتات، حیوانات، چشمے اور نہریں بنائی ہیں ان کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں اور اسی چیز سے یہ بھی استدلال کرتے ہیں کہ صانع موجود ہے، وہ واجب ہے نیز اس کے علم، قدرت، ارادہ، وحدت، اس کی رحمت اور حکمت کی کثرت پر استدلال کرتے ہیں پھر وہ اپنی آنکھوں سے یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس زمین اور اس میں موجود اشیاء پر کیسی رحمتوں کی بارش ہو رہی ہے، ان کے وجود اور وجود کے باقی ہونے کی کیسی برکات نازل ہو رہی ہیں۔ زمین میں جو کوئی بھی ہے اسے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہی رجوع کرتا ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَانِ۔

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 354 (الفکر) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 3۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

وَفِيۤ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَفِي السَّمَآءِ رِزۡقُكُمۡ وَمَا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۲۲﴾

"اور تمہارے وجود میں بھی (نشانیاں ہیں) کیا تمہیں نظر نہیں آتیں ا۔ اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور ہر وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ۲۔"

ا۔ فِيۤ اَنۡفُسِكُمۡ کا عطف فی الارض پر ہے۔ اے لوگو تمہاری ذاتوں میں ان کے لئے نشانیاں ہیں کیونکہ انسان جو عالم صغیر ہے اس میں پیدائش سے لے کر موت تک عالم کبیر کی طرح نشانیاں ہیں کیونکہ انسان پہلے نطفہ تھا پھر علقہ (جما ہوا خون) بنا پھر مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) پھر اس میں ہڈیاں بنیں پھر ان پر گوشت چڑھایا گیا پھر اس میں روح پھونکی گئی پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے باہر آنے کے راستہ کو آسان کر دیا پھر اسے دودھ پینے اور دودھ چھوڑنے کے عرصہ میں زندگی گزارنے کے ذرائع کی طرف راہنمائی کی، اسے روزی حاصل کرنے، کھانے اور پینے کے ذریعے غذا حاصل کرنے کے طریقے بتائے، چھوٹی بڑی حاجت کے ذریعے فاضل چیزوں کو دور کرنے کے آداب سکھائے، نسل کو باقی رکھنے کے لئے نکاح کا حکم دیا، رسولوں کو مبعوث فرما کر اور کتابیں نازل کر کے آخرت کی طرف متوجہ کیا اور اس (انسان) میں اپنی صنعت کے محاسن کو ظاہر کیا جیسے زبان، صورت، رنگ، طبیعت، عقل، فہم، حق کے قبول کرنے کی استعداد، ہدایت کے راستہ کی طرف ترقی، قرب کے مدارج پر عروج اور عرفان کی بلندیوں پر فائز ہونے کے اعتبار سے انہیں ایک دوسرے سے مختلف کر دیا۔ ان چیزوں میں سے بعض امور کو انسان اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ اور بعض کا مشاہدہ بصیرت سے کرتا ہے۔ بصیرت سے ان چیزوں کو دیکھتا ہے جو دل پر منعکس ہوتی ہیں جیسے تجلیات ذاتیہ، تجلیات صفاتیہ اور تجلیات ظلالیہ یہاں گفتگو کی گنجائش نہیں۔ اس کو حدیث قدسی میں یوں بیان کیا گیا ہے میرا بندہ نوافل کے ذریعے لگاتار میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ جب میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کی قوت سماعت ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی قوت بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے(1) تو عارف یہ کہتا ہے تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس کی ہدایت عطا فرمائی۔ ہم ہدایت پانے والے نہیں تھے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت عطا نہ فرماتا ہمارے رب کے رسول حق لے کر تشریف لے آئے۔ تو کیا اے ظن وتخمین میں پڑنے والو تم ان چیزوں کو نہیں دیکھتے جنہیں محسن اور ایقان رکھنے والے دیکھتے ہیں۔ فلا میں فاء عاطفہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَتَنۡكُرُوۡنَ قُدۡرَةَ اللّٰهِ عَلَى الۡبَعۡثِ فَلَا تُبۡصِرُوۡنَ۔ کیا تم دوبارہ اٹھائے جانے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتے ہو اور تم اس کی قدرت کی نشانیوں کو نہیں دیکھتے۔

۲۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل رضی اللہ عنہما نے کہا رزق سے مراد بارش ہے۔ اسے رزق سے اس لئے تعبیر کیا کیونکہ بارش رزق کا سبب ہے(2) یہ کلام اس پر مبنی ہے کہ جس طرح شرع میں آیا ہے کہ بارش آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ السماء سے مراد بادل ہے اور رزق سے مراد بارش ہے۔ یہ فلاسفہ کے مذہب کے مطابق ہے اس کی تعبیر میں یہ بھی کہا آسمان میں تمہارے رزق کے اسباب ہیں میرے نزدیک تقدیر کلام یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رِزۡقُكُمۡ میں خطاب محققین اور مومنین کو التفات کے طریقہ پر ہے کہ کلام کو غائب سے خطاب کی طرف پھیرا گیا ہے اور فِي السَّمَآءِ کا عطف فی الارض پر ہے۔ فِيۤ اَنۡفُسِكُمۡ مفرد کا عطف مفرد پر ہے۔ رِزۡقُكُمۡ یہ آیات سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ جملہ کا عطف جملے پر ہو۔ رزق سے مراد حصہ اور نصیب ہے جس طرح اللہ

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 2، صفحہ 12 (الفکر)

2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

تعالیٰ کا فرمان ہے وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ یہاں رزق سے مراد یا تو وہ آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتی ہیں جیسے سورج، چاند، ستارے، ان کی حرکات اور ان کی وجہ سے جو ثمرات مرتب ہوتے ہیں جیسے مختلف موسم، اس سے پیدا ہونے والے منافع اور نقصانات کیونکہ آیات کو زمین اور انسان کی ذات میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان سے استدلال کرنا اور ان میں غور وفکر کرنا محسنین اور ایقان رکھنے والوں کا حصہ ہے کسی اور کا حصہ نہیں اسی طرح وہ نتائج جو اس استدلال اور تفکر پر مرتب ہوتے ہیں جیسے رحمت، برکات اور عارف پر وارد ہونے والی تجلیات یہ سب محسنین اور موقنین کا حصہ ہے نہ کہ ان لوگوں کا جن کے دلوں اور کانوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردے ہیں، جبکہ وہ بصیرت بھی نہیں رکھتے۔ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ؎

گر نخواید بے بدن جان تو زیست — فی السماء رزقکم روزی کیست

اگر تو بے بدن ہوگا تو تیری روح زندگی کیسے پائے گی — اور تمہارا رزق آسمان میں کہاں ہوگا

یا اس رزق سے مراد کھایا جانے والا رزق ہو اس صورت میں آیت سے مراد یہ شعور دلانا ہے کہ تمہارا رزق اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، آسمان میں لکھا ہوا ہے اس لئے تمہیں زیبا نہیں کہ تم رزق کسی اور سے طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو اخلاص کے ساتھ اس میں کسی قسم کی ریاء نہیں ہونی چاہئے۔ یہ کہتے ہوئے عبادت کرو ہم اس پر تم سے اجر نہیں مانگتے میرا اجر صرف اللہ کے ذمہ ہے ہم تم سے کوئی جزاء نہیں چاہتے، اس تقدیر کلام کی صورت میں بھی آیت میں محسنین کی وضاحت اور ان کی تعریف کرنے کی طرف اشارہ ہے، یعنی وہ آسمان وزمین کی تخلیق میں غور وفکر کرتے، اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرتے ہیں یہ یقین کرتے ہوئے کہ ان کا رزق آسمانوں میں ہے، جبکہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

وَمَا تُوْعَدُوْنَ کا عطف رِزْقُكُمْ پر ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، یعنی ثواب اور عذاب کا جو تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خیر اور شر میں سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جنت اور دوزخ میں سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ میں کہتا ہوں ان عظیم لوگوں کی یہ تفاسیر اس توجیہ پر مبنی ہیں کہ خطاب مومن اور کافر سب کو ہے مگر یہ تاویل اس وقت درست نہ ہوگی جب تک یہ نہ کہا جائے کہ تمہارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آسمانوں میں ہے کیونکہ جنت تو ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے، جبکہ جہنم کی یہ صورت نہیں کیونکہ جہنم تو سات زمینوں کے نیچے ہے، جس طرح احادیث میں اس کی وضاحت آئی ہے۔ جو تاویل میں نے کی تھی کہ یہ خطاب محسنین کے لئے خاص ہے تو اس صورت میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مَا تُوْعَدُوْنَ سے مراد ثواب یا جنت ہے جو آسمانوں میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وَمَا تُوْعَدُوْنَ نئی کلام ہے اور ما موصولہ ہے یا ما مصدریہ ہے مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے۔

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾

"پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ حق ہے (بعینہ اسی طرح) جس طرح تم باتیں کر رہے ہو[1]"

[1] اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع یا تو ما ہے یا اس سے مراد ما اور مذکورہ تمام چیزیں ہیں جیسے بعث، جزاء، رزق، وعدہ اور وعید۔ ابوبکر، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے مثل کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ حق کی صفت ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ اس ضمیر سے حال ہے جو حق میں پوشیدہ ہے یا یہ محذوف مصدر کی صفت ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِثْلَ نُطْقِكُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ

مبنی برفتح ہے کیونکہ یہ غیر معرب کی طرف مضاف ہے جو صرف ما کا حکم ہوگا بشرطیکہ یہ شے کے معنی میں ہوا گر یہ زائدہ ہو تو پورے جملے کے ساتھ مضاف الیہ ہوگا اور یہ محل رفع میں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے رزق اور دوسرے وعدوں کو خبر کی صورت میں بیان کیا ہے جو لوگوں کی زبانوں پر ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ سے مراد تمہارا یہ قول ہے لا الہ الا اللہ۔ یعنی یہاں نطق سے مراد منطوق ہے اگر خطاب محسنین کو ہو تو اس کا بول تو عموماً یہی ہوتا ہے لا الہ الا اللہ اگر خطاب عام ہو تو جس کی خبر دی گئی اس کے تحقق کو آدمی کے بول کے تحقق کے ساتھ تشبیہ دی گئی جس طرح یہ قول کیا جاتا ہے یہ بات اسی طرح حق ہے جس طرح تیرا یہاں ہونا حق ہے یا یہ حق ہے جس طرح تو کہہ رہا ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا کہ یہ سچ ہونے اور پائے جانے میں اسی طرح ہے جس طرح تو اسے بدیہی طور پر پہچانتا ہے۔

ایک حکیم نے کہا کہ ہر انسان اپنی زبان سے ہی بولتا ہے اور اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی اور کا رزق کھائے۔ مدارک میں اصمعی سے مروی ہے میں بصرہ کی جامع مسجد سے آرہا تھا تو ایک بدو میرے سامنے آگیا اس نے پوچھا تو کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے؟ میں نے کہا بنی اصمع سے تعلق ہے۔ اس نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے جواب دیا میں ایسی جگہ سے آرہا ہوں جہاں کلام اللہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس نے کہا مجھ پر کوئی چیز تلاوت کرو تو میں نے سورۂ ذاریات کی تلاوت کی۔ جب میں اس آیت پر پہنچا وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ تو اس نے کہا ٹھہر جا۔ وہ اپنی اونٹنی کی طرف اٹھا اسے ذبح کیا اور آنے جانے والوں پر اسے تقسیم کر دیا، اپنی کمان اور تلوار کی طرف متوجہ ہوا، ان دونوں کو توڑ دیا اور واپس چلا گیا جب میں نے ہارون الرشید کے ساتھ حج کیا تو میں گھومنے پھرنے لگا تو اچانک میں ایسے آدمی کے پاس پہنچا جس نے انتہائی کمزور آواز میں آواز دی۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اسی اعرابی کے پاس تھا اس نے مجھے سلام کیا اور سورۂ ذاریات سنانے کی خواہش کی جب میں اس آیت پر پہنچا تو اس نے چیخ ماری اور کہا ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا ہم نے اسے حق پایا پھر اس نے سوال کیا کیا کچھ اور بھی سناتے ہو تو میں نے یہ آیت پڑھی فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ تو اس نے چیخ ماری تو اس نے کہا سبحن اللہ وہ کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو غضبناک کیا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تصدیق نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی جیسے فرمایا حتی الجاؤ ہ الی الیمین (انہوں نے اللہ تعالیٰ کو قسم اٹھانے پر مجبور کیا اس نے یہ بات تین دفعہ کہی اور اس کی روح پرواز کر گئی۔

بلاغت کا قاعدہ ہے کہ مخاطب کے انکار کے لحاظ سے کلام میں تاکید لگائی جائے اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو بلیغ ترین انداز میں ذکر کیا ہے قسم اٹھائی، ان تاکید یہ ذکر کیا، لام تاکید ذکر کیا یہ خبر دی کہ یہ حق ہے اور ایسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جو بدیہیات میں واضح ترین ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ لوگ اس رزق کے مقدر ہونے کے حد درجہ منکر ہیں کیونکہ وہ اس چیز کی تلاش میں لگے رہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے جیسے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا اور اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں انہیں جن چیزوں کا مکلف بنایا ہے اور اس کے ساتھ ثواب اور عذاب کو جو معلق کیا ہے اس سے وہ حد درجہ غافل ہیں، جبکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾

" (اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو خبر ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی[1] "

[1] یہ استفہام تقریری ہے، یعنی یقیناً آپ تک یہ خبر پہنچی ہے۔ مقصود اس بات کی عظمت بیان کرنا ہے اور یہ تنبیہ کرنا ہے کہ آپ پر اس

سے قبل بھی وحی کی گئی۔ ضیف اصل میں مصدر ہے اسی وجہ سے اس کا اطلاق ایک اور متعدد چیزوں پر ہوتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مہمانوں کی تعداد کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

حضرت ابن عباس اور عطاء رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ تین تھے حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام۔ محمد بن کعب نے کہا ایک حضرت جبرئیل علیہ السلام اور سات دوسرے فرشتے تھے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ کل نو تھے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ کل بارہ فرشتے تھے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ کل گیارہ تھے جو انتہائی خوبصورت بچوں کی صورت میں تھے۔ یہاں یہ اشارہ ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی خوب تعظیم کی، جبکہ آپ نے انہیں پہچانا نہیں تھا کیونکہ آپ نے خود اور گھر والوں نے خدمت کی اور ان کی ضیافت کے لئے بچھڑا ذبح کرایا۔ یہ رسولوں کی سنت اور ہدایت یافتہ لوگوں کا طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ ایک روایت میں ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ دے اور جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے(1) اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ شیخین نے اپنی صحیحوں میں، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں ابو شریح کعبی سے ان الفاظ کے ساتھ روایت موجود ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے، جائزہ ایک دن اور ایک رات ہے۔ مہمان نوازی تین دن تک ہے اس کے بعد صدقہ ہے کوئی آدمی کسی کے پاس اتنے دن نہ ٹھہرے کہ اسے حرج میں ڈال دے(2)۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کونسا اسلام بہترین ہے؟ فرمایا تو کھانا کھلائے، اسے سلام کرے جسے تو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انہیں مکرمین اس لئے کہا کیونکہ وہ فرشتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں معزز ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ۔

إِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۖ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

"جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے سلام عرض کیا آپ نے فرمایا تم پر بھی سلام ہو (دل ہی دل میں سوچا) بالکل انجان لوگ ہیں یہ"

اِذْ کا تعلق یا تو حدیث سے ہے یا ضیف سے ہے یا مکرمین سے ہے۔ جمع کی ضمیر معنی کے اعتبار سے ضیف کی طرف لوٹ رہی ہے۔ علیہ کی ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہے۔ مہمانوں نے کہا ہم آپ پر سلام پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم پر سلام ہو۔ سلام کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ تم پر ہمیشہ سلامتی رہے تاکہ جواب ان کے سلام سے بہتر ہو جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا اور قال سلام جملہ مستانفہ ہے گویا یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جب مہمانوں نے آپ کو سلام کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا جواب دیا۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سِلْمٌ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے سلام پڑھا ہے تم اجنبی لوگ ہو ہم تمہیں نہیں پہچانتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ بات آپ نے اپنے دل میں کہی تھی۔ ابو العالیہ نے کہا اس زمانے میں

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 50 (قدیمی) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 906 (وزارت تعلیم) 3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 48 (قدیمی)

ان کے سلام کے طریقہ کو آپ نے عجیب جانا تھا(1) کیونکہ سلام تو اسلام کا نام ہے۔

فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍۙ(۲۶) فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ(۲۷)

"پس چپکے سے اپنے اہل خانہ کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آئے۔ لا کر ان کے قریب رکھ دیا فرمایا کھاتے کیوں نہیں؟"

ل آپ مہمان نوازی میں جلدی کرتے ہوئے گھر گئے راغ کا عطف قال پر ہے تو بھنا ہوا بچھڑا لائے کیونکہ آپ کے پاس زیادہ تر مال گائے کی نسل سے تھا۔ ان کے سامنے رکھا تا کہ وہ اسے کھائیں لیکن انہوں نے اسے نہ کھایا۔ الا میں ہمزہ انکار کے لئے ہے یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہی جب یہ دیکھا کہ وہ کھانا نہیں کھا رہے اگر ابتداء میں ہی یہ بات کہی ہو تو یہ ہمزہ عرض اور کھانے پر برانگیختہ کرنے کے لئے ہوگا کیونکہ آداب یہی ہیں۔

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ(۲۸)

"پس دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے وہ بولے ڈریئے نہیں اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی۔"

ل جب کھانے سے مہمانوں کے اعراض کو دیکھا تو خوف محسوس ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آپ کے دل میں یہ کھٹکا پیدا ہوا کہ یہ تو فرشتے ہیں جو عذاب کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں تو مہمانوں نے کہا ڈرو نہیں ہم اللہ کے فرشتے ہیں اور آپ کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی خوشخبری سنائی کہ جب وہ بالغ ہوگا تو اس کا علم کامل ہوگا۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ(۲۹)

"پس آئی آپ کی بیوی چیں بجبیں ہو کر اور (فرط حیرت) سے طمانچہ دے مارا اپنے چہرے پر اور بولی (میں) بوڑھی (میں) بانجھ (کیا میرے ہاں بچہ ہوگا!)"

ل تو آپ کی زوجہ حضرت سارہ علیہا السلام چیخ اٹھی۔ ایک قول یہ کیا گیا یا ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف متوجہ ہونے کی صورت میں نہیں ہوا بلکہ یہ تو قائل کے اس قول کی طرح ہے اقبل یشتمنی، یعنی اس نے چیخنا شروع کر دیا۔ اس تاویل کی صورت میں فی صرۃ مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہوگا۔ اگر اقبال کا مفہوم یہ ہو کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف متوجہ ہوئی تو اس صورت میں یہ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کیا اور اپنے چہرے پر مارا(2) جس طرح عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی چیز کو انوکھا خیال کرتی ہیں تو اپنا ہاتھ اپنے منہ پر مارتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا جب حیض کی حرارت پائی تو حیاء کی وجہ سے منہ پر طمانچہ مارا تو کہنے لگی کیا ایک بانجھ بوڑھی بچہ جنے گی۔ حضرت سارہ علیہا السلام کی اس سے قبل کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اس وقت آپ کی عمر ننانوے سال تھی۔

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ(۳۰)

"انہوں نے کہا ایسا ہی تیرے رب نے فرمایا ہے بے شک وہی بڑا دانا، سب کچھ جاننے والا ہے۔"

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

1۔ تو فرشتوں نے کہا آپ کے رب نے اسی طرح کا ارشاد فرمایا ہے۔جس طرح ہم نے آپ سے کہا ہم تو تیرے رب کی جانب سے تجھے خبر دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں حکیم ہے اور ما کان و ما یکون کا علم رکھتا ہے،اس کا قول حق اور فعل محکم ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ علم ہوا کہ یہ فرشتے ہیں اور یہ کسی عظیم کام کے لئے ہی اکٹھے آتے ہیں تو کہا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾

"آپ نے پوچھا تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے اے فرشتو! وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک قوم کی طرف جو جرائم پیشہ ہے 1"

1۔ اے فرشتو تم کس کام کے لئے آئے ہو؟ تو انہوں نے کہا ہم حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ وہ بدکاری کرتے تھے، جبکہ جہاں بھر میں ان سے پہلے کسی نے یہ عمل نہیں کیا تھا، وہ عورتوں کی بجائے مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے تھے، ڈاکے ڈالتے تھے اور اپنی مجالس میں برائی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کی قوم سے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا لوگوں نے آپ کا انکار کیا اور کہا اگر تم سچے ہو تو عذاب لے آؤ تو حضرت لوط علیہ السلام نے دعا کی اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے نجات عطا فرما اور مفسد قوم کے خلاف میری مدد فرما تو اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو ان پر بھیجا۔

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾

"تاکہ ہم برسائیں ان پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کنکر) جن پر نشان لگے ہیں آپ کے رب کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کے لئے (نزول عذاب سے پہلے) ہم نے نکال دیا وہاں کے تمام ایمانداروں کو 1"

1۔ یہ مٹی کے بنے ہوئے پتھر تھے جسے سنگ گل کہتے ہیں اس پتھر پر اس آدمی کا نام لکھا ہوا تھا جس نے اس سے ہلاک ہونا تھا۔ مسرفین سے مراد فجور میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مسرفین سے مراد مشرک ہیں کیونکہ شرک سب سے بڑا اسراف اور سب سے بڑا گناہ ہے (1) فیہا سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں ہیں۔ اس کا ذکر پہلے نہیں ہوا پھر بھی ضمیر ذکر کر دی اس کی وجہ یہ ہے کہ سیاق کلام کی وجہ سے یہ معلوم تھی۔ مومنین سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کے اوپر ایمان لانے والے ہیں مومنوں کو اس طرح نکالا تھا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ۔

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾ وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

"پس نہ پایا ہم نے اس (ساری) بستی میں بجز ایک مسلم گھر کے اور ہم نے باقی رہنے دی وہاں ایک نشانی ان لوگوں (کی عبرت پذیری) کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں اور (داستان) موسیٰ میں بھی نشانی ہے جب ہم نے انہیں

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

بھیجا فرعون کی طرف ایک روشن دلیل دے کر 1 "

1 ھا ضمیر سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں ہیں۔ مسلمین سے مراد حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صفات میں مومنین اور مسلمین دونوں کا ذکر کیا ہے کیونکہ ہر مومن مسلمان بھی ہوتا ہے۔ آیۃ سے مراد علامت ہے۔ یخافون سے مراد جو اس عذاب سے عبرت حاصل کرنے والے ہیں۔ عذاب الیم سے مراد وہ پتھر ہے جو ان کی بستی پر آپڑا تھا یا وہ چٹان مراد ہے جو تہہ در تہہ ڈھیر ہوگئی تھی یا بدبودار سیاہ پانی مراد ہے۔

وَفِي مُوسَىٰ کا عطف معنی کے اعتبار تو کنا فیھا ایۃ پر ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی و جعلنا فی ارسال موسی ایۃ یہ ارشاد عربوں کے اس قول کی طرح ہے عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَّمَاءً بَارِدًا میں نے اسے چارہ کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا، یعنی ماء باردا سے پہلے سقیتا فعل محذوف ہے۔ یہ تعبیر اس تعبیر سے زیادہ بہتر ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ اس کا عطف و فی الارض پر ہے کیونکہ ایک تو وہ کلام بہت دور ہے دوسرا قصے میں کوئی مناسبت نہیں۔

بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے مراد معجزات ہیں جیسے عصا، ید بیضاء، طوفان، ٹکڑی، جوئیں، مینڈک، خون، قحط سالی اور سمندر کا پھٹنا۔

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾

"پس اس نے روگردانی کی اپنی قوت کے بل بوتے پر اور کہنے لگا یہ شخص جادوگر ہے یا دیوانہ تو ہم نے اس کو اس کے لشکر سمیت پکڑا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا اور وہ قابل ملامت بن گیا 1 "

1 تولی کا معنی یہ ہے کہ فرعون نے ایمان لانے سے اعراض کیا۔ رکن سے مراد اس کی جماعت اور لشکر ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو قوی سمجھتا تھا تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا یہ جادوگر یا مجنون ہیں۔ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں او، واؤ کے معنی میں ہے (1) تاہم ظاہر بات یہ ہے کہ او اپنے معنی میں استعمال ہو رہا ہے کیونکہ جب اس نے آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے معجزات کو دیکھا تو اس نے کہا یہ تو جادوگر ہیں۔ جب ایسی باتیں سنیں جن کا ادراک عقل نہیں کر سکتی تھی تو اس نے گمان کیا کہ یہ مجنون ہے اور اس کی گفتگو میں منافات پائی جاتی ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو معجزات ظاہر ہوئے فرعون نے انہیں جن کی طرف منسوب کیا پھر اسے تردد ہوا کہ کیا اس سے یہ چیزیں اپنے اختیار اور کوشش سے حاصل ہوئی ہیں یا ان دونوں کے بغیر حاصل ہوئی ہیں اگر ان کے اختیار سے ایسا ہوا تو یہ جادوگر ہیں بصورت دیگر یہ مجنون ہیں۔ یعنی وہ ایسے اعمال کرنے والا ہے جیسے کفر، عناد اور تکبر جس کے باعث اس پر ملامت کی جائے گی۔ یہ جملہ اخذناہ کی ضمیر منصوب سے حال ہے۔

وَفِي عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾

"اور (قصہ) عاد میں نشان عبرت ہے جب ہم نے ان پر آندھی بھیجی جو خیر و برکت سے خالی تھی نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر گزرتی مگر اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی 1 "

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

1۔ یعنی ہم نے قوم عاد کو ہلاک کرنے میں بھی ایک نشانی چھوڑی ہے۔ ریح عقیم سے مراد ایسی ہوا ہے جس میں کوئی خیر اور برکت نہیں نہ یہ درختوں کے لئے لقاح (1) کا کام کرتی ہے اور نہ ہی بارش لاتی ہے یا یہ ہوا دبور ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے میری مدد صبا سے کی گئی اور عاد کو دبور سے ہلاک کیا گیا۔

رمیم رم سے مشتق ہے جس کا معنی بوسیدہ ہونا اور ریزہ ریزہ ہونا ہے یعنی تمام اشیاء کو راکھ کی طرح کر دیا گیا۔

وَ فِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَ هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾

"اور (واقعہ) ثمود میں بھی نشانی ہے جب انہیں کہہ دیا گیا کہ لطف اٹھا لو ایک وقت تک پس انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے تو پکڑ لیا انہیں ایک خوفناک کڑک نے درآں حالیکہ وہ دیکھ رہے تھے 1۔"

1۔ یعنی ہم نے قوم ثمود کو ہلاک کرنے میں بھی ایک نشانی چھوڑی ہے۔ جب قوم کے افراد نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا تین دن تک گھروں میں رہ لو۔ ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم کو ماننے، حضرت صالح علیہ السلام کے اوپر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت کرنے سے تکبر کیا تو انہیں عذاب نے پکڑ لیا۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صَعْقه پڑھا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے اسے صاعقه پڑھا ہے۔ صاعقه سے مراد موت، مہلک عذاب اور عذاب کی سخت آواز ہے اور صعق سے مراد آواز کی کڑک ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے تین دن کے بعد عذاب نے انہیں پکڑ لیا تھا اس طرح کہ وہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، صبح کے وقت وہ اپنے اپنے گھروں میں یوں بیٹھے تھے جیسے زمین سے چمٹے ہوئے ہوں۔

فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِیَامٍ وَّ مَا كَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۴۶﴾

"پھر ان میں نہ اٹھنے کی طاقت رہی اور نہ وہ (ہم سے) انتقام لے سکے اور قوم نوح کا اس سے پہلے (یہی حشر ہوا) بے شک وہ لوگ بھی (پرلے درجے کے) نافرمان تھے 1۔"

1۔ عذاب نازل ہونے کے بعد وہ بھاگنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ زمین سے نہ اٹھ سکے (1) اور نہ ہی وہ اپنا دفاع کر سکے یا وہ ہم سے انتقام نہیں لے سکتے۔ ابو عمرو، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے قوم کے لفظ کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ اس کا عطف ثمود پر ہے، یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے میں ایک نشانی چھوڑی ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ فعل محذوف کا مفعول به ہے جس محذوف فعل پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے، اس کی تقدیر کلام یہ ہے۔ و اهلكنا قوم نوح من قبل یعنی حضرت لوط علیہ السلام، فرعون اور اس کے لشکروں، عاد اور ثمود کی قوم سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم فاسق تھی۔ انہیں فاسق اس لئے کہا کیونکہ وہ کفر اور معاصی کے ذریعے صراط

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

(1) جس طرح جانوروں میں نر اور مادہ کا ملاپ ہوتا ہے تو مادہ حاملہ ہوتی ہے اسی طرح نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور پر ڈالتے ہیں عموماً ہوا یہ فریضہ سرانجام دیتی ہے اس عمل کو لقاح کہتے ہیں۔ (مترجم)

مستقیم سے خارج ہو چکے تھے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾

"اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اس کو وسیع کر دیا اور زمین کا ہم نے فرش بچھا دیا پس ہم کتنے اچھے فرش بچھانے والے ہیں ۱؎"

۱؎ السَّمَآءَ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر مابعد فعل کر رہا ہے۔ اید کا معنی قوت اور قدرت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا موسعون کا معنی قادر اور طاقت رکھنے والے ہیں (1) یہ وسع سے مشتق ہے جس کا معنی طاقت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یہ جملہ بنینا کے فاعل سے حال ہے اور والسَّمَآءَ والا جملہ فی موسیٰ والے جملہ کا معطوف ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی اغنیاء ہے (2) جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے کہ اس کا معنی ہے کہ ہم اپنی مخلوق پر رزق وسیع کرنے والے ہیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ ہم آسمان کو وسیع کرنے والے ہیں یا ہم آسمان اور زمین کے درمیان وسعت پیدا کرنے والے ہیں۔

فَرَشْنٰهَا کا معنی ہے کہ ہم نے اسے بچھا دیا ہے تا کہ لوگ اس پر ٹھکانہ بنا سکیں۔ اس میں ترکیب اسی طرح ہوگی جو ہم نے وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا میں ذکر کی ہے۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾

"اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تا کہ تم غور و فکر کرو ۱؎"

۱؎ زَوْجَيْنِ سے مراد دو صنفیں ہیں۔ میں کہتا ہوں یہاں مراد تثنیہ کی تعیین نہیں بلکہ اس سے مراد مخلوقات کی اصناف کا تعدد ہے، یعنی ہم نے ہر شے کی ایک سے زائد عدد والی اصناف پیدا کی ہیں جن کا کم سے کم عدد دو ہے بلکہ ہر فرد دو جہتوں والا ہے ایک وجہ سے اس میں خیر ہے۔ دوسری وجہ سے اس میں شر ہے۔ ذات کے اعتبار سے معدوم ہے غیر کے ساتھ ثابت ہے ذات کے اعتبار سے عاجز ہے غیر کی وجہ سے قادر ہے۔ لعل، لکی کے معنی میں ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو اور تا کہ تم جانو کہ تعدد ممکنات کی خصوصیات میں سے ہے، جبکہ واجب بالذات تعدد اور تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ وہ واجب الوجود ہے اس کا وجود عدم سے آشنا نہیں وہ قادر ہے عاجز نہیں۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

"پس دوڑو اللہ کی طرف (اور اس کی پناہ لے لو) بے شک میں تمہیں اس (کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں ۱؎"

۱؎ ہر چیز کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اسی سے محبت کرو، اسی میں مستغرق رہو، اسی کے حکم کو مانو اور اسی سے سعادتوں کو حاصل کرو تا کہ تم نقائص اور حق سے دور رہنے سے پاک ہو جاؤ، اچھی چیزوں کو پا لو قرب اور کمال کے درجات کو حاصل کر لو۔ اس میں فناء سیبہ ہے کیونکہ جب ممکنات اور واجب الوجود میں تدبر کیا جائے تو یہ اس چیز کو واجب کرتا ہے کہ ممکنات سے فرار اختیار کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ جملہ قول کو مقدر ماننے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا کلام ہوگا تا کہ اس کا مابعد کے ساتھ ربط

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

قائم ہو جائے، تقدیر کلام یہ ہوگی قُلْ یَا مُحَمَّدُ فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔ ہ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب، اس کو چھوڑنے، اس سے دور ہونے اور اس کی نافرمانی کرنے پر مرتب ہوتا ہے آپ کا اللہ کی طرف سے نذیر ہونا معجزات سے واضح ہے یا جن چیزوں سے خبردار کرنا واجب ہے ان کو واضح کرنے والا ہوں۔

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۱﴾

”اور نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود[1] بے شک میں تمہیں اس (کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں[2]“

[1] اِلٰهًا اٰخَرَ سے مراد جو واجب الوجود ہونے یا مستحق عبادت ہونے یا وہ تمہارا مقصود ہونے یا محبوب حقیقی ہونے میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہو۔

[2] یہ جملہ سابقہ آیت میں موجود اس جملہ کی تاکید کے لئے ہے یا پہلی آیت والا جملہ غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور اس سے محبت کرنے سے خواص کو ڈرانے کے لئے تھا، جب کہ دوسرا جملہ عوام کو شرک اور نافرمانی سے خبردار کرنے کے لئے ہے جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے، یعنی اگر تم ہر چیز بلکہ اپنے نفوس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کر سکتے تو عبادت اور حکم کی اطاعت میں تم کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔

كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾

”اسی طرح[1] نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا دیوانہ[2]“

[1] كَذٰلِكَ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعنی جو شان آپ کی اپنی قوم کے ساتھ ہے یہی شان آپ سے پہلے انبیاء کی اپنی اقوام کے ساتھ تھی۔ جب اس تشبیہ میں ابہام تھا تو اس کی وضاحت مابعد کلام سے کر دی۔

[2] قَبْلِهِمْ میں ضمیر کفار مکہ کے لئے ہے۔ اسم موصول سے مراد سابقہ امتوں کے کفار ہیں۔ اسم موصول اتی فعل کا مفعول بہ ہے اور من رسول اس کا فاعل ہے، من زائدہ ہے نفی میں استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ اِلَّا قَالُوْا استثناء مفرغ ہے مستثنیٰ محل نصب میں ہے کیونکہ یہ اتی کے فاعل، اس کے مفعول یا دونوں سے حال ہے۔ معنی یہ ہوگا ان کے پاس رسول نہیں آیا کسی حال میں مگر ان کی قوم کی حالت یہ تھی کہ انہوں نے کہا یہ جادوگر ہے یا مجنون ہے۔ سَاحِرٌ اور مَجْنُوْنٌ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور یہ جملہ مقولہ ہے، یعنی جس طرح آپ کی قوم آپ کو ساحر یا مجنون کہتی ہے ان کی قوموں نے بھی انہیں یہی کہا تھا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ”ذٰلک“ کا مشار الیہ ان کا رسولوں کو جھٹلانا اور انہیں ساحر یا جادوگر کہنا ہو اور ما اتی والا جملہ تشبیہ کی علت ہو۔

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾

”کیا پہلوں نے پچھلوں کو یہی وصیت کی تھی (نہیں) بلکہ یہ لوگ سرکش ہیں[1] پس آپ ان سے رخ انور پھیر لیجئے آپ پر کوئی الزام نہیں[2]“

[1] پہلے اور بعد میں آنے والے کفار نے اس قول کی ایک دوسرے کو وصیت کی یہاں تک کہ سب نے یہی بات کہی۔ ہمزہ استفہام انکار اور توبیخ کے لئے ہے۔ بل اضراب(۱) کے لئے ہے، یعنی اوپر جو کلام گزری ہے کہ ان کفار نے ایک دوسرے کو وصیت کی تھی اس

(۱) جو حکم معطوف علیہ پر لگایا جا رہا تھا اس سے سکوت ہے بلکہ حکم معطوف پر ہے۔ مترجم

سے اضطراب ہے کیونکہ ان کے زمانے مختلف تھے اس لئے ان کا ایک دوسرے کو وصیت کرنا ممکن نہیں بلکہ ان کے اس قول کا سبب ان کا سرکشی میں شریک ہونا ہے جس نے انہیں اس بات پر برانگیختہ کیا۔ کذلک سے لے کر طاغون تک جملہ معترضہ ہیں۔ مقصود حضور ﷺ کو تسلی دینا ہے فَتَوَلَّ عَنْهُمْ کا عطف فعل پر ہے جو مقدر ہے یعنی قل ففروا اور عَنْهُمْ میں ضمیر سے مراد کفار ہیں۔

ل جب آپ نے انہیں بار بار دعوت دے دی اور انہوں نے اصرار اور عناد کی وجہ سے دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اس لئے ان سے جھگڑا کرنے سے اعراض کریں جب آپ پیغام حق پہنچانے میں تمام صلاحیتیں صرف کر دیں تو اس کے بعد اعراض کرنے سے آپ پر کوئی ملامت نہ ہوگی۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن منیع، ابن راہویہ اور ہیثم بن کلیب رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی اسانید میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت فَتَوَلَّ عَنْهُمْ نازل ہوئی تو ہم میں سے کوئی فرد بھی ایسا نہ تھا جسے ہلاکت کا یقین نہ ہو گیا ہو کیونکہ حضور ﷺ کو کہہ دیا گیا تھا کہ آپ ان سے اعراض کر لیں تو اسی وقت مابعد آیت نازل ہوئی تو ہمارے دل خوش ہو گئے (1)۔

وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

"اور آپ سمجھاتے رہیے یقیناً سمجھانا اہل ایمان کے لئے فائدہ بخش ہے ل"

ل ابن جریر نے قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ ہمارے سامنے یہ بات ذکر کی گئی ہے جب فتول عنهم والی آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر بڑا شاق گزرا۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور عذاب آیا ہی چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (2)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے مفسرین کا قول اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ذکر اس کا عطف تول پر ہے یعنی آپ نصیحت کو ترک نہ کریں کیونکہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ذکر کی علت ہے، یعنی نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے اور ان کے لئے بصیرت میں اضافہ کرتی ہے اگرچہ کفار کو کوئی نفع نہیں دیتی یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کے ایمان لانے کو مقدر کر دیا ہے اس کو آپ کی نصیحت فائدہ دے گی۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

"اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں ل"

ل میں نے جن وانس کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ انہیں اپنی عبادت کا حکم دوں اور اپنی طرف انہیں بلاؤں، یعنی انہیں احکام کا مکلف بنانے کے لئے پیدا کیا اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ایک ایسا ہی قول ذکر کیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے انہیں اس لئے پیدا کیا تاکہ لوگ مجھے پہچانیں، جبکہ کفار بھی اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کو پہچانتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ وہ میرے بندے بن جائیں یا میرے لئے خشوع وخضوع کا اظہار کریں۔

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

لغت میں عبادت کا معنی تذلل اور انقیاد ہے۔ جن وانس میں سے ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے سر افگندہ ہے اور اس کی مشیت کے سامنے جھکی ہوئی ہے جس مقصد کے لئے کسی چیز کو پیدا کیا گیا ہے کوئی بھی اس سے باہر نکلنے پر قادر نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی ہے کہ وہ میری وحدانیت بیان کریں مومن تو سختی نرمی ہر حال میں اس کی وحدانیت بیان کرتے ہیں۔ کافر صرف سختی اور مصیبت میں اس کی وحدانیت بیان کرتے ہیں، خوشی اور راحت میں اس کی وحدانیت بیان نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جب وہ کشتی میں سوار ہو جائیں تو دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرتے ہوئے دعا مانگتے ہیں(1)۔ صاحب مدارک نے کہا کافر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان کریں گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ۔ دنیا میں ان کا شرک کرنا (جبکہ یہ ان کی زندگی کے بعض اوقات میں سے ہے اور آخرت میں بھی ان کی زندگی ہوگی) اس امر کے منافی نہیں ہو سکتا کہ انہیں توحید کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مناسب ہے، جبکہ باقی سب اقوال ضعیف ہیں جس چیز نے یہ اقوال کرنے پر انہیں براہیختہ کیا وہ آیت کریمہ کا ظاہر ہے۔ آیت کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کی تخلیق کا مقصد طاعت اور اللہ تعالیٰ کی مراد کا نہ پایا جانا محال ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان یہ ہے کہ جس کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا جاتا ہے اس کی ہی اسے توفیق دی جاتی ہے(2) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ۔ کلبی، ضحاک اور سفیان رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا یہ حکم فریقین میں سے اہل طاعت کے لئے خاص ہے جس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت دلالت کرتی ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ(3)۔ میرے نزدیک اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں نے جن وانس کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ عبادت کی استعداد اور قوت رکھتے ہیں۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ پھر ارشاد فرمایا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ متفق علیہ(4)۔ یہ تاویل اس تاویل کے مناسب ہے جو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی ہے۔ اس آیت کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کفار کی مذمت کی جائے جنہوں نے فطرت سلیمہ کو ضائع کر دیا جو ان کی تخلیق کا اصل جوہر ہے۔

مَآ أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَآ أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ﴿٥٧﴾

"نہ میں طلب کرتا ہوں ان سے رزق اور نہ یہ طلب کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں[1]"

1۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ وہ معاملہ نہیں جو آقا اپنے غلاموں کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے کیونکہ آقا تو غلاموں کو اس لئے خریدتا ہے تاکہ حصول رزق اور کسب معاش میں اس کی مدد کریں، جبکہ اللہ تعالیٰ تو ان سے مستغنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے میں ان سے یہ ارادہ نہیں کرتا کہ میری مخلوق میں سے کسی کو رزق باہم پہنچائیں اور نہ میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو رزق پہنچائیں اور نہ ہی یہ ارادہ کرتا ہوں کہ میری مخلوق میں سے کسی کو کھانا کھلائیں تاہم یہ تاویل اس امر کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طعام کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے جو کسی کی عیال کو کھانا دیتا ہے وہ صاحب عیال کو کھانا دیتا ہے جس طرح اس

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　2۔ مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 389 (الفکر)
3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　4۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 336 (قدیمی)

حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے بندے میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ وہ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا، جبکہ تو رب العالمین ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو جانتا نہیں میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا تو نے اسے کھانا نہیں دیا اگر تو اسے کھانا کھلا دیتا تو اسے میرے پاس پاتا(1)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس حدیث میں یہ ہے میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تو نے مجھے پانی نہیں دیا۔ میں کہتا ہوں اس میں رزق کی نسبت اللہ تعالیٰ نے جو اپنی طرف کی ہے وہ بطور مجاز ہے۔ ساتھ یہی یہ سوال وارد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے مومنین کا ارادہ کرتے ہوئے تمام لوگوں کو حکم دیا کہ وہ فقراء کو رزق بہم پہنچانے کے لئے زکوٰۃ ادا کریں، اپنے آپ کو اور گھر والوں کو کھانا کھلائیں اسی طرح ان پر بھی مال خرچ کرنے کا حکم دیا جن کے اخراجات ان کے ذمہ ہیں تو پھر اس ارشاد کا کیا مفہوم ہوگا: فَكَيْفَ يُقَالُ مَاأُرِيْدُ مِنْهُمْ أَنْ يُرْزَقُوْا۔ ہاں اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ زکوٰۃ فرض کرنے کا اصل مقصد حکم کی اطاعت اور فعل کی ادائیگی ہے، رزق بہم پہنچانا اصل مقصد نہیں اسی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بچے اور مجنون پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لیکن یہ جواب عشر، خراج، والدین، اولاد اور بیویوں کے نفقہ میں درست نہیں کیونکہ ان کا اصل مقصد بندوں تک رزق بہم پہنچانا ہے اسی وجہ سے ان میں نیابت جائز ہے اور بچے کے ولی کو خرچ دینے سے یہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿٥٨﴾

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی (سب کو) روزی دینے والا قوت والا اور زور والا ہے[1]۔"

[1] اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو رزق عطا فرماتا ہے۔ منہم ان سب سے غنی ہے وہ رزق عطا کرنے اور اپنے ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے پر قادر ہے اور قدرت میں بہت شدید ہے۔ اس آیت کی تاویل میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان مَا أُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ یہ مقولہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا قول ہے، تقدیر کلام یہ ہے قل ما ارید منهم، یعنی میں لوگوں سے رزق کا طالب نہیں اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے لا اسألكم عليه اجرا۔ بعض محققین نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ یہ بھی مقولہ ہے اور لفظ قل کی تقدیر کے ساتھ اس کا عطف ذکر پر ہے اور ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ تک کا قول قل کے مقولہ میں داخل ہے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ رسول اللہ ﷺ کا کلام کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ کلام اسی طرح ہے جس طرح بادشاہ اپنے سفیر کو کہتا ہے تو جا کر کہہ دے میں انہیں اس بات کا حکم دیتا ہوں۔ سفیر بادشاہ کا قول جا کر یوں بیان کر دیتا ہے میں تمہیں فلاں بات کا حکم دیتا ہوں اور امیر تمہیں یہ حکم دیتا ہے اس قسم کا کلام لوگوں میں متعارف ہے۔

فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِّثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿٥٩﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٦٠﴾

"پس ان ظالموں کے لئے عذاب کا ویسا ہی حصہ ہے جیسا ان کے ہم مشربوں کو حصہ ملا تھا پس یہ جلد بازی نہ کریں[1]۔
پس تباہی ہے ان کے لئے جنہوں نے کفر کیا اس دن سے جس کا (ان سے) وعدہ کیا گیا ہے[2]۔"

[1] شرک، معاصی، فطرت سلیمہ کو مسخ کرنے اور عبادت کی جگہ ناشکری کرنے کے ساتھ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، جبکہ انہیں

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 436 (الفکر)

عبادت کا مکلف بنایا گیا تھا اور اس کی استعداد عطا فرما کر انہیں پیدا کیا گیا۔ ذنوب سے مراد عذاب کا حصہ ہے۔ اصل میں ذنوب کا معنی بڑا ڈول ہوتا ہے جس کی رسی بھی ہو۔ مجازاً اس پانی کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں جسے پانی لانے والا ڈول کے ذریعے تقسیم کرتا ہے۔ زجاج نے کہا لغت میں ذنوب سے مراد حصہ ہے۔ یہ عذاب کا حصہ ان کے حصہ جیسا ہے جو سابقہ امتوں میں سے لوگ گزرے ہیں جیسے قوم عاد، قوم ثمود، قوم فرعون، قوم نوح اور قوم لوط۔ اس میں فاء سببیہ ہے اور یہ فتول عنهم کی علت بیان کر رہی ہے۔ فلا یستعجلون میں فاء سببیہ ہے، یعنی جب تو نے کفار کے لئے میری وعید کو سن لیا تو یہ تیری تسلی کے لئے کافی ہے اس لئے تم انہیں عذاب دینے میں جلدی کے طلب گار نہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ کفار کو خطاب ہو اور ان کے اس قول کا جواب ہو مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔

لے یوم سے مراد یوم قیامت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس یوم سے مراد یوم بدر ہے، اس میں فاء سببیہ ہے وعید کے متحقق ہونے کے لئے مسبب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورۃ الطور

اٰیاتھا ۴۹ | سُوْرَۃُ الطُّوْرِ مَکِّیَّۃٌ ۵۲ | رکوعاتھا ۲

سورۃ الطور مکی ہے، اس میں ۲ رکوع اور ۴۹ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالطُّوْرِ ۝۱ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝۴

''قسم ہے (کوہ) طور کی [1] اور کتاب کی جو لکھی گئی ہے [2] کھلے ورق پر [3] اور قسم ہے بیت معمور کی [4]''

[1] سریانی زبان میں طور پہاڑ کو کہتے ہیں اس سے مراد طور سینین ہے جو مدین میں واقع ہے یہاں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا۔

[2] سطر سے مراد حروف کو ترتیب دینا ہے یہاں اس سے مراد لکھی ہوئی کتاب ہے۔

[3] رق اس جلد کو کہتے ہیں جس پر لکھا جاتا ہے۔ اب مجازاً ہر اس چیز کو ورق کہتے ہیں جس میں لکھا جاتا ہے، تلاوت کے لئے اسے پھیلایا جاتا ہے۔ منشور یہ رق کی صفت ہے اور ظرف مسطور کے متعلق ہے۔ کتاب کی جب یہ صفت ذکر کی وہ ورق منشور میں لکھی ہوئی ہے تو یہ اس بات کا انکار کرتی ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہو یہاں اس سے مراد یا تو قرآن حکیم ہوگا یا ان کتابوں کی جنس مراد ہو گی جن میں شریعت کے احکام لکھے جاتے ہیں۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ کتاب ہے جسے قدرت کے ہاتھوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تورات کی صورت میں تحریر کیا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قلم کی آواز کو سنتے تھے (1)۔ اس قول کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کا عطف الطور پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس سے مراد فرشتوں کے دیوان میں قیامت کے دن انہیں بطور کتاب لوگوں کے سامنے نکالا جائے گا جسے وہ کھلا ہوا پائیں گے۔

[4] بیت معمور سے مراد ساتویں آسمان میں قبلہ ہے جو کعبہ مکرمہ کے بالکل مقابل ہے جسے صراح کہتے ہیں آسمان میں اس کی حرمت اسی طرح ہے جس طرح زمین میں بیت اللہ شریف کو حاصل ہے۔ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے معراج کی حدیث میں ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو اچانک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس موجود تھا جو بیت معمور کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جنہیں دوبارہ آنے کا موقع نہیں ملتا (2)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ اس کا طواف کرتے ہیں، اس میں نماز پڑھتے ہیں پھر کبھی ان کی باری نہیں آتی۔ اس کی آبادی سے مراد فرشتوں کی کثرت ہے جو ہر وقت وہاں چھائے رہتے ہیں۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بیت معمور سے مراد کعبہ مکرمہ ہے۔ اس کی آبادی سے مراد حاجی اور بیت اللہ شریف کے خدمت گار ہیں یا بیت معمور سے مراد مومن کا دل اور اس کی آبادی سے مراد معرفت اور اخلاص ہے۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　　2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 91 (قدیمی)

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝

''اور بلند چھت کی[1] اور سمندر کی جو لبالب بھرا ہے[2] یقیناً آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا اسے کوئی ٹالنے والا نہیں[3]''

[1] اس سے مراد آسمان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور فرمان ہے وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا۔

[2] قاموس میں ہے سَجَّر التنور اس نے تنور کو گرم کیا سجر النھر اس نے نہر کو بھر دیا۔

محمد بن اسحاق اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا سمندر کو اتنا گرم کر دیا گیا ہے جتنا تنور کو گرم کیا جاتا ہے۔ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یہی مفہوم اس روایت میں بھی ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تمام سمندروں کو آگ بنا دے گا اور ان کے ذریعے جہنم کی آگ میں اضافہ کر دے گا(1)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص بھی سمندر میں سفر نہیں کرے گا مگر وہ غازی ہوگا یا عمرہ کرنے والا ہوگا یا حج کرنے والا ہوگا کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے یا آگ کے نیچے سمندر ہے(2)۔ حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سمندر جہنم ہے۔

ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے عظمت میں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن مسیب کے واسطہ سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے میں نے فلاں یہودی سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں دیکھا اس نے گمان کیا ہے کہ بڑی آگ سے مراد سمندر ہے جب قیامت کا روز ہوگا اللہ تعالیٰ اس میں سورج، چاند اور ستاروں کو جمع کر دے گا پھر اللہ تعالیٰ اس پر دبور ہوا کو بھیجے گا تو وہ اسے بھڑکا دے گی(3)۔

ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کعب سے اس آیت والبحر المسجور کے ضمن میں نقل کیا ہے کہ سمندر کو گرم کیا جائے گا پس وہ جہنم کی آگ بن جائے گا(4)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب میں وہب سے نقل کیا ہے جب قیامت برپا ہوگی تو اسے پھٹنے کا حکم ہوگا تو وہ سقر سے پھٹ جائے گا۔ یہی اس کا غطاء (ڈھکنا) ہے، اس سے ایک آگ نکلے گی جو جہنم کے کنارے تہ در تہ سمندر (گہرے) تک پہنچے گی اس سمندر کو ہی بحر مسجور کہتے ہیں۔ یہ آگ آنکھ جھپکنے سے بھی زیادہ تیز ہوگی، یہ جہنم اور سات زمینوں کے درمیان حد فاصل ہے وہ اسے ایک انگارے کی صورت میں چھوڑے گی(5)۔ مجاہد اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا مسجور کا معنی بھرا ہوا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں سجرت الاناء یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو برتن کو بھر دے۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابو العالیہ رحمہم اللہ نے کہا اس سے مراد وہ خشک چیز ہے جس کا پانی ختم ہو چکا ہو۔ ربیع بن انس نے کہا جب میٹھے پانی کے ساتھ نمکین پانی مل جائے تو اسے بحر مسجور کہتے ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے نزال بن سبرہ سے، انہوں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بحر مسجور کے بارے میں فرمایا یہ عرش کے نیچے سمندر ہے جس کی گہرائی سات آسمانوں اور سات زمینوں کے برابر ہے، اس میں گاڑھا پانی ہے جسے بحر حیوان کہتے ہیں۔ وہ نفخہ اولیٰ کے بعد چالیس روز تک بندوں پر بارش برساتا رہے گا تو لوگ قبور سے باہر نکل آئیں گے۔ یہ مقاتل کا قول ہے(6)۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
2۔ سنن کبریٰ، جلد 4، صفحہ 334 (الفکر)
3۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
4۔ ایضاً
5۔ شعب الایمان، جلد 1، صفحہ 333 (العلمیہ)
6۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

ہے اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کے ساتھ قسم اٹھائی اور جواب قسم مابعد کلام ہے کہ تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے جسے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ یہ جملہ واقع کی صفت ہے۔ جبیر بن مطعم نے کہا میں مدینہ طیبہ آیا تا کہ حضور ﷺ سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں بات کروں۔ میں وہاں اس وقت پہنچا جب حضور ﷺ اپنے صحابہ کو مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے، آپ کی آواز مسجد سے باہر آ رہی تھی۔ میں نے آپ کی سورۂ طور کی قرأت یہاں تک سنی جب میں نے اسے سنا تو گویا میرا دل پھٹا جا رہا تھا۔ میں اس وقت ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا میں عذاب نازل ہونے کے ڈر کی وجہ سے مسلمان ہو گیا۔ میرا یہ خیال بھی نہ تھا کہ میں اپنی جگہ سے اٹھ سکوں گا بلکہ میرا خیال تھا کہ عذاب پہلے ہی نازل ہو جائے گا(1)۔

يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ﴿٩﴾ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿١٠﴾ فَوَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾

"جس روز آسمان بری طرح تھرتھرا رہا ہو گا اور پہاڑ (اپنی جگہ چھوڑ کر) تیزی سے چلنے لگیں گے۔ پس بربادی ہو گی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ہے"

1۔ مور کا معنی چکر کاٹنا ہے، یعنی آسمان یوں گھومتا ہے جس طرح چکی گھومتی ہے اور اپنے مکینوں کو یوں الٹا دیتا ہے جس طرح کشتی سواروں کو الٹا دیتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی حرکت کرنا ہے، یعنی آسمان حرکت کرتا ہے۔ عطا خراسانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کے اجزاء ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ مضطرب ہوتا ہے، کانپتا ہے۔ لغت میں مور کے یہ تمام معانی آئے ہیں جانا، آنا، متردد ہونا، گردش کرنا اور کانپنا وغیرہ(2)۔ قاموس میں اسی طرح ہے یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آسمان زمین اور پہاڑوں کی طرح متحرک نہیں، جبکہ فلاسفہ کا نقطۂ نظر مختلف ہے ظرف واقع کے متعلق ہے۔

2۔ تسیر کا عطف تمور پر ہے، یعنی پہاڑ روئے زمین سے چل پڑتے ہیں اور ذرات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

3۔ جب یہ عذاب واقع ہو جائے گا تو اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہو گی کیونکہ ایسے عذاب کا وقوع جس سے بچاؤ نہ کیا جا سکے ہلاکت کا سبب ہے۔

الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿١٣﴾

"جو محض تفریح طبع کے لیے فضول باتوں میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔"

1۔ وہ غافل اور لاپرواہ ہیں۔

2۔ يَوْمَ يُدَعُّونَ یہ یوم تمور سے بدل ہے۔ دعا سے مراد ہے سختی سے پھینکنا، دھکیل دینا۔ اس کی صورت یہ ہو گی کہ جہنم کے داروغے ان لوگوں کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ اور ان کی پیشانیوں کو ان کے قدموں کے ساتھ باندھ دیں گے پھر انہیں منہ کے بل جہنم کی طرف دھکیلیں گے جب وہ جہنم کے قریب پہنچیں گے تو جہنم کے داروغے انہیں یہ کہیں گے۔

هَٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٤﴾ أَفَسِحْرٌ هَٰذَا أَمْ أَنتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿١٥﴾

"(انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ (آگ) جادو (کا کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضا

ہی نہیں آ رہی ؟[2]''

[1] یہ بھی جائز ہے کہ یَوْمَ یُدَعُّوْنَ فعل مقدر یقول کی ظرف ہو اور یہ جملہ یقول لھم کی تقدیر کے ساتھ مکذبین سے حال ہو۔

[2] اس جملے کا عطف هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ پر ہے۔ اس میں حرف استفہام انکار اور توبیخ کے لئے ہے۔ فاء تعقیب کے لئے ہے، یعنی تم وحی اور معجزات کو سحر کہتے تھے، جبکہ اس کا مصداق یہ ہے اگر وہ (وحی و معجزہ) سحر تھا تو تمہارے گمان کے مطابق یہ بھی سحر ہوگا یہاں ترکیب کلام میں خبر کو مقدم ذکر کیا گیا ہے کیونکہ مقصود انکار اور توبیخ ہے۔

لَا تُبْصِرُوْنَ کا مفعول هٰذِهِ النَّارُ محذوف ہے جس طرح دنیا میں تم ان چیزوں کو نہیں دیکھتے تھے جو اس پر دلالت کرتی تھیں اور تم یہ کہتے تھے کہ ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا گیا ہے اسی طرح اب بھی تم اس کو نہیں دیکھ سکتے۔

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

''اس میں (تشریف لے) چلو اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو دونوں برابر ہیں تمہارے لئے تمہیں اس کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے [1]''

[1] اَوْ کا کلمہ برابری ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے۔ یہ دونوں جملے مستویًا کی تقدیر کے ساتھ اِصْلَوْهَا کی جمع کی ضمیر سے حال ہے، یعنی تمہارا صبر کرنا اور صبر نہ کرنا برابر ہے۔ سواء مصدر ہے اور اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ یہ جملہ سابقہ جملہ کی تاکید ہے۔ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ یہ جملہ سَوَآءٌ کی علت بیان کر رہا ہے کیونکہ کفر کی جزاء ہر صورت واقع ہونے والی ہے کیونکہ اس کو واقع کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی طرف سے یہ وعید بھی آئی ہے تو انسان کا صبر کرنا اور صبر نہ کرنا برابر ہیں۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِیْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِیْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَ وَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿۱۸﴾

''بے شک پرہیزگار (اس روز) باغوں میں اور نعمتوں میں ہوں گے [1] شاد مسرور ان نعمتوں پر جو انہیں ان کے رب نے دی ہوں گی اور بچا لیا ان کے رب نے انہیں دوزخ کے عذاب سے [2]''

[1] جَنّٰتٍ اور نَعِیْمٍ کو تعظیم کے لئے نکرہ ذکر کیا ہے، یعنی عظیم جنات اور بڑی عظمت نعمتیں۔

[2] فٰكِهِیْنَ ترکیب کلام میں ظرف کی ضمیر سے حال بن رہا ہے۔ معنی لذت حاصل کرتے ہوئے مااتھم میں جو چیز انہیں عطا کی گئی اسے مبہم رکھا گیا ہے اس فعل کی نسبت ان کے رب کی طرف کی گئی۔ مقصود عظمت شان بیان کرنا ہے، یعنی وہ عظیم شے سے لطف اندوز ہونے والے ہیں یا اس چیز کے ساتھ جو عظیم الشان ہے جو انہیں معززین میں سے سب سے معزز اور عظیموں میں سے سب سے عظیم نے عطا فرمائی۔

وَقٰىهُمْ کا عطف اٰتٰىهُمْ پر ہے اگر ما مصدریہ بنایا جائے یا اس کا عطف فِیْ جَنّٰتٍ پر ہوگا یا یہ ہی کے فاعل یا اس کے مفعول یا ان دونوں سے حال ہوگا۔

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓـٴًۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

”(حکم ملے گا) کھاؤ پیؤ خوب مزے لے لے کران (نیکیوں) کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے[1]“

[1] یہاں قول محذوف ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی یقال لھم کلوا یہ انّ کی دوسری خبر ہے یا ظرف میں پوشیدہ ضمیر سے حال ہے یا حال میں پوشیدہ ضمیر سے حال ہے۔ ھنیا یا تو مصدر کی صفت بن کر مفعول مطلق بن رہا ہے یا طعاما اور شرابا کی صفت بن کر مفعول بہ بن رہا ہے۔ ھنیئ اسے کہتے ہیں جس کو استعمال کرتے ہوئے کوئی مشقت نہ ہو اور نہ ہی اس کا انجام برا ہو۔

بِمَا كُنْتُمْ میں باء سببیہ ہے یا باء مقابلہ کے لئے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ باء زائدہ ہے اور ما ھنیا کا فاعل ہے۔ معنی یہ ہوگا جو کچھ تم عمل کرتے رہے ہو اس کی جزاء تمہیں مبارک ہو اس صورت میں ھنیا جملہ کے حکم میں ہو کر كُلُوْا کا معطوف ہوگا جملہ كُلُوْا محذوف قول کا مقولہ ہو۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾

”تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بچھے ہوئے پلنگوں پر اور ہم انہیں بیاہ دیں گے گوری گوری آہو چشموں سے[1]“

[1] مُتَّكِـِٕيْنَ فی جنات ظرف مستقر میں جو ضمیر ہے یا فاكهين میں جو ضمیر ہے یا كلوا و اشربوا میں جو ضمیر ہے اس سے یہ حال بن رہا ہے۔ عَلٰى سُرُرٍ جار مجرور مُتَّكِـِٕيْنَ کے متعلق ہے۔ زَوَّجْنٰهُمْ کا عطف ان کی خبر پر ہے یا انّ کا عطف ان پر ہے اور فعل ماضی مستقبل کے معنی میں ہے۔ بِحُوْرٍ عِيْنٍ میں باء الصاق کے لئے ہے کیونکہ تزویج کا معنی ملانا ہے یا باء سببیہ ہے۔ یعنی ہم نے ان کے سبب انہیں جوڑا جوڑا بنادیا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِیٴٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾

”اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ[1] ہم ملائیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو[2] اور ہم کمی نہیں کریں گے ان کے عملوں (کی جزاء) میں ذرہ بھر ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں اسیر ہوگا[3]“

[1] اسم موصول ترکیب کلام میں مبتدا بن رہا ہے۔ ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے اتبعناھم باب افعال سے جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے مقصود عظمت شان بیان کرنا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے باب افتعال سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ ابوعمرو، ابن عامر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے ذریاتھم جمع کا صیغہ پڑھا ہے تاکہ ان کی تعداد کی زیادتی میں مبالغہ کا اظہار ہو۔ ابوعمرو نے ذریات کی تاء کے نیچے کسرہ پڑھا ہے کیونکہ یہ اتبعناھم کا مفعول ثانی ہے، جبکہ ابن عامر اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ نے فاعل ہونے کی حیثیت میں اسے مضموم پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے فاعل ہونے کی حیثیت میں اسے مرفوع پڑھا ہے۔ ذریت کا اطلاق واحد اور جمع سب پر ہوتا ہے۔ بایمان یہ ھم ضمیر منصوب سے حال ہے یا یہ ذریت سے حال ہے یا دونوں سے حال ہے۔ اس کو نکرہ یہ شعور دلانے کے لئے لایا گیا ہے کہ انہیں ساتھ ملانے کے لئے اصل ایمان میں متابعت کافی ہے بلکہ ساتھ ملانے کے لئے ایمان حکمی بھی کافی ہے جس طرح چھوٹے بچے کا ایمان اور جنون جو دین میں غیر کے تابع ہوتے ہیں۔

[2] نافع، ابوعمرو اور ابن عامر رحمہم اللہ تعالیٰ نے جمع کا صیغہ ذریاتھم پڑھا ہے اور تاء کو کسرہ دیا ہے، جبکہ باقی قراء نے واحد کا صیغہ

پڑھا ہے اور قتادہ کو فتحہ دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مومنین کی اولادوں کے درجہ کو بلند کر دیتا ہے اگرچہ عمل میں وہ ان کے درجہ سے کم ہوتے ہیں تاکہ مومنین کی آنکھیں ان کی وجہ سے ٹھنڈی ہوں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی(1) اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا نیز بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن میں، بزار اور ابونعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حلیہ میں، ابن منذر، ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے حضور ﷺ سے اپنے دو بچوں کے بارے میں سوال کیا جو دور جاہلیت میں مر گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دونوں جہنم میں ہوں گے۔ جب حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چہرہ پر پریشانی کے آثار دیکھے فرمایا اگر تم ان کے مکان کو دیکھ لو تو تم بھی ان سے بغض کرنے لگو تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی آپ سے میرا جو بیٹا فوت ہوا فرمایا وہ جنت میں ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک مومن اور ان کی اولادیں جنت میں ہوں گی۔ مشرک اور ان کی اولادیں جہنم میں ہوں گی پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اسے عبداللہ بن حامد نے زوائد مسند میں روایت کیا ہے اس متن میں جہالت بھی ہے اور انقطاع بھی ہے(2)۔

فصل

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مشرکین کے بچے جہنم میں ہوں گے، جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے۔ یہ حدیث ضعیف ہے، اس میں جہالت اور انقطاع ہے۔ یہی حالت اس حدیث کی بھی ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مشرکین کے بچوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہیں جہنم میں ان کے چیخنے کی آواز سنوا سکتا ہوں(3) اس کی سند بہت ہی کمزور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مشرکین کے بچوں کے حق میں یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے دور جاہلیت کی اولاد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو حضور ﷺ نے فرمایا ان کا انجام وہی ہوگا جو ان کے والدین کا ہوگا(4) اس کے بعد پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے سوال کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا جو وہ عمل کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ جب اسلام مستحکم ہو گیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پھر اس کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى تو حضور ﷺ نے فرمایا وہ فطرت سلیمہ پر ہوں گے یا فرمایا کہ وہ جنت میں ہوں گے۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے انسانوں کے ان بچوں کے بارے میں سوال کیا جو کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں میری گزارش قبول کر لی(5)۔ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں لاھین سے مراد بچے ہیں کیونکہ ان کے اعمال لہو و لعب جیسے ہوتے ہیں نہ انہیں کوئی سمجھ ہوتی ہے اور نہ ہی ان کا کوئی ارادہ ہوتا ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کے بچوں کے بارے

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا　　2۔ مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 439 (الفکر)　　3۔ ایضاً صفحہ 440

4۔ ایضاً صفحہ 443　　5۔ ایضاً

میں سوال کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا وہ جنتیوں کے خادم ہیں(1) اسی کی مثل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت کی ہے۔ اسی طرح طیالسی نے اسی مفہوم کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے۔ بعض علماء نے کہا مشرکین کے بچوں کا امتحان لیا جائے گا کیونکہ حضور ﷺ سے مشرک عورتوں کے بچوں کے بارے میں پوچھا گیا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا جو کچھ وہ عمل کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں خوب آگاہ ہے(2) یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور متفق علیہ ہے۔

سے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لام کے کسرہ کے ساتھ اس فعل کو پڑھا ہے، یعنی یہ باب سمع یسمع سے ہے، جبکہ باقی قراء نے ضرب یضرب سے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ الت یالت میں یہ دونوں لغتیں ہیں، یعنی ہم نے ان کے آباء کے عمل میں کوئی کمی نہیں کی۔ یہاں من بعضیہ ہے، مِنْ شَیْءٍ میں من زائدہ ہے، شیء محل نصب میں ہے کیونکہ یہ التنا کا مفعول ثانی ہے۔ مِنْ عَمَلِهِمْ اس سے حال ہے کیونکہ ذوالحال نکرہ ہے اس لئے حال کو مقدم ذکر کیا، یعنی بچوں کو جب والدین کے ساتھ ملایا جائے گا تو والدین کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اس جملہ کا عطف الحقنا پر ہے یہاں ایک سائل کے سوال کا امکان ہے کہ وہ یہ کہے کہ یہ تو اس انسان کی شان ہے جو خود ایمان لایا اور اس کی اولاد نے ایمان لانے میں اس کی اتباع کی تو جو آدمی برائی کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان اپنے عمل کے بدلے میں قید ہوگا۔

مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں کل امری سے مراد کافر ہے اس نے شرک میں سے جو عمل کیا ہے اس کے بدلے میں جہنم میں محبوس ہے(3) برے عمل کی جزاء اسی تک محدود رہے گی جس نے برائی کی ہے اس کی سزا دوسرے انسان کی طرف تجاوز نہ کرے گی اس لئے اولاد اپنے والدین کے ساتھ کفر و فسق میں متابعت نہیں کرے گی، اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔

وَ اَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّ لَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۞ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَ لَا تَاْثِيْمٌ ۞

"اور ہم مسلسل دیتے رہیں گے انہیں (ایسے) میوے اور گوشت جو وہ پسند کریں گے ۱؎ وہ چھینا جھپٹی کریں گے وہاں جام شراب پر (لیکن) اس میں نہ لغویت ہوگی اور نہ گناہ ۲؎"

۱؎ اس کا عطف زوجناهم پر ہے، یعنی ہم متقین کے لئے لحظہ بلحظہ انعامات میں اضافہ کرتے جائیں گے نعمتوں میں جو بھی وہ چاہیں گے وہ انہیں عطا کی جائیں گی۔

۲؎ يَتَنَازَعُوْنَ نزع سے مشتق ہے جس کا معنی ہے دوسرے شخص سے کوئی چیز لینا۔ یہاں باب تفاعل مجرد کے معنی میں ہے جس طرح عاقبت اللص اور ترافعنا الی القاضی میں مزید فیہ مجرد کے معنی میں ہے۔ اسے مزید فیہ اس لئے ذکر کیا ہے تا کہ کثرت پر دلالت کرے، یعنی وہ ساقی کے ہاتھ سے چھین لیں گے۔ فیھا میں ھا ضمیر سے مراد جنت ہے۔ کاس ایسے برتن کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو۔ ان میں سے ہر ایک کو انفرادی طور پر بھی کاس کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ کاسا حال ہے اس نے کہا شَرِبْتُ كَاسًا یہاں کاس سے مراد شراب کا بھرا ہوا برتن ہے۔ لغو کا معنی باطل ہے۔ یہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لغو کا معنی فضول ہے(4)۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لغو کا معنی رفث ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی گالی

1۔ مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 444 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 337 (قدیمی) 3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 4۔ ایضاً

دینا اور جھگڑا کرنا ہے۔ قتیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کلمات کا معنی یہ ہے کہ یہ شراب ان کی عقلوں کو ضائع نہیں کرے گی کہ وہ لغو باتیں کریں یا فضول باتیں اپنی زبان سے نکالیں۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ نہ ان میں ایسی بات ہوگی جو لغو کہلائے اور نہ ہی ایسی بات ہوگی جس میں گناہ ہو جس طرح دنیا میں شراب پینے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ یہ شراب پینے کی وجہ سے گناہ گار نہیں ہوں گے (1)۔ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے لا لغوَ اور و لا تاثیمَ فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ لا کے مکرر آنے کی وجہ سے اس لا کا عمل لغو ہو گیا ہے۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿٢٤﴾

"اور (خدمت بجالانے کے لئے) چکر لگاتے ہوں گے ان کے گرد ان کے غلام (اپنے حسن کے باعث) یوں معلوم ہو گا وہ چھپے موتی ہیں"

ا۔ ان کی خدمت کے لئے ان کے خاص غلام ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنتیوں میں سے سب سے کم درجہ والے کے سرہانے دس ہزار خادم کھڑے ہوں گے (2)۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جنتیوں میں سے سب سے کم درجہ والا وہ ہوگا جس کی خدمت میں صبح و شام پانچ ہزار خادم ہوں گے ہر خادم کے پاس کھانے کا ایک ایسا برتن ہوگا جو اس کے ساتھی کے پاس نہیں ہوگا۔

لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ سے مراد وہ موتی ہے جو صدف میں چھپا ہوا ہو۔ ان خادموں کو سفیدی، صفائی اور حسن میں موتیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے اس آیت کو تلاوت کیا اور کہا صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ خادم جب موتی کی طرح ہے تو مخدوم کا کیا حال ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روایت کیا گیا کہ ہمارے لئے یہ ذکر کیا گیا کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے نبی خادم ایسا ہے تو مخدوم کا عالم کیا ہوگا تو حضور ﷺ نے فرمایا مخدوم کی خادم پر فضیلت اسی طرح ہے جس طرح چودھویں کے چاند کی تمام ستاروں پر فضیلت ہوتی ہے (3) عبد الرزاق اور ابن جریر نے قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی مرسل روایت اسی طرح ذکر کی ہے۔

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾

"اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے ا۔ کہیں گے ہم بھی اس سے پہلے اپنے اہل خانہ میں (اپنے انجام کے بارے میں) سہمے رہتے تھے ۲۔"

ا۔ ان میں سے بعض بعض سے ان کے احوال اور دنیا میں ان کے اعمال کے بارے میں پوچھنے لگے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا دنیا میں جو مشقت اور خوف محسوس کرتے تھے اس کا باہم ذکر کرتے ہیں (4) اقبل ماضی کا صیغہ ہے مستقبل کے معنی میں ہے یطوف علیہم میں ھم ضمیر سے حال ہے اور قد مضمر ہے۔

۲۔ یہ جملہ مستانفہ ہے گویا یہ مقدر سوال کا جواب ہے جو ماذا یقول المسؤلون ہے ہم اس سے پہلے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے تھے۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 741 (الفکر) 3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 4۔ ایضاً

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾

''سو بڑا احسان فرمایا اللہ نے ہم پر اور بچا لیا ہے ہمیں گرم لو کے عذاب سے [1] بے شک ہم پہلے بھی (دنیا میں) اس سے دعا کیا کرتے تھے یقیناً وہ بہت احسان کرنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے [2]۔''

[1] اللہ تعالیٰ نے توفیق، مغفرت اور رحمت کے ذریعے ہم پر احسان کیا۔ عَذَابَ السَّمُوْمِ سے مراد آگ کا عذاب ہے جو مساموں میں اس طرح سرایت کر جاتا ہے جس طرح زہر سرایت کر جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا سموم جہنم کا ایک نام ہے (1)۔

[2] اس سے قبل دنیا میں ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور جہنم سے نجات کا سوال کرتے تھے۔ نافع اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ہمزہ پر زبر پڑھی ہے، تقدیر کلام اس طرح ہے ندعوہ بانه، جبکہ باقی قراء نے جملہ مستانفہ کے طور پر ہمزہ کو مکسور پڑھا ہے۔ بر کا معنی محسن ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی لطیف ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وعدہ میں سچا ہے اور وہ بہت زیادہ رحمت کرنے والا ہے (2)۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ ؕ

''پس آپ سمجھاتے رہیے آپ اپنے رب کی مہربانی سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون''

[1] فاء سببیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ اور وعید نصیحت پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ فما میں فاء علت بیان کرنے کے لئے ہے، یعنی آپ لوگوں کو نصیحت کیجئے کیونکہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ ضمیر مرفوع انت سے حال ہے کیونکہ فَمَآ اَنْتَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ اس معنی میں ہے اِنْتَفٰى كَوْنُكَ كَاهِنًا اَوْ مَجْنُوْنًا۔ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ سے مراد نبوت اور عقل سلیم ہے، یعنی آپ کی نبوت اور آپ کا دین کہانت کے منافی ہے اور آپ کا عقل سلیم جنون کے منافی ہے۔ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو مکہ مکرمہ کی مختلف گھاٹیوں میں بیٹھ جاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ پر کہانت، جادو، جنون اور شعر کا الزام لگاتے تھے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ قریش دار الندوہ میں حضور ﷺ کے متعلق مشورہ کے لئے اکٹھے ہوتے ان میں سے ایک نے کہا اسے قید کر دو پھر اس کی موت کا انتظار کرو جس طرح دوسرے شعراء جیسے زہیر اور نابغہ ہلاک ہو گئے یہ بھی ہلاک ہو جائیں گے کیونکہ یہ بھی ان کی طرح ایک شاعر ہی تو ہیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ ؕ

''کیا یہ (نابکار) کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں (اور) ہم انتظار کر رہے ہیں ان کے متعلق گردش زمانہ کا [1] فرمائیے (ہاں ضرور) انتظار کرو پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں [2]۔''

[1] نتربص یہ لفظ شاعر کی صفت ہے یا مبتدا محذوف کی خبر کے بعد خبر ہے جو ھو ہے۔ رَيْبَ الْمَنُوْنِ سے مراد حادثات زمانہ ہیں یا وہ

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

حادثات ہیں جو انسان کو موت تک لے جاتے ہیں۔ کفار یہ کہتے تھے کہ یہ اسی طرح ہلاک ہو جائیں گے جس طرح پہلے شعراء ہلاک ہو گئے اور ان کے ساتھی بکھر گئے۔ ان کے والد بھی نوجوانی میں فوت ہو گئے تھے اور ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ یہ بھی جلد ہی فوت ہو جائیں گے۔ ممنون اسم مفعول کا صیغہ ہے یہ مَنّہٗ سے مشتق ہے جس کا معنی کاٹنا ہے، یہ موت اور زمانہ کے معنی میں بھی آتا ہے ان دونوں کو یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کیونکہ یہ بھی اس کی مدت معینہ کے ختم کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔ تم میری موت کا انتظار کرو میں تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرتا ہوں کہ بدر کے روز تمہیں تلوار کے ساتھ عذاب دیا جائے۔

۲؎ کیونکہ تمہاری باتوں میں تناقض ہے کیونکہ کاہن بڑا ذہین اور باریک بین ہوتا ہے، جبکہ مجنون کی عقل پر پردہ پڑا ہوتا ہے۔ شاعر کا کلام وزن والا باہم مربوط بلیغ اور تخیل کا حامل ہوتا ہے، جبکہ مجنون سے تو ایسا کلام واقع نہیں ہوتا۔ کفار مکہ کیونکہ اپنی عقول سے فیصلہ کرتے ہوئے حضور ﷺ کے متعلق یہ کلام کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عقلوں پر عیب لگایا فرمایا کہ یہ تو فطانت اور جنون میں فرق نہیں کر سکتے اور حق و باطل میں امتیاز نہیں کر سکتے۔

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾

"کیا حکم دیتی ہیں انہیں ان کی عقلیں ان (مہمل) باتوں کا یا یہ لوگ ہی سرکش ہیں ۱؎"

۱؎ ام بل کے معنی میں ہے بلکہ یہ عناد میں حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہیں کیونکہ جب یہ قرآن اور نبی ﷺ کے انکار کی کوئی راہ نہیں پاتے کیونکہ ان کی حقانیت کے دلائل واضح ہیں تو ان کے بارے میں ایک اور قول کہتے ہیں جو پہلے قول کے مناقض ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾

"کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی (قرآن) گھڑ لیا ہے درحقیقت یہ بے ایمان ہیں پس گھڑ کر لے آئیں وہ بھی اس جیسی کوئی (روح پرور) بات اگر وہ سچے ہیں ۱؎"

۱؎ بلکہ وہ عناد اور تکبر کی وجہ سے قرآن پر ایمان نہیں رکھتے پس جھوٹ بولتے ہوئے اس قسم کے بہتان لگاتے ہیں اگر تم سچے ہو تو قرآن جیسی بلیغ اور غیب کی خبروں والی کلام لے آؤ کیونکہ ان کے درمیان بے شمار کاہن، مجنون اور شعراء موجود تھے۔ چیلنج کے ذریعے ان کے مذکورہ تینوں اقوال کا رد کیا گیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ صرف ان کے بہتان کا رد ہے کیونکہ تمام اقوال کا فساد ظاہر ہے۔ یہ شرط جزاء سے مستغنی ہے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

"کیا وہ پیدا ہو گئے بغیر کسی (خالق) کے یا خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ ۱؎ کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ (ہرگز نہیں) بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں ۲؎ کیا ان کے قبضہ میں ہیں آپ کے رب کے خزانے یا انہوں نے ہر چیز پر تسلط جما لیا ہے ۳؎"

۱؎ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بغیر ہی یہ پیدا ہو گئے ہیں (۱) جبکہ یہ تو محال ہے کیونکہ ایک حادث چیز جب

۱۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

اس سے پہلے موجود ہی نہ تھی تو موجد کے بغیر اس کے وجود کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا انہیں فضول پیدا کیا گیا ہے نہ انہیں حکم دیا جائے گا اور نہ ہی انہیں کسی چیز سے منع کیا جائے گا۔ ابن کیسان اور زجاج رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کہا ہے یا وہ خود ہی اپنے آپ کے خالق ہیں۔ اس کا باطل ہونا پہلے قول سے بھی زیادہ واضح ہے، یہ جملہ پہلے جملے کی پہلی تاویل کی تائید کرتا ہے اسی وجہ سے اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا۔

۱؎ کہ انہوں نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا بلکہ جس چیز پر یقین رکھنا واجب ہے اس پر یقین نہیں رکھتے۔ اس پر یہ دلیل دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا، آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا اگر وہ اس پر یقین رکھتے تو اس کی عبادت سے اعراض نہ کرتے۔

۲؎ اس کے رزق کے خزانے ان کے قبضہ میں ہوتے تو جسے چاہتے نبوت عطا کر دیتے یا اس کے علم کے خزانے ہوتے تو وہ یہ جان لیتے کہ آپ کے علاوہ نبوت اور حکمت کا کون زیادہ مستحق ہے یا وہ اشیاء پر غلبہ رکھتے ہیں جس طرح چاہتے ہیں ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، وہ امر و نہی کے تابع نہیں۔ قنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مصیطرون کو حفص سے اختلاف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سین کے ساتھ پڑھا ہے۔ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے خلاد سے صاد اور زاء کے درمیان اختلاف کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے صاد کے ساتھ پڑھا ہے۔

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

"کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے (جس پر چڑھ کر) وہ (خفیہ باتیں) سن لیا کرتے ہیں (اگر ایسا ہے) تو لے آئے ان میں سے سننے والا روشن دلیل ۱؎"

۱؎ سلم سے مراد سیڑھی ہے جو آسمان تک پہنچنے والی ہو جس پر چڑھ کر وہ فرشتوں اور علم غیب میں سے جو رسولوں کی طرف وحی کی جاتی ہے اسے سن لیتے ہیں یہاں تک کہ آنے والے واقعات کو جان لیتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حق ہے اس کو جان لیتے ہیں اس لئے اس کے ساتھ مضبوطی سے چمٹ جاتے ہیں اور حضور ﷺ کی اتباع نہیں کرتے اگر وہ اس کا دعویٰ کرتے ہیں تو سننے والے کو لے آئیں جو واضح دلیل کے ساتھ اس کے سننے کی تصدیق کرے۔

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾

"(ظالمو!) کیا اللہ کے لئے تو بیٹیاں اور تمہارے لئے تو بیٹے ۱؎ (اے حبیب!) کیا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں پس وہ چٹی کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں ۲؎"

۱؎ ہ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس طرح کفار کہتے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں، اس کلام میں ان کی بے وقوفی کا ذکر ہے اور اس بات کا شعور دلانا مقصود ہے کہ جس کی یہ رائے ہو اسے عقلاء میں شمار نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ وہ عالم ملکوت کی طرف پرواز کرے اور غیب پر مطلع ہو۔

۲؎ یا احکام پہنچانے اور تبلیغ کرنے پر آپ ان سے اجر طلب کرتے ہیں اور وہ چٹی کے لازم ہونے کی وجہ سے بوجھل ہیں جس وجہ سے وہ آپ کی اتباع نہیں کرتے، جبکہ ایسے اسباب موجود ہیں جو آپ کی اتباع کا تقاضا کرتے ہیں۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ

الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾

"کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے پس وہ لکھتے جاتے ہیں۔1 کیا وہ (رسول خدا سے) کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں تو وہ کافر خود ہی اپنے فریب کا شکار ہو جائیں گے۔2"

1۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا غیب سے مراد لوح محفوظ ہے(1) جس میں غیوبات کو محفوظ کر دیا گیا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے پاس ان چیزوں کا علم ہے جو ان سے غائب ہیں یہاں تک کہ انہیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ حضور ﷺ نے دوبارہ اٹھائے جانے، قیامت، ثواب اور عذاب کے بارے میں جو باتیں کی ہیں سب باطل ہیں واقع ہونے والی نہیں، جبکہ یہ سب فی نفسہ ممکن ہیں اور آپ کی نبوت معجزات کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ان کے قول نتربص به ریب المنون کا جواب ہے۔ یعنی کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے کہ حضور ﷺ ان سے پہلے فوت ہو جائیں گے(2) اور آپ کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ فهم یکتبون کا معنی ہے کہ وہ فیصلہ کرتے ہیں کتاب کا معنی حکم ہے۔ قتیبی نے اسی طرح کہا ہے۔

2۔ وہ آپ کو ہلاک کرنے کی تدبیر کرتے ہیں۔ یہ تدبیر انہوں نے دار الندوہ میں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا　وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ یعنی مکر انہیں گھیر لے گا ان کے مکر کا وبال اور اس کی جزا ان کی طرف پلٹ آئے گی جو دنیا میں بدر کے روز قتل کی صورت میں اور آخرت میں جہنم کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اسم ضمیر کی جگہ اسم موصول ذکر کیا مقصود ان کے کفر پر مہر ثبت کرنا ہے اور اس چیز پر دلالت کرنے کے لئے کہ مذکورہ حکم کا موجب یہی ہے۔

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾

"کیا ان کا کوئی اور خدا ہے اللہ کے سوا پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔1"

1۔ غیر اللہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا، ان کی مدد کرے گا اور انہیں رزق بہم پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے شریک ٹھہرانے اور جن چیزوں کو وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں ان کے شرک سے پاک ہے۔ خلیل نے کہا اس صورت میں اگر ام کا لفظ ہو تو وہ کلمہ استفہام ہوتا ہے جو انکار کا معنی دیتا ہے، یہ عطف کے لئے نہیں ہوتا۔

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾

"اور اگر وہ دیکھ لیں آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا تو یہ (احمق) کہیں گے یہ تو بادل ہے تہہ در تہہ۔1"

1۔ کسفا کا معنی ٹکڑا ہے، یہ کلام ان کے اس قول فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ کا جواب ہے۔ مرکوم، یعنی وہ تہہ در تہہ جمع ہے جس طرح قوم عاد نے جب بادل کو اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے یہ ہم پر بارش برسانے والا بادل ہے، یعنی اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا کر عذاب میں مبتلا کریں تب بھی وہ کفر سے نہیں رکیں گے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے لیکن حکمت اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ ان سب کو ہلاک کر دیا جائے۔

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾

"پس انہیں (یونہی) چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پا لیں جس میں وہ غش کھا کر گر پڑیں گے۔1"

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　2۔ ایضاً

لہ اے محبوب مکرم آپ ان کے عذاب کے بارے میں سوال نہ کریں یہاں تک کہ وہ خود اپنے عذاب کے دن کو پہنچ جائیں۔ عاصم اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے فعل مضارع مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی جس روز اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے گا اس صورت میں یہ اصعق سے مشتق ہے، جبکہ باقی قراء نے یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی یہ معروف کا صیغہ ہے اور صعق سے مشتق ہے، یعنی جس دن وہ مر جائیں گے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یوم سے مراد نفخہ اولیٰ ہے۔ میں کہتا ہوں یہ کوئی تعبیر صحیح نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فذرھم کی غایت ہے۔ یہ غایت اس وقت تک متصور نہیں ہو سکتی جب تک اس کا معنی یوم بموتون نہ لیا جائے۔

يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

"جس روز ان کی فریب کاری ان کے کسی کام نہ آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی لہ اور بے شک ظالموں کے لئے (ایک) عذاب (دنیا میں) اس سے پہلے بھی ہے لیکن ان میں سے اکثر (اس سے) بے خبر ہیں ۲ "

لہ شیئاً، لا یغنی کا مفعول مطلق ہے۔ یوم، لا یغنی یومھم سے بدل ہے، یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

۲ الذین عموم اور خصوص دونوں کا احتمال رکھتا ہے، یعنی سب ظالم یا خاص ظالم یعنی اس دن کے عذاب سے پہلے ان کی موت کے روز عذاب ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد یوم بدر کو ان کا قتل ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد بھوک اور سات سال کا قحط ہے۔ براء بن عازب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عذاب قبر مراد ہے۔ میں کہتا ہوں یہ تعبیر اس وقت درست ہو سکتی ہے جب یومھم الذین فیہ یصعقون سے مراد نفخہ صعق کا دن ہو۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

"اور آپ صبر فرمائیے اپنے رب کے حکم سے پس آپ بلاشبہ ہماری نظروں میں ہیں اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے جبکہ آپ اٹھتے ہیں لہ اور رات کے کسی حصہ میں ان کی تسبیح کیجئے اور اس وقت بھی جب ستارے ڈوب رہے ہوتے ہیں ۲ "

لہ اللہ تعالیٰ انہیں جو مہلت دے رہا ہے اور آپ کو ان کی طرف سے جو مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں اس پر آپ صبر کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کے بارے میں جو عذاب کا فیصلہ کیا ہے اس بارے میں آپ صبر کیجئے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے الک باعیننا کا معنی یہ کیا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں ہم آپ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں اور ہم آپ کی حفاظت کریں گے وہ آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں۔ اعین کو جمع ذکر کیا کیونکہ نا ضمیر جمع کی ہے اور جمع کی ضمیر تعظیم کے لئے ہے یا یہ کہا جائے گا عین کی جمع مبالغہ کے لئے ہے اور حفاظت کے اسباب کے کثرت پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔

سبح کا عطف اصبر پر ہے۔ سعید بن جبیر اور عطاء رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب آپ اپنی مجلس سے اٹھیں تو

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ پڑھیں کیونکہ اگر مجلس خیر پر مبنی تھی تو یہ اس کی خیر میں اضافہ کر دے گی اگر مجلس اس کے علاوہ تھی تو یہ تسبیح اس کا کفارہ بن جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی کسی مجلس میں بیٹھا اور اس میں اس سے کثیر لغزشیں واقع ہوئیں مجلس سے اٹھنے سے پہلے اس نے کہا سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ تو یہ اس کی لغزشوں کا کفارہ بن جائے گا۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے دعوات کبیر میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے (معنی) اس کی مجلس میں جو کچھ ہوا اس کو بخش دیا جائے گا۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کا آخری عمر میں یہ معمول مبارک تھا جب صحابہ کرام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے پھر آپ اٹھنے کا ارادہ کرتے تو آپ کہتے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ (میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں میں تیری حمد بیان کرتا ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں میں تیری بارگاہ سے بخشش کا طلبگار ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ کلمات آپ نے نئے کہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جبرائیل امین علیہ السلام میرے پاس آئے ہیں، اس نے کہا یہ کلمات مجلس کا کفارہ ہیں۔ اسے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے الفاظ یہی ہیں۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے تینوں مجموں میں عمدہ سند کے ساتھ مختصر روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ کلمات ایسے ہیں جو کوئی مجلس خیر اور مجلس ذکر میں انہیں پڑھے گا یہ کلمات اس کے لئے مہر بن جائیں گے جس طرح کوئی آدمی صحیفہ پر مہر کے ساتھ مہر لگاتا ہے وہ کلمات یہ ہیں۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِکَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ اسے ابوداؤد اور ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی قوم کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں نہ اللہ کا ذکر کرے اور نہ ہی اپنے نبی پر درود پڑھے تو وہ مجلس ان کے لئے گناہ ہوگی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں عذاب دے اور اگر چاہے تو انہیں بخش دے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے الفاظ وہی ہیں۔ ابن ابی الدنیا اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ابی داؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں (معنی) جو کوئی کسی مجلس میں بیٹھا اس میں اللہ کا ذکر نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے ناراضگی ہوگی جو کوئی پہلو کے بل لیٹا اس میں اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو یہ اللہ کی ناراضگی کا باعث ہوگا جو کوئی چلتا ہے اس میں اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے ناراضگی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا آیت کا معنی یہ ہے جب تو نیند سے بیدار ہو تو نماز ادا کر۔ ضحاک اور ربیع رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ پڑھ۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ابوسعید سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس حدیث کو ہم صرف حارثہ سے جانتے ہیں۔ ان کے حافظہ کے بارے میں گفتگو کی جاتی ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آیت سے مراد زبانی ذکر ہے جب تم نیند سے بیدار ہو یہاں تک کہ نماز شروع کر دو۔ عاصم بن حمید سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا سے سوال کیا کہ حضور ﷺ جب نیند سے بیدار ہوتے تو کس چیز سے آغاز کرتے؟ فرمایا جب آپ اٹھتے تو دس دفعہ اللہ اکبر کہتے، دس دفعہ الحمد للہ کہتے، دس دفعہ سبحان اللہ کہتے اور دس دفعہ استغفر اللہ کہتے اور یہ بھی کہتے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ وَعَافِنِيْ اے اللہ مجھے بخش دے، مجھے ہدایت عطا فرما، مجھے رزق دے اور مجھے امن وسلامتی سے رکھ اور قیامت کے روز مقام کی تنگی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے شریق ھوزلی سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ جب رات کا حصہ گزر جاتا تو دس دفعہ اللہ اکبر کہتے، دس دفعہ الحمد للہ کہتے، دس دفعہ سبحان اللہ وبحمدہ کہتے، دس دفعہ سبحان الملک القدوس کہتے دس دفعہ استغفر اللہ کہتے دس دفعہ لا الہ الا اللہ کہتے پھر دس دفعہ کہتے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اے اللہ دنیا اور آخرت کی تنگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

؎ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مغرب اور عشاء کی نماز ادا کرو۔ میں کہتا ہوں ظاہر تو یہ ہے کہ اس سے مراد ہے کہ تہجد کی نماز ادا کرو، رات کی نماز کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ رات کی عبادت نفس پر بڑی شاق گزرتی ہے اور ریاء سے بہت دور ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ظرف کو فعل پر مقدم کیا ہے۔ اسی طرح جب ستارے صبح کے طلوع ہونے کے ساتھ غائب ہو جائیں تو نماز پڑھو۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد فجر کی نماز ہے اکثر مفسرین کی رائے ہے۔ یہ فجر کی فرض نماز سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فجر کی یہ دو رکعتیں دنیا وما فیہا سے بہتر ہیں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے، انہیں سے مروی ہے کہ آپ فجر کی دو رکعتوں سے بڑھ کر کسی نماز کا اہتمام نہ فرماتے متفق علیہ۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ میں نے مغرب کی نماز میں حضور ﷺ کو سورۃ طور پڑھتے ہوئے سنا۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

سورۃ النجم

اٰیاتھا ۶۲ — سُوْرَۃُ النَّجْمِ مَکِّیَّۃٌ ۵۳ — رکوعاتھا ۳

سورۃ النجم مکی ہے، اس میں باسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿۱﴾

"قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا"۔

والبی اور عوفی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہاں نجم سے مراد ثریا ہے، یعنی جب وہ نیچے آئے۔ اس کے نیچے آنے سے مراد اس کا غائب ہونا ہے۔ عرب ثریا کو نجم کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ زمین پر جو بھی آفت آتی ہے ثریا کے طلوع ہونے سے اٹھالی جاتی ہے۔ حدیث میں نجم سے ثریا مراد لیا ہے۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے(1) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے: مَاطَلَعَ نَجْمٌ صَبَاحًاقَطُّ وَبِقَوْمٍ عَاهَةٌ اِلَّا رُفِعَتْ عَنْهُمْ اَوْ خَفَّتْ صبح کے وقت ثریا طلوع نہیں ہوتا، جبکہ کوئی آفت موجود ہو مگر لوگوں سے اسے اٹھالیا جاتا ہے یا اس میں تخفیف کردی جاتی ہے(2) اس کی سند ضعیف ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نجم سے مراد تمام ستارے ہیں جب وہ غروب ہوں، اس میں الف لام جنسی ہے۔ کواکب کو نجم کہتے ہیں کیونکہ وہ طلوع ہوتے ہیں پس ہر طلوع ہونے والی چیز کو نجم کہتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے نجم السن دانت نکلا اسی طرح قرآن اور سنت کی طرف بھی اس کی نسبت کی جاتی ہے(3)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہاں اس سے مراد ستاروں میں سے وہ چیزیں ہیں جن کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے، یعنی وہ شیطان جو چوری چھپے آسمان سے باتیں سننا چاہتے ہیں انہیں جس سے مارا جاتا ہے۔ ابو حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ ستارے مراد ہیں جو قیامت کے روز ٹوٹ کر بکھر جائیں گے(4)۔ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہاں نجم سے مراد قرآن ہے، اسے نجم اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ تئیس سالوں میں متفرق طور پر نازل ہوا ہے۔ تفریق کو تنجیم اور مانگ کو نجم بھی کہتے ہیں۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ھوی سے مراد بلندی سے پستی کی طرف آنا ہے۔ اخفش نے کہا نجم ایسی جڑی بوٹی کو کہتے ہیں جس کا تنا نہیں ہوتا، یہی معنی اس آیت کریمہ میں ہے وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ اس کے ھوی سے مراد اس کا زمین پر گرنا ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا نجم سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے جب آپ معراج کی رات آسمان سے نیچے آئے ھوی سے مراد اترنا ہے(5)۔ ایک قول یہ کیا گیا نجم سے مراد مسلمان ہے ھوی سے مراد اس کا قبر میں دفنانا ہے۔ ظرف کو مقدر فعل قسم کے متعلق کرنا صحیح نہیں کیونکہ قسم اس وقت کی طرف متعدی نہیں ہوتی اور نہ ہی ظرف کو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 241 (الفکر) 2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 388 (صادر) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 241 (الفکر)

4۔ ایضاً، صفحہ 242 5۔ ایضاً، صفحہ 242

نجم کی صفت بنانا جائز ہے کیونکہ نجم ایک جثہ ہے اور ظرف زمان جثہ کی صفت نہیں بنتا بلکہ یہ مقدر معنی حدثی کے متعلق ہوتا ہے جو نجم کی طرف مضاف ہوتا ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی وتحرک النجم اذا هوی۔

ایک قول یہ کیا گیا یہاں اذا اسم ہے، یہ ظرف نہیں ہے۔ یہ اس نجم سے بدل اشتمال ہے جس کے ساتھ قسم اٹھائی گئی ہے۔ قسم کے لئے اس وقت کی تعیین کی وجہ یہ ہے کہ ستارے کے اوقات میں سے افضل ترین وقت وہ ہے جب وہ نیچے آئے کیونکہ اگر نجم سے مراد ثریا ہو یا مطلق ستارہ ہو اس کے هوی سے مراد اس کے شعلہ کا نیچے آنا ہو مقصود شیاطین کو رجم کرنا ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ستاروں کی تخلیق کا ایک مقصد شیطان کو رجم کرنا بھی ہے۔ اگر اس سے مراد قیامت کے روز ان کا بکھرنا ہے تو یہ اس کے مقاصد کی تکمیل کا وقت ہے جو ستاروں کی پیدائش کا مقصود تھا۔ اگر هوی سے مراد اس کا غروب ہونا ہو تو ستارے کا غروب ہونا اس کے ممکن ہونے اور صانع کے موجود ہونے پر واضح ترین دلیل ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ستاروں، چاند اور سورج کے غروب ہونے سے استدلال کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ جب وہ غروب ہوا تو کہا میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اگر اس سے مراد قرآن کی آیت ہے اس کے هوی سے مراد اس کا نازل ہونا ہے یا نجم سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہو آپ کے هوی سے مراد معراج کی رات آپ کا آسمان سے اترنا ہو تو اس میں تو کوئی شک نہیں کہ قرآن کا نزول لوگوں کی ہدایت کے لئے ہو اور حضور ﷺ کا معراج کے بعد نزول مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے ہے تو یہ اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں جن کی کوئی مثال نہیں۔ اگر نجم سے مراد مسلمان لیا جائے اور هوی سے مراد اس کا قبر میں وفنا لیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان کو ایمان کی حالت میں دفن کرنا، جبکہ وہ نفس اور شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے محفوظ ہوا ایمان اور عمل صالح کی نعمت سے مالا مال ہو یہ اس کے کمال کا وقت ہے اور زوال کا جو اندیشہ تھا اس کے زائل ہونے کا وقت ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی ۚ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ؕ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی ۙ﴿۴﴾

"تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا[1] اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے[2]۔"

[1] صاحب سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے، یعنی وہ صراط مستقیم سے گمراہ نہیں ہوئے اور باطل راستہ کی اتباع کی وجہ سے نہیں بھٹکے۔ ایک قول یہ کیا گیا ضلال ہدایت کی ضد ہے، اور غی رشد کی ضد ہے یعنی وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اے قریش وہ ایسے نہیں جس طرح تم خیال کرتے ہو اور انہیں گمراہ اور بھٹکا ہوا کہتے ہو۔

[2] وہ قرآن اور کسی دوسری کلام کو خواہش نفس سے ادا نہیں کرتے۔ اس کا عطف ضل فعل پر ہے۔ عَنِ الْهَوٰی مصدر محذوف کی صفت ہے، تقدیر کلام یہ ہے نُطْقًا نَاشِئًا عَنِ الْهَوٰی مراد یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو اپنی طرف سے پیش نہیں کیا جس طرح شعراء اپنی طرف سے اشعار کہتے ہیں۔ اسی طرح جو کلام بھی وہ کرتے ہیں وہ خواہش نفسانی کے طور پر نہیں کرتے بلکہ وہ وحی جلی یا وحی خفی کی طرف منسوب ہوتا ہے اگر وہ اجتہاد بھی ہو تب بھی وہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی وضاحت کرنے والے ہوتے ہیں، یہ خواہش نفس سے کسی صورت میں نہیں ہوتا۔

۲ ضمیر قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے جو ذہنوں میں متعین ہے اور سابقہ کلام اس پر دلالت کر رہی ہے۔ اس آیت میں ایسی کوئی چیز نہیں جو یہ دلالت کرے کہ حضور ﷺ اجتہاد سے کلام نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ کلام مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کی علت بیان کر رہی ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝

"انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے نے ۱ بڑے دانا نے پھر اس نے (بلندیوں کا) قصد کیا ۲ اور وہ سب سے اونچے کنارے پر تھا ۳"

۱ ہ ضمیر سے حضور ﷺ کی ذات مراد ہے۔ یہ علم کا مفعول اول ہے قرآن حکیم اور اس کے علاوہ جو چیز آپ کی طرف وحی کی گئی وہ اس کا مفعول ثانی ہے اس حیثیت سے کہ یہ کلام تام کا نام ہے جو مفعول ثانی اور ثالث کے قائم مقام ہے، اس کا فاعل شَدِيْدُ الْقُوٰى ہے۔ قوی قوت کی جمع ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو قوی اور متین ہے۔

۲ مرہ کا معنی قوت، شدت اور مضبوط کرنا ہے اللہ تعالیٰ سخت پکڑ والا ہے ہر شئے کی اصل کو مضبوط کرتا ہے۔ علمه والا جملہ اور جو جملے اس کے معطوف ہیں سب اس پوشیدہ ضمیر سے حال ہیں جو یوحی میں پوشیدہ ہے یا صفت کے بعد صفت ہیں۔ استوی کا عطف علمه پر ہے۔ استواء متشابہات میں سے ہے۔ علماء سلف نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کے بارے میں فرمایا استواء معلوم ہے مگر اس کی کوئی کیفیت نہیں۔ سہیل بن عبد اللہ تستری نے کہا کسی مومن کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ یہ کہے کہ اس کا استوی کیسا ہے جس نے استواء کو پیدا کیا ہم پر لازم ہے کہ ہم اس پر راضی ہوں اور اسے تسلیم کریں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کیف سمجھ میں نہیں آسکتا، جبکہ استواء مجہول نہیں، اس کے بارے میں پوچھنا بدعت ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حبیب نبی کریم ﷺ کو تعلیم دی تو اللہ تعالیٰ کی حضور ﷺ کے ساتھ نسبت مجہول الکیفیۃ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی عرش اور کعبہ کی طرف نسبت کی کیفیت مجہول ہے۔ یہ نسبت صوفیاء کرام کے لئے ظاہر ہوتی ہے اور کامل ترین صورت میں اس وقت ظاہر ہوگی جس روز وہ اپنے رب کا یوں دیدار کریں گے جیسے وہ چودھویں کے چاند کا دیدار کرتے ہیں۔

۳ ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے، یعنی جب آپ کی طرف وحی کی جارہی تھی تو اس وقت وہ استعداد کی رفعت اور علو مرتبت میں درجہ کمال پر فائز تھے۔ افق سے مراد وہ طرف ہے جو دائرہ امکان کے منتہی پر واقع ہے اس سے آگے وجوب کا دائرہ شروع ہوتا ہے جہاں سالک کے لئے سیر قدمی (قدم رکھنے) کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ جملہ علمه کی ضمیر منصوب سے حال ہے۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝

"پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا ۱ یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی ۲"

۱ یہاں دو مضاف مقدر ہیں، تقدیر کلام یوں ہے كَانَ مِقْدَارُ قُرْبِهٖ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى دنی والا جملہ علمه پر معطوف ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم نے قصہ معراج میں شریک بن عبد اللہ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جبار رب العزت قریب ہوا مزید قریب ہوا یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ سے دو قوسوں یا اس سے بھی زیادہ قریب آگیا (1)۔ شیخ محمد حیات سندھی نے اپنے رسالہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 243 (الفکر)

میں کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جسے ابو سلمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یہاں لفظ اَوْ شک کے لئے نہیں بلکہ یہ بل کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ یعنی بل یزیدون ہم نے ان کی طرف ایک لاکھ بلکہ اس سے زیادہ بھیجے۔

صوفیاء نے فرمایا یہاں قَوْسَيْنِ سے مراد ایک وجوب کی قوس ہے اور دوسری امکان کی قوس ہے۔ صوفی ایسے مرتبہ میں ہوتا ہے جس کا قرب قَابَ قَوْسَيْنِ ہوتا ہے وہ وجوب اور امکان دونوں مراتب کو دیکھتا ہے۔ جب وہ ادنی من قوسین کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے تو اس سے امکان کا قوس مطلقاً پوشیدہ ہو جاتا ہے وہ اپنی ذات اور اس کا اثر تک نہیں دیکھتا۔ قاب، قیبہ، قاد اور قید یہ مقدار سے عبارت ہیں۔ یہاں اس سے مراد قرب کا کمال ہے، اس کی اصل یہ ہے کہ عربوں میں دو حلیف جب معاہدہ کا ارادہ کرتے، اپنی کمانیں نکالتے دونوں کو ملا دیتے، اس سے یہ ارادہ کرتے کہ ہم ایک دوسرے کے مددگار ہیں ان میں سے ہر ایک دوسرے کی حمایت کرے گا۔ دَنَا، تدلّٰی اور جنہیں قَابَ قَوْسَيْنِ اور اَدْنٰى سے تعبیر کیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ سے قرب کے درجات ہیں جسے صوفی ہی جانتا ہے جو یہ ذوق ہی نہیں رکھتا وہ کیا جانے۔ صوفیاء نے کتب تصوف میں ان درجات کا ذکر کیا ہے جو حد و شمار سے زیادہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے اور سجدہ کرنے کے لئے جھکے(1) اگر یہ معنی کیا جائے تو انتشار ضمائر لازم آتا ہے۔

عَبْدِهٖ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ مَآ اَوْحٰى سے مراد قرآن حکیم اور اس کے علاوہ دوسری وحی ہے جو وحی غیر متلو کہلاتی ہے۔ اَوْحٰى، عَبْدِهٖ اور اَوْحٰى کی ضمیریں شَدِيْدُ الْقُوٰى کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ یہ تفسیر حضرت انس، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے اسلاف سے مروی ہے عربی زبان کے قواعد کے اعتبار سے اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے اس کو اکثر مفسرین نے پسند فرمایا کہ شَدِيْدُ الْقُوٰى سے مراد حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں ذو مرۃ کا معنی اچھے منظر والا کیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی طویل اور حسین ہے۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے استواء کیا، جبکہ حضور ﷺ افق مبین پر تھے(2) ھو ضمیر کا عطف استوی میں ضمیر مستتر پر ہے جس طرح کوفیوں کا نقطہ نظر ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا معراج کی رات حضور ﷺ اور جبرئیل امین نے استواء فرمایا(3) ایک قول یہ کیا گیا ھو ضمیر جبرئیل امین کی طرف راجع ہے۔ حضرت جبرئیل امین حضور ﷺ کی خدمت میں انسانی شکل میں آتے تھے جس طرح دوسرے انبیاء کے پاس انسانی شکل میں آتے تھے۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کہ وہ اپنا آپ اس حالت میں دکھائیں جس حالت میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ جبرئیل امین نے اپنا آپ دو دفعہ زمین پر اور ایک دفعہ آسمان میں دکھایا۔ زمین میں دیدار افق اعلیٰ میں ہوا یہاں افق اعلیٰ سے مراد مشرق کی جانب ہے یہ اس وقت ہوا جب حضور ﷺ غار حرا میں تھے تو جبرئیل امین مشرق کی جانب سے ظاہر ہوئے تو مغرب تک افق کو گھیر لیا، حضور ﷺ بے ہوش ہو کر زمین پر آ رہے تھے تو جبرئیل امین آدمی کی صورت میں ظاہر ہوئے حضور ﷺ کو اپنے سینے سے لگایا اور آپ کے چہرے سے غبار صاف کرتے رہے۔ جہاں تک آسمان میں جبرئیل امین کے دیکھنے کا تعلق ہے یہ معراج کی رات سدرۃ المنتھی کے پاس ہوا۔ اس صورت میں حضور ﷺ کے علاوہ کسی نبی نے بھی آپ کو نہیں دیکھا زمین کے افق اعلیٰ پر استواء کے بعد جبرئیل امین قریب ہوئے۔ جب رسول اللہ ﷺ پر غشی طاری ہوئی تو جبرئیل امین حضور ﷺ کی طرف

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 243 (الفکر) 2۔ ایضاً، صفحہ 242 3۔ ایضاً

اترے تو اس وقت آپ ﷺ قَابَ قَوْسَيْنِ کے مقام پر تھے یا اس سے بھی زیادہ قریب تھے۔ قوس اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ تیر پھینکا جاتا ہے۔ یہ مجاہد، عکرمہ اور عطاء رحمہما اللہ تعالیٰ کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت جبرئیل اور حضور ﷺ کے درمیان دو قوسوں کا فاصلہ تھا۔ یہ بھی کہا اس کا معنی یہ ہے کہ چلّا سے کمان تک جو فاصلہ ہوتا ہے وہ مراد ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا قَابَ قَوْسَيْنِ سے مراد یہ ہے کہ دو ہاتھ کے برابر فاصلہ تھا(1) یہ سعید بن جبیر اور شفیق بن سلمہ کا قول تھا قوس ذراع (گز) کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ماپا جاتا ہے(2)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے معنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہی روایت کیا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن اور حضرت قتادہ نے کہا ہے ایک قول یہ کیا گیا کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام اس طرح ہے ثُمَّ تَدَلّٰى فَدَنٰى کیونکہ تدلی (اترنا) قریب ہونے کا سبب ہے(3) ظاہر بات یہ ہے کہ دنو تدلی سے مطلق اعم ہے کیونکہ دنو اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ کوئی چیز مسافت کی انتہا تک پہنچے جس کو وہ طے کرنے کا ارادہ رکھتا تھا جبکہ تدلی کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ یہ دلو سے ماخوذ ہے کیونکہ تدلی کا معنی یہ ہے کہ ڈول کنویں کی گہرائی تک پہنچ گیا۔ تدلی میں یہ بھی اعتبار کیا جاتا ہے کہ انتہا تک پہنچا جائے ساتھ ہی ساتھ ابتداء کے ساتھ تعلق باقی رہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: اَدْلٰى رِجْلَهٗ مِنَ السَّرِيْرِ اس نے اپنا پاؤں چار پائی سے نیچے لٹکایا ادلی دلوہ اس نے اپنا ڈول لٹکایا دوالی معلق پھل کو کہتے ہیں۔ تو جبرئیل امین نے اللہ کے بندے کی طرف وحی کی اور جو اللہ نے ان کی طرف وحی کی اس تاویل کا عربی زبان کے قواعد اور عقل کئی وجوہ سے انکار کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جبرئیل امین کا قصہ ایک حال کی حکایت ہے جبکہ کلام اس میں ہو رہی ہے کہ قرآن ان چیزوں میں سے نہیں ہے جسے حضور ﷺ اپنی طرف سے کہتے ہیں بلکہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا گیا ہے شَدِيْدُ الْقُوٰى والا جملہ اور وہ جملے جو اس پر معطوف ہیں یعنی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى تک اس پوشیدہ ضمیر سے حال ہیں جو الا وحی یوحی میں ہے حال اور ذو الحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے کلام کا مقتضی یہ ہوگا کہ جب بھی قرآن حکیم میں سے کوئی چیز وحی کی جائے یہ قصہ واقع ہو ورنہ اس کا حال بننا صحیح نہ ہوگا یا یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ تمام کا تمام قرآن اسی طرح ہے دوسری وجہ یہ ہے اس صورت میں اس قول میں انتشار ضمائر لازم آئے گا فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى، عَبْدِهٖ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے اس کا قرینہ یہ ہے کہ اوحی کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جبرئیل امین سے دنو اور تدلی کا متحقق ہونا اور قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کے مقام پر فائز ہونا حضور ﷺ کا کوئی کمال نہیں بنتا کیونکہ حضور ﷺ جبرئیل امین سے افضل ہیں کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے آسمان میں میرے دو وزیر حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہم السلام ہیں۔ دوسری تاویل کی دلیل یہ ہے کہ فعل دنی، تدلی اور استوی کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا حقیقت سے بہت بعید ہے جب قرآن حکیم وضاحت کرتا ہے کہ اس میں محکم آیات ہیں جو ام الکتاب ہیں اور کچھ متشابہات ہیں اس لئے بعید از قیاس تاویل کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی استواء، دنو، تدلی اور قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى یہ سب بلا کیف ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان تنزیہ کے لائق ہے تاہم دل والوں کے لئے اس طرح مشہور ہے جس طرح چودھویں کی رات کو چاند دیکھا جاتا ہے ان اقوال میں سے مناسب ترین قول پہلا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 243 (الفکر)　2۔ ایضاً صفحہ 244　3۔ ایضاً صفحہ 243

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى سے مراد یہ ہے کہ آپ کی طرف یہ وحی کی گئی اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰى سے تا وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس وحی سے یہ وحی مراد تھی کہ جنت اس وقت تک انبیاء پر حرام ہو گی جب تک آپ اس میں داخل نہ ہوں گے اور امتوں پر حرام ہوگی جب تک آپ کی امت اس میں داخل نہ ہوگی(1) ظاہر یہ ہے کہ مَاۤ اَوْحٰى عام ہے اس کو خاص کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾

"نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ) نے لے"

لے فواد سے مراد حضور ﷺ کا دل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا حضور ﷺ نے جبرئیل امین کو دیکھا جن کے چھ سو پر تھے(2)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے لئے دیدار الٰہی کا انکار کیا ہے۔ یہی روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مسروق سے نقل کی ہے میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی اے ماں کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جو کچھ تو نے کہا ہے اس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس نے یہ تین باتیں کہیں اس نے جھوٹ بولا (1) جو تجھے یہ بتائے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا اس نے جھوٹ بولا پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت تلاوت کی لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ٘ وَ هُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ٘ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ کسی بشر کو زیبا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کلام کرے مگر اس طرح کہ اس کی طرف وحی کی جائے یا حجاب کے پیچھے سے (2) جو تجھے یہ بتائے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا وہ جھوٹ بولتا ہے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا (3) اور جو آدمی تمہیں یہ بتائے کہ حضور ﷺ نے وحی میں سے کچھ چھپایا ہے اس نے جھوٹ بولا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ بلکہ حضور ﷺ نے دو دفعہ جبرئیل امین کو ان کی اصل صورت میں دیکھا تھا(3)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آیت مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى اور وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى سے مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ نے دل سے دو دفعہ اپنے رب کا دیدار کیا(4) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ٘ وَ هُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس یہ تو اس وقت ہوگا جب وہ اپنے نور خاص سے تجلی فرمائے گا حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار دو دفعہ کیا ہے(5)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے(6) تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے دل سے اس کا دیدار کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصری اور عکرمہ نے کہا حضور ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کا دیدار کیا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 244 (الفکر)　2۔ ایضاً　3۔ صحیح بخاری، جلد 4، صفحہ 1840 (ابن کثیر)
4۔ تفسیر بغوی جلد 5، صفحہ 244 (الفکر)　5۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی: 3279، جلد 9، صفحہ 137 (الفکر)
6۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 28 (الامیریہ)

تعالیٰ نے خلت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منتخب کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے لئے منتخب کیا اور حضور ﷺ کو دیدار کے لئے منتخب کیا (1)۔ امام ترمذی نے امام شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا اللہ تعالیٰ نے کلام اور رویت کو تقسیم فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو دفعہ کلام کیا اور حضور ﷺ نے دو دفعہ دیدار کیا (2)۔

میں کہتا ہوں وہ رویت جس میں اختلاف ہے یا تو وہ آنکھ سے رویت ہے یا دل سے رویت ہے جسے مشاہدہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دل کی رویت تو حضور ﷺ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس سے آپ کی امت کے علماء بھی شرف یاب ہوئے۔ بعض اولیاء نے تو آنکھ سے دیدار کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ یہ دعویٰ حضور ﷺ کے علاوہ میں اجماع کے خلاف ہے، یہ دعویٰ اشتباہ پر مبنی ہے اشتباہ کی دلیل یہ ہے کہ صوفی بعض اوقات اپنے دل سے اپنے رب کا دیدار کرتا ہے، جبکہ وہ بیدار ہوتا ہے، اس کی آنکھ کام کرنا چھوڑ چکی ہوتی ہے لیکن حال کے غلبہ کی وجہ سے وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ آنکھوں سے دیدار کر رہا ہے، جبکہ وہ دل سے دیکھ رہا ہوتا ہے اور اس کی آنکھ معطل ہوتی ہے۔ جہاں تک حضور ﷺ کے فرمان کا تعلق ہے روایۃ بعلواذی اگر یہ ثابت بھی ہو جائے تو یہ آنکھ سے دیکھنے کی نفی پر دلالت نہیں کرتا مگر اسی صورت میں کہ مفہوم مخالف (ا) کا اعتبار کیا جائے۔ میں کہتا ہوں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ایک امر کی نفی پر شہادت ہے، جبکہ امر کو ثابت کرنے پر جو شہادت ہوتی ہے وہ راجح ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رویت کی نفی پر جو استدلال کیا ہے اس کا ضعف مخفی نہیں جہاں تک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے لا یدرکه الابصار ہم سورۂ انعام میں اس کی تفسیر بیان کر چکے ہیں کہ درک رویت سے اخص ہے۔ درک کی نفی سے رویت کی نفی لازم نہیں آتی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۚ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا ہم تو پکڑے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہرگز نہیں بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے نیز آیت کے مفہوم میں عموم درک (ب) کا سلب (نفی) ہے سلب درک (ج) کا عموم مراد نہیں۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ یہ حجاب کی صورت میں وحی اور بغیر حجاب میں متردد ہے اس لئے اس سے استدلال کرنا درست نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ فرمایا وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں (3) بعض روایات میں لفظ یوں ہے نورانی جو نور سے اسم منسوب ہے میں اسے دیکھتا ہوں۔ دوسری روایت کی صورت میں رویت باری تعالیٰ ثابت ہوتی ہے۔ پہلی روایت کی صورت میں حدیث رویت کی نفی میں صریح نہیں۔ میں کہتا ہوں جب حضور ﷺ کے لئے اپنے رب کا دیدار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کعب الاحبار کی روایت سے ثابت ہو گیا تب بھی آپ میں رویت سے مراد دل کی آنکھوں سے دیدار ہو گا کیونکہ ہر وحی کے وقت یہی صورت تصور کی جا سکتی ہے نہ کہ آنکھوں سے رویت کیونکہ وہ صرف معراج کی رات کے ساتھ خاص ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 245 (الفکر)
2۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 136 (الفکر)
3۔ صحیح مسلم: 291، جلد 3، صفحہ 12 (العلمیہ)
(ا) جب دل سے دیدار کا ثبوت ہوا تو آنکھوں سے دیدار کی نفی ہو گی، مترجم۔
(ب) تمام لوگ ادراک نہیں کریں گے۔
(ج) کوئی بھی ادراک نہیں کرے گا۔

ابوجعفر اور ہشام رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابی عباس رحمۃ اللہ علیہ سے ذال کی تشدید کے ساتھ تکذیب سے پڑھا ہے، یعنی حضور ﷺ نے اس کی تکذیب نہیں کی جو ان کی آنکھوں نے دیکھا یا ان کی دل کی آنکھوں نے دیکھا بلکہ دل نے اس کی تصدیق کی اس پر یقین کیا اور اس کو حق جانا کیونکہ امور قدسیہ کا ادراک پہلے دل سے ہوتا ہے پھر اس سے یہ بصر (آنکھ کا نور) اور بصیرت کی طرف منتقل ہوتا ہے اگر آنکھ سے رویت اسی طرح ہو جس طرح دل سے ادراک ہوا تھا تو دل اس کی تصدیق کر دیتا ہے اگر اس کے بصر اور بصیرت میں دل کے ادراک کے مقابل میں فرق ہو اور اس کی رویت دل کے ادراک کے خلاف ہو تو دل اس کی تکذیب کرتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو علوم حقہ (جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں) اور خیالات وہمیہ (جو شیطان کی طرف سے القاء کئے جاتے ہیں) میں فرق کرتی ہے کیونکہ صوفی پر کبھی کبھی علوم، الہامات اور قدسی مکاشفات (جو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضان کئے جاتے ہیں) وہم، خیال اور شیطان کی طرف سے القاء کردہ آرزوؤں کے ساتھ خلط ملط ہو جاتے ہیں۔ ان میں فرق کرنے کی صورت یہ ہے کہ صوفی اپنے دل کی طرف متوجہ ہو اگر اس کا دل اس کی تصدیق کرے اور اس سے مطمئن ہو جائے اور دل میں یقین کی ٹھنڈک پائے تو وہ یقین کرلے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اگر اس کا دل اس کی تکذیب کرے اور اضطراب کا شکار ہو جائے اور اس کا انکار کردے تو یہ جان لے کہ یہ شیطان اور نفس کی طرف سے ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے جب تیرے دل میں کوئی چیز آئے تو اسے جھٹک دے(1) (جو اضطراب پیدا کرے) یا حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے اپنے دل سے فتویٰ طلب کرو اگرچہ مفتی تمہیں فتویٰ دیں جمہور قراء نے کذب کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ کذب متعدی بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس نے دوسرے کے لئے جھوٹ بولا اب اس کا معنی یہ ہوگا دل نے حضور ﷺ کے لئے اس چیز میں جھوٹ نہیں بولا جو حضور ﷺ کی آنکھ نے دیکھا تھا، یعنی جو حقیقت تھی وہی خبر دی۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ تصدیق قلبی دل کی رویت سے کوئی مختلف چیز ہے۔

ہم کہتے ہیں بات اسی طرح ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ مومن کا دل معیت ذاتیہ (جو کسی کیفیت سے متکیف نہیں) کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا ادراک کرتا ہے جو اس محبت ذاتیہ پر مرتب ہوتی ہے جس محبت کی کوئی کیفیت نہیں وہ اسے آنکھ سے نہیں دیکھتا بلکہ آنکھ سے رویت صرف ظلال (سایہ) تک محدود ہے، دل تو ممکنات کی ذاتوں کو بھی نہیں دیکھتا کیونکہ اذھان میں جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ اشیاء کے اشباہ اور ظلال ہیں وہ ان کی ذاتیں نہیں ہوتیں جن چیزوں کو دیکھا جاتا ہے وہ قوہ باصرہ (آنکھ) کے ذریعے ہی دیکھا جاتا ہے۔ مومنین کے لئے آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار آنکھ کے ذریعے ہوگا لیکن یہ چیز دنیا میں نہ ہوگی مگر حضور ﷺ کے دیدار الٰہی کے بارے میں جو اختلاف تھا وہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ادراک یہ دل کے ساتھ خاص ہے آنکھ کا اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ آنکھیں دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کر سکتیں جہاں تک دل سے رویت کا تعلق ہے خواہ وہ بصر کے واسطہ سے ہو یا بغیر واسطہ کے اس میں وہم کے خلط ملط کرنے، شیطان کی تلبیس، آنکھ کی کجی حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے غلطی کا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک ادراک بسیط کا تعلق ہوتا ہے اس میں ان مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اسی لئے اس سے حق کے بارے میں اطمینان اور اس کی تصدیق باطل کا انکار اور اس کی تکذیب ثابت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ حقیقت حال سے بخوبی واقف ہے۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا یَرٰى ﴿۱۲﴾ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 256 (صادر)

"کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا[1] اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا[2]"

[1] اَفَتُمٰرُوْنَهٗ کا عطف کلام محذوف پر ہے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اَفَتَمْرُوْنَ مجرد سے تَدْعُوْنَهٗ کے وزن پر پڑھا ہے جس کا معنی تم جھگڑے میں غالب آتے ہو، یہ جملہ یوں بولا جاتا ہے ماریته فمریته، یعنی میں نے اس سے جھگڑا کیا اور جھگڑے میں غالب آ گیا اس وجہ سے تقدیر کلام یوں ہوگی اَتُمَارُوْنَهٗ فَتَمْرُوْنَهٗ یہاں فعل کو علی حرف جار سے متعدی کیا گیا ہے کیونکہ فعل میں غلبہ کا معنی پایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ تمرون کا معنی ہے تم انکار کرتے ہو کہا جاتا ہے مریت الرجل حقه، یعنی میں نے اس کے حق کا انکار کر دیا۔ معنی یہ ہوگا کیا تم حضرت محمد ﷺ سے جھگڑتے ہو جو کچھ آپ دیکھتے ہیں تم ان کے سچا ہونے سے انکار کرتے ہو۔ اس صورت میں علی کے ساتھ متعدی اس لئے کیا گیا ہے کہ فعل میں غلبہ کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ جھگڑا کرنے والا اور انکار کرنے والا اپنے خصم پر غلبہ پانا چاہتا ہے۔

جمہور قراء نے افتمارونه کو مراء سے پڑھا ہے جس کا معنی جھگڑنا ہے۔ یہ مری الناقة سے مشتق ہے، یعنی اس نے اونٹنی کا دودھ نکالا کیونکہ دونوں جھگڑنے والے اس چیز کو دوسرے ساتھی سے نکلوانا چاہتے ہیں جو اس کے پاس موجود ہوتی ہے اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی تم حضور ﷺ کے ارشاد کا انکار کرتے ہو اور جس کا وہ دیدار کرتے ہیں تم اس میں شک کرتے ہو یہاں استفہام توبیخ اور انکار کے لئے ہے۔ معنی یہ ہوگا حضور ﷺ جس چیز کی رویت کا دعویٰ کرتے ہیں ان کا انکار اور اس کے بارے میں جھگڑا زیب نہیں دیتا یہاں حال ماضی کو حاضر کرنے کے لئے مضارع کا صیغہ ذکر کیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں اس آدمی کو شرمندہ کرنے کا ارادہ کیا جائے جو ہر اس چیز کا انکار کر دے جس کی رویت حضور ﷺ کو زمانہ حال یا زمانہ آئندہ میں نصیب ہو۔

[2] ہ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یعنی حضور ﷺ نے رب العالمین کو دیکھا یا جبرئیل امین کو اس صورت میں دیکھا جس صورت میں انہیں پیدا کیا گیا جس طرح علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ نزلة یہ نزول سے فعلة کے وزن پر ہے جس طرح جلوس سے جلسة کا کلمہ ہوتا ہے۔ یہ راہ کی ظرف کے طور پر منصوب ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی وقت نزلة اخری یا یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی نَازِلًا نَزْلَةً اُخْرٰی نزلة کا لفظ ذکر کرنے میں یہ شعور دلانا مقصود ہے کہ اس دفعہ بھی رویت نزول اور دنو کی صورت میں ہوئی کیونکہ بشر جو ممکنات میں سے ہے اس کا واجب کا دیدار کرنا اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب بشر افق اعلیٰ اور امکان کے درجات میں سے درجہ انس پر فائز ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ تنزیہ کے مراتب سے تشبیہ کے درجات میں سے کسی درجہ کی طرف نزول فرمائے تو پھر اسے ظلال یا صفات کے حجاب کے پیچھے سے دیکھا جا سکے۔ میری اس گفتگو سے تیرے گمان میں یہ بات نہیں آنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی نیا امر واقع ہوا ہے کیونکہ وہ ذات کسی نئی حالت کے واقع ہونے سے بہت ہی بلند ہے بلکہ یہ نزول و عروج سب مرتبہ علم میں ہیں جو آئینہ دل کی صفائی سے ظاہر ہوتے ہیں جو اس کے لئے جلوہ گاہ بنتا ہے۔ اس قسم کی بحث سورۂ بقرہ میں آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ کی تفسیر کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

اُخری کا لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ رویت متعدد دفعہ ہوئی تاہم یہ دو دفعہ میں محصور ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ حضرت ابن عباس اور کعب الاحبار سے جو روایت کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دو دفعہ دیدار کیا یہ اس کم سے کم مقدار کا ذکر ہے جس میں تعدد متحقق ہوتا ہے۔ یہ آیت اس امر کی حکایت کرتی ہے کہ حضور ﷺ کو معراج کی رات اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾

"سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ۱؎"

۱؎ ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباس اور کعب الاحبار سے جو مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار اپنی آنکھوں سے کیا (1) وہ یہی روایت ہے۔ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، یراہ کے متعلق ہے۔ سدر کی منتہی کی طرف اضافت موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے جس طرح جانب الغرب اور مسجد الجامع ہے۔ کوفیوں نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ بصریوں کے نزدیک اس کی تاویل یہ ہے سدرۃ المکان المنتھی انہوں نے منتھی کو سدرۃ کی صفت بنایا ہے کیونکہ زمین سے جو چیز عروج کرتی ہے یہاں آ کر رک جاتی ہے یہاں سے فرشتوں سے اسے لے لیا جاتا ہے اس کے اوپر سے جو چیز آتی ہے یہاں سے اسے لے لیا جاتا ہے یہاں آ کر مخلوقات کا علم ختم ہو جاتا ہے اس سے جو آگے ہے وہ غائب ہے۔ حضرت ابن مسعود اور کعب الاحبار رضی اللہ عنہما کی جو روایت بیان کی جائے گی وہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔

قصہ معراج

صحیحین میں انس بن مالک، مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہما سے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اسی اثنا میں کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا کہ کوئی آنے والا آیا، اس نے ہنسلی کے گڑھے سے ناف تک میرا سینہ شق کیا، میرا دل نکالا پھر ایمان سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت (تھال) لایا گیا، میرے دل کو دھویا گیا، وہ طشت اس میں الٹا دیا گیا پھر اسے اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔ ایک روایت میں ہے پھر اس کے اندر والا حصہ زمزم کے پانی سے دھویا گیا پھر ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا پھر خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا ایک جانور لایا گیا جسے براق کہتے وہ حد نگاہ پر اپنا قدم رکھتا مجھے اس پر سوار کیا گیا۔ حضرت جبرئیل مجھے لے کر چل پڑے یہاں تک کہ آسمان دنیا پر پہنچے دروازہ کھولنے کا کہا پوچھا گیا کون ہے؟ بتایا جبرئیل امین ہوں پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ بتایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے۔ حضرت جبرئیل امین نے بتایا ہاں انہیں بلایا گیا ہے تو کہا خوش آمدید لائے جانے والے کتنے اچھے ہیں۔ دروازہ فوراً کھول دیا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا جب میں اندر پہنچ گیا تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں حضرت آدم علیہ السلام موجود ہیں۔ حضرت جبرئیل امین نے کہا یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ حضرت جبرئیل امین نے سلام کیا، میں نے بھی آپ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب ارشاد فرمایا پھر آپ نے فرمایا اے صالح بیٹے خوش آمدید پھر مجھے اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ جبرئیل امین دوسرے آسمان تک پہنچے انہوں نے دروازہ کھولنے کو کہا جبرئیل امین نے اسی طرح ذکر کیا جس طرح پہلے آسمان کے موقع پر ذکر کیا تھا اسی طرح بعد والے آسمانوں پر بھی ذکر کیا جب میں اندر چلا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت جبرئیل امین نے کہا یہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ حضرت جبرئیل امین نے انہیں سلام کیا، میں نے بھی انہیں سلام کیا۔ ان دونوں نے سلام کا جواب دیا پھر کہا صالح بھائی اور صالح نبی خوش آمدید آپ نے تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے میں حضرت ادریس، پانچویں میں حضرت ہارون، چھٹے میں حضرت موسیٰ علیہم السلام کا ذکر کیا۔ سب نے کہا اے صالح بھائی اور صالح نبی خوش آمدید۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آگے

بڑھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے ان سے پوچھا گیا کیوں روتے ہو؟ تو آپ نے کہا میں اس لئے روتا ہوں کیونکہ میرے بعد ایک جوان کو مبعوث کیا جائے گا اس کی امت کے افراد میری امت کے افراد سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا آپ نے دروازہ کھلوانے اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا ذکر کیا وہاں ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا۔ حضرت جبرئیل امین نے کہا یہ آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور آپ کو سلام پیش کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا پھر کہا صالح بیٹے خوش آمدید پھر مجھے سدرۃ المنتہٰی کی طرف لے جایا گیا۔ اس کے بیر ایسے تھے جیسے ہجر کے مٹکے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے۔ حضرت جبرئیل امین نے کہا یہ سدرۃ المنتہٰی ہے، وہاں چار دریا تھے، دو مخفی اور دو ظاہر۔ میں نے کہا جبرئیل یہ کیا ہے؟ جبرئیل امین نے جواب دیا مخفی دریا تو جنت میں ہیں اور ظاہر نیل اور فرات ہیں پھر مجھے بیت المعمور کی طرف لے جایا گیا پھر میرے سامنے شراب، دودھ اور شہد کا ایک ایک برتن لایا گیا میں نے دودھ والا برتن لے لیا۔ جبرئیل امین نے کہا آپ نے فطرت کو پا لیا جس پر آپ اور آپ کی امت قائم رہے گی پھر ہر دن میں مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ میں واپس پلٹا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر میرا گزر ہوا۔ انہوں نے پوچھا آپ کو کیا حکم ملا؟ میں نے بتایا مجھے دن میں پچاس نمازیں پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ کی امت دن میں پچاس نمازیں نہ پڑھ سکے گی اللہ کی قسم میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کیا ہے اور بنی اسرائیل کے ساتھ سختی کر کے دیکھ لی ہے۔ اپنے رب کی طرف پھر جائیے اور اپنی امت کے لئے تخفیف کا مطالبہ کیجئے۔ میں واپس گیا اللہ تعالیٰ نے دس نمازوں کی تخفیف کر دی۔ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف واپس آیا۔ انہوں نے مجھ سے پہلی والی بات کہی میں پھر لوٹ کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازوں کی مزید تخفیف کر دی۔ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا انہوں نے پھر وہی بات کہی پھر مجھے دن میں دس نمازیں پڑھنے کا حکم ہوا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا انہوں نے پھر پہلی والی بات کہی میں پھر لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا تو مجھے دن میں پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا۔ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ کی امت یہ بھی نہ کر سکے گی میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کیا ہے اور بنی اسرائیل کے ساتھ سختی کر کے دیکھ چکا ہوں، آپ واپس جائیے اور اپنی امت کے لئے تخفیف کا مطالبہ کیجئے۔ میں نے کہا میں اپنے رب سے سوال کرتا رہا اب مجھے حیاء آتی ہے، اب میں راضی ہوں اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے جب میں آگے بڑھا تو ایک منادی کرنے والے نے منادی کی میں نے اپنے فریضہ کا فیصلہ کر دیا ہے اور اپنے بندوں کے لئے اس میں تخفیف کر دی ہے(1)۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا براق میرے پاس لایا گیا یہ ایک سفید لمبا جانور تھا، گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، وہ اپنا قدم حد نگاہ پر رکھتا تھا۔ میں اس پر سوار ہو گیا یہاں تک کہ میں بیت المقدس آیا، میں نے اس سواری کو اسی حلقے کے ساتھ باندھا جس کے ساتھ انبیاء اپنی سواریاں باندھتے تھے(2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ہم بیت المقدس پہنچے تو جبرئیل امین نے اپنی انگلی کے ساتھ ایک پتھر میں سوراخ کیا اس کے ساتھ براق باندھا(3) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

1۔ مشکوٰۃ المصابیح:5862، جلد3، صفحہ283 (الفکر) 2۔ صحیح مسلم، جلد2، صفحہ180 (العلمیہ)

3۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی:3132، جلد8، صفحہ479 (الفکر)

پھر میں مسجد میں داخل ہوا وہاں میں نے دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر میں باہر نکلا تو جبرئیل امین نے میرے سامنے شراب کا ایک برتن اور دودھ کا ایک برتن پیش کیا۔ میں نے دودھ کے برتن کو پسند کیا تو جبرئیل امین نے کہا آپ نے فطرت کو اپنایا ہے پھر ہمیں آسمان کی طرف لے جایا گیا پھر اسی طرح ذکر کیا جس طرح پہلے حدیث ذکر کی گئی۔ آپ نے فرمایا اچانک میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس موجود تھا آپ نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعاء خیر کی فرمایا کہ تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تھا انہیں حسن کا ایک حصہ عطا کیا گیا ہے آپ نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعائے خیر کہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رونے کا ذکر نہیں کیا ساتویں آسمان کے بارے میں کہا کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھا جو بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے یہاں ستر ہزار فرشتے روز داخل ہوتے ہیں جو دوبارہ یہاں نہیں آتے۔

ایک روایت میں ہے جبرئیل امین نے کہا یہ بیت المعمور ہے، اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔ جب ایک دفعہ یہاں سے نکل جائیں پھر انہیں کبھی یہاں آنے کا موقع نہیں ملے گا پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا، اس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح اور اس کا پھل مٹکوں کی طرح تھا۔ جب امر الٰہی سے جو کچھ اس پر چھانا تھا چھا گیا تو اس میں تغیر پیدا ہو گیا۔ مخلوقات میں سے کوئی بھی اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ اس کے حسن کو بیان کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی جو وحی کرنا تھی۔ ایک دن اور رات میں مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اترا، انہوں نے مجھ سے پوچھا آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا دن میں پچاس نمازیں فرض کی ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنے رب کی طرف واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجئے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں تو میں اپنے رب کی طرف واپس لوٹا میں نے کہا اے میرے رب میری امت پر تخفیف کیجئے اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پانچ نمازوں کو کم کر دیا۔ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازوں میں تخفیف کر دی ہے تو انہوں نے کہا آپ کی امت اس کی طاقت بھی نہیں رکھے گی اپنے رب کی طرف واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں لگاتار اپنے رب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان چکر لگاتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ یہ دن میں پانچ نمازیں ہیں ہر نماز کا اجر دس نمازوں کے برابر ہے اس وجہ سے یہ پچاس ہو گئیں جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور نیکی نہ کی میں اس کے حق میں بھی نیکی لکھ دوں گا اگر اس نے وہ نیکی کی تو اس کی دس نیکیاں لکھوں گا جس نے برائی کا ارادہ کیا اور اسے نہ کیا اس کے نامہ اعمال میں کوئی چیز نہیں لکھی جائے گی اگر اس نے وہ برا عمل کیا تو میں اس کی ایک برائی لکھوں گا کہا میں نیچے آیا یہاں تک کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تو میں نے انہیں بتایا انہوں نے کہا اپنے رب کے پاس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنے رب کے پاس (تخفیف کے لئے اتنی دفعہ) گیا ہوں اب مجھے حیاء آتی ہے[1]۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ حضور ﷺ سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا میرے گھر کا چھت کھولا گیا، جبکہ میں مکہ مکرمہ میں تھا جس طرح دوسرے محدثین نے شق صدر کا ذکر کیا ہے اسی طرح شق صدر کا ذکر کیا انہوں نے براق کا ذکر نہیں کیا فرمایا پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 83-180 (العلمیہ)

جب میں آسمان دنیا تک پہنچا تو جبرئیل امین نے آسمان کے خازن سے کہا دروازہ کھولو پھر سابقہ روایت کی طرح ذکر کیا۔ جب دروازہ کھولا گیا ہم آسمان دنیا کے اوپر چلے گئے تو کیا دیکھتا ہوں ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے جس کے دائیں طرف ارواح ہیں اور جس کے بائیں طرح ارواح ہیں جب وہ دائیں طرف دیکھتا ہے تو مسکرا دیتا ہے اور جب بائیں طرف دیکھتا ہے تو رو دیتا ہے۔ اس نے کہا صالح نبی اور صالح بیٹے خوش آمدید میں نے جبرئیل امین سے پوچھا یہ کون ہے تو جبرئیل امین نے بتایا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، ان کی دائیں اور بائیں جانب ان کی اولاد کی ارواح ہیں، دائیں جانب والے جنتی ہیں اور بائیں جانب والے جہنمی ہیں۔ جب یہ دائیں طرف دیکھتے ہیں۔ تو مسکرا دیتے ہیں جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔ اس میں یہ بھی ذکر کیا کہ آپ نے آسمانوں میں حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات کی، ان کی منازل کا ذکر نہیں ہاں اتنا ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر پایا۔

ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مجھے ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ حضرت ابن عباس اور ابو حبہ انصاری رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا پھر مجھے اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ مستوی (چھت) پر پہنچا وہاں قلموں کے چلنے کی آوازیں سنتا تھا۔ ابن حزم اور حضرت انس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں انہیں لے کر میں لوٹا تو میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا انہوں نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ پر کیا فرض کیا ہے۔ میں نے بتایا پچاس نمازیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنے رب کی طرف لوٹ جایئے آپ کی امت ان کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھے گی میں واپس لوٹ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا کچھ حصہ کم کر دیا۔ اس کے بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف واپس آیا، میں نے بتایا اللہ تعالیٰ نے اس کا کچھ حصہ کم کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا اپنے رب کے پاس واپس جایئے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی۔ میں پھر لوٹ کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ پانچ ہوں گی اور اجر میں پچاس، میرے ہاں قول تبدیل نہیں کیا جاتا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا اپنے رب کے پاس جایئے میں نے کہا مجھے اپنے رب سے حیاء آتی ہے۔ مجھے لے جایا گیا یہاں تک کہ مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا اس کے اوپر رنگوں نے غلبہ کر رکھا تھا میں یہ نہیں جان سکتا کہ وہ رنگ کیا تھے پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا وہاں موتیوں کے مکانات تھے اور مٹی کستوری تھی(1)۔ معمر نے قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے شب معراج براق لایا گیا جسے زین اور لگام ڈالی گئی تھی اس نے کچھ شوخی کی تو جبرئیل امین نے کہا کیا تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے ایسا کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ سے بڑھ کر کوئی معزز نہیں جو تجھ پر سوار ہوا ہو تو وہ پسینے سے شرابور ہو گیا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہا جب حضور ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا یہ چھٹے آسمان میں ہے زمین سے جو چیز (اعمال) اوپر جاتی ہے وہ وہاں ٹھہر جاتی ہے اور اسے لے لیا جاتا ہے اور اوپر سے جو چیز نیچے آتی ہے وہ بھی یہاں آ کر رک جاتی ہے پھر اسے لے لیا جاتا ہے(2)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ہلال بن یسار نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کعب الاحبار سے سدرۃ المنتہیٰ کے متعلق پوچھا، جبکہ میں وہاں موجود تھا تو

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 36-135 (ابن کثیر)
2۔ صحیح مسلم: 279، جلد 3، صفحہ 3 (المعاییہ)

کعب الاحبار نے جواب دیا سدرۃ عرش کی جڑ میں ہے مخلوقات کا علم یہاں آ کر ختم ہو جاتا ہے، اس سے آگے غیب ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا(1)۔ میں کہتا ہوں اِلَیْهَا یَنْتَهِیْ عِلْمُ الْخَلَائِقِ سے مراد بعض فرشتے ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ تک جاتے ہیں مخلوقات میں سے کوئی اور چیز وہاں تک نہیں جا سکتی، اس کے آگے ہر طرح سے غیب ہے جہاں تک سدرۃ المنتہیٰ کا تعلق ہے اگرچہ بشر کے اعتبار سے غیب ہے مگر بعض ملائکہ کے اعتبار سے غائب نہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے نبی کریم ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کرتے ہوئے سنا فرمایا ایک سوار اس کی ٹہنی کے سائے میں ایک سو سال تک چلتا رہے گا اس ٹہنی کے سائے میں ایک لاکھ سوار ٹھہر سکیں گے اس کا فرش سونے کا ہے اس کا پھل مٹکوں کے برابر ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ایک ایسا درخت ہے جو زیورات، لباس، پھلوں اور تمام رنگوں سے مزین ہے اگر اس کا ایک پتہ زمین پر آ گرے تو تمام اہل زمین کو روشن کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ رعد میں جس طوبی کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہے(2)۔

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰىؕ ۝ اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰىۙ ۝

"اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا"

1۔ جَنَّۃُ کی ماوی کی طرف اضافت بھی موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے جسے کوفیوں نے جائز قرار دیا ہے، جبکہ بصری علماء اس کی یہ تاویل کرتے ہیں جَنَّةُ الْمَكَانِ الْمَاْوٰى۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے یہ ایسی جنت ہے جہاں جبرئیل امین اور فرشتے ٹھہرتے ہیں۔ مقاتل اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہاں شہداء کی روحیں رہتی ہیں(3) جَنَّةُ الْمَاْوٰى ترکیب کلام میں مبتدا ہے یا ظرف کا فاعل ہے۔ یہ جملہ سدرۃ کی صفت ہے اگر اضافت عہد ذہنی کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہو بصورت دیگر یہ سدرۃ سے حال ہوگا۔

2۔ یہ ظرف رآہ کے متعلق ہے۔ اسم موصول صلہ کے ساتھ مل کر یغشی کا فاعل ہے۔ اسم موصول اس لئے ذکر کیا گیا تاکہ اس کی عظمت شان بیان ہو فعل مضارع کا صیغہ فعل ماضی کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہوگا اسے ایسی چیز نے ڈھانپ رکھا ہے کہ کوئی آدمی بھی اس کی صفت بیان نہیں کر سکتا کیونکہ وہ بہت ہی حسین ہے یا اس کی تعداد بہت زیادہ ہے یا اس کی حقیقت کو کوئی نہیں جان سکتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث معراج میں یہ گزر چکا ہے جب اللہ کے حکم سے اسے ڈھانپ لیا جس چیز نے اسے ڈھانپ لیا تو اس میں تبدیلی رونما ہوگئی مخلوقات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس کے حسن کو بیان کر سکے(4)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب سدرہ پر چھا جاتی ہے جو چیز چھا جاتی ہے کہا اس کے پتنگ سونے کے ہیں(5)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا ہے اس پر رب العزت کا نور چھا جاتا ہے جس سے وہ نور علی نور ہو جاتا ہے(6) گویا نور رب العزۃ سے فراش من ذھب بطور کنایہ ذکر کیا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا فرشتے اس پر یوں چھا گئے جیسے کوے بھیڑ کر لیتے ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے من الطیور (پرندے) کا لفظ ذکر کیا ہے۔ ابو العالیہ سے روایت کیا گیا، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 246 (الفکر) 2۔ ایضاً، صفحہ 247 3۔ ایضاً، صفحہ 247
4۔ ایضاً، صفحہ 247 5۔ صحیح مسلم، جلد 3، صفحہ 4 (العلمیہ) 6۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 247 (الفکر)

روایت کیا کہ سدرۃ پر مخلوقات کے نور چھائے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اس پر فرشتے یوں چھائے ہوں گے جس طرح کوے چھائے ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ درخت پر گر پڑتے ہیں (1)۔ میں کہتا ہوں اس میں کوئی منافات نہیں کہ رب العزت کا نور اس پر چھایا ہوتا ہے اور فرشتے اس پر چھائے ہوتے ہیں کیونکہ فرشتوں کے بھیڑ کرنے کی وجہ رب العزت کے نور کے چھانے کی وجہ سے ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان غشیها من الملائكة من حب الله امثال الغربان دلالت کرتا ہے۔ نور کا چھانا نور کی تجلیات میں سے ہی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حدیث میں یہ بھی روایت کیا جاتا ہے میں نے اس کے ہر پتے پر دیکھا کہ ایک فرشتہ موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

"نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی ۱؎ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں ۲؎"

۱؎ یعنی حضور ﷺ کی آنکھ دائیں بائیں متوجہ ہوئی اور نہ ہی دیکھنے میں خطا کی بلکہ صحیح صحیح دیکھا اور اپنے محبوب سے غیر کی طرف تجاوز نہ کیا۔

آہ مِنَ الْعِشْقِ وَحَالَاتِہٖ	اَحْرَقَ قَلْبِیْ بِحَرَارَاتِہٖ
آہ عشق اور اس کے حالات نے	اپنی گرمی سے میرے دل کو جلا دیا
مَا نَظَرَ الْعَیْنُ اِلٰی غَیْرِکُمْ	اُقْسِمُ بِاللّٰہِ وَاٰیَاتِہٖ
آنکھ نے تیرے سوا کسی کو نہیں دیکھا	میں اللہ اور اس کی آیات کی قسم اٹھاتا ہوں

ایک معنی یہ کیا گیا ہے کہ جن عجائبات کو دیکھنے کا حکم دیا گیا تھا ان سے کسی اور طرف آنکھ نہ پھری۔

۲؎ الکبریٰ، رایٰ کا مفعول ہے اور مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہٖ اس کا حال ہے جو ذوالحال سے مقدم ہے، من بعضیہ ہے، معنی یہ ہوگا لَقَدْ رَاٰی مُحَمَّدٌ الْکُبْرٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہٖ یہ بھی جائز ہے کہ من زائدہ ہو، اٰیٰتِ رَبِّہٖ اس کا مفعول بہ محذوف ہو اور الکبریٰ اس کی صفت ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول بہ محذوف ہو، تقدیر کلام یہ ہوگا لَقَدْ رَاٰی شَیْئًا مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی یہاں ایات سے مراد ملکوتی عجائبات ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ المعراج کو آتے اور جاتے ہوئے دیکھا تھا جیسے براق، آسمان، انبیاء، ملائکہ، سدرۃ المنتہیٰ اور جنۃ الماویٰ۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے تحقیق حضور ﷺ نے بڑی بڑی آیات کو دیکھا۔ انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت جبرئیل امین کو ان کی اصلی صورت میں چھ سو پروں کی صورت میں دیکھا (2)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا کہ آپ نے سبز رفرف دیکھا جس نے آفاق کو گھیر رکھا تھا (3) ان آیات کی صفت کبریٰ سے ذکر کی ہے کہ یہ ان آیات کی مخصوص تجلیات تھیں۔ یہ رحمت اور برکت کے نازل ہونے کی جگہ تھیں ورنہ ہر ممکن اللہ تعالیٰ کے وجود پر بڑی آیت ہے اور واضح دلیل ہے ان میں سے کسی چیز کو حقیر نہیں جانا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 247 (الفکر)
2۔ صحیح مسلم: 282، جلد 3، صفحہ 4 (العلمیہ)
3۔ صحیح بخاری: 3174، جلد 2، صفحہ 308 (ابن کثیر)

ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی وہ پوجا کرتے ہیں اگر وہ سب بھی جمع ہو جائیں تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔

اگر کوئی یہ سوال کرے یہ آیت ان لوگوں کے نقطہ نظر کی تائید کرتی ہے کہ جنہوں نے یہ کہا کہ حضور ﷺ نے دو دفعہ حضرت جبرئیل امین کی اصل صورت میں زیارت کی، آپ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا کیونکہ آیات کی رؤیت ذات کی رؤیت سے مختلف ہوتی ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں آیات کی رؤیت ذات کی رویت کے منافی نہیں بلکہ آیات میں بھی کبھی کبھی ذات ظاہر ہوتی ہے جس طرح سورج آئینہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے اللہ تعالیٰ کے فرمان ما طغی کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ مَا جَاوَزَ بَصَرُهٗ عَنِ الْمَحْبُوْبِ اِلٰی غَیْرِہٖ کہ آپ کی آنکھ نے محبوب سے غیر کی طرف تجاوز نہیں کیا تو پھر آیات کا دیکھنا کیسے متحقق ہو سکتا ہے۔ ہم یہ کہیں گے یہاں آیات کے دیکھنے سے مراد ذات کا دیدار ہے کیونکہ آیات ذات کا آئینہ ہوتی ہیں جب حضور ﷺ نے آیات کو دیکھا تو آپ کی نظر آیات سے ذات کی طرف منتقل ہو گئی جب ذات کا دیدار کیا تو پھر نظر کسی غیر کی طرف متوجہ نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ اہل سنت و جماعت میں سے تمام مومنین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ حضور ﷺ کا معراج حالت بیداری میں ہوا اور یہ حق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا آپ کا اسراء مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تھا جو قطعی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ سے ثابت ہے۔ اس کے انکار کرنے والے کو کافر کہیں گے جہاں تک آپ کی معراج کا تعلق ہے یہ ساتویں آسمان اور اس کے اوپر تک ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اس کے منکر کو فاسق کہا جائے گا کافر نہیں کہا جائے گا۔ جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ تک آپ کا معراج قطعی ہے اور اس آیت سے ثابت ہے اس کے منکر کو کافر کہا جائے گا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ شیخین نے اپنی صحیحین میں شریک بن عبداللہ سے روایت کیا ہے اس نے کہا میں نے انس بن مالک سے سنا وہ کہہ رہے تھے جس رات حضور ﷺ کو کعبہ مکرمہ سے اسراء کرایا گیا آپ کی طرف وحی آنے سے پہلے تین آدمی آپ کے پاس آئے، جبکہ آپ مسجد حرام میں آرام فرما تھے (1) پھر معراج والے واقعہ کے ساتھ حدیث ذکر کی اس میں کہا کہ آپ آسمان دنیا پر پہنچے تو وہاں دو دریا جاری ہیں۔ جبرئیل امین نے کہا یہ نیل و فرات ہیں پھر آپ آسمان میں آگے گئے کہ آپ اچانک ایک اور نہر پر پہنچے جس پر موتیوں اور زبرجد کا محل تھا اس پر آپ نے ہاتھ مارا تو اس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی پوچھا اے جبرئیل یہ کیا ہے تو حضرت جبرئیل امین نے کہا یہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے تیار کی ہے اور آگے حدیث کو ذکر کیا اور کہا پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا اور کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب میرا گمان نہیں تھا کہ مجھ پر کسی کو بلند کیا جائے گا پھر آپ کو مزید بلندیوں پر لے جایا گیا جسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا یہاں تک کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے یہاں تک کہ جبار رب العزت قریب ہوا اور قریب ہوا یہاں تک کہ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کے مقام پر فائز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پچاس نمازوں کا حکم دیا کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام بار بار آپ ﷺ کو لوٹاتے رہے یہاں تک کہ وہ پانچ نمازیں ہو گئیں پانچ نمازوں پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے کہا اے محمد ﷺ اللہ کی قسم میں نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو اس سے ادنیٰ پر آزمایا ہے وہ اس کو بجا لانے سے کمزور نکلے اور اس کو چھوڑ دیا آپ کی امت تو اجسام، قلوب، ابدان، کان اور آنکھ کے اعتبار سے کمزور ہے پھر واپس جائیے اور اپنے رب سے تخفیف کی عرض کیجئے ہر بار حضور ﷺ حضرت جبرئیل امین کی طرف متوجہ ہوتے تاکہ آپ انہیں مشورہ دیں جبرئیل امین اسے ناپسند نہ کرتے۔ پانچویں دفعہ

1۔ صحیح مسلم:262، جلد 2، صفحہ 187 (العلمیہ)

حضور ﷺ نے یوں درخواست کی اے میرے رب میری امت کے جسم، دل، کان اور آنکھیں کمزور ہیں ہم سے تخفیف فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے محمد ﷺ، حضور ﷺ نے عرض کی لبیک وسعدیک۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے ہاں قول نہیں بدلتا جس طرح میں نے ام الکتاب میں فرض کیا ہے۔ بات اسی طرح رہے گی ہر نیکی کا اجر دس گنا ہوگا۔ یہ ام الکتاب میں پچاس ہیں ادائیگی کے لحاظ سے آپ کے ذمہ پانچ ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنے رب کے پاس واپس جائیے اس سے سوال کیجئے وہ تمہارے حق میں تخفیف کر دے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم بار بار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہونے کی وجہ سے مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے تو حکم ہوا اللہ کا نام لے کر نیچے جائیے آپ بیدار ہوئے تو آپ ﷺ مسجد حرام میں تھے۔ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مختصر روایت کیا ہے جو اس امر دلالت کرتی ہے کہ یہ معراج حالت نیند میں ہوئی تھی۔ ہم یہ کہتے ہیں بعض محدثین نے اس حدیث پر طعن کیا ہے اور کہا ہے کہ شیخین نے اسے جو خواب کا واقعہ کہا ہے اس کی اور تاویل ممکن نہیں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں ضعف ہے اس میں یہ خرابی شریک بن عبد اللہ کی وجہ سے آئی ہے کیونکہ اس نے کہا کہ یہ وحی آنے سے پہلے کا واقعہ ہے، جبکہ دوسرے تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ معراج وحی شروع ہونے کے تقریباً بارہ سال بعد ہوا اور ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا۔ بعض علماء حدیث نے یہ کہا ہے کہ وحی آنے سے قبل اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ایک خواب دکھایا، جبکہ آپ مسجد حرام میں تھے پھر وحی آنے کے بعد اور ہجرت سے پہلے اس خواب کو سچ کر دکھانے کے لئے عالم بیداری میں آسمانوں کی طرف لے جایا گیا جس طرح حضور ﷺ نے 6ھ کو صلح حدیبیہ کے موقع پر خواب میں فتح مکہ کو دیکھا تھا پھر اسے حقیقت کا روپ 8ھ میں نصیب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ و اللہ تعالیٰ اعلم۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا اپنے رب کی آیات کو دیکھا حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے تعلیم حاصل کی اور آپ کے دل نے اس کی تصدیق کی اس کے پیچھے کفار کی قباحت بیان کی کیونکہ ان کی نظر میں کوتاہی ہے جو مجاز سے حقیقت تک نہ پہنچ سکی تو فرمایا۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾

"(اے کفار!) کبھی تم نے غور کیا لات وعزیٰ کے بارے میں [1] اور مناۃ کے بارے میں جو تیسری ہے [2]"

[1] یہاں حرف استفہام انکار اور توبیخ کے لئے ہے، اس میں فاء عاطفہ ہے، اس کلام کا عطف کلام محذوف پر ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی اَنْظَرْتُمْ مَاتَعْبُدُوْنَهٗ فَرَاَيْتُمْ۔

یہ ان بتوں کے نام ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں خیال کرتے، بتوں کو فرشتوں کے ہیکل خیال کرتے اور کہتے ان بتوں کو جنیات نے اپنا گھر بنا لیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے نام بنا لئے ہیں، لفظ اللہ اسم جلالت سے لات، العزیز سے عزیٰ جو اعز کی مؤنث ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لات اصل میں لویۃ تھا جو فعلۃ کے وزن پر ہے جو لوی یلوی سے مشتق ہے کیونکہ یہ اس کے ارد گرد طواف کرتے تھے۔ اس کی واؤ کو الف سے بدل دیا اور یاء کو خلاف قیاس حذف کر دیا اور یاء کی جگہ تاء تانیث رکھ دی اور اسے لمبا لکھا۔ ابن عباس، مجاہد، ابو صالح اور رویس رحمہم اللہ تعالیٰ نے تاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ علم ہے یہ ایک مرد کی صورت میں تھا جو ستو میں گھی ملاتا تھا اور حاجیوں کو کھلاتا تھا جب وہ مر گیا تو یہ لوگ اس کی قبر پر اعتکاف کرتے پھر اس کی عبادت کرنے لگے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لات طائف میں ثقیف کا بت تھا۔ ابن زید رحمۃ اللہ

علیہ نے کہا یہ نخلہ کے مقام پر ایک گھر تھا جس کی قریش عبادت کرتے تھے (1)۔ جہاں تک عزیٰ کا معاملہ ہے یہ غطفان کے مقام پر ایک درخت تھا وہ اس کی عبادت کرتے تھے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ نخلہ کے مقام پر ایک گھر تھا اس کی خدمت اور دربانی کے فرائض بنی شیبان ادا کرتے تھے جو بنی ہاشم کے حلیف تھے یہ قریش اور بنی کنانہ کا سب سے بڑا بت تھا۔ عمرو بن لحی نے ان لوگوں کو بتایا تھا رب موسم سرما طائف میں لات کے ہاں گزارتا ہے اور موسم گرما عزیٰ کے پاس گزارتا ہے تو لوگوں نے ان دونوں کی بڑی تعظیم کی اور ان دونوں کے لئے کمرے بنا دیئے وہ یہاں بھی اسی طرح قربانی کے جانور بھیجتے جس طرح مکہ مکرمہ قربانی کے جانور بھیجتے تھے (2)۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالطفیل سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن خالد بن ولید کو بھیجا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ یہاں آئے، آپ نے جھاڑیوں کو کاٹ دیا اور عزیٰ کو گرا دیا پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف واپس چلے گئے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کیا تو نے وہاں کوئی چیز دیکھی؟ عرض کی کچھ بھی نہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا تو نے اسے نہیں گرایا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ پھر واپس گئے، جبکہ آپ رضی اللہ عنہ پوری طرح محتاط تھے۔ جب خادموں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ پہاڑوں میں بھاگ گئے اور کہہ رہے تھے اے عزیٰ اسے پکڑ لے اے عزیٰ اسے مار ڈال ورنہ خود ذلیل ہو کر مر جا تو ایک سیاہ ننگی عورت نکلی جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے وہ اپنے چہرے اور سر پر مٹی ڈال رہی تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار نکال لی اور کہہ رہے تھے میں تیرا انکار کرتا ہوں تیری تعظیم بجا نہیں لاتا، میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ اسے تلوار ماری اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو بتایا تو حضور ﷺ نے فرمایا ہاں وہی عزیٰ ہے اب ہمیشہ کے لئے وہ مایوس ہو گئی ہے کہ تمہارے شہر میں اس کی عبادت کی جائے (3)۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ غطفان کا بت تھا جسے سعد بن ظالم غطفانی نے نصب کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ مکہ مکرمہ آیا اس نے صفا و مروہ کو دیکھا اہل مکہ کو دیکھا کہ وہ ان کے درمیان چکر لگا رہے ہیں۔ وہ بطن نخلہ میں واپس گیا، اپنی قوم سے کہا اہل مکہ کے لئے صفا و مروہ ہے، جبکہ تمہارے لئے کوئی صفا اور مروہ نہیں ان کے لئے معبود ہیں، جن کی وہ عبادت کرتے ہیں جبکہ تمہارا کوئی معبود نہیں اس کی قوم کے افراد نے کہا تم ہمیں کیا حکم دیتے ہو؟ اس نے جواب دیا میں بھی تمہارے لئے ایسا کر دیتا ہوں۔ اس نے ایک پتھر صفا سے لیا اور ایک پتھر مروہ سے لیا جنہیں نخلہ لے آیا۔ صفا والا پتھر ایک جگہ رکھا اور کہا یہ تمہارے لئے صفا ہے اور مروہ والا پتھر ایک جگہ رکھا اور کہا یہ تمہارے لئے مروہ ہے پھر اس نے تین پتھر لئے اور ایک درخت کے سہارے انہیں کھڑا کر دیا اور کہا یہ تمہارا رب ہے، لوگ ان دونوں پتھروں کے درمیان سعی کرنے لگے اور ان پتھروں کی پوجا کرنے لگے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا، آپ نے وہ پتھر اٹھا دینے کا حکم دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عزیٰ کی طرف بھیجا جنہوں نے اس درخت کو کاٹ دیا (4)۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے منوۃ کو مد اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی مناء یہ نوء سے مشتق ہے۔ وہ اس بت سے برکت حاصل کرتے ہوئے ستاروں سے بارش طلب کرتے تھے۔ اس کی اصل منوۃ تھی واؤ کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دی پھر اس واؤ کو الف سے بدل دیا، جبکہ باقی قراء نے مد اور ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے۔ یہ فعلۃ کے وزن پر ہے، مناہ سے مشتق ہے، یہ اس وقت بولتے ہیں جب

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 248 (الفکر)
2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 6، صفحہ 196 (العلمیہ)
3۔ ایضاً
4۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 248 (الفکر)

وہ اسے کاٹنے کیونکہ اس کے نزدیک وہ اپنی قربانیاں ذبح کرتے تھے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ بنو خزاعہ کا بت تھا جو قدید کے مقام پر تھا(1)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا یہ انصار کا بت تھا۔ وہ مناۃ کے لئے احرام باندھتے تھے جو قدید کے مقام پر تھا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ مشلل کے مقام پر ایک کمرہ تھا جس کی بنو کعب عبادت کرتے تھے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ بنو ہذیل اور بنو خزاعہ کا بت تھا اہل مکہ جس کی عبادت کرتے تھے(2)۔ بعض نے کہا لات، عزیٰ اور منات کعبہ کے اندر بت تھے جن کی لوگ عبادت کرتے تھے۔ محمد بن یوسف صالحی رحمۃ اللہ علیہ نے سبل الرشاد میں ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے روز سعد بن زید اشہلی کو منات کی طرف بھیجا، جبکہ رمضان کے چھ دن باقی تھے جو مشلل کے مقام پر تھا۔ یہ ایک پہاڑ تھا جس سے قدید کی طرف اترا جاتا مناۃ یہ اوس خزرج اور غسان کا بت تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیس سواروں کے ساتھ نکلے وہاں پہنچے وہاں اس کا ایک خدمت گار موجود تھا خدمت گار نے پوچھا تمہارا کیا ارادہ ہے تو حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ نے کہا میں مناۃ کو گرانے آیا ہوں۔ خادم نے کہا تو جانے اور تیرا کام جانے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس کی طرف چل پڑے، ایک ننگی سیاہ عورت نکلی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے جو بددعائیں کر رہی تھی اور سینہ پیٹ رہی تھی۔ خادم نے منات سے کہا اسے غصے سے پکڑ لو، جبکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اسے مار رہے تھے اور پھر اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد آپ بت کی طرف متوجہ ہوئے، آپ کے ساتھی آپ کے ساتھ تھے انہوں نے اس بت کو گرا دیا(3)۔ قراء نے لات اور منات پر وقف کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض قراء نے ان دونوں پر ھاء کے ساتھ وقف کیا ہے اور بعض نے تاء کے ساتھ وقف کیا ہے۔ بعض نے کہا جہاں کتابت تاء کے ساتھ ہے، وہاں وقف تاء کے ساتھ ہوگا اور جہاں کتابت ھاء کے ساتھ ہے وہاں ھاء کے ساتھ وقف ہوگا۔

ثالثة یہ مناۃ کی صفت ہے، یعنی دو مذکورہ بتوں کے علاوہ تیسرا ہے۔ الاخرٰی یہ مناۃ کی دوسری صفت ہے اور تاکید کے لئے ذکر کی گئی ہے یا الاخری سے مراد یہ ہے یہ تاخر سے مشتق ہے، یعنی اس کا مرتبہ پہلے دونوں کے بعد ہے لات عزیٰ اور منات یہ رئیتم کا مفعول اول ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اس کا مفعول ثانی محذوف ہے، تقدیر کلام یوں ہے: اَفَنَظَرْتُمْ مَاتَعْبُدُوْنَهُ فَرَاَيْتُمُ الّٰلتَ وَ الْعُزّٰى وَمَنٰوةَ بَنَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى اٰلِهَةً مُسْتَحِقَّةً لِلْعِبَادَةِ، یعنی بات اس طرح نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مشرک مکہ مکرمہ میں یہ کہتے تھے بت اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ان میں سے اگر کسی آدمی کو بیٹی ہونے کی خبر دی جاتی تو وہ اسے سخت ناپسند کرتا اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا(4)۔

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾

"کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے نری بیٹیاں یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے۔"

لے حضرت ابن عباس اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ضیزی کا معنی جابرہ ہے کتنی ظالمانہ تقسیم ہے کیونکہ تم نے اپنے رب کے لئے اس چیز کو مختص کیا جو تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔ مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی ہے یہ کتنی ٹیڑھی تقسیم ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کتنی غیر معتدل تقسیم ہے؟ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضئزی ہمزہ سے پڑھا ہے(5) یہ ضئزہ سے مشتق ہے،

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 249 (الفکر)　2۔ ایضاً　3۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 6، صفحہ 304 (العلمیہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 249 (الفکر)　5۔ ایضاً

یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ کسی دوسری چیز پر ظلم کرے کیونکہ یہ مصدر ہے اور مبالغہ کے اظہار کے لئے اس کی صفت لگائی گئی ہے، یعنی یہ ایک ظالمانہ تقسیم ہے، جبکہ باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا باب یوں چلایا جاتا ہے ضاز یضیز ضازا یا ضاز یضوز ضوزا یا ضاز یضاز ضازا اس کا معنی ہے اس نے ظلم کیا حق میں کمی کی۔

میں کہتا ہوں یہ واوی سے مشتق نہیں بلکہ یہ اجوف یائی ہے اور باع یبیع کے وزن پر ہے یا یہ نال ینال کے وزن پر ہے۔ ضِیزی اصل ضُیزی کے وزن پر تھا کیونکہ یہ صفت کا صیغہ ہے اور صفت کا صیغہ فُعلی کے وزن پر آتا ہے جس طرح حبلی، انثی یا فَعلی کے وزن پر آتا ہے جیسے غضبی، سکری، عطشی، فِعلی کے وزن پر کلام عرب میں صفت کا صیغہ مروج نہیں فاء کے کسری کے ساتھ اسماء آتے ہیں جیسے ذِکری شِعری۔ یہاں ضاد کے نیچے کسرہ اس لئے دیا تا کہ یا کو واؤ سے نہ بدلا جائے کیونکہ واؤ سے بدلنے کی صورت میں اس کی بناء میں التباس پیدا ہو جاتا ہے۔ ابیض کی جمع بیض میں بھی یہی قاعدہ جاری ہوتا ہے اصل میں فاکلمہ کے اوپر ضمہ آتا ہے جیسے حمر اور صفر(1)۔

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴿٢٣﴾

"نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ نے ان کے بارے میں کوئی سند[1]۔ نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی[2] اور جیسے ان کے نفس چاہتے ہیں[3] حالانکہ آ گئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت[4]۔"

1۔ ھی ضمیر اصنام کے لئے ہے اگر اصنام سے مراد پتھر لئے جائیں تو اس وقت معنی یہ ہو گا یہ پتھر معبود ہونے کے قابل نہیں اسماء موصوف ہے بعد والے دونوں جملے اس کی صفتیں ہیں۔ ھی ضمیر مبتدا ہے اور مستثنیٰ اس کی خبر ہے۔ معنی یہ ہو گا یہ پتھر معبود نہیں مگر ایسے معبود ہیں جنہیں تم نے بغیر دلیل کے معبود بنا رکھا ہے گویا یہ صرف نام کے معبود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی الوہیت اور مستحق عبادت ہونے پر کوئی دلیل نہیں بنائی۔ یہ بھی جائز ہے کہ ھی ضمیر اصنام کے لئے اس اعتبار سے ہو کہ کفار یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ ملکی حقائق ہیں یا اس طرح کی دوسری باتیں کرتے یہ اصنام اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں اور ہمارے شفیع ہیں تو اس صورت میں اس کا معنی یہ ہو گا حقیقت میں یہ کچھ بھی نہیں مگر یہ مسمیٰ کے بغیر نام رکھ دیئے گئے ہیں، تم نے ان کے وجود کا خیال کیا اور ان کے نام رکھ دیئے جیسے لات، عزیٰ، بنات اللہ، شفیع اور بتوں میں ان کا حلول کرنا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے وجود پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ یہ بھی جائز ہے کہ ھی ضمیر مذکورہ اسماء کی طرف لوٹے۔ اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ مذکورہ اسماء جیسے لات اور عزیٰ کوئی چیز نہیں بغیر کسی استحقاق کے تم نے انہیں گھڑا ہوا ہے کیونکہ وہ الوہیت کے استحقاق اور اس پر اعتکاف کرنے کی بناء پر لات کہتے، اس کی عزت کی وجہ سے عزیٰ نام دیتے اور قربانیوں کے ذریعے عبادت کرنے کی وجہ سے منات کہتے تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر اس صفت کی طرف راجع ہو جن صفات کی وجہ سے وہ انہیں الهه، بنات اللہ اور شفیع کہتے تھے۔ معنی یہ ہو گا وہ صفات جن کے ساتھ تم ان بتوں کو متصف کرتے ہو وہ محض اسماء ہیں نفس امر میں ان میں کوئی حقیقت اور صدق نہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 50-249 (الفکر)

2۔ واؤ ضمیر سے مراد کفار ہیں، وہ انہیں جو نام دے رہے ہیں وہ محض ظن کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے آباء کی تقلید کرتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں یا معنی ہوگا وہ باطل وہم کی پیروی کرتے ہیں۔

3۔ یہ جملہ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ کا بیان ہے یا اس سے بدل ہے، اس میں خطاب کے صیغہ سے غائب کے صیغہ کی طرف التفات ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بے وقوف خطاب کے لائق نہیں جس کی وضاحت بعد والے قول میں آرہی ہے۔ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی۔

4۔ ھدٰی سے مراد جس کے ذریعے قطعی حق کی طرف ہدایت حاصل کی جاتی ہے جو رسول اور کتاب ہے ان لوگوں نے اس کی اتباع نہ کی اور اس کو ترک کر دیا جملہ معترضہ ہے۔

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی ﴿۲۴﴾ ۖ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰی ﴿۲۵﴾

"کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے 1۔ پس اللہ کے دست قدرت میں ہے آخرت اور دنیا 2"

1۔ ام منقطعہ ہے، بل کے معنی میں ہے اور ابتداء کا فائدہ دے رہا ہے۔ ہمزہ انکار کا معنی دے رہا ہے، یعنی انسان کے لئے ہر وہ چیز موجود نہیں جس کی وہ آرزو کرتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بتوں کی شفاعت کی جو طمع رکھتے تھے اس کی نفی ہو جائے نیز اس سے مراد ان کا یہ قول ہو سکتا ہے: وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْۤ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی اور ان کا یہ قول ہو سکتا ہے لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ

2۔ فاء سببیہ ہے اور جملہ اس نفی کی علت بیان کر رہا ہے جو سابقہ کلام سے سمجھا جا رہا ہے، یعنی انسان کے لئے وہ کچھ نہیں جس کی وہ تمنا کرتا ہے کیونکہ دار آخرت اور دار اولی میں سے ہر ایک اللہ کی ملک میں ہے، اسی کے ساتھ خاص ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے کسی تمنا کرنے والے کی تمنا یا کسی اور چیز کا اس کی عطا کرنے یا نہ کرنے میں کوئی دخل نہیں صرف اس کے ارادہ کا عمل دخل ہے۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰی ﴿۲۶﴾

"اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لئے چاہے اور پسند فرمائے 1"

1۔ کچھ اور کسی وقت بھی فائدہ نہ دے گی۔ من یشاء سے مراد فرشتے اور لوگ مراد ہیں جنہیں شفاعت کی اللہ تعالیٰ اجازت دے اور ان کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ راضی بھی ہو، جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب اور مکرم بندے ہیں تو یہ لوگ ان بتوں کی شفاعت کی امید کیسے لگائے بیٹھے ہیں یہ آیت ان کے اس قول کا رد ہے هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے شفیع ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ آسمان میں کتنے فرشتے ہیں جن کی یہ کفار عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں (1)۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی ﴿۲۷﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 251 (الفکر)

”بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں۔“

۱؎ واؤ ضمیر سے مراد کفار مکہ ہیں اسم موصول سے تعبیر ان کی جہالت کو بیان کرنے کے لئے ہے وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ جب ان کا یہ قول حقیقت سے بہت دور تھا تو اسی وجہ سے جملہ مستانفہ ذکر کیا۔ اِنَّ اور لام کے ساتھ اسے مؤکد کیا اور سامع کو منکر کے قائم مقام رکھا۔

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۚ

”حالانکہ انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں وہ محض ظن کی پیروی کرتے ہیں اور ظن حق کے مقابلہ میں کسی کام نہیں آ سکتا۔“

۱؎ به میں ضمیر سے مراد هذا القول ہے، یعنی اس بات کا انہیں کوئی علم نہیں، یہ جملہ یسمون کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔ یتبعون میں واؤ ضمیر سے مراد جاہل کافر ہیں، یہ جاہل کافر اس ظن کی اتباع کرتے ہیں جو تقلید سے حاصل ہوتا ہے یا باطل وہم کی اتباع کرتے ہیں جس کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ یہ جملہ ان کے اس قول وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ کا بیان اور تاکید ہے۔

شَيْـًٔا یا تو مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ من الحق ظرف لغو ہے جو لا یغنی کے متعلق ہے یا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اور من الحق اس سے حال ہے۔ حق سے مراد علم ہے کیونکہ حق سے مراد ایسا اعتقاد ہے جو پختہ ہو، ثابت ہو، واقعہ کے مطابق ہو واقع ہی حق ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ظن علم میں سے کسی چیز کا فائدہ نہیں دیتا یا وہ ظن جو تقلید جیسی چیز سے حاصل ہو وہ اس علم کے قائم مقام نہیں ہو سکتا جو دلیل قطعی سے حاصل ہو وہ دلیل قطعی سماع سے حاصل ہو یا عقل سے حاصل ہو اس لئے عقلمند کے لئے ظن کی اتباع کرنا جائز نہیں بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ یقین کو طلب کرے۔ یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کے لانے کا مقصد یہ ہے کہ ظن کی اتباع کرنے کی وجہ سے کفار کی قباحت بیان کی جائے۔ جب ظن کی اتباع اور تقلید ان کے اس جملہ کے انکار کی علامت ہے تو اسی وجہ سے جملہ کے شروع میں حرف تاکید کو ذکر کیا گیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ شریع میں اجازت ہے کہ عملی احکام میں ظن کی اتباع کی جائے اور فقہ کے عمومی مسائل ظنی دلائل سے ہی مستنبط ہیں۔ اسی طرح ماضی کے قصے جنت کی نعمتوں اور عذاب جہنم کی تفاصیل اور یوم آخرت کی خبروں کی تفصیل اخبار احاد سے ثابت ہے۔ اگر ظن علم میں کچھ فائدہ نہیں دیتا تو ان کی تعلیم فضول کام ہوگا نہ ان کو زبان پر لانا جائز، نہ فقہ پر عمل کرنا جائز اور نہ ہی ان پر اعتقاد رکھنا جائز ہوگا۔ ہم کہیں گے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس ظن کی اتباع جائز نہیں جو اس علم کے مقابل ہو جو دلیل قطعی سے حاصل ہو اور ظن اس صورت میں علم کا فائدہ نہیں دے گا کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ کمزور دلیل قوی ترین دلیل کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس آیت کا مقتضی یہ ہوگا کہ وہ عقائد جو حق ہوں دلائل قطعیہ عقلیہ، محکم آیات اور اخبار متواترہ سے ثابت ہوں انہیں ظن کی اتباع کرتے ہوئے ترک کرنا جائز نہیں جہاں تک ممکن ہو سکے دلائل قطعیہ سے حصول علم اور اس پر عمل واجب ہے اور جہاں دلیل قطعی نہ پائی جائے تو عقل یقین اور احتیاط کا فیصلہ کرتا ہے کہ اس صورت میں دلیل ظنی پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ دلیل ظنی سے مراد یہ ہے کہ صحیح سند سے غلبہ ظن کا فائدہ دے جیسے جب یہ ثابت ہے کہ وتر واجب ہے اور چاشت کی نماز سنت ہے۔ بھنگ حرام ہے شرط فاسد کے ساتھ بیع ممنوع ہے یہاں ایسی کوئی دلیل قطعی موجود نہیں جو اس ظن کے مقابل ہو تو عقل یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وتر کو نہ چھوڑا جائے، بھنگ نہ پی جائے، عذاب کے خوف سے شرط فاسد کے ساتھ بیع نہ کی جائے، ثواب کی امید سے چاشت کے نفل پڑھے جائیں کیونکہ نقصان نہ ہونے کا جب یقین ہو

تو حصول نفع کا احتمال اس کی بجا آوری کے لئے کافی ہوتا ہے اور نقصان کا احتمال اجتناب کے لئے کافی ہوتا ہے جس طرح کسی سوراخ میں سانپ کے موجود ہونے کا احتمال اس امر کے لئے کافی ہے کہ وہاں انگلیاں نہ رکھی جائیں نیز یہ چیز ان دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جو متواتر بالمعنی ہیں۔ ان کا متواتر بالمعنی ہونا اجماع امت سے ثابت ہے نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ پس اگر کسی اقوی دلیل کے ساتھ معارضہ نہیں ہوگا تو اخبار آحاد اور قیاس کی اتباع واجب ہے مسائل فقہ میں ظن استنباط کے طریقہ میں ہوتا ہے جب ظن صحیح ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کرنا دلیل قطعی سے ثابت ہے۔ مبداء اور معاد کی خبریں جو ظنی نصوص (اخبار آحاد) سے ثابت ہیں وہ قدر مشترک کی وجہ سے قطعی ہو چکی ہیں جو علم کا فائدہ دیتی ہیں، جبکہ ان کی تفاصیل اپنے سے اقوی دلیل کے معارض نہیں اس لئے ان سے ترغیب و ترہیب کا استفادہ کرنا درست ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آیت میں حق سے مراد عذاب ہے اور ظن میں لام عہدی ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار کا ظن جو آباء کی تقلید اور توہم سے حاصل ہوا ہے وہ معمولی عذاب کو بھی دور نہیں کر سکتا یا عذاب کو کچھ بھی دور نہیں کیا جا سکتا۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۲۹

"پس آپ رخ انور پھیر لیجئے اس (بدنصیب) سے جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اور نہیں خواہش رکھتا مگر دنیوی زندگی کی[1]"

[1] ذکر سے مراد قرآن یا ایمان ہے، یعنی جو قرآن یا ایمان سے روگردانی کرتا ہے اس سے اعراض کریں یا ہمارے ذکر میں مشغول ہونے سے اعراض کرتا ہے اس سے آپ بھی اعراض کریں کیونکہ اس کا مقصود خواہشات دنیا ہیں، وہ انہیں میں منہمک رہتا ہے اس کی ہمتوں کا منتہی اور مبلغ علم صرف دنیا ہے۔ یہاں فاء سببیہ ہے، اسم موصول کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے تاکہ اعراض کے سبب کی تاکید بیان ہو جائے، یعنی جب تو ان کی جہالت، ان کی بے وقوفی اور عقل کی کمی کو جان چکا ہے کہ وہ ظن کی پیروی کرتے ہیں ان کے رب کی طرف سے جو ہدایت آئی ہے اسے چھوڑ چکے ہیں، پتھروں کی عبادت کو پسند کرتے ہیں جو نفع و نقصان نہیں دیتے اور اللہ وحدہ لاشریک جو رحمٰن بھی ہے اور قہار بھی اس میں مشغول ہونے سے اعراض کرتے ہیں تو آپ بھی ان سے اعراض کیجئے کیونکہ آپ کی دعوت اسے کوئی فائدہ نہیں دے گی وہ چوپاؤں کی مانند ہیں بلکہ اس سے بھی گئے گزرے ہوئے ہیں جب ان کی بعض حرکات و سکنات دنیا میں مفید ہیں اور ان کے ادراکات پر دلالت کرتی ہیں تو کچھ عقل کا وہم دلاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دور کرنے کے لئے ارشاد فرمایا۔

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝۳۰

"یہ ہے ان کا مبلغ علم[1] بے شک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے جو بھٹک گیا اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانتا ہے جس نے راہ راست پائی[2]"

[1] ان کا مبلغ علم دنیا تک محدود ہے ان کا علم و عقل دنیاوی امور اور ان کے سمجھنے سے آگے نہیں بڑھتا، جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی وقعت نہیں۔

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ علم اور عقل دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اس کے ارادہ کے تابع ہیں۔ یہ محض اسباب عادیہ ہیں، یہ

اسباب حقیقیہ نہیں جیسے فلاسفہ کا گمان ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے ان کے ذریعے علم پیدا کر دیتا ہے اور جب ارادہ نہیں کرتا تو اسباب ہونے کے باوجود ان سے علم پیدا نہیں کرتا۔

۲ؔ اس وجہ سے وہ ان کی گمراہی اور ہدایت کے مطابق انہیں بدلہ عطا فرمائے گا۔ یہ جملہ وعدہ بھی ہے اور وعید بھی۔ سابقہ آیت میں جو اعراض کا حکم دیا گیا تھا اس کی علت بیان کر رہا ہے، یعنی آپ انہیں سزا دینے کا اہتمام نہ کریں ہم انہیں بدلہ دینے کے لئے کافی ہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ﴿۳۱﴾

"اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۱ؔ تا کہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا ۲ؔ۔"

۱ؔ از روئے ملک اور پیدائش کے سب اللہ کا ہے۔ اس کا عطف سابقہ جملہ پر ہے، یعنی وہ انہیں خوب جانتا ہے، جبکہ وہ تمہارا اللہ ہے، وہ ان کا خالق بھی ہے وہ ان کے ساتھ جیسے چاہے گا اور جو اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا ان کے ساتھ سلوک کرے گا۔

۲ؔ لام دونوں سابقہ جملوں کے مضمون کے ساتھ متعلق ہے، یعنی اس نے عالم کو پیدا کیا، گمراہ کو ہدایت یافتہ سے امتیاز بخشا اور ان کے احوال کو محفوظ رکھا تا کہ ان لوگوں کو جزاء دے جنہوں نے شرک اور نافرمانی کے ذریعے غلط عمل کیا اور انہیں بدلہ دے جنہوں نے اخلاص کے ساتھ اچھے عمل کئے، انہیں جنت عطا فرمائے یا اچھے عمل یعنی اخلاص کا بدلہ دے یا اعمال حسنہ کے سبب بدلہ دے۔ پہلی تعبیر میں حسنی مثوبہ کی صفت ہے۔ دوسری صفت میں حسنی سے مراد اخلاص ہے۔ ان میں باء بدل کے لئے ہے، تیسری صورت میں باء سببیہ ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

"جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر شاذ و نادر ۱ؔ بلاشبہ آپ کا رب وسیع بخشش والا ہے ۲ؔ وہ (اس وقت سے) خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جبکہ تم حمل تھے اپنی ماؤں کے شکموں میں ۳ؔ پس اپنی خودستائی نہ کیا کرو۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے ۴ؔ۔"

۱ؔ یہ الذین احسنوا سے بدل ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ھم ہے۔ حمزہ، کسائی اور خلف رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے کبیر الاثم پڑھا ہے۔ اثم سے مراد جنس گناہ ہے یہاں صفت موصوف کی طرف مضاف ہے جیسے اخلاق ثیاب میں صفت موصوف کی طرف مضاف ہے۔ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ سے مراد شرک ہے کیونکہ شرک عظیم ظلم ہے، جبکہ باقی قراء نے کبائر جمع کا صیغہ پڑھا ہے اور کبائر کے افراد کو ان کی جنس کی طرف مضاف کیا جس طرح کہ ام البشر اور جیاد الدرھم ہے۔ ہم نے سورۂ نساء میں اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ کی تفسیر میں گناہ کبیرہ کی تحقیق ذکر کر دی ہے۔ الْفَوَاحِشَ یا تو یہ عطف تفسیری ہے یا اس سے مراد جو کبائر سے بھی زیادہ فحش ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے جس میں حد کا حکم دیا گیا ہے۔ لمم سے مراد ایسے گناہ ہیں جو بندے سے اصرار کے بغیر صادر ہوئے ہوں پھر

اس نے ان سے توبہ بھی کی ہو نہ اس کی یہ عادت ہو اور نہ اس پر قائم رہا ہو بلکہ وقتاً فوقتاً اس سے یہ عمل صادر ہوا۔ ہو یہ جملہ بولا جاتا فلان یفعل کذا یعنی وہ کبھی کبھی ایسا کرتا ہے۔ جوہری نے اسی طرح کہا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حضرت ابو ہریرہ، مجاہد اور حضرت حسن بصری کا قول ہے اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابو صالح نے کہا ہے کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان الا اللمم کے بارے میں پوچھا گیا میں نے کہا اس سے مراد وہ آدمی ہے جو گناہ کے قریب جاتا ہے پھر دوبارہ ایسا نہیں کرتا۔ میں نے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا معزز فرشتے نے معنی بیان کرنے میں تیری مدد فرمائی (1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم نے عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان الا اللمم کے معنی کے بارے میں روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَاَيُّ عَبْدٍ لَكَ لَا اَلَمَّا

اگر تو بخشے تو اے اللہ سب گناہ بخش دے گا تیرا کونسا بندہ ایسا ہے جس نے گناہ نہیں کیا (2)

یہاں مستثنیٰ متصل ہے جس طرح استثناء میں اصل قاعدہ یہی ہے کہ مستثنیٰ متصل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اللمم سے مراد گناہ صغیرہ ہیں۔ قاموس میں اسی طرح ہے جیسے کسی کو ایک نظر دیکھنا، اشارہ کرنا، بوسہ لینا اور جو زنا سے کم ہو۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہی حضرت ابن مسعود، حضرت ابو ہریرہ، مسروق اور شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (3)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے زیادہ اللمم کے مشابہ کوئی روایت نہیں دیکھی جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم پر زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ ضرور پائے گا، آنکھ کی بدکاری دیکھنا، زبان کی بدکاری بولنا، نفس کی بدکاری آرزو کرنا اور خواہش کرنا ہے، جبکہ شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے (4)۔ اسے سہل بن ابی صالح نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے اس میں ان الفاظ کی زیادتی کی ہے آنکھوں کا زنا دیکھنا، کانوں کا زنا سننا، زبان کا زنا کلام کرنا، ہاتھ کا زنا پکڑنا، پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے۔ حسن بن فضل نے کہا اللمم سے مراد بغیر ارادہ کے دیکھنا ہے اس پر بازپرس نہ ہوگی اگر اس نے دوبارہ دیکھا تو پھر یہ لمم نہ رہے گا (5) اس تعبیر کی بناء پر لمم چھوٹے گناہوں سے خاص ہیں۔ سعید بن مسیب نے کہا اللمم ان گناہوں کو کہتے ہیں جو صرف دل میں کھٹکے (6) یہ تعبیر جوہری کے قول کے مناسب ہے جیسے تیرا قول ہے المممت بکذا یعنی میں اس کے پاس ٹھہرا میں اس عمل کے قریب پہنچ گیا مگر میں ٹھہرا نہیں۔ ان تعبیرات کی صورت میں مستثنیٰ منقطع ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللمم کی دو صورتیں ہیں ایسا گناہ جس پر دنیا میں حد نہیں اور آخرت میں عذاب نہیں یہی وہ گناہ ہیں جب تک کبیرہ اور فاحشہ نہ بنیں نماز ان کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ اس کی دوسری قسم وہ ہے وہ بڑا گناہ ہے جو مسلمان ایک دفعہ کر لیتا ہے پھر اس سے توبہ کر لیتا ہے (7) میں کہتا ہوں کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول دوسرے اقوال کے مغائر نہیں ورنہ مشترک کا عموم لازم آئے گا یا حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا لازم آئے گا بلکہ یہ احتمال کے طریقہ پر پہلے دو قولوں کو اختیار کیا گیا ہے جو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 252 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، صفحہ 53-252

4۔ صحیح بخاری، جلد 6، صفحہ 2438 (ابن کثیر) 5۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 253 6۔ ایضاً 7۔ ایضاً

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ذکر کئے گئے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲؎ وہ چھوٹے گناہوں کو یا بڑے گناہوں کو توبہ کے ساتھ یا توبہ کے بغیر جس کے حق میں جو چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ اس آیت میں محسنین کے لئے وعدہ کا ذکر ہے، جبکہ پہلی آیت میں گناہگاروں کے لئے وعید کا ذکر تھا۔ اس وعدہ کو پیچھے لانے میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جائے اور نہ ہی یہ وہم پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ پر عتاب واجب ہے جس طرح معتزلہ کا نقطہ نظر ہے۔ ابو نعیم نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی کی طرف وحی کی کہ اپنی امت میں سے ان لوگوں کو کہہ دو جو میری اطاعت کرتے ہیں کہ وہ اپنے اعمال پر ہی بھروسہ نہ کریں۔ میں قیامت کے روز حساب کے لئے جسے کھڑا کروں گا اگر اسے عذاب دینا چاہوں گا تو ضرور عذاب دوں گا اور اپنی امت کے گناہگاروں کو کہہ دو اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو کیونکہ میں بڑے بڑے گناہوں کو بخش دوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہ ہوگی (1)، واللہ اعلم

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ قول ذکر فرمایا هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ، یعنی وہ تمہارے کام، تمہاری سعادت اور شقاوت کو خوب جانتا ہوں اور تمہارے انجام کو بھی خوب جانتا ہوں۔ یہاں افعل بفعل کے معنی میں ہے کیونکہ انسان کے افعال کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں (تمہارے باپ) زمین سے پیدا کیا کیونکہ اشیاء کے بارے میں اس کا علم قدیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیروں کو لکھ دیا تھا، جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا (2)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا اسے فرمایا لکھو اس نے عرض کی کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھو اس نے ابد تک سب کچھ لکھ دیا۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے (3)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس حدیث کی سند غریب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی پشت پر دایاں ہاتھ پھیرا، آپ کی اولاد نکالی۔ فرمایا اسے میں نے جنت کے لئے پیدا فرمایا یہ جنتیوں والے ہی کام کریں گے پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا، آپ کی اولاد نکالی۔ فرمایا میں نے انہیں جہنم کے لئے پیدا کیا یہ جہنمیوں والے کام کریں گے۔ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ پھر یہ عمل کیسا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب بندے کو جنت کے لئے پیدا فرماتا ہے تو اسے موت تک جنتیوں والے عمل کی توفیق عطا فرماتا ہے تو اس کے ذریعے اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ جب کسی بندے کو جہنم کے لئے پیدا فرماتا ہے تو اسے جہنمیوں کے عمل پر لگا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جہنمیوں جیسے عمل کرتے ہوئے مر جاتا ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کر دیتا ہے۔ اسے امام مالک، امام ترمذی اور امام داؤد رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے (4)۔

۳؎ اس جملے کا عطف اِذْ اَنْشَاَكُمْ پر ہے۔ دونوں ظرفیں اعلم کے متعلق ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا، جبکہ آپ صادق و مصدوق ہیں کہ تم میں سے ہر ایک کی تخلیق چالیس روز تک نطفے کی صورت میں پھر

1۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 551 (الفکر)
2۔ صحیح مسلم، جلد 16، صفحہ 166 (العلمیہ)
3۔ جامع ترمذی، جلد 4، صفحہ 398، حدیث: 2155 (العلمیہ)
4۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 8، صفحہ 87-385 (العلمیہ)

اتنے ہی دن علقہ (جما ہوا خون) کی صورت میں پھر اتنے ہی دن مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) کی صورت میں ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ چار چیزوں کے ساتھ ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ فرشتہ اس کا عمل، اس کی موت کا وقت، اس کا رزق اور کیا وہ بدبخت ہے یا سعادت مند لکھ دیتا ہے پھر اس میں فرشتہ روح پھونکتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے ایک آدمی جنتیوں والا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو تقدیر اس پر غالب آ جاتی ہے اور وہ جہنمیوں جیسا عمل کرتا ہے اور وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں سے ایک آدمی جہنمیوں جیسا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر کتاب سبقت لے جاتی ہے تو وہ جنتیوں والا عمل کرتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے(1)۔

ے تم اچھے اعمال اور خیر کی زیادتی کے ساتھ اپنی تعریفیں نہ کرو یا یہ معنی ہے کہ معاصی اور رذائل سے پاکیزگی کے ساتھ اپنی تعریفیں نہ کرو کیونکہ تمہیں اپنے اعمال کے انجام کا پتہ نہیں۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ ہر نفس کے بارے میں یہ جانتا ہے کہ وہ کیا کرے گا اور اس کا انجام کیا ہوگا اس لئے اپنی پاکی بیان نہ کرو۔ اپنے آپ کو گناہوں سے پاک ظاہر نہ کرو اور حسن اعمال کے ساتھ اپنی تعریفیں نہ کرو(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی کہا ہے۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(3)۔ واحدی، طبرانی، ابن منذر، اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ثابت بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں کا جب کوئی چھوٹا بچہ فوت ہو جاتا تو کہا کرتے وہ صدیق ہے۔ یہ خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو حضور ﷺ نے فرمایا یہودیوں نے جھوٹ بولا ہے اللہ تعالیٰ جسے پیدا فرماتا ہے ابھی وہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(4)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات دوسروں کی بنسبت اسے زیادہ جانتی ہے کہ کس کا خاتمہ تقویٰ اور اخلاص پر ہوگا، جبکہ وہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾

"کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا جس نے روگردانی کی ۱ اور تھوڑا سا مال دیا پھر کنجوس بن گیا ۲"

۱ استفہام تعجب کے لئے ہے اور فاء عاطفہ ہے، اس کا عطف کلام محذوف پر ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی اَنَظَرْتَ يَامُحَمَّدُ فَرَاَيْتَ، یعنی جس نے حق کی اتباع اور اس پر ثابت قدم رہنے سے روگردانی کی اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے۔ اس نے حضور ﷺ کے دین کی اتباع کی تو بعض مشرکوں نے اسے عار دلائی اور کہا تم نے اپنے بزرگوں کا دین کیوں چھوڑ دیا ہے اور انہیں گمراہ قرار دیا ہے تو ولید نے جواب دیا مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔ جس نے ولید پر عتاب کیا تھا، اس نے ولید سے کہا اگر اتنا مال وہ اسے دے دے اور شرک کی طرف لوٹ آئے تو عذاب کو اپنے ذمہ لے لیتا ہے تو ولید نے دوبارہ شرک کو اپنا لیا۔

۲ جس نے اسے عار دلائی تھی اسے کچھ مال دیا اور کچھ کو روک لیا اور بخل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے(5) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے کہا کہ ایک آدمی مسلمان

1۔ صحیح مسلم، جلد 16، صفحہ 58-156 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 253 (الفکر) 3۔ ایضاً
4۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 67-166 (العلمیہ) 5۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 254 (الفکر)

ہوا، اسے ایک آدمی نے عار دلائی تو نے اپنے بزرگوں کا دین چھوڑ دیا ہے اور انہیں گمراہ قرار دیا ہے اور تو نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ جہنم میں ہیں تو اس مسلمان نے کہا میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں تو عار دلانے والے نے کہا مجھے کچھ مال دے دو میں تمام عذاب کو اپنے ذمہ لے لوں گا تو اس مسلمان نے اسے مال دیا۔ عار دلانے والے نے کہا مجھے کچھ اور دو تو اس نے کچھ اور دیا دوسرے نے اسے معاہدہ لکھ دیا اور اس کے حق میں گواہی دی تو اس آدمی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ولید نے اپنی زبان سے کچھ نیکی کی پھر اسے ختم کر دیا اور مکمل عطیہ نہ دیا۔ سدی نے کہا یہ آیت عاص بن وائل کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ وہ بعض اوقات بعض معاملات میں حضور ﷺ کے ساتھ موافقت کرتا تھا۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا یہ آیت ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ اس نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ ہمیں مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان اعطی قلیلا کا یہی مفہوم ہے کہ انہوں نے حق کا زبان سے اقرار کیا لیکن ایمان نہ لایا۔ اکدی کا معنی قطع کرنا ہے اصل میں یہ کدیہ سے مشتق ہے کدیہ اس سخت پتھر کو کہتے ہیں جو کنویں میں ظاہر ہو جاتا ہے جس وجہ سے کنواں کھودنا مشکل ہو جاتا ہے۔ عرب کہتے ہیں اَکْدَی الحَافِرُ و اَجْبَلَ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی آدمی کھودتے وقت سخت پتھر یا پہاڑ تک جا پہنچے (2)۔

أَعِنْدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَىٰ ﴿٣٥﴾ أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ﴿٣٧﴾

"کیا اس کے پاس علم غیب ہے اور وہ دیکھ رہا ہے ۱؎ کیا وہ آگاہ نہیں ہوا جو موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہے ۲؎ اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں جو پوری طرح احکام بجالائے ۳؎"

۱؎ ہمزہ استفہام انکار کے لئے ہے اور فاء سببیہ ہے۔ معنی یہ ہوگا اگر اس کے پاس علم غیب ہوتا تو وہ جانتا ہوتا کہ جب وہ اس کا مال لے لے گا تو شرک کرنے کی صورت میں اس کا بوجھ اٹھا لے گا حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔

۲؎ یا اسے اس چیز کی کوئی خبر نہیں جو تورات میں ہے اور صحف ابراہیمی میں ہے۔ وہ ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کر دکھایا یہاں تک کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور اپنے رب کے پیغام پہنچائے اور انسانوں سے بہت سی تکلیفیں اٹھائیں یہاں تک کہ نمرود کی آگ پر صبر کیا۔ آپ کے رب نے چند معاملات میں آپ کو آزمایا جن کو آپ نے مکمل کیا تو فیہ کا معنی مکمل کرتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابوامامہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ وابراھیم الذی وفی کا معنی یہ ہے کہ آپ نے دن کے پہلے حصہ میں چار رکعات ادا کیں (3)۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل اللہ کو الذی وفی کے ساتھ کیوں ذکر کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب بھی صبح یا شام ہوتی تو آپ یہ آیت تلاوت کرتے فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ (4)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابودرداء اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما سے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 26، صفحہ 43 (الامیریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 254 (الفکر)
3۔ ایضاً 4۔ تفسیر طبری، جلد 26، صفحہ 43 (الامیریہ)

ارشاد بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابن آدم میرے لئے دن کے پہلے پہر چار رکعات ادا کر، میں اس کے آخری پہر میں تیرے لئے کافی ہو جاؤں گا(1) اسے ابوداؤد اور دارمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے نعیم غطفانی سے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب سے روایت کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پہلے اس لئے کیا کیونکہ تورات صحف ابراہیمی سے زیادہ مشہور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں ام منقطعہ ہے کیونکہ ام متصلہ کے لئے شرط یہ ہے کہ ام کے بعد ایسی چیز ہو جو ہمزہ کے بعد چیز کے مساوی ہو، جبکہ یہاں اس طرح نہیں۔ میں کہوں گا کہ اس آیت کے معنی میں یہ کہنا درست ہے کہ کیا اس کے پاس انبیاء کے توسط سے علم غیب ہے یا ان کے واسطہ کے بغیر علم غیب ہے کہ اس کی طرف سے کوئی اور بوجھ اٹھالے گا یا اس کے پاس مطلق علم غیب ہے ہی نہیں جو انبیاء اور کتب کے ذریعے حاصل ہوتا ہے کہ کوئی بھی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور استفہام انکاری ہے۔ معنی یہ ہوگا اس کے پاس کوئی علم غیب نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ کوئی دوسرے کا بوجھ اٹھائے گا۔ اس کے پاس ایسا علم ہے جو خبر متواتر اور خبر مشہور سے ثابت ہے کہ کتب سماویہ میں یہی موجود ہے کہ کوئی انسان دوسرے انسان کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾

''کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

لے وَازِرَةٌ صفت ہے، اس کا موصوف نفس محذوف ہے۔ اسی طرح اخرىٰ صفت ہے اور اس کا موصوف نفس محذوف ہے یا دوسرے کے گناہ کی وجہ سے کسی انسان کو نہیں پکڑا جائے گا۔ یہ ان مثقلہ سے مخفف ہے، اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے، جملہ اس کی خبر ہے، یہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر محل جر میں ہے اور فی صحف موسٰی سے بدل ہے یا یہ محل رفع میں ہے اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ھو ہے گویا سوال کیا گیا ما فی صحفھا کہ ان صحیفوں میں کیا ہے تو اس کے ساتھ جواب دیا کہ کوئی انسان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ایک آدمی کو کسی اور کے گناہ سے پکڑ لیتے، ایک آدمی باپ، بیٹے، بھائی، بیوی اور غلام کے بدلے میں قتل کر دیا جاتا یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے آپ نے اس طریقہ کار سے منع کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یہ پیغام پہنچایا کہ کوئی آدمی کسی اور کا بوجھ نہیں اٹھائے گا(2)۔ میں کہتا ہوں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے یہ کوئی حکم شرعی نہیں تھا بلکہ دور جاہلیت کا حکم تھا جس طرح کہ حضور ﷺ کی آمد سے پہلے قبیلہ اوس و خزرج میں یہ سلسلہ جاری تھا۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے معزز اور مالدار ہوتا تو وہ معزز قبیلہ کی عورت کے بدلے میں دوسرے قبیلے کے مرد، غلام کے بدلے میں آزاد اور ایک مرد کے بدلے میں دو آدمیوں کو قصاص کے طور پر قتل کر دیتے یہاں تک کہ یہ حکم نازل ہوا اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى کہ آزاد کو آزاد کے بدلے میں، غلام کو غلام کے بدلے میں اور عورت کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے۔ ہم نے اس قصہ کو سورۂ بقرہ میں ذکر کیا ہے۔

یہ آیت اس آیت کے مخالف نہیں جس میں ہے كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ اور حضور ﷺ کے اس فرمان کے مخالف بھی نہیں مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَلَهٗ وِزْرُهَا وَ وِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (3) اسے امام احمد اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ

1۔ مشکوٰۃ المصابیح:1313، جلد 1، صفحہ 376 (الفکر) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 255 (الفکر) 3۔ صحیح مسلم:1017، جلد 7، صفحہ 91 (العلمیہ)

عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کیونکہ برا طریقہ ایجاد کرنے والا دوسرے لوگوں کی راہنمائی اور ان کے فعل کے کرنے کا سبب بنتا ہے اس لئے اس پر گناہ ہوگا۔ اسی وجہ سے حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً اور حضور ﷺ کے فرمان اِذَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا اَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيْهِمْ ثُمَّ بُعِثُوْا عَلٰى اَعْمَالِهِمْ متفق علیہ۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسے امر بالمعروف کے ترک کرنے پر محمول کیا جائے گا۔ اسی طرح حضور ﷺ کا فرمان اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَاْخُذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ اَوْشَكَ اَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ الْعِقَابَ۔ کہ لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھ کو نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سب پر عذاب نازل فرمائے۔ اسے اصحاب سنن اربعہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

مسئلہ: میت پر گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب نازل ہونے کے بارے میں علماء اسلاف کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے۔

صحیحین میں عبداللہ بن ملیکہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی بیٹی مکہ مکرمہ میں فوت ہوئی تو ہم اس کے جنازہ کے لئے آئے وہاں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا، جبکہ وہ ان کے سامنے تھے کیا تم رونے سے باز نہیں آؤ گے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضور ﷺ ایسا فرمایا کرتے تھے پھر ایک روایت بیان کی اور کہا جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی ہوئے تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روتے ہوئے داخل ہوئے ہائے بھائی ہائے میرے ساتھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے صہیب کیا تم مجھ پر روتے ہو، جبکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ میت کو گھر والوں کے رونے سے عذاب دیا جاتا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوگئی میں نے اس روایت کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے۔ نہیں اللہ کی قسم حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے بلکہ یہ فرمایا تھا کافر میت کے عذاب میں اضافہ کر دیا جاتا ہے جب اس کے گھر والے اس پر روتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا تمہارے لئے قرآن کافی ہے اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى اس موقع پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ نہ کہا (2)۔

میں کہتا ہوں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خطاء کا ذکر کرنا ضعیف ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فقیہ تھے۔ آپ کی شہادت اثبات کی شہادت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے، ان میں سے ایک حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی ہے، اس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جس پر نوحہ کیا گیا تو اس نوحہ کی وجہ سے اسے عذاب دیا جائے گا۔ انہیں میں سے دوسری حدیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جسے ابو یعلیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ قبیلہ والوں کے رونے کی وجہ سے اسے گرم پانی کا عذاب دیا جاتا ہے۔ انہیں میں سے ایک حدیث حضرت انس اور عمران بن حصین رضی اللہ

1۔ صحیح مسلم: 29-928، جلد 6، صفحہ 7-206 (العلمیہ)
2۔ معجم کبیر: 2382، جلد 2، صفحہ 329 (العلوم والحکم)

عنہما کی ہے جو ابن حبان اپنی صحیح میں اور سمرہ بن جندب کی حدیث طبرانی کی کبیر میں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ابو یعلی کے ہاں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حدیث صحیح ہے تاہم اس حدیث کا تعارض اس آیت کے ساتھ باقی رہے گا۔ بعض علماء نے کہا رونے کی وجہ سے عذاب کفار کے ساتھ خاص ہے یا اس کے ساتھ خاص ہے جس نے خود رونے کی وصیت کی ہو عذاب محض رونے کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ بہاء حال کے لئے ہے۔ یعنی اسے عذاب ان کے رونے کی حالت میں ہوتا ہے۔ یہ دونوں قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں اور دونوں صحیح نہیں کیونکہ اگر عذاب کافر کے ساتھ خاص کر دیا جائے تب بھی تعارض ختم نہیں ہوتا کیونکہ آیت مومن اور کافر دونوں کو عام ہے۔ حدیث کے الفاظ جو بعض اسناد سے مروی ہیں وہ باء کے حالیہ ہونے کے منکر ہیں کیا تم دیکھتے نہیں کہ یہ الفاظ کہ قبیلہ کے رونے کی وجہ سے میت کے لئے گرم پانی کا عذاب ہوتا ہے یہ آخرت میں عذاب دیئے جانے کے بارے میں صریح ہے کیونکہ حمیم کا وقوع جہنم میں ہی ہو گا کسی اور جگہ نہیں ہو گا تو پھر عذاب کا زمانہ اور رونے کا زمانہ کیسے متحد ہوں گے اس لئے اس کے حال ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں عذاب دینے سے مراد فرشتوں کا اسے ان باتوں پر شرمندہ کرنا ہے جو اس کے گھر والے اسی کے بارے میں ذکر کرتے ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی، حاکم اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جو آدمی بھی فوت ہوتا ہے تو ایک بین کرنے والی کھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے اے پہاڑ اے سردار اور اسی قسم کی باتیں کرتی ہے اس کے لئے دو فرشتے معین کر دیئے جاتے ہیں جو اسے جھڑکتے ہیں میں اسی طرح کہتا تھا۔ یہ تاویل بھی تعارض کو ختم نہیں کرتی کیونکہ کسی غیر کے فعل کی وجہ سے زجر و توبیخ کرنا بھی اس آیت کے مخالف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تعذیب سے مراد یہ ہے کہ میت گھر والوں کے فعل سے دکھ محسوس کرتا ہے۔ حدیث کو طبرانی اور ابن ابی شیبہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے قیلہ بنت مخرمہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے بچے کا ذکر کیا جو مر گیا تھا پھر وہ رونے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اس رونے والی کو چپ کرائے اے اللہ کے بندو اپنے مردوں کو تکلیف نہ دو۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے، ائمہ نے اسی کو پسند کیا ہے۔ ان میں سے ابن تیمیہ بھی ہے۔ سعید بن منصور نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ایک جنازہ میں عورتوں کو دیکھا فرمایا واپس لوٹ جاؤ تم پر گناہ ہے تمہیں اجر نہیں دیا جائے گا تم زندوں کو فتنہ میں ڈالتی ہو اور مردوں کو عذاب میں مبتلا کرتی ہو۔ اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے صحیح قول یہ ہے کہ رونے سے عذاب اس میت کے لئے ہو گا جس کا اپنا معمول یہ تھا کہ وہ مرنے والے پر روتا یا جس نے خود نوحہ کرنے کی وصیت کی تھی یا جسے معلوم تھا کہ اس کے گھر والے اس پر نوحہ کریں گے اور اس نے ایسا کرنے سے منع نہ کیا تو اس صورت میں گناہ اس کے اپنے فعل کی وجہ سے ہوا کسی اور کے عمل کی وجہ سے نہ ہوا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾

"اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے[1]"

[1] یعنی جس طرح دوسرے کے گناہ سے کسی کو نہیں پکڑا جاتا اسی طرح کسی دوسرے کے اچھے عمل سے ثواب بھی نہیں دیا جائے گا اس کا عطف ان لا تزر پر ہے۔ یہ دونوں حکم صحف ابراہیم اور صحف موسیٰ علیہما السلام میں تھے۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ کسی اور کے عمل سے دوسرے کو ثواب نہیں دیا جاتا۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اور جمہور علماء کا نقطۂ نظر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے خلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا حکم منسوخ ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (1)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس آیت کا حکم حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی قوموں کے ساتھ خاص ہے، جبکہ اس امت کے لئے یہ حکم ہے انسان نے جو خود کیا اور جو اس کے لئے کیا گیا اس کا ثواب اسے ملے گا (2)۔

ربیع بن انس نے کہا یہاں انسان سے مراد کافر ہے (3) جبکہ یہ تعبیر درست نہیں کیونکہ کافر کو تو اپنے عمل کا ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ لام، علی کے معنی میں ہے کہ انسان پر انہیں اعمال کا بوجھ ہوگا جو اس نے خود عمل کیا۔ اس صورت میں اس آیت کا ماقبل آیت پر عطف عطف تفسیری ہوگا۔ جمہور نے احادیث اور اجماع سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہا کہ جب کوئی آدمی عمل کر کے کسی کو ثواب پہنچائے تو وہ ثواب پہنچتا ہے۔ احادیث میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی روح کو قبض کرتا ہے تو دو فرشتے اسے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب تیرا اپنے مومن بندے سے جو وعدہ تھا اس پر تو نے ہمیں ذمہ دار بنایا ہم اس کا عمل لکھتے رہے اب تو نے اس کی روح کو قبض کر لیا ہے اب ہمیں اجازت دو کہ ہم زمین میں رہیں تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میری زمین تو میری مخلوق سے بھری پڑی ہے جو میری تسبیح کرتے ہیں بلکہ میرے بندے کی قبر پر کھڑے ہو جاؤ اور قیامت تک سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہو اور میرے بندے کے حق میں لکھتے رہو۔ اسے ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (4)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عمل ایسے ہیں جن کا سلسلہ جاری رہتا ہے صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے نفع اٹھایا جاتا ہو یا نیک اولاد جو اس کے حق میں دعا کرتی ہو۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابو امامہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس حدیث سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ صدقہ جاریہ اور وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو اگر چہ اس کی کوشش میں سے ہیں لیکن بچے کی دعا تو اس کا ذاتی عمل نہیں، جبکہ اس کی دعا اس کے لئے نفع مند ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند کر دیتا ہے تو بندہ عرض کرتا ہے میرا درجہ کس لئے بلند کیا گیا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تیرے بچے نے تیرے لئے بخشش کی دعا کی ہے (6) اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے بھی ایک مرفوع روایت اسی طرح مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قبر میں میت کی مثال غرق ہونے والے کی طرح ہے وہ اپنے باپ، ماں، بیٹے اور با اعتماد دوست کی دعا کا انتظار کرتا ہے۔ جب دعا اسے پہنچتی ہے تو وہ دعا اس کے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعا کی وجہ سے قبروں میں پہاڑوں کی مقدار اجر داخل فرماتا ہے اور زندوں کی طرف سے مردوں کے لئے تحفہ استغفار ہے (7) اسے بیہقی اور دیلمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ایک اور مرفوع حدیث ہے میری امت امت مرحومہ ہے، وہ قبروں میں اپنے گناہوں کے ساتھ داخل ہوتی ہے اور قبروں سے نکلتی ہے تو اس کا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 255 (الفکر)
2۔ روح المعانی، جلد 17، صفحہ 11 (الفکر)
3۔ ایضاً، جلد 27، صفحہ 66 (الفکر)
4۔ حلیۃ الاولیاء، جلد 7، صفحہ 253 (السعادۃ)
5۔ صحیح مسلم: 1631، جلد 11، صفحہ 72 (العلمیہ)
6۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 509 (صادر)
7۔ شعب الایمان: 5905، جلد 6، صفحہ 203 (العلمیہ)

کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ مومنین جوان کے لئے استغفار کرتے ہیں اس کی وجہ سے انہیں گناہوں سے پاک کر دیا جائے گا۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں نقل کیا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کئی علماء نے اس پر اجماع کو نقل کیا ہے کہ دعا میت کو فائدہ دیتی ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ زندہ لوگوں کی دعا سے زندوں اور مردوں کا فائدہ حاصل کرنا اس امت کے ساتھ مختص نہیں، جبکہ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ ۞ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِاَخِیْ وَ اَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى جو صحف موسیٰ اور صحف ابراہیم میں مذکور ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کسی انسان کی نماز، روزہ، صدقہ، حج اور اس جیسے اعمال کا ثواب کسی دوسرے انسان کو نہیں پہنچتا۔ یہ اس امت مرحومہ کا خاصہ ہے کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ کے ساتھ منسوخ کر دیا۔ احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری ماں اچانک فوت ہوگئی اس نے کوئی وصیت نہیں کی میرا گمان ہے اگر وہ کوئی گفتگو کرتی تو ضرور صدقہ کرتی اگر میں اس کی طرف سے کوئی صدقہ کروں تو کیا اس کے لئے کوئی اجر ہوگا تو حضور ﷺ نے فرمایا ہاں، متفق علیہ (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہوگئیں، جبکہ وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری ماں فوت ہوگئی، جبکہ میں پاس موجود نہ تھا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اسے کچھ فائدہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں اسے فائدہ ہوگا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا باغ والدہ کی طرف سے صدقہ ہے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور چار دوسرے محدثین نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری والدہ فوت ہوگئی ہیں کون سا صدقہ افضل ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا پانی تو آپ نے کنواں کھدوایا اور فرمایا یہ سعد کی ماں کے لئے ہے (3)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ اسی طرح روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نفلی صدقہ کرے تو اسے اپنے والدین کی طرف سے کرے تو ان دونوں کے لئے اجر ہو جائے گا لیکن صدقہ کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی (4) دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل معاویہ بن جندہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔ اسی ضمن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ارشاد فرماتے کسی گھر کا کوئی آدمی فوت ہوتا ہے اور گھر والے اس کی وفات کے بعد اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں تو جبرئیل امین نور کے ایک تھال میں رکھ کر اسے تحفہ کے طور پر پیش کرتا ہے پھر قبر کے کنارے کھڑے ہو جاتا ہے اور کہتا ہے اے گہری قبر والے یہ تحفہ ہے جو تیرے گھر والوں نے تیرے لئے بھیجا ہے اسے قبول کر لے اور اس کی قبر میں اسے داخل کر دیتا ہے جس

1۔ صحیح مسلم: 1004، جلد 7، صفحہ 78 (العلمیہ)
2۔ صحیح بخاری: 2713، جلد 2، صفحہ 198 (الفکر)
3۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 55-54 (دار الکتب العربیۃ بیروت)
4۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 39-138 (القدسی)

سے قبر والا خوش ہوتا ہے۔ اس کے وہ پڑوسی غمگین ہوتے ہیں جنہیں کوئی چیز تحفہ کے طور پر نہیں بھیجی جاتی (1) اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے والدین کی وفات کے بعد والدین کی طرف سے حج کیا تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے حق میں جہنم سے آزادی کا فیصلہ لکھ دیتا ہے، حج کرنے والے کو بھی پورے حج کا ثواب دیا جاتا ہے اور والدین کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے اس سے بڑھ کر کوئی صلہ رحمی نہیں کہ آدمی حج کرے اور اس کا ثواب میت کی قبر میں اسے پہنچائے (2) اسے بیہقی اور اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں دو راوی مجہول ہیں۔ زید بن ارقم نبی کریم ﷺ سے عرض کرتے ہیں جس نے اپنے والدین کی طرف سے حج کیا، جبکہ انہوں نے خود حج نہ کیا تھا تو حضور ﷺ نے اس حج کو ان کی طرف سے شمار کیا اور (فرمایا) ان کی روحوں کو آسمانوں میں خوشخبری دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں نیک لکھا جاتا ہے۔ اسے ابو عبداللہ ثقفی نے نقل کیا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی عرض کی میں اپنی ماں کی طرف سے حج کرنا چاہتی ہوں، جبکہ وہ فوت ہو چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بتاؤ اگر تیری ماں پر کچھ قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتی تو اس نے عرض کی ضرور تو فرمایا تو اس کی طرف سے حج کر (3) اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی میرا والد فوت ہو گیا اور اس نے حج نہیں کیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا بتاؤ اگر تیرے والد پر کوئی قرض ہوتا کیا تو اسے ادا کرتا؟ تو اس نے عرض کی میں اسے ادا کرتا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ بھی اس پر قرض ہے، تو اسے ادا کر (3) اسے بزار اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی میت کی طرف سے حج کیا تو جس کی طرف سے حج کیا گیا ہے حاجی کے لئے اس جیسا اجر ہے (4) اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں روایت کیا ہے۔ عطاء اور زید بن اسلم رحمہما اللہ تعالیٰ کی مرسل روایت ہے کہا ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کیا میں اپنے والد کی طرف سے غلام آزاد کر سکتا ہوں، جبکہ وہ فوت ہو چکا ہے تو فرمایا آزاد کر سکتے ہو۔ اسے ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (5)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا لَبَّیْکَ عَنْ شُبْرُمَۃَ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا شبرمہ کون ہے؟ فرمایا وہ میرا بھائی ہے یا قریبی رشتہ دار ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اپنی طرف سے حج کر لیا ہے۔ اس نے عرض کیا نہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا پہلے اپنی طرف سے حج کرو پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا (6) اسے ابوداؤد، ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ عاص نے وصیت کی تھی کہ اس کی ماں کے بدلے میں اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا جائے تو ہشام نے پچاس غلام آزاد کئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں صدقہ، حج اور غلام کی آزادی مسلمان کی طرف سے ہوتی ہے گویا مسلمان کو اس کا ثواب پہنچتا ہے کافر کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا۔ حجاج بن دینار کی

2۔ شعب الایمان، جلد 6، صفحہ 205 (العلمیہ) 3۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 282 (القدسی) 4۔ ایضاً

5۔ ایضاً 6۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 3، صفحہ 59 (الزمان) 6۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 283

حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نیکی پر نیکی یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ ان کی طرف سے نماز پڑھ، اپنے روزوں کے ساتھ ان کی طرف سے روزے رکھ، اپنے صدقہ کے ساتھ ان کے لئے صدقہ کر۔ اسے ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(1) بریدہ والی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اگر میری والدہ کے ذمہ دو ماہ کے روزے ہوں کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں اس کی طرف سے روزے رکھوں تو حضور ﷺ نے فرمایا ہاں تم روزے رکھ سکتی ہو۔ عرض کی میری ماں نے کبھی حج نہ کیا تھا کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ فرمایا ہاں کرسکتی ہو اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی مر گیا اور اس کے ذمہ فرض روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے، متفق علیہ(3)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جو قبرستان سے گزرا اور اس نے دس مرتبہ سورۂ اخلاص کی تلاوت کی اور اس کا اجر قبرستان میں مدفون میتوں کو ہبہ کیا تو کل کرنے والے کو میتوں کے برابر اجر دیا جائے گا(4) اسے ابو محمد سمرقندی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی قبرستان میں داخل ہوا پھر سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص اور سورۂ تکاثر پڑھی پھر کہا میں نے جو تیرا کلام پڑھا ہے اس کا ثواب اس قبرستان کے مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے کرتا ہوں، وہ سب میت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں شفیع ہوں گے(5) اسے ابوالقاسم سعد بن علی نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو قبرستان میں داخل ہوا، اس نے سورۂ یٰسین کی تلاوت کی تو اللہ تعالیٰ میتوں کے عذاب میں تخفیف کر دیتا ہے(6) اور پڑھنے والے کو قبرستان کے مردوں کے برابر اجر و ثواب ملتا ہے۔ اسے عبدالعزیز صاحب خلال نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ وارد ہوا ہے کہ دفن کے وقت سورۂ فاتحہ میت کے سرہانے اور سورۂ بقرہ کی آیات پاؤں کی جانب پڑھی جائیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے۔ سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات اور آخری آیات پڑھنے کے بارے میں علاء بن حلاج کی مرفوع حدیث ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث اِقْرَءُوْا عَلٰی مَوْتَاکُمْ یٰسٓ کے بارے میں کہا(7) جمہور علماء نے یہ فرمایا کہ اس کی حالت موت میں پڑھو۔ عبدالواحد مقدسی نے کہا اس کا مطلب ہے کہ تم ان کی قبروں کے پاس پڑھو۔ محب طبری نے کہا اس کا مفہوم ہے کہ دونوں حالتوں میں سورۂ یٰسین پڑھو۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء سے نقل کیا ہے کہ ایک انسان کی وفات کے بعد غلام آزاد کرتے ہیں حج کرتے اور صدقہ کرنے کا ثواب اسے پہنچتا ہے(8)۔ ابوجعفر سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی جانب سے آپ کے وصال کے بعد غلام آزاد کرتے تھے(9)۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی جانب سے ایک موروثی غلام کو آزاد کیا، آپ یہ امید رکھتی تھیں کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی موت کے بعد بھی انہیں اس کا نفع ہوگا۔

حافظ شمس الدین بن عبدالواحد نے کہا ہر شہر میں ہمیشہ سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ لوگ جمع ہوتے ہیں اور اپنے میتوں کے لئے

1۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 3، صفحہ 59 (الزمان)
2۔ صحیح مسلم: 1149، جلد 8، صفحہ 22 (العلمیہ)
3۔ صحیح مسلم: 1147، جلد 8، صفحہ 20 (العلمیہ)
4۔ کنز العمال: 42596، جلد 15، صفحہ 655 (التراث الاسلامی)
5۔ اتحاف، جلد 10، صفحہ 373
6۔ تفسیر قرطبی، جلد 15، صفحہ 3
7۔ ایضاً، صفحہ 1
8۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 3، صفحہ 59 (الزمان)
9۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 3، صفحہ 59 (الزمان)

تلاوت کرتے ہیں، اس بارے میں کبھی ناپسندیدگی اور تعجب کا اظہار نہیں کیا گیا۔ اس عمل پر سب کا اجماع ہے۔ خلال نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ انصار کا کوئی آدمی جب فوت ہو جاتا تو وہ باری باری اس کی قبر پر جاتے اور قرآن حکیم کی تلاوت کرتے۔ احیاء العلوم میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورۂ فاتحہ، سورۂ فلق، سورۂ ناس اور سورۂ اخلاص پڑھو اور اسے قبرستان کے لوگوں کے لئے معین کر دو کیونکہ انہیں اس کا ثواب پہنچتا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کی توجیہ میں کہا کہ احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ صدقہ اور حج میت کو نفع دیتے ہیں کیونکہ اس کی نیت کرنے والا اس کا نائب ہے(1) بعض علماء نے اس آیت کی توجیہ میں فرمایا کہ مومن کو اس غیر کے عمل سے فائدہ ہونا اس کے ایمان پر منحصر ہے ایمان اس کی اپنی سعی ہے گویا غیر کا عمل اس کے اپنے عمل کے تابع ہو گیا اور وہ غیر اس کے قائم مقام ہو گیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ﴿۴۰﴾ ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ﴿۴۱﴾

"اور اس کی کوشش کا نتیجہ جلد نظر آ جائے گا ۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔"

1۔ یعنی قیامت کے روز اس کے میزان میں اس کی کاوش کو دیکھا جائے گا بشرطیکہ وہ مومن ہو جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو شرط نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے وہ شرط اللہ تعالیٰ کے لئے نیت کا خالص ہونا ہے یا یہ کہا جائے گا کافر کو دنیا ہی میں اس کا بدلہ دے دیا جاتا ہے۔ یہ اربتہ الشیء سے مشتق ہے۔

میں کہتا ہوں زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہاں سعی سے مراد قصد کرنا ہو۔ قاموس میں ہے سعی یسعی سعیا جیسے رعی یرعی رعیا اس کا معنی قصد کرنا، عمل کرنا، چلنا، دوڑنا، کھل ہونا اور کوشش کرنا ہے۔ بعض محققین نے کہا سعی کا معنی تیز چلنا ہے۔ یہ لفظ عمل میں کوشش کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ انسان کے لئے وہی کچھ ہے جو وہ اپنے عمل سے ارادہ کرے۔ اس آیت کا وہی معنی اور مفہوم ہے جو حضور ﷺ کے اس فرمان کا ہے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَّانَوٰی فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی الدُّنْیَا یُصِیْبُهَا اَوْ اِلَی امْرَاَةٍ یَنْکِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَاهَاجَرَ اِلَیْهِ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہ آیت اس معنی اور مفہوم پر دلالت نہیں کرتی کہ کسی کا عمل دوسرے کو فائدہ نہیں دیتا یہ معنی لینا کیسے درست ہو سکتا ہے، جبکہ نماز جنازہ اور حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں درود و سلام دونوں فرض ہیں۔ ان دونوں کا حکم عمل کرنے والے کے علاوہ دوسرے فرد کے فائدہ کیلئے کیا گیا ہے۔ پھر مومن کو پورا پورا اجر دیا جائے گا۔

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْکٰی ﴿۴۳﴾

"اور یہ کہ سب کو آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے 1 اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے 2۔"

1۔ یہ اور اس کا معطوف سب صحف ابراہیمی اور صحف موسوی میں موجود ہے۔ منتهی مصدر ہے جو انتہاء کے معنی میں ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابی بن کعب سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہ کرو ہر فکر اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی ہے وہاں جا کر ہر شے فنا ہو جاتی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس

1۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 3، صفحہ 58 (الزمان)

حدیث کا مفہوم وہی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کا ہے کہ مخلوق میں غور وفکر کرو خالق میں غور وفکر نہ کرو کیونکہ کوئی فکر اس کا احاطہ نہیں کر سکتی (1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے عظمت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے ہر چیز میں غور وفکر کرو اور خالق میں غور وفکر نہ کرو کیونکہ ساتویں آسمان اور اس کی کرسی کے درمیان سات ہزار نور کے پردے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی ماوراء ہے (2) معنی یہ ہے کہ انسان کی فکر کرسی تک بھی رسائی حاصل نہیں کر سکتی تو اس کی ذات تک کیسے رسائی حاصل کرے گی وہ اس سے بھی بلند اور ارفع ہے۔

آپ سے ہی ایک روایت ہے کہ مخلوقات میں غور وفکر کرو، خالق میں غور وفکر نہ کرو تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ ابونعیم نے حلیہ میں آپ سے ہی روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں غور وفکر کرو اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر نہ کرو (3)۔ ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں غور وفکر کرو، اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر نہ کرو (4)۔ میں کہتا ہوں فکر کا معنی یہ ہے کہ مقدمات کو ترتیب دینا تاکہ مطلوب کو حاصل کیا جا سکے۔ اب مقدمات کی ترتیب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور آثار میں ہو سکتی ہے، جبکہ مطلوب اس کی ذات ہے وہاں جا کر فکر اپنی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے کیونکہ عبادات سے بڑھ کر اس کے قرب کا تصور نہیں کیا جا سکتا، جبکہ اس کی ذات بے نیاز ہے جس میں نظر وفکر میں تعمق ممکن نہیں اس کی ذات میں فکر کی نفی اس تک بلا کیف پہنچنے کے منافی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى تقاضا کرتا ہے کہ سیر الی اللّٰہ کی انتہاء محض اس کی ذات تک ہو جس کو صوفیاء کی اصطلاح میں السیر الی الذات البحث فی اللّٰہ کہتے ہیں کیونکہ سیر صفات، شیون اور اعتبارات میں تو ہو سکتی ہے ذات بحت میں نہیں ہو سکتی جسے لا تعین سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن یہاں سیر سے مراد سیر نظری ہے جیسے حضرت مجدد الف ثانی نے تحقیق فرمائی ہے۔ اکثر مفسرین نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ مخلوق کی انتہاء اور رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ احسان کی ابتداء بھی اسی سے اور آرزوؤں کی انتہاء بھی وہی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یعنی انسان کے تمام اعمال کو اسی نے پیدا کیا ہے یہاں تک کہ مسکرانا اور رونا بھی اسی کی تخلیق ہے۔ عطاء بن ابی مسلم نے کہا اس کا معنی ہے اسی نے خوش کیا اور اسی نے غمگین کیا۔ مجاہد نے کہا جنتیوں کو جنت میں ہنسایا اور جہنمیوں کو جہنم میں رلایا جائے گا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا زمین کو نباتات سے ہنسایا اور آسمان کو بارش کے ساتھ رلایا (5)۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام بیٹھتے، شعر کہتے اور دور جاہلیت کی چیزوں کا ذکر کرتے، اس پر ہنستے تو حضور ﷺ بھی تبسم فرماتے (6)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ اسے ذکر کیا ہے وہ باہم بات چیت کرتے اور دور جاہلیت کا ذکر بھی آجاتا صحابہ ہنستے تو حضور ﷺ بھی تبسم فرماتے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے وہ ایک دوسرے کو شعر سناتے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کیا صحابہ ہنستے تھے؟ فرمایا ہاں، جبکہ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا تھا (7)۔ بلال بن سعد نے کہا صحابہ دن کے وقت کام کاج میں مصروف ہوتے اور بعض بعض سے ہنستے۔ جب رات ہوتی تو سب تارک

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 56-255 (الفکر)
2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 170 (العلمیہ)
3۔ کنز العمال، جلد 3، صفحہ 108 (التراث الاسلامی)
4۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 170 (العلمیہ)
5۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 256 (الفکر)
6۔ ایضاً
7۔ ایضاً

دنیا ہو جاتے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کھلکھلا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کا کوا نظر آتا۔ حضور ﷺ تبسم فرماتے تھے (1)۔ صحیحین میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب سے میں مسلمان ہوا ہوں آپ نے مجھ سے پردہ داری نہیں کی۔ آپ نے جب بھی مجھے دیکھا تو تبسم فرمایا (2)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر تبسم کرتے ہوئے نہیں دیکھا (3)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم وہ جانتے ہوتے جو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ روتے اور تھوڑے ہنستے (4) امام احمد، امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور ان الفاظ کا اضافہ کیا تم بستروں پر بیویوں سے لذت حاصل نہ کرتے اور پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْیَا ﴿۴۴﴾ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾

"اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے [1] اور یہ کہ اسی نے پیدا فرمائیں دونوں قسمیں نر اور مادہ [2]"

[1] جس میں کوئی روح نہ تھی اسے زندہ کیا جیسے نطفہ اسے حیوان بنا دیا، بیج کو درخت بنا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آباء کو مارا اور بیٹوں کو زندہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کافر کو معرفت سے محروم رکھ کر موت عطا کی اور مومن کو معرفت عطا کر کے زندگی عطا کی۔

[2] ہر حیوان سے جوڑا جوڑا بنایا۔

مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَ اَنَّ عَلَیْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾

"(وہ بھی) ایک بوند سے جب ٹپکتی ہے [1] اور یہ کہ اسی (اللہ تعالیٰ) کے ذمہ ہے دوسری بار پیدا فرمانا [2]"

[1] تُمْنٰى یعنی رحم میں ڈالا جاتا ہے کہتے ہیں منی الرجل و امنی الرجل۔ یہ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اور عطاء بن ابی رباح کا قول ہے، جبکہ دوسرے علماء کا کہنا ہے منیت الشئی یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اس کا اندازہ لگائے۔

[2] ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے نشاءۃ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے نَشْاَۃ سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں نشا ینشا کے مصدر ہیں، اس سے مراد موت کے بعد قیامت کے روز دوبارہ اٹھانا ہے۔ یہاں علی کا ذکر فرمایا جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ مقصود وعدہ کی تاکید ہے اور مجازی معنی میں ہے۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ۟ الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾

"اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور مفلس بناتا ہے [1] اور یہ کہ وہی شِعْرٰی (ستارے) کا رب ہے [2] اور یہ کہ اسی نے ہلاک کیا عاد اول (قوم ہود) کو [3]"

[1] اَغْنٰى فعل متعدی کا مفعول الناس ہے، یعنی لوگوں کو اموال کے ساتھ اور ضروریات کے بعد جن چیزوں کو وہ ذخیرہ کرتے ہیں ان کے ساتھ غنی کیا۔ قاموس میں ہے تغنّی اس نے اپنے اخراجات پورے کر لئے اور کچھ مال بچ گیا جس کو اس نے ذخیرہ کر لیا۔ ظاہر بات یہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 900 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح بخاری: 5739، جلد 5، صفحہ 2260 (ابن کثیر)
3۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 10، صفحہ 97 (الفکر)
4۔ صحیح بخاری: 6261، جلد 6، صفحہ 2447 (ابن کثیر)

ہے کہ تقدیر کلام یہ ہے هو اغنی واقنی واففر دلالت حال کی وجہ سے ضرورت نہ تھی اس لئے افقر کو حذف کر دیا، یعنی اسی نے غنی اور دولت مند بنایا اور اسی نے تنگدستی کا شکار کیا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے سونے، چاندی اور مختلف قسم کے اموال کے ساتھ غنی کیا اور اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں دیئے، فراخ روزی والا بنایا۔ قتادہ اور حسن رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اقنی کا معنی ہے اس نے خادم عطا کئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غنی بنایا اور اس نے آگے وصیت کی۔ مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ نے اسے جو عطا کیا اس پر وہ راضی ہوا اور قناعت کی۔ ابن زید نے کہا اللہ تعالیٰ نے اسے زیادہ عطا کیا اور اس کے مال میں کمی کی۔ دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔ اخفش نے کہا اقنی کا معنی فقیر بنا دیا ہے۔

ٹ شعری ایک ستارہ ہے جو جوزاء کے پیچھے ہوتا ہے یہ دو ستارے ہیں ان میں سے ایک کو عبور اور دوسرے کو غمیص کہتے ہیں۔ اسے یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ یہ دوسرے سے حقیر ہوتا ہے۔ یہاں شعری سے مراد عبور ہے۔ بنی خزاعہ اس کی عبادت کرتے تھے سب سے پہلے جس نے اس کی پوجا کی وہ ان کا ایک سردار تھا جسے ابو کبشہ کہتے تھے، اس نے شعری کی پوجا کی تھی اور قریش کی بتوں کی پوجا میں مخالفت کی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے عربوں کی دین میں مخالفت کی تو انہوں نے حضور ﷺ کا نام بھی ابو کبشہ رکھ لیا کیونکہ دونوں میں قدر مشترک قوم کی مخالفت تھی۔ یہاں اس کا خصوصی طور پر ذکر اس لئے کیا گیا کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور یہ لات، عزیٰ کی طرح عبادت کی مستحق نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں ایک قوم نے اس کی عبادت کی۔ اسی وجہ سے صحف ابراہیم اور صحف موسیٰ علیہما السلام میں خصوصاً ان کا ذکر ہوا۔

ٹ عَادًا الْاُوْلٰی سے مراد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد یہ پہلی قوم تھی جس پر عذاب آیا۔ انہیں ریح صرصر کے ساتھ ہلاک کیا گیا تھا۔ ان کے بعد بھی انہیں کی نسل کے لوگ تھے جنہیں عاد اخری کہا جاتا۔ نافع اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے ہمزہ کے حذف، اس کے ضمہ کو لام پر اور اس میں تنوین کو مدغم کر کے پڑھا ہے۔ قالون نے لام مضموم کے بعد واؤ کی جگہ ہمزہ ساکن پڑھا ہے، جبکہ باقی تنوین کو مکسور، لام کو ساکن اور اس کے بعد ہمزہ میں تخفیف کرتے ہیں، ابتداء میں بھی یہ جائز ہے۔ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق الاولی میں تین وجہیں ہیں پہلی یہ ہے کہ ہمزہ وصل کو ثابت رکھا جائے اور اس کے بعد لام کو ضمہ دیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اسے لولی پڑھا جائے لام کو مضموم اور پہلے ہمزہ وصل حذف کیا جائے کیونکہ اس کی ضرورت نہیں اس قسم کے کلمہ میں دونوں صورتیں ورش کے نزدیک بھی جائز ہیں۔ تیسری صورت سب سے بہترین ہے جو جمہور کی قرأت ہے کہ ہمزہ وصل کو ثابت رکھا جائے، لام کو ساکن کیا جائے اور فعل کے فاء کلمہ کے ہمزہ کو ثابت رکھا جائے۔

قالون کے مذہب کے مطابق اس میں تین صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے ہمزہ وصل کو ثابت رکھا جائے، لام کو ضمہ دیا جائے اور واؤ کے عوض ہمزہ کو ساکن کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے لام کو ضمہ دیا جائے، ہمزہ وصل کو حذف کیا جائے اور واؤ کے ہمزہ کو بھی حذف کیا جائے جس طرح ابو عمرو کی توجیہ میں ہے۔ تیسری صورت دانی نے کہا میرے نزدیک بہترین ہے اور ہمارے مذہب کے موافق ہے۔

وَثَمُوْدَاۡ فَمَآ اَبْقٰی ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰی ﴿۵۲﴾

"اور ثمود کو بھی پھر کسی کو نہ چھوڑا [1] اور (ہلاک کیا) قوم نوح کو ان سب سے پہلے وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے [2]"

[1] عاصم اور حمزہ نے ثمود کو بغیر تنوین کے پڑھا ہے اور وقف الف کے بغیر کرتے ہیں، جبکہ باقی قاری تنوین اور الف کے ساتھ وقف

کرتے ہیں۔ یہ قوم صالح تھی جنہیں اللہ تعالیٰ نے چیخ کے ساتھ ہلاک کیا تھا اور ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچا تھا۔

۲؎ عاد اور ثمود سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا تھا۔ آپ کی قوم ان دونوں قوموں سے زیادہ ظالم اور سرکش تھی کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام نے زیادہ عرصہ انہیں دعوت دی۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے، جھٹلانے اور حضرت نوح علیہ السلام کو اذیت دینے میں زیادہ سرکش تھے، وہ آپ کو مارتے یہاں تک کہ آپ کے جسم میں حرکت تک نہ رہتی اور مارنے کا مقصود یہ بھی ہوتا کہ لوگ آپ سے دور ہو جائیں۔

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾

"اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی پٹخ دیا ۱؎ پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا ۲؎ پس (اے سننے والے بتا) تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلائے گا ۳؎"

۱؎ وہ بستیاں جو ان کے مکینوں کے ساتھ الٹ دی گئی تھیں یہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں تھیں، یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے انہیں آسمان کی طرف اٹھایا پھر انہیں نیچے گرا دیا۔

۲؎ مَا غَشّٰى سے مراد پتھر ہیں جو نشان زدہ تھے۔ یہاں اسے لفظ مبہم کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے تاکہ ہولناکی بیان ہو اور جو انہیں عذاب پہنچا تھا اس کی عظمت کا بیان ہو۔

۳؎ تم شک کرتے ہو اور جھگڑا کرتے ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے تم جھٹلاتے ہو۔ یہاں خطاب ہر کسی کو ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی واضح نعمتوں اور قدرت قاہرہ میں شک اور جھگڑا جائز نہیں، جبکہ تم سابقہ قوموں کے احوال سن چکے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں خطاب ولید بن مغیرہ کو ہے۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾

"یہ ڈرانے والا (رسول عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے ۱؎"

۱؎ اسم اشارہ سے حضور ﷺ کی ذات یا قرآن حکیم مراد ہے۔ یہ بھی پہلے منذرین کی جنس میں سے ہے۔ الاولی کا صیغہ مونث اس لئے ہے کہ النُّذُرِ جماعت کی تاویل میں ہے۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اذا هوی سے لے کر النُّذُرِ الْاُوْلٰى تک امالہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو نے وہ کلمات جن میں را ہے ان کو بین بین کر کے پڑھا ہے، جبکہ ورش نے سب میں بین بین کر کے پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے فتحہ کو خالص کر کے پڑھا ہے۔

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾

"قریب آنے والی قریب آ گئی ۱؎ اللہ کے سوا اس کو کوئی ظاہر کرنے والا نہیں ۲؎"

۱؎ یعنی قیامت قریب ہو گئی اللہ تعالیٰ کے فرمان اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ میں جس کی قریب ہونے سے صفت ذکر کی گئی ہے۔

۲؎ یہ جملہ الازفة سے حال ہے۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ یہ محذوف موصوف کی صفت ہے جو نفس ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس میں تا مبالغہ کے لئے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ كَاشِفَةٌ مصدر ہو جس طرح باقیہ، عافیہ، یعنی اللہ تعالیٰ ہی اسے ظاہر کرے گا، اس کا ظاہر کرنا کسی اور کی شان نہیں۔ عطاء، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا کہ کوئی بھی نفس اس کی مخفی ہولناکیوں اور

شدائد کو ظاہر کرنے پر قادر نہیں، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو مومنین میں سے جس کے حق میں چاہتا ہے اسے ظاہر کر دیتا ہے۔

أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿٦١﴾

"بھلا کیا تم اس بات سے تعجب کر رہے ہو[1] اور (بے شرموں کی طرح) ہنس رہے ہو اور روتے نہیں ہو[2] اور تم نے کھیل مذاق بنا رکھا ہے[3]"

[1] هَٰذَا الْحَدِيثِ سے مراد قرآن حکیم ہے، اس کا عطف کلام محذوف پر ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی أَتَسْمَعُونَ فَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ۔ ہمزہ انکار کے لئے ہے یا استفہام کے لئے ہے، مقصود شرمندہ کرنا ہے۔

[2] تم استہزاء کرتے ہوئے ہنستے ہو اور خشوع و خضوع کرتے ہوئے روتے نہیں یا دنیوی لذات سے خوش ہوتے ہوئے تم ہنستے ہو اور تم نے اطاعت میں جو کوتاہی کی ہے یا نافرمانی میں جو زیادتی کی ہے اس پر غمگین ہو کر تم روتے نہیں۔

[3] جبکہ تم غافل ہو۔ سمود کا معنی کسی شے سے غفلت کرنا اور لاپرواہی کرنا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے دَعْ عَنَّا سُمُوْدَكَ، یعنی اپنی لاپرواہی کو ہماری طرف سے دور کر دو۔ یہ والبی اور عوفی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اہل یمن کی لغت کے مطابق السمود غنٰہ کا معنی بے نیاز ہونا ہے۔ جب وہ قرآن حکیم کو سنتے تو بے نیازی کا اظہار کرتے اور کھیل کھود میں مصروف ہو جاتے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ تکبر کا اظہار کرتے۔ مجاہد نے کہا غصے ہوتے، اعراض کرتے (1) ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے وہ تکبر کرتے ہیں۔ یہ سمد البعیر فی مسیرہ سے مشتق ہے، یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ اپنا سر اٹھا لے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی نقل کیا ہے کہا رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تو وہ تکبر کرتے ہوئے پاس سے گزر جاتے (2) تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی وَأَنتُمْ سَامِدُونَ۔ نہایہ میں کہا شمخ بانفه اس نے تکبر کرتے ہوئے ناک چڑھایا۔

فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴿٦٢﴾

"پس سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کی عبادت کیا کرو[1]"

[1] اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع و خضوع کرتے ہوئے، اس کے وعدہ اور وعید کی تصدیق کرتے ہوئے اور عبرت حاصل کرتے ہوئے سجدہ کرو اور صرف اسی کی عبادت کرو کسی اور کی عبادت نہ کرو یہاں فاء سببیہ ہے، اس کا عطف أَزِفَتِ الْآزِفَةُ پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور انسانوں نے سجدہ کیا اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے سورۂ نجم پڑھی، اس میں سجدہ کیا اور جو بھی افراد وہاں موجود تھے سب نے سجدہ کیا مگر قریش کے ایک بوڑھے نے کنکریوں اور مٹی کی مٹھی لی اور اپنی پیشانی پر رکھی اور کہا میرے لئے یہی کافی ہے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اسے دیکھا کہ اسے کافر کی حیثیت سے قتل کر دیا گیا، متفق علیہ (4)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ وہ امیہ بن خلف تھا۔ امام بخاری

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 258 (الفکر)
2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 173 (العلمیہ)
3۔ صحیح بخاری: 4581، جلد 4، صفحہ 1842 (ابن کثیر)
4۔ صحیح مسلم، جلد 5، صفحہ 64 (العلمیہ)

رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں سب سے پہلے جس سورت میں سجدہ کا حکم نازل ہوا وہ سورۂ نجم ہے پس رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا۔ زید بن ثابت سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سورۂ نجم پڑھ کر سنائی اور آپ نے سجدہ نہ کیا۔ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ممکن ہے اس وقت حضور ﷺ وضو کی حالت میں نہ ہوں یا سجدہ سے کوئی اور چیز مانع ہو۔ یہ حدیث سجدہ کی مطلقاً نفی نہیں کرتی لیکن یہ تاویل بہت ہی بعید ہے کیونکہ اگر سجدہ میں تاخیر کسی عذر کی وجہ سے ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس کو بیان کر دیتے اس لئے یہ روایت سجدہ کے واجب نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی ہے اللہ تعالیٰ نے سجدہ ہم پر فرض نہیں کیا مگر اگر ہم چاہیں تو سجدہ کر لیں۔ ہم نے سجدہ تلاوت کے مسائل اور ائمہ کا اختلاف سورۂ انشقاق میں ذکر کر دیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سورۃ القمر

آیاتہا ۵۵ | سُوْرَۃُ الْقَمَرِ مَکِّیَّۃٌ ۵۴ | رکوعاتہا ۳

سورۃ القمر مکی ہے، اس میں پچپن آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے معجزہ دکھانے کا سوال کیا۔ حضور ﷺ نے انہیں چاند کو دو ٹکڑوں میں دکھا دیا، جبکہ حراء پہاڑ ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان تھا(1)۔ شیخین نے صحیحین میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شیبان نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں چاند کو ٹکڑے ہوتے ہوئے دو دفعہ دکھایا(2)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں شق قمر دو دفعہ ہوا تو اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ سے لے کر سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ تک آیات نازل ہوئیں۔ شیخین اور حاکم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ میں نے حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں چاند کو دو ٹکڑوں میں پھٹے ہوئے دیکھا تو کفار مکہ نے کہا آپ نے چاند پر بھی جادو کر دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ(3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سندوں سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا، ایک ٹکڑا پہاڑ پر تھا اور دوسرا پہاڑ سے پرے تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گواہ رہنا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابوالضحیٰ نے مسروق سے، انہوں نے عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں چاند ٹکڑے ہوا تو لوگوں نے کہا ابن ابی کبشہ نے تم پر جادو کر دیا ہے اس لئے قافلہ والوں سے پوچھو تو انہوں نے قافلہ والوں سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا ہم نے بھی اسے دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(4)۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝

"قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا[1] اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں یہ بڑا زبردست جادو ہے[2]"

[1] قیامت کے قریب آنے والی نشانیوں میں سے چاند کے پھٹنے والی نشانی حاصل ہو چکی ہے۔

[2] اگر کفار ایسا معجزہ دیکھیں جو حضور ﷺ کی صداقت پر دلالت کرے، وہ اس میں غور و فکر کرنے اور اس پر ایمان لانے سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ جادو ہے جو نیست و نابود ہو جائے گا۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے مرالشيء و استمر یعنی چلا گیا جس طرح عربوں کا قول ہے قَرَّ الشَّيْءُ وَاسْتَقَرَّ۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ ابوالعالیہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 260 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 512 (العلمیہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 260 (الفکر)

نے کہا مستمر کا معنی قوی اور سخت ہے جو ہر جادو پر غالب آجاتا ہے۔ عربوں کا قول ہے مر الحبل یہ اس وقت بولتے ہیں جب رسی مضبوط ہو۔ امررتہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس کو مضبوطی سے باندھے۔ استمر الشی یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ مضبوط ہو جائے (1) ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی ہے یہ عام جادو ہے جو لگاتار پایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا وہ کڑوا ہے، یہ استمر سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ سخت کڑوا ہو۔ یہ جملہ شرطیہ جملہ معترضہ ہے جو کفار کی عادت کو بیان کرتا ہے۔

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③

"اور انہوں نے جھٹلایا (رسول خدا کو) اور پیروی کرتے رہے اپنی خواہشات کی اور ہر کام کے لئے ایک انجام ہے لے"

لے كَذَّبُوا کا عطف انشق پر ہے، یعنی انہوں نے نبی کریم ﷺ قرآن حکیم اور اللہ تعالیٰ کی قدرت میں سے جس کا مشاہدہ کیا اس کی تکذیب کی اور وحی کے ظاہر ہونے کے بعد بھی وحی کی اتباع نہ کی۔ ان دونوں کو ماضی کے الفاظ کے ساتھ ذکر نہیں کیا مقصود یہ شعور دلانا تھا کہ یہ ان کی پرانی عادت ہے اور ہر امر ثابت ہونے والا ہے خواہ وہ دنیا میں انتہا شکست اور فتح کی صورت میں ہو یا آخرت میں سعادت اور شقاوت کی صورت میں ہو کیونکہ جو چیز اپنی انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو وہ ثابت ہو جاتی ہے اور قرار پذیر ہوتی ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہر بات کی کوئی نہ کوئی انتہا ہے (2) ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے ہر مقدر امر ضرور واقع ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے جس امر کا وعدہ کیا ہے وہ ہر صورت واقع ہوگا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہر امر کی حقیقت ہے دنیا میں جو لوگوں کی طرف سے ہوگا وہ بھی ظاہر ہو جائے گا اور آخرت میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا وہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہر امر جو خیر میں ثابت ہو وہ اہل خیر کے ساتھ قائم رہے گا اور ہر امر جو شر میں موجود ہو وہ اہل شر کے ساتھ قائم رہے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ امر اچھا ہو یا برا اس کا ثبوت اپنے مستقر میں ہوگا۔ خیر اہل خیر کے ساتھ جنت میں ہوگی اور شر اہل شر کے ساتھ جہنم میں ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ تصدیق کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کا قول محقق ہوگا یہاں تک کہ وہ اس کی حقیقت ثواب اور عتاب کی صورت میں پہچان لیں گے (3)۔ ابو جعفر نے مستقر کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ امر کی صفت ہے اور کل کا عطف الساعۃ پر ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّنَ الْأَنبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤

"اور پہنچ چکی ہیں ان کے پاس (پہلی قوموں کی بربادی کی) اتنی خبریں جن میں بڑی عبرت ہے لے وہ (خبریں) سراسر حکمت ہیں پس ڈرانے والوں نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا لے"

لے ھم ضمیر سے مراد کفار مکہ ہیں، یعنی قرآن میں ان کے پاس سابقہ زمانوں یا آخرت کی خبریں آچکی ہیں۔ ما فیہ میں ما موصولہ ہے یا موصوفہ ہے۔ یہ اصل میں مزتجر تھا باب افتعال کی تاء کو زاء سے بدلا کیونکہ ان میں باہم مناسبت ہے، اسی طرح ذال کے ساتھ اس کی مناسبت ہے کیونکہ تاء حروف مہموسہ میں سے ہے، دال ذال اور زاء حروف مجہورہ میں سے ہیں، تاء اور ذال کا مخرج ایک ہے۔ مزدجر یہ مصدر میمی ہے، یہ ازدجار کے معنی میں ہے، یعنی ان کے پاس وہ چیز آچکی ہے جس میں نہی اور نصیحت ہے کیونکہ وہ معاصی سے رکنے اور نصیحت حاصل کرنے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ گزشتہ سرکش قوموں کی ہلاکت جنہیں آگ کی دھمکی دی گئی ہو اسی چیز کا تقاضا کرتی ہے۔

لے یہ حکمت اپنی انتہا تک پہنچنے والی ہے، اس میں کوئی خلل نہیں۔ حکمۃ یہ جاء کے فاعل سے بدل ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 260 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

ماتغن النذر میں ما نافیہ ہے یا استفہام انکاری کے لئے ہے۔ معنی یہ ہوگا نذر نے فائدہ نہ دیا یا نذر اسے کیا نفع دے گی۔ یہ نذیر کی جمع ہے جو منذر کے معنی میں ہے۔ اس سے مراد رسول ہے یا یہ مصدر ہے اور انذار کے معنی میں ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٦﴾

"پس آپ رخ انور پھیر لیں ان سے ایک روز بلائے گا (انہیں) بلانے والا ایک ناگوار چیز کی طرف ۔[1]"

[1] جب آپ کا ڈرانا انہیں کوئی فائدہ نہ دے تو آپ ان سے اعراض کر لیں۔ اس آیت کے حکم کو آیت قتال نے منسوخ کر دیا ہے۔ بزی نے الداع کو الداعی پڑھا ہے، وصل اور وقف دونوں صورتوں میں یاء کو ثابت رکھا ہے۔ ابو عمرو اور ورش نے وصل کی صورت میں ثابت رکھا ہے۔ یوم کا لفظ اذکر کی وجہ سے منصوب ہے اور جملہ مستانفہ ہے اور یخرجون والا جملہ یدعو کے مفعول بہ سے حال ہے جو محذوف ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی يَوْمَ يَدْعُوْهُمُ الدَّاعِي يَخْرُجُوْنَ یا یوم یخرجون کی ظرف ہے اور یخرجون جملہ مستانفہ ہے اور یوم سے مراد قیامت کا دن ہے۔ داعی سے مراد حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں، آپ بیت المقدس کی صخرہ پر کھڑے ہوں گے اور کہیں گے اے بوسیدہ ہڈیو، کٹی ہوئی جلدو اور ٹوٹے ہوئے بالو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم فیصلہ کے لئے جمع ہو جاؤ۔ اسے ابن عساکر نے زید بن جابر شافعی سے نقل کیا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کاف کو ساکن پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے کاف کو مضموم پڑھا ہے، یعنی ایک خوفناک چیز کی طرف بلائے گا جو عموماً واقع نہیں ہوتی۔ نفوس اس کو عظیم جانتے ہوئے اس کا انکار کر دیں گے۔

خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ﴿٧﴾

"(خوف سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے وہ پراگندہ ٹڈیاں ہیں ۔[1]"

[1] ابو عمرو، حمزہ، کسائی اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے خاشعا مفرد مذکر اسم فاعل کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ اس کا فاعل ظاہر ہے اور مونث حقیقی نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خاشعة واحد مونث کا صیغہ پڑھا ہے جس طرح اصل قاعدہ ہے۔ ابن کثیر، نافع، ابن عامر، عاصم اور ابو جعفر رحمہم اللہ تعالیٰ نے خشعا جمع مکسر کا صیغہ پڑھا ہے یہ ترکیب ٹھیک ہے لیکن یہ ترکیب ٹھیک نہیں مَرَرْتُ بِرِجَالٍ قَائِمِيْنَ غِلْمَانُهُمْ کیونکہ یہاں صیغہ پر نہیں جو فعل کے مشابہ ہو، یعنی ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی۔ یہ یخرجون کے فاعل سے حال ہوگا۔

اجداث کا معنی قبور ہیں وہ کثرت میں، ایک دوسرے سے ٹکرانے اور مختلف جگہوں پر بکھرے ہونے میں ایسے ہیں جیسے پھیلی ہوئی مکڑیاں، یہ جملہ بھی یخرجون کے فاعل سے حال ہے۔

مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۖ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٨﴾

"ڈرتے ڈرتے بھاگے جا رہے ہوں گے بلانے والے کی طرف کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے ۔[1]"

[1] ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے وصل و وقف دونوں صورتوں میں یاء کو ثابت رکھا ہے۔ نافع اور ابو عمرو نے صرف وصل میں ثابت رکھا ہے، یعنی وہ جلدی کرتے ہوئے اور بلانے والے کی آواز کی طرف گردنیں لمبی کئے ہوئے جائیں گے یا اسے دیکھتے ہوئے جائیں گے۔

عسر کا معنی انتہائی مشکل ہے یہ جملہ مستانفہ ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ﴿٩﴾

" جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے یعنی انہوں نے جھٹلایا ہمارے بندے کو ۱؎ اور کہا یہ دیوانہ ہے اور اسے جھڑکا بھی گیا ۲؎ "

۱؎ ھم ضمیر سے مراد آپ کی قوم ہے۔ عبدنا سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ عبدنا میں عمل کرنے کے اعتبار سے دو فعلوں کذبت اور کذبوا میں تنازع (1) فعلین ہے۔ کذبوا کو عامل بنایا اور پہلے فعل کا مفعول بہ محذوف مانا معنی یہ ہوگا قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی اور انہوں نے تکذیب کے بعد تکذیب کی جب بھی ایک زمانہ گزرا اور دوسرا زمانہ آیا تو انہوں نے آپ کی، تکذیب کی یہ سلسلہ ساڑھے نو سو سال تک چلتا رہا، یہ بھی جائز ہے کہ ایسے محذوف کو مقدر مانا جائے جو مذکور کا غیر ہو تو اس صورت میں تنازع فعلین کا قاعدہ جاری نہ ہوگا، یعنی انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا، جبکہ پہلے انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ یہ بھی جائز ہے کہ فعل کو لازم کی جگہ رکھا جائے اور مفعول کو مقدر نہ مانا جائے تب بھی یہ تنازع فعلین کے باب سے نہ ہوگا۔ معنی یہ ہوگا اس سے قبل قوم نوح سے تکذیب صادر ہوئی تو اب انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا اس صورت میں فعل اجمال کے بعد تفصیل کے لئے ہوگا۔

۲؎ اس کا عطف کذبوا پر ہے۔ مجنون مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ھو ہے۔ وازدجر کا عطف یا تو مجنون پر ہے، یعنی انہوں نے کہا کہ یہ مجنون ہے، جنوں نے اس پر غلبہ پالیا ہے اور اسے مخبوط الحواس بنا دیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا یا اس کا عطف قالوا پر ہے، یعنی انہوں نے مختلف طرح کی اذیتیں دے کر تبلیغ سے روکا اور کہا اے نوح اگر تم نہ رکے تو تمہیں رجم کر دیا جائے گا۔ عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ آپ کی قوم کا کوئی فرد آپ کو پیچھے گراتا، آپ کا گلا دباتا تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی جب آپ کو افاقہ ہوتا تو آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں یہ عرض کرتے اے اللہ میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ کچھ نہیں جانتے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے زہد میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے عبید بن عمیر سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾

" آخر کار آپ نے دعا مانگی اپنے رب سے کہ میں عاجز آ گیا ہوں پس تو (ان سے) بدلہ لے ۱؎ پھر ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے موسلادھار بارش کے ساتھ ۲؎ "

۱؎ جب حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اس کے بعد کوئی ایمان نہیں لائے گا اس لئے جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں ان پر آپ پریشان نہ ہوں تو اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کی کہ میری قوم مجھ پر غالب آ چکی ہے اب تو میری طرف سے ان سے انتقام لے اور عرض کی اے میرے رب زمین پر کافروں کا کوئی گھر نہ چھوڑ۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور فاجر ہی جنیں گے۔

۲؎ منھمر کا معنی سخت برسنے والا۔ یہ پانی چالیس روز تک برستا رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے ایسا پانی جس نے آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیا تھا۔

وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾

" اور جاری کر دیا ہم نے زمین سے چشموں کو پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لئے جو پہلے مقرر ہو چکا تھا ۱؎ "

۱؎ عُیُوْنًا نسبت سے تمیز ہے۔ معنی یہ ہوگا ہم نے زمین کے چشموں کو کھول دیا لیکن مبالغہ کے اظہار کے لئے کلام کے اسلوب کو بدل دیا

1۔ عامل دو ہوں اور معمول ایک ہو جس میں دونوں عامل عمل کر سکتے ہوں، مترجم۔

گویا یہ کہا ہم نے تمام زمین کو کھلے ہوئے چشمے بنا دیا۔ التقی یہ باب افتعال سے ہے اور باب تفاعل کا معنی دے رہا ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ فاعل متعدد ہوں لیکن ماءٌ کا لفظ واحد اور کثیر پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان اور زمین کا پانی مل گئے۔ عاصم محجدری نے اسی طرح پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق جو اس نے ازل میں مقدر کیا تھا اور لوح محفوظ میں لکھا تھا یا اس حالت میں جو ان کے لئے مقدر کی گئی تھی، یعنی آسمان سے برسنے والا پانی اور زمین سے نکلنے والا پانی برابر ہو گئے یا اللہ تعالیٰ نے جو امر ان کے لئے مقدر کیا تھا وہ طوفان کے ساتھ نوح علیہ السلام کی قوم کا ہلاک ہونا ہے۔

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾

"اور ہم نے سوار کر دیا نوح کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر[1] وہ بہتی جا رہی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے (یہ طوفان) بدلہ تھا اس (نبی) کا جس کا انکار کیا گیا تھا[2]"

[1] ہ ضمیر سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ الواح سے مراد چوڑے تختے ہیں۔ دسر کا معنی میخیں ہیں، یہ دسار یا دسیر کی جمع ہے۔ صفت کا صیغہ ذکر کیا گیا اور اسم کے قائم مقام رکھا گیا۔

[2] تَجْرِیْ یہ ذَاتِ اَلْوَاحٍ سے حال ہے، یہ ہماری حفاظت کے ساتھ محفوظ ہے۔ جزاء یا تو مفعول بہ ہے، تقدیر کلام یہ ہو گی فعلنا ذٰلک جزآءً یا مفعول مطلق ہے جَزَیْنَا قَوْمَ نُوْحٍ جَزَاءً۔ یہ انعام حضرت نوح علیہ السلام کی وجہ سے ہوا کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام نعمت ہیں جس کا انہوں نے انکار کیا کیونکہ ہر نبی اپنی امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رحمت ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ من، ما کے معنی میں ہے، یعنی یہ جزاء ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کا کافروں کے ہاں انکار کیا گیا یا اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس سے رکاوٹ ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام کی قوم کو غرق اور نوح علیہ السلام کو نجات دی، مقصود نوح علیہ السلام کو جزاء اور ثواب دینا تھا۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾

"اور ہم نے باقی رکھا اس (قصہ) کو بطور نشانی پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا[1] سو کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے[2]"

[1] ہم نے مذکورہ قصہ کو اپنی قدرت اور انبیاء کی صداقت پر نشانی بنا دیا ہے تاکہ بعد میں آنے والے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ضمیر منصوب سفینہ کی طرف لوٹ رہی ہے اللہ تعالیٰ نے جزیرہ کی سرزمین میں کشتی کو باقی رکھا۔ ایک قول یہ کیا گیا وادی پر طویل عرصہ تک باقی رکھا یہاں تک کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے اسے دیکھا، یہ جملہ معترضہ ہے جس طرح بعد والا جملہ۔

ھل استفہامیہ نصیحت حاصل کرنے پر برانگیختہ کرنے کے لئے ہے۔ فاء سببیہ ہے، اصل میں یہ مدتکر تھا۔ ذکر سے مفتعل کے وزن پر ہے باہمی مناسبت کی وجہ سے تاء کو دال سے بدل دیا پھر قریب المخرج ہونے کی وجہ سے ذال کو دال میں ادغام کر دیا۔

[2] یہاں استفہام عظمت بیان کرنے اور ہولناکی بیان کرنے کے لئے ہے، اس میں فاء سببیہ ہے کیونکہ سابقہ قصہ ہولناکی کا سبب ہے۔ نذر نذیر کی جمع ہے۔ فراء نے کہا انذار اور نذر دونوں مصدر ہیں جس طرح انفاق اور نفق مصدر ہیں اسی طرح ایقان اور یقین مصدر ہیں کیف کان کی خبر ہے کیونکہ یہ صدر کلام کا تقاضا کرتی ہے اس لئے اسے مقدم ذکر کیا۔ ورش نے اس صورت میں چھ جگہ

عذابی اورنذری میں یاء کو ثابت رکھا ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾

"اور بے شک ہم نے آسان کردیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا 1 عاد نے بھی جھٹلایا تھا پھر کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے 2"

1 ہم نے نصیحت حاصل کرنے کے لئے قرآن کو آسان بنادیا ہے، یعنی ہم نے مختلف قسم کی نصیحتیں، عبرت آموز واقعات، وعیدیں، سابقہ امتوں کے احوال ذکر کئے یا اس کا معنی یہ ہے ہم قرآن کو مختصر رکھ کر اور الفاظ میں مٹھاس رکھ کر یاد کرنے کے لئے قرآن کو آسان بنا دیا ہے۔

2 عاد نے حضرت ہود علیہ السلام اور تمام انبیاء کو جھٹلایا تو عذاب نازل ہونے سے پہلے انہیں میرا عذاب سے ڈرانا کیسے ہوا یا انہیں عذاب دے کر بعد والوں کے لئے ڈرانا کیسے ہوا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾

"ہم نے ان پر تند و تیز آندھی بھیجی ایک دائمی نحوست کے دن 1"

1 صرصرا سے مراد سخت ٹھنڈی ہوا جو بہت تیز ہو اور اس کی آواز بھی بڑی سخت ہو۔ نحس سے مراد جو دشمنوں کے لئے بڑا منحوس ہے اور اس کی نحوست دائمی ہے یا وہ دن لگاتار جاری رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کردیا یا وہ چھوٹے بڑے کے لئے منحوس تھا اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑا یا اس کی نحوست سخت تھی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ مہینے کے آخر میں بدھ کے روز شروع ہوئی تھی (1)۔

تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾

"وہ اکھاڑ کر پھینک دیتی لوگوں کو گویا کہ وہ منہ بیں اکھڑی ہوئی کھجور کے 1 پس کیسا (سخت) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے 2"

1 یہ ہوا لوگوں کو ان کی جگہوں سے اٹھاتی پھر سر کے بل انہیں پھینکتی اور ان کی گردنوں کو پیس دیتی۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں روایت بیان کی گئی کہ لوگ گھاٹیوں اور گڑھوں میں داخل ہوگئے بعض نے بعض کو پکڑ لیا۔ ہوا نے انہیں باہر نکالا اور پٹخ کر مار دیا (2)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ہوا لوگوں کو قبروں سے بھی نکال لاتی تھی (3)۔

لوگ ایسے تھے جیسے ایسے کھجور کے تنے جو اپنی جگہ چھوڑ چکے ہوں اور زمین پر گر پڑے ہوں۔ لفظ پر محمول کرتے ہوئے صفت کو مذکر ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مؤنث جیسے اعجاز نخل خاوية اور نخل باسقات۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں اعجاز نخل فرمایا جو کھجور کے وہ تنے ہوتے ہیں جن کی شاخیں کاٹی جاچکی ہوں کیونکہ یہ ہوا ان کے سروں کو ان کے جسموں سے الگ کردیتی تھی اور جسم بغیر سروں کے پڑے ہوتے تھے (4)۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 263 (الفکر)
2۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کازرونی، جلد 5، صفحہ 267 (الفکر)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 263 (الفکر)
4۔ ایضاً۔

لے اس کلام کو ہولناکی بیان کرنے کے لئے مکرر ذکر کیا۔ ایک قول یہ ذکر کیا گیا کہ پہلے کلام سے مراد وہ عذاب ہے جو انہیں دنیا میں پہنچا ہے اور دوسرے عذاب سے مراد وہ عذاب ہے جو آخرت میں انہیں پہنچتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے قصہ میں فرمایا لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾
فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾

"بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا پھر وہ کہنے لگے کیا ایک انسان جو ہم میں سے ہے (اور) اکیلا ہے ہم اس کی پیروی کریں پھر تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ لے"

لے نذر سے مراد انذرات، مواعظ اور رسل ہیں۔ بشرا فعل مقدر کا مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے جس کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہے۔ منا، بشرا کی صفت ہے، یعنی ہم اپنی ہی جنس کے بشر کی اتباع کریں یا جو ہمیں میں سے ایک ہے، جس کو مال و دولت میں ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔ واحدا، بشر سے بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے، یعنی وہ منفرد ہے اس کا کوئی پیروکار نہیں یا وہ ہمارے کمزور افراد میں سے ہے، ہمارے سرداروں میں سے نہیں۔ أبشرا میں حرف استفہام انکار کے لئے ہے۔ یہ انکار اس وجہ سے ہے کہ ان کا متبوع جنسیت میں ان کی مثل ہے اور انفرادی حیثیت میں ہم سے کم مرتبہ ہے۔ یہ انکار اتباع کے فعل پر نہیں کیونکہ اگر ان کا متبوع فرشتہ ہوتا یا انسانوں میں سے بادشاہ ہوتا تو وہ اس کی اتباع پر کسی قسم کا تعجب اور ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرتے اس لئے فعل کو مفعول بہ سے مؤخر مقدر ماننا ضروری ہے تاکہ اتباع پر ناپسندیدگی کے اظہار پر تاکید ہو۔ اگر ہم اس کی اتباع کریں گے تو ہم واضح خطا کار اور حق سے بہت دور ہوں گے۔ وہب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سعر کا معنی حق سے بہت دور ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی جنون ہے۔ کہتے ہیں ناقۃ مسعورۃ یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی اونٹنی بے مہار سرگرداں ہو۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی مشقت کا وہ عذاب ہے جسے ہم ناپسند کرتے ہیں (1) ایک قول یہ ذکر کیا گیا سعر، سعیر کی جمع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اس کا معنی عذاب ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی عذاب کی شدت ہے (2) گویا انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے قول کو الٹ دیا تھا جب آپ نے انہیں ارشاد فرمایا اگر تم میری اتباع نہ کرو گے تو تم حق سے دور اور دہکتی ہوئی آگ میں ہو گے تو جواب میں انہوں نے کہا اگر ہم نے آپ کی اتباع کی تو ہم واضح گمراہی اور دہکتی ہوئی آگ میں ہوں گے۔

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾

"کیا اتاری گئی ہے وحی اس پر ہم سب میں سے (یہ کیونکر ممکن ہے) بلکہ وہ بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے۔ لے"

لے ذکر سے مراد وحی اور کتاب ہے۔ کیا ان پر وحی کی گئی، جبکہ ہم میں ایسے افراد ہیں جو اس وحی کے زیادہ مستحق تھے۔ وہ کہنا یہ چاہتے تھے کہ ان پر وحی نہیں کی گئی بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتا ہے، متکبر ہے اور نبوت کا دعویٰ کر کے ہم پر بڑا بننا چاہتا ہے۔ یہاں بل کا لفظ اضراب کے لئے ہے مقصود فضیلت کی نفی کر کے رذالت کا دعویٰ کرنا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 264 (الفکر) 2۔ ایضاً

سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿٢٦﴾ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾

"کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے[1]۔ ہم بھیج رہے ہیں ایک اونٹنی ان کی آزمائش کے لئے پس (اے صالح!) ان کے انجام کا انتظار کرو اور صبر کرو[2]"

[1] جس دن عذاب نازل ہوگا اس دن وہ جان لیں گے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا غدا سے مراد قیامت کا دن ہے(1) کیا وہ جھوٹے اور متکبر ہیں یا حضرت صالح علیہ السلام۔ ابن عامر اور حمزہ نے مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے ستعلمون یہاں پر خطاب التفات کے طریقہ پر ہوگا، جبکہ باقی قراء نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور ماشانهم کا جواب ہے جب انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے اپنی صداقت پر معجزہ کا سوال کیا اور سرکشی کرتے ہوئے یہ کہا کہ ان کے لئے سرخ رنگ کی دس ماہ کی گابھن اونٹنی اس چٹان سے نکالو جس چٹان کو انہوں نے معین کیا۔

[2] ہم اس اونٹنی کو ان کے امتحان کے لئے نکالنے والے ہیں، اس صورت میں فتنة مفعول له ہے یا یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی اس حال میں کہ وہ ان کے لئے امتحان ہوگا۔

اے صالح علیہ السلام جو کچھ یہ اس کے ساتھ کرنے والے ہیں اس کا انتظار کیجئے اور ان کی اذیتوں پر صبر کیجئے یا ان کے انتظار پر صبر کیجئے۔

وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾

"اور انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں[1]"

[1] یعنی پانی تیری قوم اور اس اونٹنی کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہے، اس اونٹنی کے لئے ایک دن ہے اور ان کے لئے بھی ایک دن ہے۔ بینهم میں ضمیر جمع مذکر کی ذکر کی اور ذوی العقول کو غلبہ دیا۔ شرب سے مراد پانی کا حصہ ہے وہی حاضر ہو جس کی باری ہو۔ جب اونٹنی کی باری ہو وہ پانی پر حاضر ہو۔ جب دوسرے لوگوں کی باری ہو تو لوگ حاضر ہوں اونٹنی حاضر نہ ہو۔ احتضر اور حضر کا معنی ایک ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب اونٹنی غائب ہوتی تو لوگ پانی پر آ جاتے جب اونٹنی آ جاتی تو لوگ دودھ کے لئے آ جاتے(2)۔

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾

"پس ثمودیوں نے بلایا اپنے ایک ساتھی (قدار) کو پس اس نے وار کیا اور (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں پھر (معلوم ہے) کیسا تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے[1]"

[1] قوم ثمود نے قدار بن سالف کو بلایا اس نے تلوار سے اونٹنی پر حملہ کر دیا اور اسے زخمی کر دیا جس کے جواب میں ہم نے انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 265 (الفکر)　2۔ ایضاً

"ہم نے بھیجی ان پر ایک چنگھاڑ پھر وہ اسی طرح ہو کر رہ گئے جیسے روندی ہوئی خاردار باڑھ [1]"

[1] حضرت جبرئیل امین نے ان پر چیخ ماری تو وہ روندے ہوئے باڑے کی طرح ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا محتظر سے مراد وہ باڑا ہے جو ایک انسان درخت اور کانٹوں سے بناتا ہے تاکہ درندے اس پر حملہ نہ کر سکیں۔ اس میں سے جو چیز گر جاتی ہے اور بھیڑ بکریاں اسے پاؤں میں روند کر ریزہ ریزہ کر دیتی ہیں اسے ہشیم کہتے ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد خشک درخت ہے جسے باڑے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے یا اس سے مراد خشک گھاس ہے جو موسم سرما کے لئے وہ اپنے جانوروں کے لئے جمع کرتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بوسیدہ جلی ہوئی ہڈیوں کی طرح ہو جائے گا۔ سعید بن جبیر نے کہا اس سے وہ مٹی مراد ہے جو دیوار سے گرتی ہے (2)۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾

"بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ قوم لوط نے بھی جھٹلایا تھا پیغمبروں کو ہم نے بھیجی ان پر پتھر برسانے والی ہوا سوائے لوط کے گھرانے کے ہم نے ان کو بچا لیا سحری کے وقت [1] یہ (خاص) مہربانی تھی ہماری طرف سے اسی طرح ہم جزاء دیتے ہیں جو شکر کرتا ہے [2]"

[1] حاصب سے مراد ایسی ہوا ہے جو ان پر حصباء پھینکتی۔ حصباء سے مراد چھوٹے چھوٹے سنگریزے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا حصباء اس پتھر کو کہتے ہیں جو ہتھیلی کو نہ بھرے۔ بعض اوقات حاصب کا معنی پھینکنے والا ہوتا ہے، اس صورت میں اس کا معنی یہ ہو گا ہم نے ان پر پتھر پھینکنے والا بھیجا جو ان پر پتھر پھینکتا تھا۔

اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ یہ علیھم کی ضمیر مجرور سے مستثنیٰ ہے۔ نجینٰھم میں ھم ضمیر سے مراد اٰل لُوْطٍ ہے۔ بِسَحَرٍ سے مراد سحری کے وقت میں یہ رات کا آخری حصہ ہوتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے انہیں نجات دی اس حال میں کہ وہ سحری کر رہے تھے، یہ جملہ استثناء کی علت بیان کر رہا ہے۔

[2] نعمۃ یہ نجینا کی علت ہے۔ من عندنا یہ نعمۃ کی صفت ہے اور جس نے ایمان لاتے اور اطاعت کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کیا تو ہم اس کو بدلہ دیں گے جس طرح ہم نے آل لوط کو جزاء دی اور مشرکین کے ساتھ انہیں عذاب نہ دیں گے، مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾

"اور بے شک ڈرایا تھا انہیں لوط (علیہ السلام) نے ہماری پکڑ سے [1] پس جھگڑنے لگے ان کے بارے میں اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو اپنے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو لو اب چکھو (اے بے حیاؤ!) میرے عذاب

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 265 (الفکر)　　2۔ ایضاً

اور میرے ڈرانے کا مزہ[1]"

[1] حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ہم انہیں عذاب کے ساتھ پکڑ لیں گے۔ بطشتنا یہ انذر کا مفعول ثانی ہے۔ ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جھٹلایا اور انذار میں شک کیا۔

[2] انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے مہمان ان کے سامنے پیش کریں۔ یہ اس وقت کہا جب انہوں نے برائی کا قصد کیا تھا۔ وہ مہمان فرشتے تھے ان میں حضرت جبرئیل امین بھی تھے، یہ امردوں (بے ریش) کی صورت میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر بھیجا تا کہ حد سے تجاوز کرنے والوں پر مٹی سے بنے نشان زدہ پتھر برسائیں۔ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے افراد نے آپ کے گھر کا قصد کیا اور دروازہ کھولا تا کہ اس میں داخل ہوں تو فرشتوں نے کہا انہیں داخل ہونے دیں بے شک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں وہ آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے تو وہ گھر میں داخل ہو گئے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابن اسحاق اور ابن عساکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے جویبر رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت لوط علیہ السلام نے مہمانوں کی حفاظت کے لئے دروازہ بند کر دیا اور دروازے کے پیچھے سے اپنی قوم سے جھگڑنے لگے تو وہ دیوار پھلانگ کر گھر میں داخل ہو گئے۔ جب فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی اس حالت کو دیکھا تو کہا ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، وہ آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ حضرت جبرئیل امین نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے پر ان پر مارے تو سب کو اندھا کر دیا۔ وہ ششدر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے اور دروازہ نہیں پا رہے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اندھے ہی باہر نکالا انہیں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ہم نے ان کی آنکھوں کو بھی چہرے کی طرح سپاٹ کر دیا ان کی آنکھوں کا شق (ان کی ہیئت) بھی نظر نہیں آتی تھی۔ اکثر مفسرین نے یہی کہا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو بے نور کر دیا وہ ان فرشتوں کو نہیں دیکھتے تھے۔ انہوں نے کہا جب ہم داخل ہوئے تھے تو ہم نے انہیں دیکھا تھا اب وہ کہاں چلے گئے؟ جب انہیں نہ دیکھا تو واپس چلے گئے(1) تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبانوں پر یہ کہا فذوقوا عذابی و نذر۔ لو اب میرے اس عذاب کا مزہ چکھو جس سے میں نے تمہیں حضرت لوط علیہ السلام کی زبان پر ڈرایا تھا۔

وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾

"پس صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب نازل ہوا[1]"

[1] یعنی ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کی زبان پر جس چیز سے تمہیں ڈرایا تھا ان پر دن کے پہلے پہر پتھروں کی بارش کی صورت میں عذاب آیا۔ یہ عذاب موت کے بعد عذاب قبر کی صورت میں باقی رہے گا یہاں تک کہ انہیں دائمی عذاب تک پہنچا دے گا۔

فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾

"لو اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 266 (الفکر)
2۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی: 2733، جلد 7، صفحہ 84-483 (الفکر)

لئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟ اور آئے آل فرعون کے پاس ڈرانے والے ۔"

۱؎ ہر قصہ کے بعد تکرار کا فائدہ یہ ہے کہ نئے سرے سے تنبیہ اور نصیحت حاصل کریں جب اس انگیخت کو سنیں تو ہوشیار ہوں۔

۲؎ یہاں نذر سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ہیں اور جو معجزات انہیں عطا کئے گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں نذر سے مراد وہ معجزات ہیں جن کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی قوم کو خبردار کیا تھا۔ یہاں الِ فِرْعَوْنَ کے ذکر پر اکتفا کیا فرعون کا الگ ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ جب اس کی قوم کے لئے یہ نذر ہیں تو اس کی ذات کے لئے بدرجہ اولیٰ نذر ہوگی۔

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾

"انہوں نے جھٹلایا ہماری ساری آیتوں کو پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا جیسے کوئی زبردست قوت والا پکڑتا ہے کیا تمہاری قوم کے کفار بہتر ہیں ان سے یا تمہارے لئے معافی لکھ دی گئی ہے آسمانی نوشتوں میں ۔"

۱؎ انہوں نے ہماری نو نشانیوں کو جھٹلایا۔ صفوان بن عسال سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے دوسرے یہودی سے کہا اس نبی کے پاس چلو تو اس کے ساتھی نے کہا اسے نبی نہ کہو اگر انہوں نے یہ سن لیا تو وہ بہت خوش ہوں گے۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نو آیات بینات کے بارے میں پوچھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، ناحق کسی انسان کو قتل نہ کرو، کسی بری شخص کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاؤ کہ وہ اسے قتل کردے، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، کسی پاکدامن پر بدکاری کی تہمت نہ لگاؤ، میدان جنگ سے فرار اختیار نہ کرو۔ اے یہودیو! تمہارے لئے خصوصی حکم یہ ہے کہ تم ہفتہ کے روز حد سے تجاوز نہ کرو۔ راوی نے کہا دونوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔ دونوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں آپ نے پوچھا کون سی چیز تمہیں ایمان لانے سے روکتی ہے؟ دونوں نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ ہمیشہ ان کی اولاد میں کوئی نبی رہے ہم ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے آپ کی اتباع کی تو یہودی ہمیں قتل کر دیں گے۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ہم نے انہیں عذاب میں پکڑ لیا یعنی ہم نے انہیں سمندر میں غرق کر دیا اور پھر انہیں جہنم میں داخل کر دیا۔ عزیز کا معنی ایسا غالب جس پر غلبہ نہ پایا جاسکے جو انتقام لینے پر قادر ہے جو وہ ارادہ کرے اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی چیز اسے ارادہ سے روکتی ہے۔ اے مومنو! کیا تمہاری قوم کے کافر قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط اور قوم فرعون جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ان سے قوت، تعداد مقام و مرتبہ اور دین میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بہتر ہیں۔ یہاں استفہام انکاری ہے، یعنی یہ لوگ ان سے بہتر نہیں تو پھر یہ لوگ اس عذاب سے کیسے بے خوف ہو گئے جو ان قوموں پر عذاب نازل ہوا تھا۔ یا اے اہل مکہ تمہارے لئے آسمانی کتابوں میں عذاب سے امان ہے کہ تم میں سے جس نے کفر کیا اور رسولوں کی تکذیب کی تو اسے عذاب نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ عذاب سے امن میں ہوں گے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾

"یا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہے گی ۱؎ عنقریب پسپا ہوگی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ

جائیں گے ۲؎"

۱؎ یا کفار یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک جماعت ہیں جو غالب ہے اور اس کا قصد ہی نہیں کیا یا ہمارا امر مجتمع ہے دشمنوں سے محفوظ ہے اس پر غالب نہیں پایا جا سکتا۔ یا ہم میں سے بعض بعض کی مدد کرنے والے ہیں۔ منتصر کو واحد ذکر کیا اسے لفظ جمیع پر محمول کیا اور آیات کے سروں کی موافقت کی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ یوم بدر کو انہوں نے کہا تھا ہم غالب قوم ہیں(1)۔

۲؎ یعقوب نے اسے سنھزم متکلم معروف کا صیغہ پڑھا ہے اور الجمع کو مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے واحد غائب مجہول اور الجمع کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ مسند الیہ ہے۔ الدبر کو واحد ذکر کیا، جبکہ محل جمع الادبار کا تھا ایک تو جنس مراد لی اور دوسرا آیات کے سروں کی موافقت کا لحاظ رکھا جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے ضربنا منهم الراس یا اس تاویل کی بناء پر کہ ان میں سے ہر ایک اپنی پشت پھیرتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جبکہ آپ یوم بدر کو قبہ میں تشریف فرما تھے اے اللہ میں تیرے عہد اور تیرے وعدہ کا تجھے واسطہ دیتا ہوں اگر تیری مشیت یہی ہے کہ آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے (تو مسلمانوں کی شکست کی صورت میں تیری عبادت نہ کی جائے گی) تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے لئے یہ کافی ہے آپ نے اپنے رب سے اصرار کر لیا آپ ﷺ قبہ سے باہر تشریف لائے تو آپ زرہ میں جست لگا رہے تھے اور کہہ رہے تھے سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ(2) میں اس وقت نہیں جانتا تھا کہ کونسی جماعت کو شکست ہوگی جب بدر کا روز تھا میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا آپ زرہ میں جست لگا رہے تھے اور زبان سے یہ کہہ رہے تھے سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سعید بن مسیب کا قول ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا تھا(3) عبدالرزاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی تفاسیر میں عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کی مرسل سے روایت کیا ہے۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں روایت کیا ہے۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ﴿۴۷﴾

"بلکہ ان کے وعدہ کا وقت (روز) قیامت ہے اور قیامت بڑی خوفناک اور تلخ ہے بے شک مجرم گمراہی اور پاگل پن کا شکار ہیں ۱؎"۔

۱؎ اہم چیز کی طرف انتقال کے طریقہ پر بل اضراب کے لئے آیا ہے سب کو عذاب دینے کے لئے یہی وقت مقرر کیا گیا ہے دنیا میں وہ جن تکالیف کا سامنا کرتے ہیں وہ تو آخرت کے عذاب کا مقدمہ ہیں قیامت کے روز جس عذاب کا انہیں سامنا ہوگا اس نسبت سے دنیا کی تکالیف عذاب نہیں کہلا سکتیں۔ یہی وجہ ہے دنیا میں تمام کافروں کو عذاب نہیں دیا جاتا حالانکہ وہ سب عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔ ادھی کا معنی ہے بہت بڑی مصیبت۔ داھیۃ ایسے خوفناک امر کو کہتے ہیں جس سے چھٹکارے کی کوئی راہ سجھائی نہ دے اور یہ دنیا کے عذاب سے زیادہ کڑوا ہوگا۔ مجرمین سے مراد کافر ہیں تخصیص کے بعد تعمیم کا ذکر ہے مقصود کفار مکہ کے احوال بیان کرنے کے بعد عام

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 64 (الامیریہ) 2۔ صحیح بخاری: 4594، جلد 4، صفحہ 1845 (ابن کثیر) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 267 (الفکر)

کافروں کی حالت کا بیان ہے، یعنی وہ دنیا میں گمراہ اور آخرت میں آگ میں ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ فی ضلال کا معنی یہ ہے کہ وہ آخرت میں جنت کا راستہ بھٹک جائیں گے اور دہکتی آگ میں ہوں گے۔ حسن بن فضل نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی یہ ذکر کیا کہ وہ تھکاوٹ اور عذاب میں ہوں گے (1)۔

يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾

"اس روز انہیں گھسیٹا جائے گا آگ میں منہ کے بل (انہیں کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ۔ ؎"

؎ انہیں آگ میں منہ کے بل گھسیٹا جارہا ہوگا انہیں کہا جائے گا تم آگ کی تپش اور دکھ چکھو کیونکہ سقر (جہنم) کو چھونا الم کا سبب ہے۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾

"ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک اندازے سے ؎ اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے ؏"

؎ لفظ کل ایک محذوف فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہے، یہ جملہ کفار کے ذکر کے درمیان جملہ معترضہ ہے مقصود قریش کی مخاصمت کو رد کرنا ہے۔ امام مسلم اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ قریش کے مشرک آئے، وہ رسول اللہ ﷺ سے تقدیر کے بارے میں جھگڑ رہے تھے تو ان المجرمین سے لے کر خلقنٰہ بقدر تک آیات نازل ہوئیں (2)۔ یعنی ہم نے ہر شے کو سابقہ تقدیر کے ساتھ پیدا کیا یا ہم نے اسے پیدا کیا اس حال میں کہ وہ مقدر تھی لوح محفوظ میں مکتوب تھی اس سے پہلے ہی معلوم تھی ہم اس کا حال اور زمانہ جانتے تھے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ مخلوقات میں سے اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا ایسا اندازہ لگایا جو اس کے مناسب تھا (3) یعنی جو حکمت کا تقاضا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام کی تقادیر کو لکھ دیا فرمایا اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا (4)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے طاؤس بن مسلم یمانی سے روایت کی کہ میں حضور ﷺ کے چند صحابہ کو ملا جو یہ کہتے ہر چیز تقدیر کے مطابق ہے یہاں تک کہ نادانی اور دانائی بھی (5)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تک بندہ چار چیزوں پر ایمان نہ رکھے مومن نہیں ہو سکتا (1) وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، (2) اس کے معبود برحق ہونے، (3) حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دے، (4) موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان لائے اور تقدیر پر ایمان لائے (6)۔ اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا میری امت میں زمین میں دھنسنا اور شکلیں بگڑنے کا عذاب نہیں ہوگا۔ یہ عذاب تقدیر کو جھٹلانے والوں کے لئے ہوگا (7)۔ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہیں سے روایت کیا ہے۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی تیمارداری نہ کرو اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو (8) اسے امام احمد اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 268 (الفکر)
2۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 45-144 (الفکر)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 268 (الفکر)
4۔ صحیح مسلم، جلد 16، صفحہ 166 (العلمیہ)
5۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 268 (الفکر)
6۔ جامع ترمذی، جلد 4، صفحہ 393 (الفکر)
7۔ جامع ترمذی، جلد 4، صفحہ 397
8۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 75، الفکر

ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابوخزامہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے بتائیں یہ تعویذ جو ہم کرتے ہیں اور دوائی جو ہم بیماری کے لئے استعمال کرتے ہیں اور پرہیز جو ہم کرتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو پھیر سکتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں سے ہے (1) اسے امام احمد، امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اس باب میں بے شمار احادیث ہیں اس پر صحابہ اور بعد کے اہلسنت کا اجماع ہے۔

۲۔ اشیاء کو پیدا کرنا، انہیں نیست و نابود کرنا اور انہیں دوبارہ اٹھانا مگر ایک فعل ہے وہ ایجاد کرنا ہے اور مٹا دینا ہے اس میں کسی قسم کی مشقت نہیں ہوتی۔ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صرف ایک کلمہ ہے وہ ایجاد کے وقت کلمہ کن اور نیست و نابود کرتے وقت تک صیحہ (سخت آواز) ہے دوبارہ اٹھانا آسانی اور تیزی کے ساتھ متحقق ہوگا۔ پہلی تعبیر میں واحدۃ کا موصوف فعلۃ ہے اور دوسری تعبیر میں کلمۃ ہے۔

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے قیامت کے آنے کا امر تیزی میں ایسے ہے جیسے آنکھ جھپکنا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (2)۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾

"اور بے شک ہم نے ہلاک کر دیا جو (کفر میں) تمہارے ہم مشرب تھے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا ۱۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے ان کے نامہ اعمال میں درج ہے ۲۔"

۱۔ اشیاع، شیع کی جمع ہے جس کا معنی مثل ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے معنی یہ ہوگا اے اہل مکہ تم سے پہلے جو لوگ کفر میں تمہاری مثل تھے انہیں ہلاک کیا تھا۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو ان سے عبرت حاصل کرے۔ یہاں فاء سببیہ ہے اور حرف استفہام امر کے معنی میں ہو کر برانگیختہ کرنے کے لئے ہے۔ معنی یہ ہوگا اے اہل مکہ ہم نے تم جیسے لوگوں کو ہلاک کیا اسے یاد کرو اور نصیحت حاصل کرو۔ یہ کلام اس سابقہ کلام کے ساتھ متصل ہے جس میں اہل مکہ کو شرمندہ کیا گیا درمیان میں جملہ ہائے معترضہ ہیں۔

۲۔ فعلوہ میں یہ جملہ شیء کی صفت ہے، یعنی جو مکلف لوگوں نے عمل کیا ہے وہ ثابت اور لکھا ہوا ہے۔ زبر سے مراد فرشتوں کے صحیفے ہیں جو چھوٹے بڑے کو نہیں چھوڑتے بلکہ سب کو شمار کر لیا ہے پس قیامت کے روز انہیں بدلہ دیا جائے گا یا زبر سے مراد لوح محفوظ ہے۔

وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾

"اور ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے ۱۔ بے شک پرہیزگار باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے ۲۔"

۱۔ مکلفین کے تمام اعمال مراد ہیں یا مخلوقات، ان کے اعمال اور ان کی موت کی مدتیں مراد ہیں۔ کراماً کاتبین کے صحیفوں میں لکھے ہوئے ہیں یا لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔ یہ جملہ سابقہ جملہ کا بیان، تفسیر اور تاکید ہے یا ایک سے مراد ہے کہ وہ کراماً کاتبین کے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے اور دوسرے سے مراد یہ ہے کہ وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

۲۔ نہر سے مراد پانی، شراب، شہد اور دودھ کی نہریں ہیں۔ یہاں لفظ مفرد ذکر کیا اسم جنس پر اکتفا کرتے ہوئے اور آیات کے سروں کی رعایت کرتے ہوئے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نہر کا معنی وسیع روشنی میں ہوں گے، اسی سے لفظ نہار بھی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ

1۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 73 (الفکر) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 269 (الفکر)

علیہ نے کہا اعراج نے نُہُر پڑھا ہے، یہ نہار کی جمع ہے، یعنی اس کی رات نہ ہوگی(1)۔

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

''بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے ۱؎۔''

۱؎ ایسی جگہ جہاں کوئی لغو بات اور گناہ نہیں ہوگا، اس سے مراد جنت ہے یا پسندیدہ مکان میں ہوں گے۔ جوہری نے کہا اس سے ایسا فعل مراد ہے جو فضیلت والا ہے جس کے ظاہر و باطن میں صدق ہو کوئی خرابی اور عیب نہ ہو۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ اور اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس مکان کی تعریف صدق سے فرمائی پس اس میں اہل صدق ہی ٹھہریں گے(2)۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں جو تمام اشیاء کا مالک ہے وہ قادر ہے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ اس کی عندیت کی کوئی کیفیت نہیں، عقول اور اذہان اس کا ادراک نہیں کر سکتے ہاں وہ معزز ادراک کر سکتے ہیں جن کی بصیرت سے اللہ تعالیٰ نے پردہ ہٹا دیا ہو۔ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ذکر کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ہر چیز اس کی ملک اور قدرت میں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 269 (الفکر)
2۔ ایضاً۔

سورۃ الرحمٰن

اٰیاتہا ۷۸ سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِیَّۃٌ ۵۵ رکوعاتہا ۳

سورۃ الرحمٰن مدنی ہے، اس میں اٹھتر آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

" رحمٰن نے (اپنے حبیب کو) سکھایا ہے قرآن۔ اسی نے پیدا فرمایا انسان (کامل) کو۔ (نیز) اسے قرآن کا بیان سکھایا "

۱؎ یہ کافروں کے قول کا جواب ہے انہوں نے یہ کہا تھا الرحمن رحمن کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو دنیوی اور اخروی تمام نعمتوں کا مالک ہے، یعنی پیدائش سے لے کر تا ابد سب نعمتیں اس کے قبضہ میں ہیں جن کا لفظ رحمٰن تقاضا کرتا ہے جو رحمت میں کمال مبالغہ کے لئے وضع کیا گیا ہے ان نعمتوں میں سے سب سے پہلے اس نعمت کا ذکر کیا جو دینی نعمتوں کی اصل اور سب سے معزز ہے وہ قرآن حکیم کو نازل کرنا اور اس کی تعلیم دینا ہے کیونکہ قرآن حکیم دین کی اساس ہے اسی میں دو جہانوں کی بھلائی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خَلَقَ الْاِنْسَانَ کا ذکر کیا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی تخلیق کا مقصد قرآن حکیم کا حصول ہے اسی وجہ سے انسان کو بیان کی تعلیم دی جب اس کا شرک کرنا، غیر اللہ کی عبادت کرنا اور ان کا یہ کہنا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا۔ رحمٰن کون ہے کیا ہم اس کو سجدہ کریں جن کے بارے میں تم کہتے ہو یہ ان کی طرف سے نعمتوں کے انکار پر دلالت کرتا ہے تو سورت میں بعض نعمتوں کے ذکر کے بعد اکتیس دفعہ توبیخ کا ذکر کیا مقصود انہیں جھنجھوڑنا اور متنبہ کرنا تھا جہاں ناشکری کے بعد وعید کا ذکر ہے تو مقصود جھڑکنا اور اس عمل سے روکنا ہے جہاں تقی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجالانے والے کے لئے وعدہ کے بعد ان الفاظ کا ذکر ہے وہاں مقصود برانگیختہ کرنا اور متوجہ کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ آیت کفار کے اس قول کا رد ہے اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ انہیں کوئی بشر تعلیم دیتا ہے۔ معنی یہ ہے کہ بشر قرآن جیسی بلیغ اور معجز کلام کی تعلیم نہیں دے سکتا بلکہ اس کی تعلیم تو رحمٰن دیتا ہے جو دنیوی اور اخروی تمام نعمتیں عطا فرمانے والا ہے جو اس کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ یہ نعمتوں میں عظیم ترین نعمت ہے جو دونوں جہانوں کی بھلائی کی طرف لے جانے والا ہے۔ لفظ الرحمن مبتدا ہے اور بعد والا جملہ اس کی خبر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں (1) انہیں ہی اشیاء کا علم عطا فرمایا، تمام لغتیں انہیں سکھائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سات لاکھ زبانوں میں گفتگو کرتے تھے ان زبانوں میں سے افضل عربی ہے ابو العالیہ اور حسن بصری نے کہا انسان سے مراد جنس انسان ہے (2)۔ انسان کو زبان، لکھنے، سمجھنے اور سمجھانے کے ذریعے بیان سکھایا یہاں تک کہ وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہو گیا اور وحی قبول کرنے اور قرآن نازل کئے جانے کے قابل ہو گیا۔ سدی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 270 (الفکر)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 270 (الفکر)

رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ ہر قوم کو اس کی زبان سکھائی جس کے ساتھ وہ باہم گفتگو کرتے تھے(1)۔ یہ بھی جائز ہے کہ انسان سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہو جسے قرآن سکھایا۔ قرآن میں ازل سے ابد تک کی چیزوں کا بیان ہے جو اس بیان کے مطابق ہے جو سابقہ رسل نے بیان کیا وہ لوگوں کے لئے سراپا ہدایت اور آپ کی نبوت پر دلیل ہے۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا(2) اس تعبیر کی صورت میں بعد والے دونوں جملے پہلے جملے کا بیان اور تفصیل ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے درمیان حرف عطف نہیں لایا گیا۔ یہ لفظ رحمٰن کی اخبار مترادفہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا حرف عطف اس لئے چھوڑ دیا گیا کیونکہ یہ سب جملے مستقل خبریں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا الگ الگ شمار کرنے کے لئے انہیں بغیر عطف کے لایا گیا ہے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝

"سورج اور چاند حساب کے پابند ہیں 1۔ اور (آسمان کے) تارے اور (زمین کے) درخت اسی کو سجدہ کناں ہیں 2۔"

1۔ حسبان یا تو مصدر ہے جیسے غفران، سبحان، قران، رجحان اور نقصان، یہ حسب حسبانا سے مشتق ہے یا یہ حساب کی جمع ہے جس طرح شہاب اور رکبان جمع کے صیغے ہیں۔ معنی یہ ہے کہ سورج اور چاند حساب سے اپنی منازل میں چلتے ہیں جو حساب مقدر اور معلوم ہے، جس کے ساتھ کائنات کے امور منظم ہوتے ہیں موسم اور اوقات مختلف ہوتے ہیں سال، حساب، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور قرضوں کی مدتوں کو جانا جاتا ہے۔

2۔ نجم نباتات میں سے ایسی چیز جس کا تنا نہیں ہوتا۔ شجر جس کا تنا ہو اور موسم سرما میں بھی باقی رہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں جس چیز کا ارادہ کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی اسی طرح اطاعت کرتے ہیں جیسے مکلف خوشی خوشی اطاعت کرتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نباتات کا سجدہ کرنے سے مراد ان کے سایہ کا سجدہ کرنا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ یہ دونوں جملے لفظ رحمٰن کی دوسری خبریں ہیں اسی طرح وہ جملے جو ان پر معطوف ہیں وہ بھی خبریں ہیں۔ ان دونوں جملوں میں حق نظم تو یہ تھا کہ یوں کلام کی جاتی اَجْرَى الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ بِحُسْبَانٍ وَاَسْجَدَ النَّجْمَ وَالشَّجَرَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ بِحُسْبَانِهٖ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ لَهٗ۔ خبر کے اندر ضمیر عائد کا ہونا ضروری تھا لیکن کیونکہ صورتحال واضح ہے اس لئے ضمیر عائد کو حذف کر دیا گیا۔ ان جملوں کے درمیان اور بعد والے جملوں کے درمیان حرف عطف داخل کر دیا گیا کیونکہ صانع پر دلالت کے اعتبار سے یہ سب مشترک ہیں۔ وہ صانع جو انداز و معین کرتا تدبیر فرماتا ہے اجرام علویہ اور سفلیہ کے احوال کو انتہائی خوبصورت اسلوب میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ۝

"اور آسمان اسی نے بلند کیا اور میزان (عدل) قائم کی 1۔ تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو 2۔"

1۔ السَّمَآءَ کا لفظ فعل مضمر کے ساتھ منصوب ہے جس کی تفسیر مابعد فعل رفعها کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند پیدا کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے میزان سے مراد عدل لیا ہے(3) معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے عدل کا حکم دیا اور ذمہ میں ثبت کر دیا یہاں تک کہ عالم کا نظام منظم اور درست ہو گیا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا میزان سے یہاں مراد ہر وہ چیز ہے جس کے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 270 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

ساتھ اشیاء کا وزن کیا جاتا ہے اور مقداروں کو معلوم کیا جاتا ہے(1) خواہ وہ میزان (ترازو)، مکیال (ماپنے کا آلہ)، ذراع (گز وغیرہ) اور اسی طرح کی دوسری چیزیں ہوں کیونکہ یہ انصاف کرنے کا ذریعہ ہیں وزن کا اصل معنی اندازہ کرنا ہے۔

تطغوا یا تو ان کی وجہ سے مضارع منصوب ہے، مصدر کے حکم میں ہے لام مقدر ماننے کے ساتھ اس کا وضع کے ساتھ تعلق ہے۔ مراد یہ ہوگی اللہ تعالیٰ نے میزان کو وضع کیا تاکہ تم میزان میں حق سے تجاوز نہ کرو اور نہ ہی ظلم کرو یا یہ نہی کا صیغہ ہے اور ان مفسرہ ہے، تقدیر کلام اس کی یہ ہے اَمَرَ اَنْ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ۔

وَ اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝

"اور وزن کو ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ اور تول کو کم نہ کرو۔"

اقیموا کا عطف تطغوا پر ہے کیونکہ لاتطغوا فعل نہی ہے اگر اسے فعل مضارع مانا جائے تو پھر اس کا عطف وضع پر ہوگا اور یہاں قال فعل کو مقدر ماننا ہوگا۔ وزن میں عدل کرو اللہ تعالیٰ نے تسویہ (برابری) کا جو حکم دیا ہے اس میں کمی نہ کرو۔ طغیان سے روکا جو حد سے تجاوز کرنا ہے، خسران سے روکا جو حق دینے میں کمی کرنا ہے، میزان کے لفظ کو تین دفعہ ذکر کیا۔ ضمیر ذکر کرنے پر اکتفا نہیں کیا مقصود اس حکم میں تشدید اور تاکید ہے اور اس پر برانگیختہ کرنا مقصود ہے۔

مسئلہ:۔ جو آدمی کیلی چیز کیل کے ذریعے، وزنی چیز وزن کر کے خریدے پھر کیل اور وزن کے ذریعے بیچے تو دوسرے خریدار کے لئے جائز نہیں کہ اسے بیچے یا اس میں سے استعمال کرے مگر اسی صورت میں جائز ہوگا کہ وہ نئے سرے سے اس میں کیل اور وزن کرے کیونکہ ممکن ہے کہ پہلے نے شرط سے زائد کوئی چیز دے دی ہو۔ اب زائد چیز پہلے آدمی کا حق ہے، جبکہ غیر کے مال میں تصرف کرنا حرام ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے کھانے کی بیع سے منع کیا مگر اس صورت میں کہ اس میں دو صاع (ماپنے کا آلہ) جاری ہوں ایک بیچنے والے کا اور دوسرا خریدنے والے کا(2) اسے ابن ماجہ اور ابن اسحق رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔ اسے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی وجہ سے معلل قرار دیا گیا۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔ اس کی دو ضعیف سندیں ہیں جو حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ بن کثیر سے، انہوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ دونوں باہم خشک کھجور کی خرید و فروخت کرتے تھے اور بوریوں میں رکھ چھوڑتے پھر سابقہ کیل سے یوں ہی آگے فروخت کر دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں منع کر دیا کہ وہ آگے سابقہ کیل پر بیچیں بلکہ اس وقت جائز ہوگا جب نئے خریدار کے لئے نئے سرے سے کیل کریں(3)۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث طرق کے کثیر ہونے اور ائمہ کے قبول کرنے کی وجہ سے حجت ہے۔ ہمارے اس قول کے موافق امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی قول ہے۔

مسئلہ:۔ بیع سے پہلے بیچنے والے کے کیل کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ وہ خریدار کے سامنے ہی کیوں نہ ہوا ہو کیونکہ اس صورت میں وہ بیچنے اور خریدنے والے کا صاع نہیں بنتا، جبکہ شرط اسی چیز کی لگائی گئی ہے بیع کے بعد مشتری کی عدم موجودگی میں بھی کیل کا کوئی اعتبار نہیں ہو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 271 (الفکر)
2۔ سنن ابن ماجہ: 2228، جلد 3، صفحہ 55 (العلمیہ)
3۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 8، صفحہ 39 (المجلس العلمی)

گا کیونکہ کیل مال سپرد کرنے میں شمار ہوتا ہے کیونکہ اسی کے ساتھ مبیع معین ہوتا ہے۔ مال کی سپردگی خریدار کی موجودگی میں ہی ہوتی ہے اگر بیع کے بعد مشتری کی موجودگی میں فروخت کرنے والے نے کیل کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا حدیث کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے کافی نہیں کیونکہ ظاہر کے مطابق دو صاع ضروری ہیں، جبکہ صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں ایک صاع (بائع کا ماپنا) کافی ہوگا کیونکہ اس صورت میں ایک کیل سے مبیع معلوم ہو چکا ہے اور مال کی سپردگی بھی متحقق ہو چکی ہے، جبکہ حدیث کا محل یہ ہے کہ دو خریداریاں ہوں جس طرح مسلم الیہ (بیع سلم (ا) میں جس نے مبیع ادا کرنا ہوتا ہے) نے کسی سے ایک کر (ب) (پیانہ) خریدا اور اس نے رب السلم (بیع سلم میں جس نے رقم دی ہوتی ہے) کو کہا کہ اس کر پر قبضہ کر لے تو یہ عقد اس وقت تک درست نہ ہوگا جب دو دفعہ الگ الگ اسے صاع کے ساتھ ماپا نہیں جائے گا کیونکہ یہاں دو عقد (دو خریداریاں) ہوئے ہیں کیونکہ اس میں شرط یہ ہے کہ ایک دفعہ کیل بیع سلم کے بائع کے لئے ہو اور دوسرا کیل بیع سلم کے مشتری کے لئے ہو۔

وَ الْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿۱۰﴾ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۪ۙ وَّ النَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿۱۱﴾ وَ الْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَ الرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾

''اور اس نے زمین کو پیدا کیا مخلوق کے لئے [1] اس میں گونا گوں پھل ہیں اور کھجوریں غلافوں والی [2] اور اناج بھی بھوسہ والا اور خوشبودار پھول [3]''

[1] الارض فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس فعل کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہے 'وضعها'' کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا اور اسے پست کر کے پھیلا دیا۔ انام کا معنی مخلوق ہے۔ قاموس میں ہے انام سحاب اور ساباط کے وزن پر ہے اس سے مراد مخلوقات، جن و انس یا جو بھی روئے زمین پر ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا انام سے مراد ہر ذی روح شے ہے (1)۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد جن و انس ہیں کیونکہ خطاب انہیں کو ہو رہا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے۔

[2] ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں فاکھۃ سے مراد ہر وہ نعمت ہے جس سے وہ لطف اندوز ہوتے ہیں ان نعمتوں کا کوئی شمار نہیں (2) یہ جملہ سابقہ جملہ کی علت بیان کر رہا ہے۔ اکمام، کِمّ کی جمع ہے یہ پھل کے غلاف کو کہتے ہیں۔

[3] حب سے مراد تمام قسم کے دانے ہیں جنہیں کھایا جاتا ہے جیسے گندم، جو وغیرہ۔ عصف کھیتی کے ورق اور خشک نباتات کو کہتے ہیں جیسے گھاس وغیرہ۔

ریحان سے مراد رزق اس سے مراد گودا ہے۔ اکثر مفسرین نے یہی معنی کیا ہے جس طرح عربوں کا قول ہے خرجت اطلب ریحان اللہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قرآن حکیم میں جہاں بھی ریحان کا لفظ آیا ہے اس سے مراد رزق ہے۔ حضرت حسن بصری اور ابن زید رضی اللہ عنہما نے کہا اس سے مراد وہ پھول ہے جسے تم سونگھتے (3) ہو۔ یہ روح سے فعلان کے وزن پر تھا،

1۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کازرونی، جلد 5، صفحہ 274 (الفکر) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 271 (الفکر) 3۔ ایضاً

(ا) اس بیع میں خریدار رقم پہلے دیتا ہے اور چیز ایک مدت کے بعد فروخت کرنے والا خریدار کے حوالے کرتا ہے۔

(ب) ایک پیانہ جس میں تقریباً سو من آتے ہیں، مترجم۔

واؤ کو یاء سے بدل دیا پھر ایک یاء کو دوسری میں مدغم کیا پھر تخفیف کرتے ہوئے ایک یاء کو حذف کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی اصل روحان ہے اس کی واؤ کو تخفیف کے لئے یاء سے بدلا۔ عام قراء نے والنخل ذات الاکمام والحب ذوالعصف والریحان تینوں اسماء کو فاکہۃ پر عطف کرتے ہوئے مرفوع پڑھا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ریحان کا عطف ذوالعصف پر ہو اور اس سے پہلے ذو کا لفظ محذوف ہو اور مضاف الیہ کو مضاف کا اعراب دے دیا گیا ہو۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے العصف پر عطف کرتے ہوئے الریحان کو مجرور پڑھا ہے، باقی کو فاکہۃ پر عطف کرتے ہوئے مرفوع پڑھا ہے۔ ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے والحبۃ والنخل ذات الاکمام والحب ذوالعصف والریحان تینوں کو الارض پر عطف کرتے ہوئے منصوب پڑھا ہے اور فعل مقدر کیا ہے خلق النخل ذات الاکمام و خلق الحب والعصف و خلق الریحان۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہاں ذا الریحان کا ارادہ کیا جائے، مضاف کو حذف کیا جائے اور مضاف الیہ کو مضاف کا اعراب دیا جائے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾

"پس (اے انس و جن) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے[1]۔ پیدا فرمایا انسان کو بجنے والی مٹی سے ٹھیکری کی مانند[2]"

[1] یہاں خطاب جن و انس کو ہے جس پر الانام کا لفظ اور اسی طرح ایها الثقلان کا لفظ دلالت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا تثنیہ کے لفظ سے خطاب واحد کو ہے جس طرح عربوں کی عادت ہے وہ اسی طرح خطاب کرتے ہیں اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے القیافی جھنم، اس میں فاء سببیہ ہے اور استفہام نعمتوں کی وضاحت اور ان کے جھٹلانے پر ناپسندیدگی کے اظہار کے لئے ہے کیونکہ نعمتوں کا ذکر ان کے اقرار کا سبب، انعام کرنے والے کے شکر اور ان کے جھٹلانے سے روکنے کا سبب ہے اسی طرح ناشکری پر وعید اور شکر پر وعدہ یہ بھی اقرار اور شکر کا سبب ہیں۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن منکدر سے، انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے سورۂ رحمٰن آخر تک تلاوت کی پھر فرمایا تمہیں کیا ہو گیا کہ تم خاموش ہو جن تم سے جواب دینے میں اچھے رہے میں نے ان پر جس بار بھی فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھی انہوں نے کہا ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے حمد تجھے ہی زیبا ہے (1)۔

[2] انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ صلصال سے مراد خشک مٹی ہے جو کھن کھن بجتی ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا کہ صلصال سے مراد بدبودار مٹی ہے۔ فخار وہ مٹی جسے آگ پر پکایا گیا ہو جسے ٹھیکری کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا انسان کا خارجی اشیاء جیسے مال اور جاہ و مرتبے پر مباہات کرنا فخر کہلاتا ہے اسی سے فخار مشتق ہے کیونکہ جب اس مٹی کو بجایا جائے تو آواز نکال کر اظہار فخر کرتی ہے گویا انسان کو ایسی صورت میں پیدا کیا گیا جس پر وہ زیادہ فخر کرتا ہے۔ اس میں حماء مسنون، طین لازب اور تراب میں کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ معنی سب کا ایک ہے کیونکہ یہ الفاظ اس چیز پر دلالت کرتے ہیں کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے پھر اس مٹی میں پانی ڈالا گیا پھر اسے کیچڑ بنایا پھر اسے خشک کر کے آگ پر پکا کر بجنے والی مٹی بنا دیا گیا۔

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾

"اور پیدا کیا جان کو آگ کے خالص شعلے سے پس (اے انس و جن) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے[1]"

1۔ مستدرک حاکم: جلد 903، جلد 2، صفحہ 515 (العلمیہ)

ل الجان پر الف لام جنسی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ الجان جنوں کے باپ کا نام ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد ابلیس ہے(1) من نار یہ مارج کا بیان ہے، یہ آگ کے اس خالص شعلے کو کہتے ہیں جس میں کوئی دھواں نہ ہو۔ اصل میں مضطرب چیز کو مارج کہتے ہیں کیونکہ یہ مرج سے مشتق ہے، مرج ہے کا معنی مضطرب ہوا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مارج اس آگ کو کہتے ہیں جس میں سرخ، زرد اور سبز شعلے مل جائیں جب آگ روشن کی جائے تو اس طرح کے شعلے اس سے بلند ہوتے ہیں، یہ عربوں کے اس قول سے مشتق ہے مرج امر القوم یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کا معاملہ گڑبڑ ہو جائے(2) یہ جملہ لفظ رحمٰن کی ایک اور خبر ہے۔ تمہاری پیدائش کے مختلف مراحل میں اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں کی ہیں یہاں تک کہ تم تمام مخلوقات سے افضل اور کائنات کا خلاصہ بن گئے۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾

"وہی دونوں مشرقوں کا رب ہے اور دونوں مغربوں کا رب ہے پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ل"

ل مشرقین اور مغربین سے مراد موسم گرما اور موسم سرما کے مشرق اور ان دونوں موسموں کے مغرب۔ یہ لفظ الرحمٰن کی ایک اور خبر ہے۔ ان میں ایسے فوائد ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا جس طرح ہوا کا معتدل ہونا، موسموں کا بدلنا اور ہر موسم کے جو مناسب ہے اس کا ظہور پذیر ہونا۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾

"اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں ان کے درمیان آڑ ہے آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ل"

ل مرج کا معنی بھیجنا ہے۔ بحرین سے مراد نمکین اور میٹھا سمندر ہیں یہ مرجت الدابۃ سے مشتق ہے یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اس جانور کو چھوڑ دے یہ لفظ رحمٰن کی ایک اور خبر ہے۔ یلتقیان یہ بحرین سے حال ہے۔ یہ بہتے ہیں، جبکہ ان دونوں کی سطح ایک دوسرے کو مس کر رہی ہوتی ہے۔ برزخ کا معنی رکاوٹ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان میں رکاوٹ ہے۔ یہ ایک اور حال ہے، لا یبغیان ایک اور حال ہے، یعنی ان میں سے کوئی بھی باہم ملنے اور ایک کی خاصیت باطل کرنے کے ساتھ دوسرے پر غلبہ نہیں پاتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ لوگوں کو غرق کر کے ان پر غلبہ نہیں پاتے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے بحر روم اور بحر ہند کو ملا دیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے بحر فارس اور بحر روم کو ملا دیا ان کے درمیان آڑ یعنی جزائر ہیں۔ مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے مراد آسمان اور زمین کا سمندر ہے جو ہر سال آپس میں ملتے ہیں(3) ان سے جو منافع اور اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ظاہر ہوتی ہیں ان میں سے کس کس کو جھٹلاؤ گے، یہ جملہ معترضہ ہے۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾

"نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ل"

ل یہ جملہ بحرین سے ایک اور حال ہے۔ نافع، ابو عمرو اور یعقوب نے اخراج سے مضارع مجہول کا صیغہ یخرج پڑھا ہے باقی قراء

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 272 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً صفحہ 273

سے مجرد سے معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔

منهما میں ضمیر سے مراد میٹھا اور نمکین سمندر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ موتی نمکین سمندر سے نکلتا ہے میٹھے سے نہیں نکلتا۔ اس کے جواب میں کہا گیا یہ ان دونوں سمندروں کے ملنے کی جگہ سے نکلتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا جب یہ دونوں مل گئے تو ایک چیز ہو گئے تو ان میں سے کسی ایک سے نکلنے والا دونوں سے نکلنے والا ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کلام عرب میں یہ جائز ہے کہ دو چیزیں ذکر کی جائیں پھر کسی فعل میں ان میں سے ایک کو خاص کر دیا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ رسول کیونکہ صرف انسانوں میں سے ہوئے ہیں جنوں میں سے نہیں ہوئے۔ اگر بحرین سے مراد آسمان اور زمین کا سمندر ہے جس طرح مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا تو اس کی صورت یہ ہوگی جب آسمان سے بارش ہوگی تو صدف اپنا منہ کھولتی ہے جس کے منہ میں کوئی قطرہ آ پڑتا ہے وہ موتی بن جاتا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے۔ ابو بکر اور یزید نے لؤلؤ کو بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ بڑے بڑے موتی ہیں۔ مرجان سے مراد چھوٹے موتی ہیں۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ مقاتل اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس کہا ہے (1) لؤلؤ سے مراد چھوٹے موتی اور مرجان سے مراد بڑے موتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا مرجان سے مراد سرخ مونگے ہیں، یہ بھی جواہرات کی ایک قسم ہے جو نباتات اور پتھر کے مشابہ ہے۔ عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد مونگے کی جڑ ہے۔

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

"اور اسی کے زیر فرمان ہیں وہ جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی مانند بلند نظر آتے ہیں پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

له میں ہ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جوار جاریہ کی جمع ہے جس کا معنی بڑی کشتی ہے۔ حمزہ اور ابو بکر نے منشئت کو اسم فاعل کا صیغہ شین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہ کشتیاں جنہوں نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ باقی قراء نے اسم مفعول کا صیغہ پڑھا ہے جس کا معنی بلند کی گئی کیونکہ اس کے لکڑی کے بعض تختے دوسروں پر بلند ہوتے ہیں اس لئے اسے منشئات کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی مسخرات ہے، یعنی مسخر کشتیاں۔

فی البحر جار مجرور منشئات کے متعلق ہے جو جوار کی صفت ہے۔ کالاعلام یہ بھی صفت ہے یعنی پہاڑوں کی مانند یہ علم کی جمع ہے علم لمبے پہاڑ کو کہتے ہیں۔ اس جملے کا عطف مرج البحرین پر ہے۔ یہ اس کے تابع ہو کر الرحمٰن کی خبر ہے۔ اسے اس جملہ کے تابع بنایا کیونکہ کشتیاں سمندر کے تابع ہوتی ہیں۔

كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾

"جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 274 (الفکر)

لہ مَنْ عَلَيْهَا سے مراد زمین پر حیوانات یا مرکبات ہیں یا جو بھی زمین پر ہے وہ مراد ہے یہاں تک کہ پہاڑ، سمندر اور معدنیات۔ "من" کا لفظ ذوالعقول کو غلبہ دینے کی وجہ سے ہے یا اس سے جن وانس مراد ہیں۔ یہ قیامت کے برپا ہونے پر فناء ہو جائیں گے یا اس سے پہلے جب اللہ تعالیٰ چاہے گا یا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی وجہ سے فانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطاء کی وجہ سے موجود ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وجه ربک یہ متشابہات میں سے ہے، وہ عظمت، بادشاہت اور استغناء مطلق والا ہے اور عام فضل والا ہے۔ میں کہتا ہوں یہاں بقاء وجه ربک کا عطف فناء من فی الارض پر ہے۔ من فی الارض کے لئے فناء کی تخصیص اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یہاں وجہ سے مراد جہت ہو تا کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مناسبت ہو جائے۔ اگر یہ کہا جائے یہاں عطف کی علت مخلوق کی فناء اور خالق کی بقاء میں مقابلہ کی وجہ سے ہے، مقارنت کی وجہ سے نہیں ہے۔ ہم یہ کہیں گے اگر بات اس طرح ہو تو من فی الارض کے لئے فناء کی قید کوئی فائدہ نہ دے گی تو معنی یہ ہوگا کہ جن وانس میں سے جو بھی زمین پر ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس کی صرف وہ جہت باقی ہے جو اس کے رب کی جانب ہے اور اس کی بقاء اس کے رب کی طرف توجہ کی وجہ سے ہے کیونکہ اس جہت اور توجہ پر فناء نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ذوالجلال و الاکرام یہ صفت اللہ تعالیٰ کی عظیم صفات میں سے ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، امام احمد، امام نسائی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے سند صحیح کے ساتھ ربیعہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یاذا الجلال والاکرام کا ورد کیا کرو(1) حصن حصین میں ہے کہ حضور ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جبکہ وہ یہ کہہ رہا تھا یاذا الجلال والاکرام تو حضور ﷺ نے فرمایا تیری عرضداشت قبول کی جائے گی پس تو سوال کر کہ اس کا ورد کرنا انسان کی معزز صفات میں سے ہے۔ یہ دونوں جملے لفظ رحمٰن کی دواور خبریں ہیں پہلے جملہ میں ضمیر عائد محذوف ہے دوسرے جملہ میں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی کہ زمین پر جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فناء کرنے سے فناء ہونے والی ہے، جبکہ اس کی ذات باقی رہنے والی ہے۔ ان نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی طرف متوجہ ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ ان نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود باقی ہے اور وہ چیزیں جو فناء ہونے والی تھیں انہیں بطور رحمت و فضل کے باقی رکھتا ہے جن کا حد و شمار نہیں۔ ان نعمتوں میں سے یہ بھی ہے جو چیزیں اس فناء پر مرتب ہوتی ہیں جیسے دوبارہ اٹھانا، دائمی زندگی اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں۔

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۚ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

"مانگ رہے ہیں اس سے (اپنی حاجتیں) سب آسمان والے اور زمین والے ہر روز وہ ایک نئی شان سے تجلی فرماتا ہے پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے لہ"

لہ من سے مراد فرشتے، انسان اور جن ہیں جو اللہ تعالیٰ سے مغفرت، عافیت، عبادت کی توفیق، تجلیات، برکات، رزق اور اس جیسی چیزیں مانگتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ من سے مراد تمام موجودات ہیں۔ من کا کلمہ ذوالعقول کو غلبہ دینے کی وجہ سے ذکر کیا کیونکہ تمام مخلوقات اپنی ذات، صفات اور اہم ضروریات میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں۔ سوال سے مراد ہر ایسا عمل ہے جو کسی شے کے حصول کی

1۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی:3524، جلد9، صفحہ 404 (الفکر)

حاجت پر دلالت کرے وہ زبانی ہو یا کسی اور طریقے سے۔ کل یوم یہ یسالہ کی ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جس پر مابعد اور ماقبل فعل دلالت کرتا ہے، یعنی وہ مانگی گئی چیز عطا فرماتا ہے اور ہر لحہ نئے امور پیدا فرماتا ہے، وہ ہمیشہ نئی شان میں ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ وہ زندگی، اور رزق عطا کرتا ہے، ایک قوم کو عزت عطا کرتا ہے اور دوسری کو ذلت عطا کرتا ہے وہ مریض کو شفا دیتا ہے اور صحیح کو مریض بنا دیتا ہے، مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرتا ہے۔ دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہے سائل کو عطا کرتا ہے مومنوں کے گناہ بخشتا ہے، کافروں کو جہنم میں داخل کرتا ہے اور مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کرتا ہے۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس کی حاضری سے ڈرتا ہے اسے جنت میں داخل کرتا ہے اور مختلف قسم کی عزتوں سے نوازتا ہے۔ اس کے احسانات اور مخلوقات کو پیدا کرنے کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی شان یہ ہے کہ وہ گناہ بخشتا ہے، تکلیفوں کو دور کرتا ہے ایک قوم کو عزت دیتا ہے دوسری کو ذلت دیتا ہے(1) اسے ابن ماجہ اور ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں ابو درداء کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل عبید اللہ بن منیب سے، بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہا اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک لوح ہے جو سفید موتی میں ہے اس کی دونوں جلدیں سرخ یاقوت کی ہیں، اس کا قلم نور ہے، اس کی کتاب نور ہے، اللہ تعالیٰ ہر روز اس میں تین سو ساٹھ دفعہ نظر کرتا ہے، وہ پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے، زندہ کرتا ہے، موت عطا کرتا ہے، عزت بخشتا ہے، ذلیل کرتا ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کل یوم ھو فی شان کا یہی مفہوم ہے۔ حسین بن فضل نے کہا یہ مقادیر کو معین اوقات کی طرف لے جانا ہے۔

ابو سلیمان دارانی نے اس آیت کے بارے میں کہا ہر روز اس کی اپنے بندوں کے ساتھ نئی نیکی ہوتی ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا سارا زمانہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دو دن ہیں ایک دن دنیا کے ایام کی مدت ہے اور دوسرا قیامت کا روز ہے۔ وہ دن جو دنیا کے ایام کی مدت کا ہے اس میں اس کی شان امر کرنا، نہی کرنا، زندہ کرنا، موت دینا، عطا کرنا اور روکنا ہے۔ قیامت کے دن اس کی یہ شان ہے کہ وہ جزاء حساب، ثواب اور عتاب دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا دن رات میں نیا عمل یہ ہے کہ وہ تین لشکر نکالتا ہے ایک لشکر آباء کی پشتوں سے ماؤں کے رحموں کی طرف، ایک لشکر ماؤں کے رحموں سے دنیا کی طرف اور ایک لشکر دنیا سے قبروں کی طرف نکالتا ہے پھر سب اللہ تعالیٰ کی طرف کوچ کر جاتے ہیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے یہ کہا تھا اللہ تعالیٰ ہفتہ کے روز کوئی چیز عطا نہیں فرماتا(2)۔ اللہ تعالیٰ جو تمہیں ہر لحہ مانگی ہوئی چیز عطا فرماتا ہے اور تمہارے لئے چیزیں عدم سے وجود میں لاتا ہے ان میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾

"ہم عنقریب توجہ فرمائیں گے تمہاری طرف اے جن وانس! پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے [1]"

[1] حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ واحد غائب کی ضمیر لفظ رب کی طرف لوٹے گی، جبکہ باقی قراء نے نون کے ساتھ جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم تمہیں جزاء دینے کے لئے الگ تھلگ

1۔ سنن ابن ماجہ: 202، جلد 1، صفحہ 124 (العلمیہ)　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 274 (الفکر)

ہوں گے کیونکہ اس روز اللہ تعالیٰ کوئی اور کام نہ کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس میں دھمکی ہے۔ یہ اس قول سے مستعار ہے جب تم کسی کو دھمکی دینا چاہتے ہو تو کہتے ہو سافرغ لک کیونکہ جب کوئی کسی شے کے لئے اپنے آپ کو دوسرے کاموں سے الگ تھلگ کر لیتا ہے تو وہ اس کو بجالانے میں قوی ہوتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ کسی کام سے فارغ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو کوئی کام دوسرے کام سے غافل نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جیسا قول کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمہیں چھوڑنے اور مہلت دینے کے بعد تمہارا قصد کریں گے اور تمہارا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے متقیوں سے وعدہ کیا اور فاجروں کو دھمکی دی پھر کہا جو ہم نے تم سے وعدہ کیا اور تمہیں خبر دی عنقریب ہم اس سے فارغ ہو جائیں گے، یعنی تمہارا احتساب و کتاب لیں گے اور ہم نے تم سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کریں گے۔ اس طرح یہ معاملہ مکمل ہو جائے گا اور ہم اس سے فارغ ہو جائیں گے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور مقاتل اسی طرف گئے ہیں (1)۔ ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے ایہ کو یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے الف پر وقف کیا، جبکہ باقیوں نے الف کے بغیر وقف کیا ہے۔

ثقلان سے مراد جن و انس ہیں۔ انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ یہ زندہ اور مردہ حالت میں زمین پر بوجھ ہیں۔ امام جعفر صادق بن محمد باقر نے اس کی تعبیر یہ کی کیونکہ یہ اپنے گناہوں کی وجہ سے بوجھ ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا کیونکہ یہ دونوں احکام کا مکلف ہونے کی وجہ سے بھاری ہیں۔ ثقلین کی مذکورہ تاویلات کی بناء پر سنفرغ لکم کا یہ معنی کرنا درست ہے کہ اس سے دھمکی یا وعدہ اور وعید کی تکمیل مراد لیا جائے۔ اہل معانی نے کہا ہر وہ چیز جس کی کوئی قدر اور وزن ہو اور اس میں مقابلہ کیا جائے تو اسے ثقل کہتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ میں تمہارے درمیان دو عظیم الشان چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک کتاب اللہ اور دوسری اپنی اولاد ان دونوں کی شان بلند کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ثقلین سے تعبیر کیا (3) کیونکہ یہ دونوں قرب کے مدارج اور تجلیات میں بلند ہونے میں ممد و معاون ہیں۔ اس معنی کے مناسب اللہ تعالیٰ کے فرمان سنفرغ لکم کی یہ تاویل کرنا ہوگی کہ ہم تمہارے ساتھ تنہا معاملہ کریں گے وہاں کسی کی مداخلت نہ ہوگی۔ ابو رزین عقیلی سے روایت کیا ہے کہا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم میں سے ہر ایک بلا حجاب اپنے رب کا دیدار کرے گا؟ فرمایا کیوں نہیں؟ میں نے عرض کی مخلوق میں اس کی کوئی نشانی ہے؟ فرمایا اے ابو رزین کیا تم میں سے ہر ایک چودھویں رات کو چاند بلا حجاب نہیں دیکھتا عرض کی کیوں نہیں فرمایا یہ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ عظیم و برتر ہے (4) اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔

جہاں مختصر خواہم کہ دروے ہمیں جائے من و جائے تو باشد

میں ایسا مختصر جہاں چاہتا ہوں جس میں صرف میری اور تیری جگہ ہو

متاخرین کی تاویل کے مطابق ظاہر امر یہ ہے کہ یہاں فراغ سے مراد دھمکی ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ تم اپنے رب کی نعمتوں کو نہ جھٹلاؤ کیونکہ نعمتوں کو جھٹلانا عذاب کا باعث ہوتا ہے۔ آلاء سے مراد انسان کو حاصل ہونے والی تمام نعمتیں ہیں اگرچہ آیت میں اس کا ذکر نہ بھی ہوا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا تعدید بھی نعمت ہے جس سے مکلف آدمی اپنے آپ کو تکذیب سے روک لیتا ہے تاہم یہ محض تکلف ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 275 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ کنز العمال: 39216، جلد 14، صفحہ 449 (التراث الاسلامی)

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾

''اے گروہ جن وانس! اگر تم میں طاقت ہے کہ تم نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو نکل کر بھاگ جاؤ (سنو!) تم نہیں نکل سکتے بجز سلطان کے (اور وہ تم میں مفقود ہے) پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے 1 ''

1 اگر تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ آسمان وزمین کی اطراف سے نکل جاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے فیصلہ سے بھاگتے ہوئے تو نکل جاؤ۔ یہاں فانفذوا کا امر عجز ظاہر کرنے کے لئے ہے، معنی یہ ہے اگر تم آسمان وزمین کے اطراف سے نکل کر تم موت سے بھاگنے کی طاقت رکھتے ہو تو بھاگ جاؤ اور باہر نکل جاؤ، یعنی تم جہاں بھی ہو گے موت تمہیں پہنچ جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ قیامت کے روز ہوگا۔

ابن جریر اور ابن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کو حکم دے گا تو وہ اپنے مکینوں کے ساتھ پھٹ جائے گا۔ فرشتے اس کی اطراف میں جمع ہو جائیں گے جب اللہ تعالیٰ انہیں حکم دے گا تو وہ اتریں گے اور زمین اور اس کے اوپر جو چیز بھی ہے اس کو گھیر لیں گے پھر دوسرا، تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا اور ساتواں آسمان پھٹے گا وہ ایک صف کے پیچھے دوسری صف میں کھڑے ہو جائیں گے پھر ملک اعلیٰ نزول اجلال فرمائے گا جس کی بائیں جانب جہنم ہوگی جب زمین والے جہنم کو دیکھیں گے تو بھاگ کھڑے ہوں گے وہ زمین کے جس کونے میں بھی آئیں گے وہ فرشتوں کی سات صفیں پائیں گے تو وہ اپنی جگہ کی طرف پلٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہی مراد ہے: اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا'' (1) یعنی ہم ان آسمانوں کو پھاڑیں گے اس حال میں کہ وہ آواز سنیں گے تو وہ حساب کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔

تم زمین وآسمان کی حدوں سے باہر نکلنے کی طاقت نہ رکھو گے مگر قوت کے ساتھ مگر ایسی طاقت تمہارے پاس کہاں سے آسکتی ہے یا اس کا معنی یہ ہے مگر میری طرف سے عطا کردہ طاقت کے ساتھ تم باہر جا سکتے ہو کیونکہ جس کسی کو جو بھی قدرت ملی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ جس طرح نبی کریم لیلۃ المعراج کو ساتوں آسمانوں سے سدرۃ المنتھی کی طرف نکل گئے۔ صوفی امکان کے دائرے سے قرب کے مدارج کی طرف نکل جاتا ہے مگر یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم جس طرف بھی منہ کرو گے تم میری بادشاہی میں ہو گے جس طرح یہ قول ہے اَحْسِنْ بِيْ۔ یہاں بھی باء الی کے معنی میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے اگر تم ان چیزوں کا علم حاصل کرنا چاہو جو کچھ آسمان وزمین میں ہے تو علم حاصل کرو مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے معین کردہ دلیل کے بغیر نہ جان سکو گے (2)۔ کیونکہ نعمتوں کا جھٹلانا عذاب کا سبب بنتا ہے، جبکہ تم اس سے فرار کی قدرت نہیں رکھتے۔ ایک قول یہ کیا گیا الآء اللہ سے مراد تنبیہ، تحذیر (ڈرانا) قدرت کے باوجود مہلت دینا معاف کر دینا ہے۔ اسی طرح عقلی اور نقلی معراج اور ترقی کے اسباب جن کے ذریعے لوگ

1۔ تفسیر طبری، جلد 26، صفحہ 80 (الامیریہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 276 (الفکر)

آسمانوں سے بھی اوپر چلے جاتے ہیں سب اس میں شامل ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حدیث میں آیا ہے مخلوق کا فرشتوں اور آگ کے ذریعے احاطہ کر لیا جائے گا پھر انہیں ندا دی جائے گی۔ اے جن وانس اگر تم باہر نکلنے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ(1)۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

"بھیجا جائے گا تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں پھر تم اپنا بچاؤ بھی نہ کر سکو گے پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۔"

۔ جب تمہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا تو تم پر آگ چھوڑی جائے گی۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے شین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں۔ شواظ ایسے شعلے کو کہتے ہیں جس میں دھواں نہ ہو، اکثر مفسرین نے اسی طرح کہا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد سبز شعلہ ہے جو آگ سے الگ ہو چکا ہو(2)۔

ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے نحاس کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ نار پر معطوف ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے شواظ پر معطوف کرتے ہوئے مرفوع پڑھا ہے۔ سعید بن جبیر، کلبی اور نحاس نے کہا اس سے مراد دھواں ہے۔ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جب نحاس کو مرفوع پڑھیں گے تو معنی یہ ہوگا کبھی خالص شعلہ چھوڑا جائے گا اور کبھی دھواں(3) یہ بھی جائز ہے کہ نحاس محل رفع میں ہو اور جوار (۱) کی وجہ سے مجرور ہو۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شواظ آگ اور دھویں دونوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا نحاس سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے جو ان کے سروں پر بہایا جائے گا(4) یہ عوفی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا نحاس سے مراد تیل کی میل کچیل یا پگھلا ہوا تانبا ہے(5)۔ نعمتوں کو جھٹلانا عذاب کا باعث ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا وہ چیزیں جو عذاب کا موجب ہوتی ہیں ان سے ڈرانا بھی نعمتوں میں سے ہے جس کی وجہ سے انسان ایسے اعمال سے اجتناب کرتا ہے۔ اسی طرح جزاء میں مطیع اور نافرمان میں امتیاز کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ایک نعمت ہے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾

"پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو سرخ ہو جائے گا جیسے رنگا ہوا سرخ چمڑا پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۔"

۔ جب آسمان کھل جائے گا تو وہ دروازے دروازے ہو جائے گا تا کہ فرشتے نیچے آسکیں۔ فاء کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آگ کے شعلے کا چھوڑنا یہ آسمان پھٹنے سے پہلے ہوگا۔ یہ پھٹنا فنا کرنے کے لئے نہیں ہوگا بلکہ فرشتوں کے اترنے کے لئے ہوگا اور یہ قبروں سے اٹھانے کے بعد ہوگا۔ جس طرح ہم ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں بیان کر چکے ہیں۔

کانت کا عطف انشقت پر ہے، یعنی اس وقت آسمان سرخ گلاب کے رنگ جیسا ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ سرخ گلابی گھوڑے جیسا ہوگا جو کمیت اور اشقر کے درمیان ہوتا ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ایسا سفید رنگ ہوتا ہے جو سرخی یا زردی مائل ہو۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس روز آسمان سبز ہوگا، اس روز اس کا ایک اور رنگ بھی ہوگا جو سرخی مائل ہوگا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 276 (الفکر) 2۔ ایضاً، صفحہ 277 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

(۱) جوار کا معنی پڑوس ہے، یعنی اسے یہ اعراب عامل کے اعتبار سے نہیں دیا گیا بلکہ قریبی لفظ کی وجہ سے دیا گیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا اس روز وہ کئی رنگوں میں ظاہر ہوگا جیسے گلابی رنگ کا گھوڑا ہوتا ہے جیسے وہ موسم بہار میں زرد، موسم سرما کے آغاز میں سرخ(1) جب موسم سرما زیادہ سخت ہو جاتا ہے تو وہ مٹیالے رنگ کا ہو جاتا ہے تو آسمان جب پھٹے گا تو اس کے بدلتے رنگوں کو اس گھوڑے کے بدلتے رنگوں سے تشبیہ دی گئی۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا آسمان کئی رنگوں والا ہوگا جس طرح پگھلا ہوا تانبا وہ گلاب کی طرح سرخ ہوگا جیسے دھان وہ کمزور ہوگا وہ پھٹ جائے گا تو اس کی ایک حالت کے بعد دوسری حالت ہوگی۔

دھان، دھن کی جمع ہے، یہ ایک گلاب کی صفت ہے آسمان کے رنگ بدلنے کو گھوڑے کے رنگ بدلنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، رنگوں کے مختلف ہونے کے اعتبار سے گلاب کو دھن سے تشبیہ دی جس کے رنگ بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ضحاک، مجاہد، قتادہ اور ربیع رحہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کہا ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آسمان روغن زیتون کی طرح ہو جائے گا۔ یہ اس وقت ہوگا جب اسے جہنم کی گرمی پہنچے گی۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ اس کی جمع ادھنۃ اور دھن آتی ہے(2) یہ بھی جائز ہے کہ یہ خبر کے بعد خبر ہو، معنی یہ ہوگا آسمان گلاب کے رنگ کی طرح اور گلابی گھوڑے کے رنگ بدلنے کی طرح رنگ بدلے گا۔ وہ یوں پگھل جائے گا جس طرح تیل ہوتا ہے دھان ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ تیل لگایا جائے۔ جواب شرط محذوف ہے، معنی یہ ہے ہولناکی کتنی بڑی ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے کہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ جملہ معترضہ ہو اور اس کی جزاء مابعد جملہ ہو۔

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾

"تو اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

ذنبہ کی ضمیر انس اور جان کی طرف لوٹ رہی ہے اگرچہ مرجع بعد میں ہے تاہم نائب فاعل ہونے کے اعتبار سے رتبہ میں پہلے ہے، یعنی ان سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ کیا تم نے یہ عمل کیا ہے کہ انہیں سوال و جواب کے بعد جہنم میں ڈالا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی ذاتوں سے بھی زیادہ جانتا ہے۔ کراماً کاتبین نے ان کے اعمال لکھ رکھے ہیں عذاب والے فرشتے ان کی نشانیوں سے انہیں پہچانتے ہیں جس طرح بعد میں آئے گا۔ یہ آیت اس آیت کے منافی نہیں جس میں یہ ذکر ہے کہ تم نے یہ عمل کیوں کیا، جبکہ میں نے تمہیں منع کیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے فَوَرَبِّکَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے یہی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان دونوں آیتوں میں تطبیق کے حوالے سے جو روایت کیا گیا ہے اس کا بھی یہی معنی ہے، آپ نے فرمایا ان سے شفقت اور رحمت کے طور پر سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ انہیں جھڑکنے اور شرمندہ کرنے کے لئے سوال کیا جائے گا(3)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان دونوں آیتوں میں تطبیق کے طور پر یہ نقل کیا ہے کہ قیامت میں کئی مواقع ہوں گے۔ بعض مواقع پر ان سے پوچھا جائے گا اور بعض مواقع پر ان سے نہیں پوچھا جائے گا۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو مجرم نہیں ہوگا اس سے مجرم کے گناہ کے بارے میں باز پرس نہ ہوگی(4)۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 277 (الفکر) 2۔ ایضاً، صفحہ 278 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَ الْاَقْدَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

''پہچان لئے جائیں گے مجرم اپنے چہروں سے تو انہیں پکڑ لیا جائے گا پیشانی کے بالوں سے اور ٹانگوں سے پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے[1]''

[1] یہ جملہ مستانفہ ہے گویا یا ایک سائل کے سوال کا جواب ہے جو یہ کہتا ہے جب کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا تو عذاب والے فرشتے مجرموں کو کیسے پہچانیں گے تو فرمایا وہ انہیں ان کی نشانیوں سے پہچانیں گے وہ چہروں کی سیاہی اور آنکھوں کا نیلا ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۔ ثقفی نے دیباج میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ مجھے جبرئیل امین نے خبر دی ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ کا کلمہ مسلمان کے لئے موت، قبر اور اس سے نکلتے وقت وحشت کو دور کرنے کا باعث ہوگا۔ اے محمد ﷺ اگر آپ دیکھتے جب وہ قبروں سے سر جھاڑتے ہوئے اٹھیں گے تو کوئی کہہ رہا ہو گا لا الٰہ الا اللّٰہ و الحمد للّٰہ اس کا چہرہ سفید ہوگا دوسرا یہ ندا کر رہا ہوگا ہائے افسوس میں نے اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کس قدر کوتاہی کی ہے اس کا چہرہ سیاہ ہوگا۔ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا کی تفسیر میں روایت کیا وہ قیامت کے روز اس طرح پہچانے جائیں گے وہ کھڑے نہ ہو سکیں گے وہ اٹھیں گے تو ایسے جیسے مخبوط الحواس اٹھتا ہے۔ ابن ابی شیبہ، ابن ابی حاتم اور ابو یعلی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز قبروں سے ایک قوم اٹھائے گا ان کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا (1) بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور اسی کی مثل حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز متکبروں کو چیونٹیوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا (2) اس باب میں بے شمار احادیث ہیں۔ چاروں ائمہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے جس نے سوال کیا، جبکہ اس کے پاس ضرورت کی چیز موجود تھی وہ قیامت کے روز یوں آئے گا، جبکہ اس کے چہرے پر کھرونچیں اور خراشیں ہوں گی (3)۔ صحیحین میں اسی کی مثل مروی ہے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے۔ جو شخص کسی مومن کے قتل میں ایک کلمہ (بات) برابر مدد کرے گا وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے یوں ملے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان یہ لکھا ہوگا اٰيِسٌ مِّنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس (4)۔ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ سے، انہوں نے اپنے بیٹے سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ، ابن حبان اور ابن عمر رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے جو آدمی قبلہ رو بلغم پھینکتا ہے قیامت کے روز اسے اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ وہ اس کے منہ پر ہوگا۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے دنیا میں جو دو رخا ہو وہ قیامت کے روز آگ کے دو منہوں کے ساتھ آئے گا (5)۔ طبرانی اور ابن ابی الدنیا رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع

1۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 357 (الفکر)
2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 72 (وزارت تعلیم)
3۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 3، صفحہ 267 (الفکر)
4۔ سنن ابن ماجہ: 2620 (العلمیہ)
5۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 30 (الفکر)

حدیث نقل کی ہے جو دورخی بات کرنے والا ہو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی آگ کی دو زبانیں بنا دے گا(1) چاروں ائمہ، حاکم اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے جس کی دو بیویاں ہوں اور اس نے ان میں عدل نہ کیا ہو وہ قیامت کے روز یوں آئے گا، جبکہ اس کی ایک جانب ایک طرف جھکی ہو گی(2)۔ ایک حدیث میں ساقط کے الفاظ آئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے میری امت دس جماعتوں میں اٹھائی جائے گی ایک جماعت بندروں کی صورت میں ہو گی۔ اس حدیث کو ہم نے فتاتون افواجا کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ صحیح احادیث میں یہ وارد ہوا ہے قیامت کے روز لوگوں کو یوں اٹھایا جائے گا کہ انہوں نے جو ناحق چیز کسی سے لی وہ اسے اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوں گے۔ صحیحین میں مرفوع حدیث ہے کہ خیانت کرنے والا قیامت کے روز یوں آئے گا کہ اس کی گردن پر اونٹ ہو گا۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انسان کا سر اور پاؤں جمع کر دیا جائے گا پھر اسے یوں توڑا جائے گا جیسے لکڑی کو توڑا جاتا ہے(3)۔ ہناد نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے اس کی پیشانی اور قدموں کو جمع کیا جائے گا پھر پشت کی جانب سے انہیں ایک زنجیر میں باندھ دیا جائے گا(4)۔ نعمتوں کا جھٹلانا انسانوں کو مذکورہ عذاب تک لے جاتا ہے۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

"یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جو از حد گرم ہو گا پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے[1]"

[1] ھذہ مبتدا اور جہنم اپنی صفت کے ساتھ مل کر خبر ہے۔ مشرک دنیا میں جہنم کی تکذیب کرتے تھے۔ یہ جملہ قول مقدر کا مقولہ ہے قول مقولہ یا تو جملہ مستانفہ ہے یا حال ہو گا، معنی یہ ہو گا کہ ان کی پیشانیاں اور قدم پکڑ لئے جائیں گے اس حال میں کہ انہیں کہا جائے گا یہ وہ جہنم ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ مجرم جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان طواف کر رہے ہوں گے۔ امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابو درداء سے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے جہنمیوں پر بھوک مسلط کر دی جائے گی وہ کھانا طلب کریں گے تو انہیں ضریع (تھوہر) کا کھانا دیا جائے گا جو نہ جسم کو موٹا کرے گا اور نہ ہی بھوک مٹائے گا، انہیں ایسا کھانا دیا جائے گا جو ان کے گلے میں اٹک جائے گا، انہیں یاد آئے گا دنیا میں کھانا گلے میں اٹکنے کی صورت میں پانی استعمال کرتے تھے تو وہ پانی طلب کریں گے تو لوہے کے آنکڑوں سے پکڑ کر پانی دیا جائے گا۔ جب وہ پانی ان کے قریب ہو گا تو ان کے چہروں کو بھون دے گا، الحدیث(5)۔

امام احمد، ترمذی، ابن حبان، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابو سعید خدری سے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے اگر وہ پانی طلب کریں گے تو ایسا پانی دیا جائے گا جو روغن زیتون کی تلچھٹ کی طرح ہو گا جب وہ پانی کے قریب ہو گا تو چہرے کی کھال گر پڑے گی(6)۔ کعب الاحبار نے کہا آن جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے جس میں جہنمیوں کی پیپ جمع ہو گی۔ جہنمیوں کو اس وادی میں بیڑیوں

1۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 31 (الفکر)
2۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 136 (وزارت تعلیم)
3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 200 (العلمیہ)
4۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 200 (العلمیہ)
5۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 7، صفحہ 303 (الفکر)
6۔ ایضاً، جلد 301

سمیت داخل کیا جائے گا یہاں تک کہ ان کے تمام جوڑ اکھڑ جائیں گے پھر انہیں اس وادی سے نکالا جائے گا اور اللہ تعالیٰ انہیں نئی صورت عطا کرے گا پھر انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ کا یہی مفہوم ہے(1)۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جھٹلانا عذاب کو لازم کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ سے لے کر یہاں تک نصیحتیں، جھڑکیاں اور ڈرانے کا ذکر ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں کیونکہ یہ انسان کو نافرمانیوں سے روکتی ہیں۔ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ قول تکلف ہے۔ الاء سے مراد ہر وہ نعمت ہے جو ان میں سے ہر ایک کے لئے ہے جیسے وجود عطا کرنا، باقی رکھنا، رزق دینا، راہنمائی کرنا اور اس طرح کی دوسری چیزیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اکتیس دفعہ اس آیت کے ساتھ توبیخ کا ذکر کیا ہے آٹھ دفعہ خلقت کے عجائب اور صنعت کی کاریگریوں کے بعد ذکر کیا یہ تعداد اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقیہ کے برابر ہے یہ سلسلہ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ تک ہے۔ مقصود یہ تنبیہ کرنا ہے کہ خلق اور قدرت میں جس کی یہ شان ہو اس کی نعمتوں کا جھٹلانا مناسب نہیں۔ وعیدوں کے ذکر کے بعد سات دفعہ اس آیت کا ذکر کیا جو جہنم کے دروازوں کے برابر ہے یہ سَنَفْرُغُ سے لے کر یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ تک ہے۔ یہاں مقصود اس بات پر تنبیہ ہے کہ قادر اور منتقم کی نعمتوں کا انکار مناسب نہیں اسی طرح اس کے انتقام سے ڈرنا بھی چاہئے۔ آٹھ دفعہ جنت کی نعمتوں کے ذکر کے بعد اس آیت کا ذکر کیا جو جنت کے دروازوں کی تعداد کے برابر ہے۔ اسی طرح جنت کے ذکر کے بعد دوبارہ آٹھ دفعہ اس آیت کا ذکر کیا مقصود یہ تنبیہ کرنا ہے کہ ایک قادر اور منعم کی نعمتوں کا انکار جس طرح مناسب نہیں اسی طرح اس کے انعام کی طمع کی جانی چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کتاب العظمۃ میں عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک روز یوم قیامت، اعمال کے وزن، جنت اور جہنم کے بارے میں ذکر کیا تو کہنے لگا میں تو یہ پسند کرتا ہوں کہ میں سبز چارہ ہوتا کوئی جانور آتا اور مجھے کھا لیتا اور مجھے پیدا ہی نہ کیا جاتا تو یہ آیت نازل ہوئی(2)۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝۴۶ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۴۷

"اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے تو اس کو دو باغ ملیں گے پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے لے"

لے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شوذب سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل(3) ہوئی۔ مَقَامَ یا تو ظرف کا صیغہ ہے، معنی یہ ہوگا وہ اس جگہ سے ڈرتے ہیں جہاں لوگ حساب کے لئے کھڑے ہوں گے یا وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حساب کے لئے کھڑا ہوگا اس کے موقف سے ڈرتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مومن اس مقام سے ڈرتے ہیں اسی لئے وہ دن رات اللہ تعالیٰ کے لئے کوشاں رہتے ہیں(4) یا مقام مصدر میمی ہے، معنی یہ ہوگا وہ ڈرتے ہیں کیونکہ ان کا رب ان کے حالات کی تاڑ میں ہے، یہ قام علیہ سے مشتق ہے، یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ اس کی نگہبانی کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ یا ان کا اپنے رب کے ہاں حساب کے لئے کھڑا ہونا یہاں لفظ رب کی طرف اس کی اضافت عظمت شان کے اظہار اور ہولنا کی بیان کرنے کے لئے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں مقام کا لفظ زائد ہے۔ معنی یہ ہوگا جو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 278 (الفکر)
2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 201 (العلمیہ)
3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 201 (العلمیہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 279 (الفکر)

اپنے رب سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ جنتان مبتدا ہے، لِمَنْ خَافَ اس کی خبر ہے یا یہ ظرف کا فاعل ہے۔ یہ جملہ ظرفیہ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ پر معطوف ہے کیونکہ وہ جملہ اور اس کے بعد میں آنے والے جملوں میں برے لوگوں کی سزا کا بیان ہے۔ یہ جملہ اور بعد والے جملوں میں نیک لوگوں کی جزاء کا ذکر ہے۔ معطوف اور معطوف علیہ دونوں سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ کا بیان ہیں جو لفظ رحمٰن کی خبر ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ دو باغوں کا انعام اس شخص کے لئے ہے جو مخفی اور ظاہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا کوئی بھی حرام کام اس کے سامنے آیا اس نے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا اور کوئی بھی اچھا کام جو اس نے کیا جو اسے اللہ تعالیٰ تک لے جانے والا تھا وہ اس کے بارے میں یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ کوئی اور اس پر مطلع ہو(1)۔

یہ آیت دو معنوں کا احتمال رکھتی ہے، ان میں سے ایک ظاہر ہے وہ یہ کہ ان سب لوگوں کے لئے دو جنتیں ہیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک جنت عدن اور دوسری جنت نعیم(2) ایک قول یہ کیا گیا ایک جنت انسانوں میں سے خوف کھانے والوں کے لئے اور دوسری جنت جنوں میں سے خوف کھانے والوں کے لئے کیونکہ یہاں خطاب دونوں جماعتوں کو ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے ڈرنے والوں میں سے۔ ہر ایک کے لئے دو دو جنتیں ہیں۔ محمد بن علی ترمذی نے کہا ایک جنت رب کے خوف کی وجہ سے(3) اور ایک جنت شہوت کو چھوڑنے کی وجہ سے ایک قول یہ کیا گیا ایک جنت عقیدہ کی وجہ سے اور دوسری جنت عمل کی وجہ سے یا ایک جنت اعمال کے ثواب کے طور پر اور دوسری جنت بطور فضل و احسان کے تاہم یہ تاویل حقیقت سے بہت ہی دور ہے۔ اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ جنتوں کی تعداد ڈرنے والوں کی تعداد سے دوگنا ہو بلکہ چار گنا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے و من دونهما جنتان اس کا عطف اس جملہ پر ہے تو پھر ہر ڈرانے والے کے لئے چار جنتیں ہوں گی۔ احادیث میں یہ آیا ہے کہ جنتیں کل چار ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو جنتیں ایسی ہیں جن کے برتن اور اس میں دوسری چیزیں چاندی کے ہیں اور دو جنتیں ایسی ہیں جن کے برتن اور دوسری چیزیں سونے کی ہوں گی۔ بندوں اور ان کے رب کے دیدار کے درمیان جنت عدن میں صرف کبریائی کی چادر ہوگی جو اس کے چہرہ اقدس پر ہوگی۔ اسے شیخین نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے(4)۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن قیس سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اسے روایت کیا ہے۔ امام احمد، طیالسی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابو موسیٰ سے مرفوع حدیث ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے جنات فردوس چار ہیں دو جنتوں کے زیور، برتن اور جو کچھ اس میں ہے سب سونے کے ہیں اور دو جنتیں ایسی ہیں جن کے زیور، برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب چاندی کے ہیں، الحدیث(5)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ڈرا وہ رات کو چلتا رہا اور جو رات کو چلتا رہا وہ منزل مقصود پر پہنچ گیا خبردار اللہ تعالیٰ کا سامان بڑا مہنگا ہے خبردار اللہ تعالیٰ کا مال مہنگا ہے(6) انہیں کی سند سے ابو درداء سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ارشاد فرماتے جو اللہ سے ڈرا اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ میں نے عرض کی اگر چہ اس نے بدکاری کی ہو اور چوری کی ہو یا رسول اللہ ﷺ تو حضور ﷺ نے فرمایا اگر چہ ابو درداء ذلیل و خوار (تب بھی ڈرنے والے کے لئے دو جنتیں ہیں)(7)۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 279 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ کنز العمال: 39234 (التراث الاسلامی)
5۔ صحیح مسلم، جلد 3، صفحہ 14 (العلمیہ) 6۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 280 (الفکر) 7۔ ایضاً

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾

"دونوں باغ (پھلدار) ٹہنیوں والے ہوں گے پس تم اپنے رب کی کون کون نعمتوں کو جھٹلاؤ گے[1]"

[1] مذکر کے لئے ذو جو اصل میں ذوو تھا، مؤنث کے لئے ذات جو اصل میں ذوات تھا اس کا تثنیہ ذواتا اصل پر ہوتا ہے، حالت تثنیہ میں نون اعرابی گر گیا یہاں حالت جمع میں تخفیف کے لئے ذواتا آیا ہے، یہ ہمیشہ مضاف ہو کر استعمال ہوتے ہیں کیونکہ یہ اس لئے وضع کئے گئے ہیں تا کہ ان کے ذریعے اسم جامد صفت بن سکے یہاں یہ جنتان کی صفت ہے۔

افنان، فنن کی جمع ہے اس ٹہنی کو کہتے ہیں جو درخت کی شاخوں سے نکلتی ہے۔ اس کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کیونکہ اس سے پتے نکلتے ہیں، ان پر پھل لگتا ہے اور سایہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ مجاہد اور کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ٹہنیوں کا وہ سایہ جو دیواروں پر ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا سایوں والے ہیں(1) یا یہ فن کی جمع ہے اس سے مراد پھلوں کے رنگ درختوں اور پھلوں کی اقسام ہیں۔ یہ عربوں کے اس قول سے لیا گیا ہے اَفْنَنَ فُلَانٌ فِیْ حَدِیْثِهٖ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا جب وہ گفتگو میں مختلف اسالیب کو اپنائے۔ سعید بن جبیر اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے(2)۔

فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾

"دونوں باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے پس تم اپنے رب کی کون کون نعمتوں کو جھٹلاؤ گے[1]"

[1] جنتی جہاں چاہیں گے بلندیوں میں اور پستیوں میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ یہ جملہ بھی جنتان کی صفت ہے، یعنی ہر جنت میں کوئی نہ کوئی چشمہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں یا ان دونوں میں صرف دو چشمے ہیں زیادہ نہیں ہو سکتے یہ بات کیسے کی جا سکتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى اس لئے ضروری ہے کہ ان چاروں قسموں کی بے شمار نہریں ہوں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں چار چشمے ہیں دو چشمے عرش کے نیچے سے چلتے ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یفجرونها تفجیرا اور دوسرا زنجبیل ہے دوسرے دو جن میں سے ایک سلسبیل اور دوسرا تسنیم کہلاتا ہے اچھے ہوں گے۔

فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾

"ان دونوں باغوں میں ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں ہوں گی پس (اے جن و انس!) تم اپنے رب کی کون کون نعمتوں کو جھٹلاؤ گے[1]"

[1] دو قسم کے پھل ہوں گے۔ ایک قسم اجنبی اور دوسری معروف ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ایک قسم تر اور دوسری خشک۔ یہ جملہ جنتان کی ایک اور صفت ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا دنیا میں جو میٹھا یا کڑوا پھل ہے وہ جنت میں ہوگا یہاں تک کہ حنظہ بھی ہوگا مگر جنت میں وہ بھی میٹھا(3) ابن ابی حاتم اور ابن منذر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے مسند میں، ہناد نے زہد میں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ جنت میں دنیا کی چیزوں کے صرف نام ہوں گے(4)۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 280 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ کنز العمال: 39237 (التراث الاسلامی)

مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍۚ(۵۴) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ(۵۵)

"وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بستروں پر جن کے استر قنادیز کے ہوں گے اور دونوں باغوں کا پھل نیچے جھکا ہوگا پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"

مُتَّكِـِٕیْنَ بطور مدح منصوب ہے، یہ خوف کرنے والوں کی مدح کے لئے ذکر کیا گیا ہے، یہ من سے حال ہے کیونکہ من میں جمع کا معنی پایا جاتا ہے۔ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ یہ فرش کی صفت ہے، استبرق موٹے ریشم کو کہتے ہیں۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے تمہیں اندروالے حصے کے بارے میں بتایا گیا ہے ظاہر کا عالم کیا ہوگا(1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل ان سے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے۔ ابونعیم نے سعید بن جبیر سے نقل کیا کہا ان کا ظاہر جامد نور سے ہوگا(2) امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ سعید بن جبیر سے کہا گیا کہ ان کے اندر والا حصہ موٹا ریشم ہے تو اس کا ظاہر کیسا ہوگا تو جواب دیا اس کا ظاہر ایسا ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ(3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اندر والے حصہ کا ذکر کیا اور ظاہر کو چھوڑ دیا کیونکہ زمین میں کوئی بھی ایسا نہیں جو یہ ظاہر جانتے کہ ظاہر کیا ہے(4) یہ جملہ من خاف میں پوشیدہ ضمیر سے حال ہے۔ جنا اسم ہے جو مجنی اس مفعول کے معنی میں ہے اس سے مراد پھل ہے، یعنی ان کے پھل قریب ہوں گے ان کا توڑنا مشکل نہ ہوگا۔ سعید بن منصور، بیہقی اور ہناد نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِیْلًا کی تفسیر میں فرمایا کہ جنتی جنت کے پھل کھڑے، بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے کھائیں گے(5)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے کہ درخت اتنا جھک جائیں گے کہ جنتی پھل کو توڑ لے گا چاہے وہ کھڑا ہو یا بیٹھا ہوا ہو۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ دوری یا کوئی کانٹا ان کے ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹائے گا(6)۔

فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّۚ(۵۶) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِۚ(۵۷)

"ان میں نیچی نگاہوں والی (حوریں) ہوں گی جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے [1]"

[1] ھن ضمیر سے مراد جنت کے مکانات اور محلات ہیں جن میں جنتان کا لفظ دلالت کرتا ہے اس لئے مرجع کے ذکر کے بغیر ضمیر لانے میں کوئی حرج نہیں یا ضمیر سے مراد شمار کی گئی نعمتیں ہیں جیسے باغات، چشمے، پھل اور بستر ہیں۔ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ایسی بیویاں ہیں جن کی آنکھیں اپنے خاوندوں تک محدود رہتی ہیں۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح نقل کیا ہے جو بیویاں انسانوں میں سے ہیں انہیں کسی انسان نے نہیں چھوا ہوگا اور جو بیویاں جنوں میں سے ہیں انہیں کسی جن نے نہیں چھوا ہوگا۔ طمث کا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 280 (الفکر)　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً
5۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 523 (الفکر)　6۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 281 (الفکر)

اصل معنی خون ہے، اسی وجہ سے حیض کو بھی طمث کہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابی طلحہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی ہے یعنی انہیں جماع کی وجہ سے خون نہیں آتا۔ لم یطمثھن یہ قاصرات الطرف سے حال ہے جو ظرف مستقر کا فاعل ہے یہ جملہ ظرفیہ جنتان کی صفت ہے۔ زجاج اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جس طرح انسان جماع کرتا ہے اسی طرح جن بھی جماع کرتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب آدمی حقوق زوجیت ادا کرتا ہے اور بسم اللہ نہیں پڑھتا تو جن اس کے آلہ تناسل کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اور مرد کے ساتھ جماع کرتا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ کی تفسیر میں کہا کیونکہ وہ پیدا ہی جنت میں کی گئی ہیں۔ اس قول کی بناء پر وہ جنت کی حوریں ہیں(1)۔ سعید بن منصور اور بیہقی نے شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا ہے وہ دنیا کی عورتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دوسری دفعہ پیدا فرمائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءًۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًاۙ عُرُبًا اَتْرَابًاۙ جب انہیں دوسری دفعہ پیدا کیا گیا تو ان سے پہلے انہیں کسی انسان اور جن نے نہیں چھوا ہوگا(2) امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کا قول کلبی کا بھی ذکر کیا ہے۔ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے کسائی رحمۃ اللہ علیہ سے لَمْ یَطْمُثْهُنَّ میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے ابو الحارث نے کہا وہ دوسری جگہ بھی اسی طرح پڑھتے تھے۔ دانی نے کہا یہ میری قرأت ہے جو ابو حارث نے بیان کیا ہے وہ دوری کی روایت کی طرح ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کسائی ان دونوں میں سے ایک کو میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے تھے اگر پہلے میں میم کو کسرہ دیتے تو دوسرے میں میم کو ضمہ دیتے اگر پہلے میں میم کو ضمہ دیتے تو دوسرے میں میم کو کسرہ دیتے کیونکہ ابو اسحٰق سبیعی نے روایت کیا ہے کہا میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے پیچھے نماز پڑھتا میں انہیں

لَمْ یَطْمُثْهُنَّ پڑھتے ہوئے سنتا۔ جب میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے پیچھے نماز پڑھتا تو میں انہیں یَطْمِثْهُنَّ پڑھتے ہوئے سنتا۔ امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ ایک میں میم کو ضمہ اور دوسرے میں میم کو کسرہ دیتے تھے تا کہ ان دونوں آثار سے باہر نہ نکلیں، جبکہ جمہور قراء نے اسے میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُۚ(۵۸) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ(۵۹)

"یہ تو گویا یاقوت اور مرجان ہیں پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

لے یہ جملہ بھی سابقہ جملہ کے مرادف ہے۔ بیہقی نے ابو صالح اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس آیت کے ضمن میں کہا کہ ان میں موتی کی سفیدی، یاقوت اور مرجان کی صفائی ہوگی کہا ان کی صفائی اس طرح ہوگی جس طرح موتی صدف میں صاف ہوتا ہے جسے ہاتھوں نے مس نہیں کیا ہوتا۔ امام بغوی نے قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے ذکر کیا ہے کہا یاقوت کی صفائی مرجان کی سفیدی میں ہوگی(3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پہلی جماعت میں جو جنت میں داخل ہوگی ان کی صورتیں چودھویں کے چاند جیسی ہوں گی نہ تھوکیں گے نہ ناک سے ریزش پھینکیں گی اور نہ ہی انہیں قضائے حاجت ہوگی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ بیمار نہیں ہوں گے ان کے برتن اور کنگھے سونے اور چاندی کے ہوں گے ان کی انگیٹھیاں موتی کی ہوں گی ان کا پسینہ کستوری جیسا خوشبودار ہوگا ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی اتنی حسین ہوں گی کہ ان کی پنڈلیوں کا گوشت باہر سے نظر آئے گا۔ جنتیوں کا نہ آپس میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 281 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، صفحہ 282

اختلاف ہوگا اور نہ ان کے دلوں میں کوئی بغض ہوگا۔ سب کے دل ایک جیسے ہوں گے، وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں گے، یہ روایتیں ۔ وہ متفق علیہ ہے(1)۔ امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی وہ لوگ چودھویں رات کے چاند کی مانند ہوں گے دوسری جماعت آسمان میں روشن ستاروں جیسے حسین ہوں گے۔ ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی، ہر ایک پر ستر حلے ہوں گے، اس کی پنڈلی کا گوشت اس کے حلوں سے نظر آئے گا(2)۔ طبرانی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حورعین میں سے عورت کی پنڈلی کا مغز یعنی گوشت اور ہڈی ستر حلوں کے پردے سے یوں نظر آئے گا جس طرح سفید شیشہ سے سرخ شراب نظر آتا ہے(3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل عمر بن میمون سے نقل کیا ہے۔ امام احمد، ابن حبان اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابو سعید خدری سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ گویا وہ یاقوت اور مرجان ہوں گی کہا پردے کے پیچھے سے اس کا چہرہ آئینہ سے بھی صاف دیکھا جائے گا اس پر ادنیٰ سے ادنیٰ موتی وہ ہوگا جو مشرق و مغرب کو روشن کر سکتا ہے۔ اس عورت پر ستر کپڑے ہوں گے جن سے نظر پار ہو جائے گی، اس کی پنڈلی کا مغز ان پردوں سے بھی دیکھا جا سکے گا(4)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا کہ جنتی عورت کی پنڈلی اور اس کا مغز ستر حلوں سے دیکھے جا سکیں گے، جبکہ حلے ریشم کے ہوں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے گویا وہ یاقوت و مرجان ہیں۔ یاقوت ایک پتھر ہے اگر تو اس میں دھاگہ یا تار داخل کرے پھر تو اسے صاف کرے تو تو اسے باہر سے دیکھ سکے گا(5)۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

"کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۱؎"

۱؎ دنیا میں احسان عمل کی جزاء آخرت میں ثواب کی صورت میں ہوگی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہا رسول اللہ ﷺ نے هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ پڑھا پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا تو سب نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس پر میں نے توحید کا انعام کیا ہے اس کی جزاء جنت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جس نے لا اله الا الله کہا اور حضور ﷺ کے لائے ہوئے پیغام پر عمل کیا اس کی جزاء جنت ہے(6)۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾

"اور ان دو کے علاوہ دو اور باغ بھی ہیں پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۱؎"

۱؎ هما ضمیر سے مراد مذکورہ دو جنتیں ہیں۔ جَنَّتٰنِ کا عطف جنتان پر ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ میں مفرد کا عطف مفرد پر ہے۔ مِنْ دُوْنِهِمَا حال مقدم ہے معنی یہ ہوگا جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لئے چار جنتیں ہیں

1۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 499 (الفکر) 2۔ کنز العمال، جلد 14، صفحہ 471 (التراث الاسلامی)
3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 207 (العلمیہ) 4۔ ایضاً، صفحہ 207 5۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 282 (الفکر) 6۔ ایضاً

لیکن کلام اس طرح نہیں فرمائی تاکہ اس بات پر دلالت ہو کہ پہلی دو جنتیں دوسری دو جنتوں سے افضل ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ پورا جملہ جملہ پر معطوف ہو، تقدیر کلام یہ ہوگی وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتَانِ لِاَرْبَابِهِمَا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا درجہ میں اس سے کم ہوگی۔ ابن زید نے کہا فضیلت میں ان سے کم ہوگی۔ ابوموسیٰ نے کہا سابقین کے لئے سونے کی دو جنتیں ہوں گی اور تابعین کے لئے چاندی کی دو جنتیں ہوں گی(1) حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان سے روایت کیا ہے۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوموسیٰ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ سونے کی دو جنتیں سابقین کے لئے اور چاندی کی دو جنتیں اصحاب یمین کے لئے ہیں(2) امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا پھر اس نے اپنے لئے ایک جنت بنائی پھر اس میں ایک اور جنت بنائی پھر ایک موتی سے انہیں ہر طرف سے احاطہ میں لے لیا اور فرمایا ان کے علاوہ بھی دو جنتیں ہیں(3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مِنْ دُوْنِهِمَا سے مراد ان کے سامنے ہے(4) ان کے سامنے ہونے پر ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول دلالت کرتا ہے کہ دو جنتیں سونے کی ہیں اور دو جنتیں یاقوت کی ہیں(5)۔

مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾

"دونوں نہایت سرسبز و شاداب پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے 1۔ ان میں دو چشمے جوش سے ابل رہے ہوں گے پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے 2۔"

1۔ وہ سبز ہیں اور سخت سبز ہونے کی وجہ سے سیاہی مائل ہیں۔ اس میں اس بات کا شعور دلایا گیا ہے کہ ان دونوں جنتوں میں غالب چیز نباتات اور پھولدار پودے ہیں جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں، جبکہ پہلی جنتوں میں درخت اور پھلدار پودے ہیں اس لحاظ سے دونوں قسم کی جنتوں میں تفاوت اور فرق پر دلالت ہے۔

2۔ پانی کے فوارے ہیں۔ پہلی جنتوں کے جو اوصاف بیان کئے گئے تھے یہ جنتیں ان اوصاف میں ان سے کم ہیں کیونکہ وہاں ذکر تھا تجریان یعنی وہ عرش سے رواں ہیں۔ یہاں یہ ہے کہ وہ نیچے سے ابل رہی ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے دو چشمے جو جاری ہیں ابلنے والے چشموں سے بہتر ہیں(6)۔

فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾

"ان میں میوے ہوں گے اور کھجوریں اور انار ہوں گے پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے 1"

1۔ بعض علماء نے کہا کھجور اور انار فَاكِهَةٌ میں سے نہیں کیونکہ عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ فَاكِهَةٌ سے مقصود صرف لذت حاصل کرنا ہوتا ہے جبکہ کھجور کا پھل غذا ہے اور انار کا پھل دواء ہے اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ پھل نہیں کھائے گا تو اس نے تر کھجوریں اور انار کھالیا تو وہ حانث نہیں ہوگا، جبکہ اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ یہ دونوں پھلوں میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 283 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 517 (العلمیہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 283 (الفکر) 5۔ ایضاً 6۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 209 (العلمیہ)

سے ہیں۔ تعمیم کے بعد تخصیص کے ساتھ عطف اسی طرح ہے جس طرح جبرئیل و میکائیل کا عطف ملائکہ پر کیا جاتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جنت کی کھجوروں کے درختوں کے تنے سبز زمرد کے ہوں گے، اس کے پتے سرخ سونے کے اور ان کے ریشوں سے جنتیوں کے لباس ہوں گے، ان کے پھل مٹکوں یا ڈولوں جتنے ہوں گے دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھے اور مکھن سے زیادہ نرم ہوں گے، ان کی گٹھلی نہیں ہوگی(1)۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جنت کے پھلوں میں سے ایک چھوہارے کی لمبائی بارہ ہاتھ ہوگی، اس میں گٹھلی نہیں ہوگی(2) انہیں سے یہ بھی نقل کیا کہ جنت کے انار کے گرد بے شمار لوگ جمع ہوں گے جس سے وہ کھائیں گے جب ان کے ہاں کسی چیز کا ذکر ہوگا اور وہ اس کا ارادہ کرے گا وہ وہاں ہی اسے پالے گا اور اسے کھائے گا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ میں نے جنت کو دیکھا تو اس کا انار ایسا تھا جیسے اونٹ پر کجاوا باندھا گیا ہو(3)۔

فِيهِنَّ خَيْرَٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧١﴾

"ان میں اچھی سیرت والیاں اچھی صورت والیاں ہوں گی، پس (اے جن و انس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے [1]"

[1] خیرات اصل میں تشدید کے ساتھ تھا پھر اس میں تخفیف کی گئی کیونکہ وہ لفظ خیر جو اسم تفضیل کا معنی دیتا ہے اس کی جمع نہیں آتی۔ یہ جملہ جنتان کی ایک اور صفت ہے، یعنی جنت کے مکانات اور محلات میں خَيْرَٰتٌ حِسَانٌ ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے اللہ تعالیٰ کے فرمان خَيْرَٰتٌ حِسَانٌ کے بارے میں بتائیے فرمایا خوش سیرت خوبصورت(4) اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ ابن مبارک نے اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے خوبصورت جو بدزبان نہیں ہوں گی، متکبر نہیں ہوں گی اور نہ ہی اذیت دیں گی(5)۔

حُورٌ مَّقْصُورَٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٣﴾

"یہ حوریں پردہ دار خیموں میں پس (اے جن و انس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے [1]"

[1] حور یہ حوراء کی جمع ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ آنکھ کی سفیدی اور سیاہی شدید ہو، اس کی پتلی کی سیاہی اور پلکوں کی چمک شدید ہو اور اس کا اردگرد خوب سفید اور اس کی سیاہی جسم کی سفیدی میں شدید ہو یا آنکھ کی سیاہی ہرن کی مانند ہو، یہ انداز انسان کی آنکھ میں نہیں ہوتا بلکہ مجازاً استعمال ہوتا ہے۔ قاموس میں اسی طرح کہا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے فرمان حور عین کے بارے میں مجھے بتائیے فرمایا خوب سفید آنکھ کے بال بڑے یعنی پلکوں کے بال اتنے بڑے جتنے تم اب نسر کے پر دیکھتے ہو(6) ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حور عین کی پلکیں نسر کے پروں سے لمبی ہوں گی۔ طبرانی نے حضرت ابو امامہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 284 (الفکر) 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 210 (العلمیہ) 3۔ ایضاً
4۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 285 (الفکر) 5۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 210 (العلمیہ) 6۔ ایضاً، صفحہ 211

فرمایا حورعین کی پیدائش زعفران سے ہوئی (1)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے موقوف روایت مروی ہے۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ حور عین کو مٹی سے پیدا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اسے مشک، کافور اور زعفران سے پیدا کرتا ہے۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایک حور سمندر میں لعاب ڈال دے تو اس کی تھوک کی مٹھاس سے وہ سمندر میٹھا ہو جائے گا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نقل کیا ہے کہ جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت اگر سات سمندروں میں تھوک دے تو تمام سمندر شہد سے زیادہ میٹھے ہو جائیں (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے جنت میں قوس کے نصف وتر کے برابر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اگر جنتی عورت زمین کی طرف جھانکے تو تمام زمین کو روشن کر دے، اسے خوشبو سے بھر دے اس کے سر کی اوڑھنی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (4) ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے کعب الاحبار سے روایت کیا ہے کہ اگر حور کا ایک ہاتھ آسمان سے نیچے لٹکے تو اس سے زمین اس طرح روشن ہو جائے جس طرح سورج اہل دنیا کو روشن کرتا ہے (5)۔

یعنی وہ خیموں میں محبوس اور پوشیدہ ہوں گی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا انہوں نے اپنی نظروں اور اپنی ذاتوں کو اپنے خاوندوں تک محدود کر رکھا ہے، وہ ان کے بدلے میں کسی اور کی خواہش نہیں کرتیں (6)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے بارے میں کہا وہ خیموں میں محبوس رہتی ہیں (7) ان سے باہر نہیں آتیں۔ خیمہ موتیوں اور چاندی کا بنا ہوا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں جنت میں ایسی جگہ داخل ہوا جسے بیدخ کہتے ہیں وہاں موتیوں، زردو زبرجد اور سرخ یاقوت کے خیمے تھے۔ ان خیموں میں موجود عورتوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر سلام ہو۔ میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ آواز کیسی ہے؟ حضرت جبرئیل امین نے جواب دیا یہی مقصورات فی الخیام ہیں، انہوں نے آپ کو سلام کرنے کے لئے اپنے رب سے اجازت طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت عطا فرمائی تو وہ کہنے لگیں ہم راضی رہتی ہیں کبھی ناراض نہیں ہوتیں ہم یہاں ہمیشہ رہیں گی یہاں سے کوچ نہ کریں گی تو رسول اللہ ﷺ نے حور مقصورات فی الخیام پڑھا، خیام خیمہ کی جمع ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے عبد اللہ بن قیس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک خیمہ ہے جو اندر سے خالی موتی کا بنا ہوا ہے اس کی چوڑائی ساٹھ میل ہے، اس کے ایک کونے میں رہنے والے دوسرے کونے میں رہنے والوں کو نہیں دیکھ سکیں گے، مومن ان کے پاس آتے جاتے رہیں گے (8)۔ صحیحین میں اسی کی مثل حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے ابن ابی الدنیا اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا خیمہ ایک خالی موتی کا ہوگا (9) یہ ایک فرسخ لمبا اور ایک فرسخ چوڑا ہوگا، اس کے چار ہزار سونے کے کواڑ ہوں گے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا

1۔ کنز العمال، جلد 14، صفحہ 518 (التراث الاسلامی) 2۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 535 (الفکر) 3۔ ایضاً
4۔ صحیح بخاری: 2643 (ابن کثیر) 5۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 535 (الفکر) 6۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 285 (الفکر)
7۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 92 (الامیریہ) 8۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 285 (الفکر) 9۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 210 (العلمیہ)

ہے کہ خیمے اندر سے خالی موتی کے ہوں گے(1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل موقوف روایت ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل ابی مجلز سے مرسل روایت نقل کی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو درداء سے روایت کیا ہے فرمایا خیمہ موتی کا ہوگا اس میں موتی کے ستر دروازے ہوں گے(2)۔ ہناد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن میمون رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہا خیمہ اندر سے خالی موتی کا ہوگا(3) اسی کی مثل مجاہد اور ابن احوص رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے ایک پسندیدہ مقام ہوگا اور اس مقام میں ایک خیمہ ہوگا اور ہر خیمہ میں چار دروازے ہوں گے ہر روز دروازے سے تحفہ، عزت اور ہدیہ داخل ہوگا جو اس سے پہلے نہیں آیا تھا وہ تحفہ حوریں ہوں گی، نہ اترانے والی، نہ تکبر کرنے والی، نہ گندی بغل والی اور نہ ہی منہ سے بدبو والی، وہ حورعین ہوں گی گویا بیض مکنون ہیں ایسی سفید جو پردوں میں ہیں(4)۔

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٥﴾

"ان کو بھی اب تک نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے [1]"

[1] ھم ضمیر سے مراد دو جنتوں والے ہیں اگرچہ مرجع کا صراحۃ ذکر نہیں لیکن جنتان کا ذکر اس پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ:۔ دنیا کی عورتیں حورعین سے بہتر ہیں کیونکہ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث روایت کی ہے انہوں نے کہا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ دنیا کی عورتیں افضل ہیں یا حورعین تو حضور ﷺ نے فرمایا دنیا کی عورتیں افضل ہیں جس طرح ظاہر والا کپڑا اندر والے کپڑے سے بہتر ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کس وجہ سے ہے؟ آپ نے فرمایا ان کی نمازوں اور روزوں کی وجہ سے یہ افضل ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے چہروں پر نور کا لباس، جسموں پر ریشم کا لباس، جو سفید رنگ، سبز کپڑوں میں ملبوس اور زیورات زرد ہوں گے، ان کی انگیٹھیاں موتی کی اور کنگھیاں سونے کی ہوں گی، وہ کہیں گی خبردار ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں ہم کبھی نہیں مریں گی ہم ناز و نعم میں پلی ہیں ہم کبھی دکھی نہ ہوں گی خبردار ہم ہمیشہ رہتے والیاں ہیں ہم یہاں سے نہیں جائیں گی ہم راضی رہنے والیاں ہیں ہم کبھی ناراض نہیں ہوں گی اسے مبارک ہو جس کے لئے ہم ہیں اور جو ہمارے لئے ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ایک عورت دنیا میں دو، تین یا چار مردوں سے شادی کرتی ہے پھر وہ مر جاتی ہے جنت میں داخل ہو جاتی ہے اس کے خاوند بھی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں تو وہاں اس عورت کا خاوند کون ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس عورت کو اختیار ہوگا وہ عورت خاوندوں میں سے اسے اختیار کرے گی جو دنیا میں بہترین اخلاق والا ہوگا تو اس کا خاوند وہی ہوگا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا حسن خلق تو دنیا و آخرت کی بھلائی پر غالب آ گیا(5)۔ ہناد رحمۃ اللہ علیہ نے حبان بن جبلہ سے روایت کیا ہے کہا بے شک جنتی عورتیں جب جنت میں داخل ہوں گی تو دنیا میں اعمال کی وجہ سے انہیں حورعین پر فضیلت دی جائے گی۔

مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٧﴾

"وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسند پر جو از حد نفیس بہت خوبصورت ہوگی، پس (اے انسانو اور جنو!) تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے [1]"

[1] مُتَّكِئِينَ یہ من خاف مقام ربہ سے حال ہے، معنی یہ ہوگا جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو جنتیں ہیں اس

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 210 (العلمیہ) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً، صفحہ 211 5۔ ایضاً، صفحہ 12-211

حال ہیں کہ وہ جنتوں میں ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے یا بیار باب سے حال ہے جو مقدر ہے پھر معنی یہ بنے گا اس حال میں کہ ان دونوں جنتوں والے ٹیک لگائے ہوں گے۔

قاموس میں ہے کہ رفرف سبز کپڑے کو کہتے ہیں جس سے بیٹھنے کی چیزیں، بستر اور تکیے بنائے جاتے ہیں۔ صحاح میں ہے کپڑے کی ایک قسم جسے باغیچوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا خیموں اور چولداریوں کی وہ اطراف جو زمین پر پڑی ہوں نہ کہ رسیوں اور میخوں پر۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوطلحہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان رفرف خضر کی تفسیر میں فرمایا اس سے بیٹھنے کی چیزیں مراد ہیں (1) ہناد اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد جنت کے باغ ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا رفرف سے مراد قالین ہیں (2) یہی حضرت حسن بصری اور مقاتل اور قرطبی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رفرف سے مراد بیٹھنے کی چیزوں کے جھالر اور قالین ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد بستر دن کے اوپر جو چادر وغیرہ ڈالی جاتی ہے جس کا رنگ سبز ہو۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہنی ٹیکنے کے لئے تکیہ۔ ابن عیینہ نے کہا مسندیں دوسروں نے کہا عربوں کے ہاں ہر چوڑے کپڑے کو رفرف کہتے ہیں (3)۔

عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ کا عطف خضر پر ہے قاموس میں ہے عبقر ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں جن کثرت سے رہتے تھے اس جگہ کا کپڑا بہت خوبصورت ہوتا تھا عَبْقَرِيٌّ سے مراد ہر شے میں سے کامل سید، جس سے بلند مرتبہ کوئی چیز نہ ہو، سخت اور ایک قسم کا قالین ہے امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ لفظ عبقر کی طرف منسوب ہے عربوں کا گمان تھا یہ جنوں کے شہر کا نام ہے وہ ہر عجیب چیز کو اس شہر کی طرف منسوب کر دیتے تھے یہاں اس سے مراد جنس ہے معنی پر محمول کرتے ہوئے اس کی جمع حِسَانٍ آئی ہے صحاح میں اسی طرح مذکور ہے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ سے مراد مسندیں ہیں (4)۔ قتیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عربوں کے ہاں ہر منقش کپڑے کو عَبْقَرِيٌّ کہتے ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ اس زمین کی طرف منسوب ہے جہاں نقش و نگار کا کام ہوتا تھا خلیل نے کہا عربوں کے ہاں انسانوں میں سے یا کسی اور چیز میں سے ہر عظیم، نفیس اور قابل فخر چیز کو عَبْقَرِيٌّ جے اسی معنی میں حضور ﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک ارشاد ہے میں نے ایسا کوئی عَبْقَرِيٌّ نہیں دیکھا جو اس جیسے کارنامے سر انجام دیتا ہو (5)۔

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

"(اے حبیب!) بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام، بڑی عظمت والا، احسان فرمانے والا[1]"

[1] ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے واؤ کے ساتھ ذو الجلال پڑھا ہے، اسے اسم کی صفت بنایا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے یاء کے ساتھ مجرور پڑھا ہے، معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم بھی بلند و بالا ہے کیونکہ اس اسم کا اطلاق اس کی ذات پر ہوتا ہے تو اس کی ذات کے بارے میں تیرا کیا گمان ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں اسم صفت کے معنی میں ہے یا یہاں اسم کا لفظ زائد ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا سلام پھیرتے تو اتنا وقت ہی بیٹھتے جس میں یہ کلمات کہتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 213 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 285 (الفکر) 3۔ ایضاً
4۔ ایضاً 5۔ ایضاً، صفحہ 86-285

سورۂ واقعہ

ایاتھا ۹۶ — سُوْرَۃُ الْوَاقِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۵۶ — رکوعاتھا ۳

سورۃ الواقعہ مکی ہے اس میں چھیانوے آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝١ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝٢ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝٣

"جب قیامت برپا ہو جائے گی[1] نہیں ہوگا جب یہ برپا ہوگی (اسے) کوئی جھٹلانے والا[2] کسی کو پست کرنے والی، کسی کو بلند کرنے والی ہے[3]"

[1] جب قیامت برپا ہو جائے گی۔ قیامت کو واقعہ کا نام اس لئے دیا کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے ظرف فعل محذوف کے متعلق ہے جیسے اذکر یا کان کیتا و کیت۔

[2] لِوَقْعَتِهَا میں لام وقت کے لئے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي قدمت میں ہے۔ کاذبۃ صفت کا صیغہ ہے جس کا موصوف نفس ہے، یعنی ایسا نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے یا جس طرح اب وہ جھوٹ بولتا ہے اسی طرح اس وقت اس کی نفی کرنے میں جھوٹ بولے۔

یہ بھی جائز ہے کہ لام اجلیہ ہو، یعنی قیامت کیونکہ واقع ہو چکی ہے اس لئے کوئی نفس جھوٹ بولنے والا نہیں کیونکہ جس نے اس قیامت کے بارے میں خبر دی اس نے سچ کہا یا ایسا کوئی نفس نہیں ہوگا جو انسان کو اس کی تکالیف برداشت کرنے کی ہمت دے دے۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے كَذَبَتْ فُلَانًا نَفْسُهُ فِي الْخَطْبِ الْعَظِيْمِ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب نفس اسے جری بنا دے اور یہ خیال دلائے کہ تو اس کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ کاذبۃ مصدر ہو جس طرح عافیہ، نازلہ اور لا غیہ مصدر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً یہ لغو کے معنی میں ہے، یعنی یہ ہوگا اس کے آنے میں کوئی جھوٹ نہیں، یہ یقینی طور پر واقع ہوگی۔

[3] جن لوگوں نے دنیا میں تکبر کیا اور بہت زیادہ سرکشی کی انہیں پست کیا۔ اولیاء اللہ جنہوں نے تواضع اختیار کی ان کو بلند کرنے والی ہے یہاں اسناد مجازی ہے فعل کی نسبت فاعل کی طرف کرنے کی بجائے زمانہ کی طرف ہے، یعنی اس میں بعض اقوام کو پست کیا جائے گا اور دوسری اقوام کو بلند کیا جائے گا۔ یہ دونوں واقعہ کی صفت ہیں، جبکہ پہلے واقعہ کی صفت جملہ کے ساتھ لگائی گئی یہ صفت اس طریقہ پر ہے جس طرح اس قول میں ہے وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيمِ يَسُبُّنِي، یعنی معرف باللام اسم نکرہ کے حکم میں ہے۔

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۝٤ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝٥ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ۝٦ وَّكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝٧

"جب زمین تھرتھر کانپے گی ۱؎ اور ٹوٹ پھوٹ کر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ۲؎ پھر غبار بن کر بکھر جائیں گے ۳؎ اور تم لوگ تین گروہوں میں بانٹ دیئے جاؤ گے ۴؎"

۱؎ جب زمین میں شدید حرکت پیدا ہوگی اور زمین پر جو عمارات اور پہاڑ ہوں گے سب گر پڑیں گے۔ یہ ظرف خافضۃ کے متعلق ہے یا اذا وقعت سے بدل ہے۔

۲؎ جب پہاڑوں کو چلایا جائے گا۔ یہ بس الغنم سے مشتق ہے، یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ ریوڑ کو ہانکے۔ کلبی، حضرت حسن بصری اور ابن کیسان رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کہا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ گھلے ہوئے ستو کی طرح ہو جائے گا۔ عطاء اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔

۳؎ پہاڑ چھوٹے چھوٹے ذرات ہو جائیں گے۔ ھباء مٹی کے ان ذرات کو کہتے ہیں جب روشنی کسی سوراخ سے داخل ہو تو وہ الگ الگ نظر آتے ہیں۔

۴؎ کم ضمیر سے مراد حضور ﷺ کی امت ہے کیونکہ خطاب انہیں کو ہو رہا ہے۔ ازواج کا معنی اصناف ہے، ہر صنف کی دوسری صنف ہو یا دوسری صنف کے ساتھ اسے ذکر کیا جائے تو اسے زوج کہتے ہیں۔ ان تینوں جملوں کا عطف رُجّت پر ہے پھر تینوں اصناف کا ذکر کیا گیا۔

فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ؕ﴿۸﴾ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ؕ﴿۹﴾

"پس (ایک گروہ) دائیں ہاتھ والوں کا ہوگا، کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی ۱؎ اور (دوسرا گروہ) بائیں ہاتھ والوں کا ہوگا کیا (خستہ) حال ہوگا بائیں ہاتھ والوں کا ۲؎"

۱؎ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ یہ مبتدا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں دائیں طرف سے جنت میں لایا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے آپ کی اولاد کو نکالا گیا تھا تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں طرف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کے بارے میں فرمایا یہ جنتی ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں کتاب دائیں ہاتھ میں دی جائے گی (1) ان تمام اقوام کی صورت میں یہ یمین سے مشتق ہے جو یسار کی ضد ہے۔ ربیع اور حضرت بصری نے کہا اس سے مراد برکت والے لوگ ہیں جن کی عمریں اللہ تعالیٰ کی طاعت میں گزری ہیں (2) اس صورت میں یہ لفظ یمن سے نکلا ہے جو شوم کی ضد ہے۔

مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ میں ما استفہامیہ تعجب کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں جو ان کی عظمت شان اور کمال برکت پر تعجب کا اظہار ہے یہ مبتدا اور خبر ہیں پھر جملہ پہلے مبتدا کی خبر ہے یہاں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا ہے۔

۲؎ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ سے مراد بائیں ہاتھ والے ہیں۔ عرب بائیں ہاتھ کو شومی بھی کہتے ہیں اسی وجہ سے شام اور یمن کا نام بھی پڑا کیونکہ یمن مکہ مکرمہ کی دائیں جانب اور شام اس کی بائیں جانب ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں بائیں جانب سے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا یا جب حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے آپ کی اولاد نکالی گئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا یہ جہنمی ہیں اور مجھے کچھ پرواہ نہیں یا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 287 (الفکر) 2۔ ایضاً۔

جنہیں نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا اس سے مراد ہے کہ وہ بدبخت ہیں اور ان کی عمریں نافرمانی میں گزریں۔ مَآ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ میں وہی تعبیر ہوگی جو اوپر گزر چکی ہے۔

وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِکَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿۱۱﴾ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۱۲﴾

"(اور تیسرا گروہ ہر کار خیر میں) آگے رہنے والوں کا وہ (اس روز بھی) آگے آگے ہوں گے وہی مقرب بارگاہ ہیں[1]
عیش و سرور کے باغوں میں[2]"

[1] جو لوگ اسلام قبول کرنے، طاعت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے مراتب کو حاصل کرنے میں سبقت لے گئے وہ انبیاء علیہم السلام ہیں کیونکہ ایمان لانے والوں میں سے یہی ایمان اور طاعات کی طرف سبقت لے گئے اور ان کی امتیں ان کے تابع ہوں گی۔ امت میں سے جو لوگ کمال اتباع سے متصف ہوئے، کمالات نبوت کو تبعاً اور وراثۃً حاصل کیا اور تجلیات ذاتیہ سے شرف یاب ہوئے وہ صحابہ اور بعض تابعین ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جن لوگوں نے ہجرت میں سبقت کی وہی آخرت میں جنت کی طرف سبقت لے جائیں گے(1)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسلام کی طرف سابقون اولون صحابہ ہیں۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد مہاجرین و انصار میں سے وہ صحابہ ہیں جنہوں نے قبلتین کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ ربیع بن انس نے کہا دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے میں پہل کرنے والے جنت میں بھی پہلے جانے والے ہوں گے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد پانچوں نمازوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں(2) ان اقوال کا مقصود یہی ہے کہ اس سے مراد صحابہ ہیں۔ حضرت علی شیر خدا نے فرمایا میں اسلام لانے میں تم پر سبقت لے گیا میں اس وقت بچہ تھا بالغ نہیں ہوا تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تمام صحابہ کمالات نبوت میں مستغرق تھے۔ تابعین میں سے اکثر اور تبع تابعین میں سے اقل کمالات نبوت میں مستغرق تھے پھر انوار نبوت اور اس کے آثار پوشیدہ ہو گئے اور کمالات ولایت ظاہر ہو گئے اور کمالات ولایت پر سکر، شطح اور خارق للعادۃ امور کی کثرت ہوئی جو تجلیات صفاتیہ اور ظلیہ سے حاصل کئے گئے تھے یہاں تک کہ جب ہجرت کو ایک ہزار سال ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت نے امت مسلمہ کو آلیا اور حضور ﷺ کی فطرت کے مطابق کمالات نبوت کو آپ کے پیروکاروں میں سے بعض سے فیض عام کیا یہاں تک کہ امت کا آخر امت کے اول کے مشابہ ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے یہ نہیں جانا جا سکتا کہ اس کا پہلا حصہ بہتر تھا یا اس کا آخری حصہ۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے(3) رزین نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اپنے والد ماجد امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں بشارت ہو بشارت ہو میری امت کی مثال بارش کی مانند ہے یہ نہیں جانا جا سکتا کہ اس کا پہلا حصہ زیادہ بہتر ہے یا آخری حصہ زیادہ بہتر ہے یا اس کی مثال ایک باغ کی مانند ہے۔ ایک جماعت نے اس میں سے ایک سال تک کھایا پھر ایک اور جماعت نے اس میں سے ایک سال تک کھایا ممکن ہے کہ بعد والے سال میں باغ میں پھل زیادہ اور اچھا ہو۔

حضرت درداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کا اول و آخر بہترین ہے، درمیان میں آلودگی ہے(4)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 288 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی: 2869، جلد 9-10 (العلمیہ)
4۔ کنز العمال، جلد 11، حدیث: 32455 (التراث الاسلامی)

اسے حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے۔ پہلے السّٰبِقُوْنَ میں لام جنسی ہے اور دوسرے سابقون میں لام عہدی ہے۔ جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے۔ صدیقی زید معنی یہ ہو گا السّٰبِقُوْنَ وہ ہیں جن کے حال، کمال اور انجام کو تم پہچان چکے ہو جس طرح شاعر کا قول ہے انا ابو النجم و شعری شعری یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جنت کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔

ے وہ اللہ تعالیٰ کے قریبی ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے جو ماشانہم کے جواب میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ پہلا السّٰبِقُوْنَ مبتدا ہو اور دوسرا السّٰبِقُوْنَ اس کی تاکید ہو اور یہ جملہ اس کی خبر ہو۔

فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ، مقربون کے متعلق ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ ظرف مستقر ہو کر اولئک کی خبر ہو یا اولئک کی خبر کے بعد خبر ہو۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾

"ایک بڑی جماعت پہلوں سے لے اور قلیل تعداد پچھلوں سے ے ان پلنگوں پر جو سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے ے"

لے ثلثه یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے، تقدیر کلام یوں ہو گی ھم ثُلَّةٌ اس کا معنی کثیر ہے، یعنی اس امت کے پہلے حصہ میں بہت زیادہ ہوں گے یہ تین قرن (دور) ہیں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا دور۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے بہترین افراد میرے زمانے کے ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے پیچھے ہیں پھر ان کے بعد ایسی قوم آئے گی جو گواہی دیں گے ان سے گواہی طلب نہ کی جائے گی وہ خیانت کریں گے امین نہ ہوں گے (1) وہ نذر مانیں گے اور پوری نہ کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہو جائے گا۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے اور عمران بن حصین سے مروی ہے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے، امام ترمذی اور حاکم نے عمران سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ خیر الناس، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ طبرانی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے جعدہ بن ہبیرہ سے، صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت مروی ہے میرے صحابہ کو گالی نہ دو اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تو وہ صحابہ کے ایک مد (ا) اور اس کے نصف تک بھی نہیں پہنچتا (2)۔

ے وہ کمال نبوت والے ہیں جنہوں نے یہ کمال ایک ہزار سال بعد حاصل کیا جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اکثر مفسرین نے کہا ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ تک تمام امتیں ہیں اور قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ سے مراد حضور ﷺ کی امت ہے۔

زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جن لوگوں نے سابقہ انبیاء کی زیارت کی اور ان کی تصدیق کی ان کی تعداد حضور ﷺ کا دیدار کرنے والوں کی تعداد سے زیادہ تھی گویا ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ سے مراد سابقہ امتوں میں سے صحابی اور قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ سے مراد اس امت کے صحابہ ہیں (3)۔ میں یہ کہتا ہوں یہ تاویل بہت ہی بعید ہے کیونکہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ سابقہ امتیں اس امت کی بنسبت اللہ تعالیٰ کے

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 10-9، حدیث: 2222 (العلمیہ) 2۔ مشکوۃ المصابیح: 6007، جلد 3، صفحہ 333 (الفکر)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 288 (الفکر) (ا) ایک پیمانہ جو تقریباً ایک سیر کے برابر ہے (مترجم)

زیادہ قریب ہیں اور اس امت سے افضل ہیں کیونکہ امت کی فضیلت فضیلت والوں کی زیادتی کی وجہ سے ہوگی۔ یہ تاویل آیات قرآنیہ کے خلاف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا اور حضور ﷺ کا فرمان ہے: اَنْتُمْ تَتِمُّوْنَ سَبْعِيْنَ اُمَّةً اَنْتُمْ خَيْرُهَا وَاَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ(1) اسے امام ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بہز بن حکیم سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے دادا سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔ امام احمد، بزار اور طبرانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ ارشاد فرما رہے تھے میں امید کرتا ہوں کہ جنتیوں میں چوتھائی حصہ میری امت سے ہو گا۔ ہم پر یہ امر شاق گزرا فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ جنتیوں کا تیسرا حصہ میری امت سے ہوگا۔ ہم پر یہ بھی شاق گزرا پھر فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ نصف میری امت میں سے ہوگا(2)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم جنتیوں کا چوتھائی ہو؟ ہم نے عرض کی جی ہم راضی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ جنتیوں کی نصف تعداد تمہاری ہوگی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ نے اسے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بریدہ سے نقل کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتیوں کی کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی، اسی صفیں اس امت کی ہوں گی اور چالیس باقی ساری امتوں کی ہوں گی(3)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوموسیٰ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، معاویہ بن جیدہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ یہ ضمیر محذوف کی ایک اور خبر ہے۔ وضن سے مراد زرہ کو بننا ہے پھر مجازاً ہر اس چیز کے لئے استعمال ہونے لگا جس کو مضبوطی سے بنا جائے۔ سعید بن منصور، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ وہ سونے سے بنی ہوں گی۔ مفسرین نے کہا یہ آپس میں ملی ہوں گی، سونے اور جواہرات سے بنی ہوں گی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بنی ہوں گی اور صفوں میں پڑی ہوں گی۔

مُّتَّكِـِٕیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ ⑯ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ⑰

"تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان پر آمنے سامنے [1]۔ گردش کرتے ہوں گے ان کے ارد گرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے [2]"

[1]۔ اسم فاعل کے دونوں صیغے عَلَیْهَا کی ھا ضمیر سے حال ہوں گے۔ ہناد نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے مُتَقٰبِلِیْنَ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ جنتی ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھیں گے(4)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حسن معاشرت، تہذیب اخلاق اور اخلاص محبت کی صفت بیان کی ہے۔

[2]۔ ولدان سے مراد ایسے لڑکے ہیں جو خدمت کے لئے پیدا کئے گئے۔ یہ جملہ ضمیر سے ایک اور حال ہے، نہ مریں گے، نہ بوڑھے ہوں گے، نہ بدلیں گے بلکہ ہمیشہ بچوں کی شکلوں پر ہی رہیں گے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عرب ایسے شخص کے بارے میں کہتے جو ادھیڑ عمر

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 11-12، حدیث: 3001 (العلمیہ)
2۔ کنز العمال، جلد 12، صفحہ 167 (التراث الاسلامی)
3۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی: جلد 9-10، حدیث: 2546 (العلمیہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 288 (الفکر)

ہو جائے اور اس کے بال کچھ سیاہ اور کچھ سفید ہو جائیں انہ مخلد۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ بچے ہی رہیں گے ایک حالت سے دوسری حالت میں نہیں بدلیں گے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کے کانوں میں بالیاں ہوں گی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے خلّدَ جاریۃً جب کوئی آدمی کسی بچی کو بالیاں پہنائے، خلد کا معنی بالی ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا یہ انسانوں کے بچے ہوں گے جنہوں نے کوئی نیکی نہ کی ہوگی کہ انہیں ثواب دیا جاتا اور نہ ہی ان کی برائیاں ہوں گی جن پر انہیں سزا دی جاتی۔ یہ جنتیوں کے خادم ہوں گے (1) ابن مبارک، ہناد اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مرتبہ کے اعتبار سے سب سے کم جنتی وہ ہوگا جس کے ایک ایک کام کے لئے ہزار خادم ہوں گے جس کام پر کوئی دوسرا ساتھی معین نہیں ہوگا (2)۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جنتیوں میں سے سب سے کم مرتبے والا وہ جنتی ہوگا جس کے سر پر دس ہزار خادم کھڑے ہوں گے (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنتیوں میں سے سب سے کم مرتبے والا وہ جنتی ہوگا جس پر صبح و شام پانچ ہزار خادم گردش کر رہے ہوں گے اور ہر ایک کے پاس ایسا برتن ہوگا جو دوسرے کے پاس نہیں ہوگا (4)۔

بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۙ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۙ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا يُنْزِفُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾

"(ہاتھوں میں) پیالے، آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے جام لئے ہوئے نہ سر درد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے 1"

1۔ جار مجرور اور جو اس کے معطوف ہیں یہ یطوف کے متعلق ہیں۔ اکواب۔ کوب کی جمع ہے ایسے گول پیالے جن کا دستہ اور ٹونٹی نہیں ہوتی۔ ہناد نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عوفی کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کوب سے مراد چاندی کے گھڑے ہیں۔ اباریق ایسے پیالوں کو کہتے ہیں جن کی سنتیں ہوتی ہیں انہیں اباریق اس لئے کہتے ہیں کیونکہ صفائی میں ان کا رنگ روشن ہوتا ہے۔ کاس ایسے پیالے کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو جس میں شراب نہ ہو اس کو کاس نہیں کہتے۔ معین ایسا چشمہ جو کبھی ختم نہیں ہوتا یا شراب کا جاری چشمہ۔ اس کے پینے سے سر میں درد نہیں ہوگا جس طرح دنیا کی شراب پینے سے سر میں درد ہوتا ہے، یہ جملہ اپنے معطوف سے مل کر کاس کی صفت ہے۔ کوفیوں نے باب افعال سے زاء کے کسرہ کے ساتھ ینزفون پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے زاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نزف کا معنی ہے اس کی عقل چلی گئی اور وہ بے ہوش ہو گیا، اسی سے لا ینزفون کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ صحاح میں ہے اَنْزَفَ الْقَوْمُ مَاءَ بِئْرِهِمْ یعنی انہوں نے کنویں کا سارا پانی نکال لیا مزید فیہ میں مجرد کے مقابلہ میں مبالغہ ہے۔ کوفیوں کی قرأت کے مطابق اس کا معنی یہ ہوگا ان کی شراب ختم نہ ہوگی اور دوسری قرأت کا معنی یہ ہوگا ان کی عقل ضائع نہ ہوگی۔

وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ﴿۲۰﴾ وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ؕ﴿۲۱﴾ وَ حُوْرٌ عِيْنٌ ۙ﴿۲۲﴾

"اور میوے بھی (پیش کریں گے) جو وہ جنتی پسند کریں گے 1 اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ رغبت کریں گے 2 اور حوریں خوبصورت آنکھوں والیاں 3"

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 289 (الفکر) 2۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 509 (الفکر) 3۔ ایضاً، صفحہ 508۔ 4۔ ایضاً۔

۱؎ فاکھۃ کا عطف کاس پر ہے ایسا پھل ہوگا جسے وہ چاہیں گے۔

۲؎ لحم طیر کا عطف فاکھۃ پر ہوگا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے ایک آدمی کے دل میں پرندے کے گوشت کا خیال آئے گا تو جس چیز کی اس نے خواہش کی ہوگی تو اس کے سامنے اس شکل میں وہ ظاہر ہو جائے گا(1) بزار، ابن ابی الدنیا اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو جنت میں ایک پرندہ دیکھے گا تو اس کی خواہش کرے گا تو تیرے سامنے بھنا ہوا آ جائے گا(2)۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے ابوامامہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جنتیوں میں سے کوئی جنت میں پرندے کی خواہش کرے گا تو وہ گر پڑے گا اس کی جسامت بختی اونٹ جتنی ہوگی پھر وہ اس کے دستر خوان پر آ جائے گا اسے دھویں اور آگ نے نہیں چھوا ہوگا وہ جنتی اس میں سے کھائے گا یہاں تک کہ وہ سیر ہو جائے گا پھر وہ اڑ جائے گا۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں بختی اونٹوں جیسے پرندے ہوں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی وہ تو عیش میں ہوں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا عیش میں تو حقیقت میں وہ لوگ ہوں گے جو انہیں کھائیں گے اے ابوبکر تم بھی انہیں لوگوں میں سے ہو(3) امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی کی مثل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ہناد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں بختی اونٹوں جیسے پرندے ہوں گے، وہ ایک آدمی کے پاس آئے گا، وہ اس سے کھائے گا پھر وہاں سے چلا جائے گا گویا اس پرندے میں سے کوئی کمی نہیں ہوئی(4)۔ ہناد اور ابن ابی الدنیا رحمہما اللہ تعالیٰ نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک جنت میں ایک پرندہ ہے جس کے ستر ہزار پر ہیں وہ خود آئے گا اور جنتی کے پیالے میں جا پڑے گا پھر اس کے پر کو اکھیڑا جائے گا پھر ہر پر سے ایک رنگ نکلے گا جو برف سے زیادہ سفید، مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ اس میں کوئی ایسا رنگ نہیں ہوگا جو دوسرے کے مشابہ ہو پھر وہ اڑ کر غائب ہو جائے گا(5)۔ ہناد رحمۃ اللہ علیہ نے مغیث بن سمی سے نقل کیا ہے کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جنت میں ایسا کوئی گھر نہیں جسے اس کی ٹہنیاں سایہ نہ دیتی ہوں اس میں پھلوں کے رنگ ہوں گے۔ اس درخت پر پرندے ہوں گے جو بختی اونٹوں کی جسامت کے ہوں گے جب کوئی بندہ کسی پرندے کی خواہش کرے گا تو وہ اس پرندے کو بلائے گا تو وہ پرندہ اس کے دستر خوان پر آ گرے گا۔ جنتی اس سے کھائے گا، اس کی ایک جانب بھنا ہوا گوشت ہوگا اور دوسری جانب خشک گوشت کے ٹکڑے ہوں گے پھر وہ پرندہ بن جائے گا اور اڑ جائے گا۔

۳؎ حور، حوراء کی جمع ہے۔ عین عیناء کی جمع ہے۔ ابوجعفر، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انہیں مجرور پڑھا ہے کیونکہ ان کا جنات پر عطف ہے کیونکہ ان کا مضاف مقدر ہے، یعنی وہ جنت میں اور حور عین کے پہلو میں ہوں گے یا اس کا عطف اکواب پر ہے کیونکہ یَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ بِاَكْوَابٍ کا معنی یہ ہے کہ ان پر پیالوں اور حور عین کے ساتھ انعام کیا جاتا ہے، جبکہ باقی قراء نے انہیں مرفوع پڑھا ہے کہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی فِيْهَا حُوْرٌ عِيْنٌ اور لَهُمْ حُوْرٌ عِيْنٌ۔ اخفش نے اسی طرح کہا ہے یا اس کا عطف ولدان پر ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ حُوْرٌ عِيْنٌ۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 289 (الفکر) 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 220 (العلمیہ) 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حور کے کپڑوں کے باہر سے ہی اس کی پنڈلی کے مغز تک نظر پہنچ جائے گی۔ حُوْرٌ عِیْنٌ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اس کی آنکھ کی دھیری سیاہ اور آنکھ بڑی ہوگی۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہا میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اللہ تعالیٰ کے فرمان حُوْرٌ عِیْنٌ کے بارے میں بتائیے فرمایا سفید آنکھ کی پتلیاں بڑی جس طرح گدھ کے پر ہوتے ہیں(1)۔

كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

''(گویا) موتیوں کی مانند جو چھپا رکھے ہوں یہ اجر ہوگا ان نیکیوں کا جو وہ کرتے رہتے تھے 1 ''

1 حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ کے بارے میں بتائیے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کی صفائی اس طرح ہے جس طرح سیپی میں موتی صاف ہوتا ہے جسے ہاتھوں نے چھوا تک نہیں ہوتا۔ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ یہ حور کی صفت کے بعد دوسری صفت ہے۔ مکنون سے مراد صدف میں محفوظ ہو جسے ہاتھوں نے نہ چھوا ہو۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت کی جاتی ہے کہ جنت میں ایک نور چمکے گا تو لوگ کہیں گے حور اپنے خاوند کے سامنے مسکرائی ہے۔ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ حور جب چلے گی تو اس کے پازیب کی تسبیح، اس کی کلائیوں کے کنگنوں کی تمجید سنی جائے گی۔ اس کے گلے میں یاقوت مسکرائے گا اس کے پاؤں میں سونے کی جوتیاں ہوں گی جن کے تسمے موتیوں کے ہوں گے جو لگا تار تسبیح کریں گے(2)۔

2 جزاء فعل محذوف کا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی یجزون جزاء یا مفعول لہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی ان کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا جا رہا ہے تاکہ انہیں ان کے اعمال کی جزاء دی جائے۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

''نہ سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں 1 بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی 2 ''

1 ھا ضمیر سے مراد جنت ہے یہ جملہ بھی علیھا کی ضمیر سے ایک اور حال ہے۔ لغو کا معنی باطل ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ ہناد نے ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی بیہودہ بات ہے اور نہ ہی اثم کی طرف ان کی نسبت کی جائے گی۔ یعنی انہیں یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم نے گناہ کیا ہے اور جو تم نے کیا ہے وہ بہت ہی برا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ہناد نے ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی جھوٹ ہے۔

2 یہ مستثنیٰ منقطع ہے، یعنی ایسا قول جو سلامتی والا ہے۔ بدل ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، یعنی انہوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا۔ امام احمد، بزار اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے جنت میں مہاجر فقراء داخل ہوں گے۔ انہیں کے ساتھ سرحدوں کی حفاظت کی جاتی تھی، مصائب کو دور کیا جاتا تھا، یہ مر جاتے تھے، جبکہ خواہشات ان کے دل میں رہ جاتی تھی، ان کو پورا کرنے کی ان میں طاقت نہیں ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے جسے چاہے گا حکم دے گا ان کے پاس جاؤ انہیں سلام کرو۔ فرشتے عرض کریں گے ہم تیرے آسمان میں رہنے والے ہیں اور تیری مخلوقات میں سے بہترین لوگ ہیں کیا تو ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ ہم ان کے پاس جائیں اور انہیں سلام کریں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ

1۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 536 (الفکر) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 290 (الفکر)

بندے میری عبادت کرتے تھے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے انہیں کے ساتھ سرحدوں کی حفاظت کی جاتی مصائب کو دور کیا جاتا یہ مر جاتے، جبکہ ضروریات ان کے سینوں میں ہی رہ جاتیں ان کو پورا نہ کیا جاسکتا، فرمایا اس وقت فرشتے ان کے پاس آئیں گے ہر دروازے سے داخل ہوں گے اور کہیں گے جو تم نے صبر کیا اس پر تمہیں سلام یہ ٹھکانہ کتنا ہی بہتر ہے(1)۔ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بعث میں، عطاء اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے جب اہل طائف نے سوال کیا کہ ان کے لئے اس وادی کا شہد مختص کر دیا جائے تو حضور ﷺ نے اسے ان کے لئے مختص کر دیا وہ وادی بہت ہی خوبصورت تھی وہ لوگوں سے سنتے تھے کہ جنت میں اس طرح اس طرح ہوگا تو کہنے لگے کاش ہمارے لئے جنت میں ایسی وادی ہو(2) تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔

وَ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ﴿۲۷﴾ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾

"اور دائیں ہاتھ والے، کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی [1] بے خار بیریوں میں [2] اور کیلے کے گچھوں میں [3]"

[1] امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور سند سے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ انہیں کیلے اور بیری کے سائے عجیب لگتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آیات کو نازل فرمایا(3)۔

اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل صاف اور نفس مطمئن ہیں، یہ اولیاء اللہ اور متقی ہیں۔ آخرت میں ان کے ساتھ نافرمان مومن بھی شامل ہو جائیں گے یا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور انبیاء و صلحاء کی شفاعت کے ساتھ ان کے گناہ بخش کر یا انہیں پہلے جہنم کا عذاب دے کر اور گناہوں سے پاک کر کے متقین کے ساتھ شامل کر دے گا کیونکہ جہنم مومنوں کو پاک کر دیتی ہے اور گناہوں اور رذائل کی خباثت کو دور کر دیتی ہے جس طرح بھٹی لوہے کی میل کو دور کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اصحاب یمین کی شان بلند ہے اس کو ظاہر کرنے کے لئے استفہامیہ انداز میں کلام کو ذکر کیا۔ یہ استفہامیہ جملہ مبتدا کی خبر ہے۔ تاویل یہ کی جائے گی کہ قول محذوف ہے، یعنی یقال فی شانھم ما اصحاب الیمین یا یہ جملہ معترضہ ہے تعجب اور تفخیم کے لئے ہے۔

[2] یہ مبتدا کی خبر ہے یا خبر کے بعد دوسری خبر ہے، اس کا معنی ہے کہ اس کے کانٹے کاٹ دیئے گئے ہوں گے یا زیادہ بوجھ کی وجہ سے ان کی ٹہنیاں مڑی ہوں گی۔ قاموس میں ہے خضد الشجر اس نے درخت کو کاٹا اسی طرح کہا جاتا ہے خضد الغصن اس نے ٹہنی کو موڑ دیا، جبکہ وہ تر ہو۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو امامہ سے نقل کیا ہے کہ ایک اعرابی نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک درخت کا ذکر کیا ہے جو بڑا تکلیف دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ کونسا درخت ہے؟ فرمایا وہ بیری کا درخت ہے کیونکہ اس کے کانٹے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ اللہ تعالیٰ اس کے کانٹے کو کاٹ دیتا ہے اور ہر کانٹے کی جگہ پھل پیدا کر دیتا ہے پھر اس پھل کے پھٹنے سے کھانے کے بہتر رنگ نکلتے ہیں، ان میں سے کوئی رنگ دوسرے رنگ کے مشابہ نہیں ہوتا(4)۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل عتبہ بن عبد کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان مَّخْضُوْدٍ کی تفسیر میں ذکر کیا کثیر پھل والا اور طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ سے مراد تہہ در تہہ کیلا(5)۔

[3] فراء اور ابو عبیدہ نے کہا عربوں کے ہاں طلح سے مراد ایسا بڑا درخت ہے جس کے کانٹے ہوتے ہیں۔ قاموس میں ہے اس سے

1۔ کنز العمال، جلد 6، صفحہ 481 (التراث الاسلامی) 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 221 (العلمیہ) 3۔ ایضاً
4۔ ایضاً، صفحہ 222 5۔ ایضاً، صفحہ 223

مراد بڑا درخت اور کیلے کا درخت ہے۔ صحاح میں ہے یہ ایک درخت ہے اس کا واحد طلحۃ ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد بادام کا درخت یا کیکر کا درخت ہے(1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خالد نے حسن بن سعید سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے سامنے وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ پڑھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا مَا شَاْنُ الطَّلْحِ اِنَّمَا هُوَ طَلْعٍ مَّنْضُوْدٍ پھر آپ نے پڑھا لَهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ۔ میں نے عرض کی کہ قرآن میں تو یہ حاء کے ساتھ ہے کیا آپ اس کو بدلے گا نہیں تو جواب دیا اِنَّ الْقُرْآنَ لَا يُهَاجُ الْيَوْمَ وَلَا يُحَوَّلُ کہ آج قرآن سے نہ جھگڑا کیا جا سکتا ہے اور نہ اس میں تبدیلی کی جا سکتی ہے(2) منضود یعنی اس کا پھل تہہ در تہہ ہوگا۔ ابن مبارک، ہناد اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے مسروق سے نقل کیا کہ جنت کی کھجور جڑ سے لے کر شاخوں تک پھل سے لدی ہوگی، اس کا پھل مٹکے کے برابر ہوگا۔ جب بھی اس کا کوئی پھل اتارا جائے گا تو اس کی جگہ اور پھل لے لے گا، گچھا بارہ ہاتھ لمبا ہوگا(3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسروق کا قول ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ جنت کے درخت جڑوں سے لے کر ٹہنیوں تک پھل سے لدے ہوں گے(4)۔ قاموس میں نضد متاعہ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس نے بعض سامان بعض پر رکھ دیا۔ صحاح میں ہے نضید اس چارپائی کو کہتے ہیں جس کے اوپر سامان رکھا جاتا ہے، اسی سے مجاز اطلح نضید بولا جاتا ہے۔

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾

"اور لمبے لمبے سایوں میں لے اور پانی کے آبشاروں میں ہے اور پھلوں کی بہتات میں نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا ہے"

لے لمبا پھیلا ہوا جس طرح صبح کے وقت سورج کے طلوع ہونے سے پہلے سایہ پھیلا ہوا ہوتا ہے یا اس کا سایہ دائمی ہوتا ہے، سورج اسے ختم نہیں کرتا۔ عرب ایسی چیز کو ممدود کہتے ہیں جو ختم نہ ہوتی ہو۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے گا لیکن اس سائے کو طے نہ کر سکے گا(5) اگر تم چاہو تو یہ پڑھ لو وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، اس کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا کہ اس کے پتے جنت کو ڈھانپ لیں گے۔ ہناد بن سری نے زہد میں نقل کیا ہے اس کے آخر میں یہ زیادہ کیا یہ بات کعب کو پہنچی تو انہوں نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے تورات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن کو حضور ﷺ پر نازل کیا اگر ایک آدمی حقہ اونٹ یا جذعہ اونٹ پر سوار ہو پھر اس درخت کے تنے کے گرد چکر لگائے تو وہ چکر پورا کرنے سے پہلے بوڑھا ہو کر گر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے قدرت کے ہاتھوں کے ساتھ لگایا ہے، اس کی ٹہنیاں سدرہ جنت سے آگے تک ہیں۔ جنت میں جو بھی نہر ہے اس کی جڑ سے نکلتی ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ کی تفسیر میں ذکر کیا کہ جنت میں ساق عرش پر ایک درخت ہوگا جنتی اب درخت کی طرف جائیں گے اور اس کے تنے کے پاس بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ بعض لوگ دنیا کے کھیلوں کی خواہش کریں گے تو اللہ تعالیٰ جنت کی ہوا اس درخت پر بھیجے گا درخت میں حرکت پیدا ہو جائیں گی اور اس درخت سے دنیاوی لذتوں والے لہو و لعب کی آوازیں آئیں گی(6)۔

1۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کازرونی، جلد 5، صفحہ 286 (الفکر)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 91-290 (الفکر)
3۔ تفسیر قرطبی، جلد 17، صفحہ 186 (الازہریہ)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 291 (الفکر)
5۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 222 (الفکر)
6۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 291 (الفکر)

ے بہایا گیا پانی ہوگا جو ہمیشہ جاری و ساری رہے گا، وہاں کوئی گہرائی نہیں ہوگی گویا جب سبقت لے جانے والوں اور مقربین کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کی حالت کو شہروں میں رہنے والوں سے تشبیہ دی جوان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونے کا تصور کیا جا سکتا ہے تو اصحاب یمین کی حالت کو اس چیز کے ساتھ تشبیہ دی جو دیہاتوں میں رہنے والوں کی کمال کی صورت ہوتی ہے اور جس کی وہ تمنا کرتے ہیں۔ مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ دونوں کی حالتیں مختلف ہیں۔

ے پھلوں کی کثیر اجناس ہوں گی جب انہیں چنا جائے گا تو ختم نہ ہوں گی اور جب کوئی اس کے لینے کا ارادہ کرے گا تو اسے روکا نہیں جائے گا (1) اس کی تائید حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی کرتی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جنتی کوئی پھل نہیں توڑے گا مگر اس کی جگہ اس کی مثل پیدا کر دیا جائے گا۔ اسے بزار اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ جنت کے پھل نہیں توڑے جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ ان کی جگہ دوگناہ بدل دے گا (2) بعض علماء نے کہا اس کا معنی یہ ہے کسی زمانہ میں بھی ختم نہ ہوں گے اور نہ ہی قیمت کے بدلے میں انہیں روکا جائے گا جس طرح موسم سرما میں دنیا کے اکثر پھل ختم ہو جاتے ہیں اور قیمت دے کر حاصل کئے جاتے ہیں۔

وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾

"اور بستر بچھے ہوں گے اونچے اونچے پلنگوں پر ۱ "

ا امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا چار پایوں پر بستر لگے ہوں گے (3) مفسرین کی ایک جماعت نے کہا بلند ہوں گے۔ امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن کہا ہے۔ ابن ماجہ، بیہقی اور ابن ابی الدنیا رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابو سعید خدری سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی وضاحت میں فرمایا کہ دو بستروں میں اتنا فرق ہوگا جتنا زمین و آسمان میں فرق ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ اس طرح ہیں اس کی بلندی اتنی ہوگی جتنی زمین و آسمان کے درمیان ہے، درمیان میں فاصلہ پانچ سو سال کا ہوگا (4)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بعض علماء نے اس کی تفسیر میں یہ کہا اس کا معنی یہ ہے کہ درجہ میں دونوں بستروں میں تفاوت اس طرح ہے جس طرح زمین و آسمان کے درمیان ہے۔

ابن ابی الدنیا نے ابو امامہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اگر اوپر والا بستر نیچے گر پڑے تو چالیس سال میں بھی نیچے والے بستر تک نہیں پہنچے گا (5)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے اگر اس میں سے کوئی بستر بلندی سے نیچے پھینکا جائے تو وہ سو سال تک نیچے گرتا رہے گا (6) ایک قول یہ کیا گیا کہ فرش سے مراد عورتیں ہیں کیونکہ عورتوں کو عرب مجازاً فراش اور لباس کہتے ہیں، وہ جمال اور فضیلت میں دنیا کی عورتوں پر بلند ہوں گی یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ پلنگوں پر ہوں گی جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے۔

إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّأَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿۳۸﴾

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 291 (الفکر)
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً
4۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 7، حدیث: 2540 (الفکر)
5۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 224 (العلمیہ)
6۔ ایضاً

''ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طریقہ سے [1]۔ پس ہم نے بنا دیا انہیں کنواریاں [2]۔ (دل و جان سے) پیار کرنے والیاں ہم عمر [3]۔ (یہ سب نعمتیں) اصحاب یمین کے لیے مخصوص ہوں گی [4]۔''

[1] ھن کی ضمیر فرش کی طرف لوٹے گی جب فرش سے مراد عورتیں ہوں گی یا ضمیر ایسے اسم کی طرف لوٹے گی جو مذکور نہیں لیکن سامع کو معلوم ہے، یعنی ہم نے نئے سرے سے اسے پیدا کیا یا تو بغیر ولادت کے انہیں ابتداءً پیدا کیا یا پیدا تو پہلے تھیں لیکن انہیں لوٹایا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بوڑھی تھیں جن کے بال کچھ سیاہ اور کچھ سفید تھے۔ انہیں بڑھاپے کے بعد نئے سرے سے جوان پیدا کر دیا۔

[2] جب بھی ان کے خاوند ان کے پاس آئیں گے انہیں کنواریاں پائیں گے، ان میں کوئی دکھ اور درد نہ ہوگا۔ سعید بن منصور اور بیہقی نے شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے دنیا میں تمہاری بوڑھیاں آدھے سفید اور سیاہ بالوں والیاں اور جن کی آنکھوں سے میل (کیچڑ) نکلتی رہتی ہے انہیں اللہ تعالیٰ جوان پیدا فرمائے گا(1)۔

ابن جریر اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے مسلمہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اس سے مراد دنیا کی بوڑھی اور دوشیزائیں مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نئے سرے سے پیدا فرمائے گا(2)۔ بیہقی اور ابن منذر رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں کوئی بوڑھی داخل نہ ہوگی تو ایک بوڑھی عورت رونے لگی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے بتاؤ اس روز وہ بوڑھی نہ ہوگی، اس روز وہ جوان ہوگی ان شاء اللہ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً(3)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا حضور ﷺ میرے ہاں تشریف لائے، جبکہ ایک بوڑھی عورت میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کی میری خالہ ہے۔ فرمایا جنت میں کوئی بوڑھی داخل نہ ہوگی تو یہ سن کر بوڑھی کو وہ غم لگا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ(4) امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں ایک اور سند سے آپ سے ہی نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک بوڑھی آئی، اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ مجھے جنت میں داخل کر دے تو آپ نے فرمایا کہ جنت میں کوئی بوڑھی داخل نہ ہوگی آپ چلے گئے نماز ادا کی پھر آپ ﷺ لوٹے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی آپ کی گفتگو سے اسے سخت تکلیف پہنچی ہے۔ فرمایا ان شاء اللہ معاملہ ایسے ہی ہوگا جب اللہ تعالیٰ عورتوں کو جنت میں داخل کرنے کا ارادہ کرے گا تو انہیں نوجوان دوشیزائیں بنا دے گا(5)۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے کہا وہ حور عین ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا۔ جن پر ولادت کا عمل جاری نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ انہیں نوجوان دوشیزائیں بنائے گا وہاں کسی قسم کا دکھ درد نہیں ہوگا(6)۔

[3] حمزہ اور اسماعیل رحمہما اللہ تعالیٰ نے نافع اور ابوبکر سے راء کے سکون کے ساتھ، جبکہ باقی قراء نے راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

1۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 150 (الفکر)
2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 224 (العلمیہ)
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً
5۔ ایضاً
6۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 293 (الفکر)

یہ عروب کی جمع ہے، یعنی وہ اپنی خاوندوں کی عاشق اور ان سے شدید محبت کرنے والیاں ہوں گی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے جعفر بن محمد سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے دادا سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کی کلام عربی زبان میں ہو گی (1) وہ عمر میں برابر ہوں گی۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ عربا اترابا سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ دنیا میں جن عورتوں کو موت عطا کرتا ہے، جبکہ وہ بوڑھی، آنکھوں میں میل بال جن کے کچھ سفید کچھ سیاہ ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں بڑھاپے کے بعد تو جوان کنواری پیدا فرمائے گا فرمایا عرب سے مراد محبت و عشق کرنے والی اترابا ہم عمر کیونکہ سب جنتی عورتیں تینتیس سال کی ہوں گی اسی طرح ان کے خاوندوں کی عمریں بھی یہی ہوں گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جنتی جنت میں اس حال میں داخل ہوں گے کہ وہ بے لباس بے ریش سفید رنگ گھنگریالے بال عمریں تینتیس سال کی ہوں گی۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی صورت میں ہوں گے، قد ساٹھ ہاتھ اور موٹا پا سات ہاتھ (2) اسے امام احمد، طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اوسط میں، ابن ابی الدنیا اور امام بغوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ دنیا کے لوگوں میں سے جو بھی چھوٹا بڑا فوت ہوا جنت میں اسے تینتیس سال کا لوٹایا جائے گا وہ اس عمر سے بڑے نہیں ہوں گے یہی حالت جنہیوں کی ہو گی (3)، اسے امام ترمذی، ابو یعلی اور ابن ابی الدنیا رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنتی جنت میں داخل ہوگا، جبکہ وہ بے لباس، بے ریش، سرگیں اور تینتیس سال اس کی عمر ہو گی (4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی جنت میں داخل ہوگا تو اس کا قد حضرت آدم علیہ السلام جیسا ساٹھ ہاتھ، حسن میں حضرت یوسف علیہ السلام جیسا، عمر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا، زبان میں حضور ﷺ جیسا، جبکہ بے لباس، بے ریش اور سرگیں ہوگا (5) اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مقداد بن اسود سے مرفوع روایت مروی ہے لوگوں کو پیدائش اور بڑھاپے کی عمر کے درمیان تینتیس سال کا دوبارہ اٹھایا جائے گا قد و قامت میں حضرت آدم علیہ السلام جیسا، حسن میں حضرت یوسف علیہ السلام جیسا، دل میں حضرت ایوب علیہ السلام جیسا اور کئی اسلوبوں میں بات کر سکے گا (6) اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

ے لاصحاب الیمین انشانا یا جعلنا کے متعلق ہے یہ ابکارا کی صفت ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾

"ایک بڑی جماعت اگلوں سے اور ایک بڑی جماعت پچھلوں میں سے ہوگی ۔لہ"

لہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ھم ہے۔ یہ اس امت کے پہلوں میں سے کثیر ہیں اور بعد والوں میں سے بھی کثیر ہیں (7) ابو العالیہ، مجاہد، عطاء بن ابی رباح اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے سعید بن جبیر سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ دونوں میری امت میں سے

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 226 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 293 (الفکر)
3۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 7، صفحہ 283 (الفکر) 4۔ ایضاً 5۔ مختصر تفسیر ابن کثیر، جلد 3، صفحہ 435 (دار القرآن بیروت)
6۔ کنز العمال، جلد 14، حدیث: 85-39384 (التراث الاسلامی) 7۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 296 (الفکر)

تیں(1)۔مسدد نے اپنی مسند میں طبرانی اور ابن مردویہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابوبکرہ کی حدیث سے نبی کریم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا یہ سب میری امت سے ہیں(2) مگر دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علل میں یہ کہا کہ ابوبکرہ کی یہ حدیث ثابت نہیں۔اس تاویل کی صورت میں اس آیت کا مقتضی یہ ہوگا کہ حضور ﷺ کی امت کبھی بھی اصحاب یمین سے خالی نہ ہوگی جس طرح شیخین نے صحیحین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا میری امت میں سے ہمیشہ ایک جماعت اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے گی جو لوگ انہیں چھوڑ جائیں گے یا جو ان کی مخالفت کریں گے وہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا ئیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم انہیں آپہنچے گا، جبکہ وہ اسی حالت پر ہوں گے، متفق علیہ(3)۔

اگر یہ سوال کیا جائے اس کے معارض وہ روایت ہے جسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے عروہ بن رویمہ سے مرسل روایت کیا ہے کہا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر یہ آیت نازل کی ثلة من الاولين وقليل من الاخرين تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ، ہم نے اس کی تصدیق کی جبکہ ہم میں سے نجات پانے والے قلیل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا، ارشاد فرمایا جو تو نے عرض کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں حکم نازل فرمایا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ہم اپنے رب اور اپنے نبی کی تصدیق سے راضی ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہم تک ثلة ہے اور ہم سے لے کر قیامت تک ثلة ہے اس کی تکمیل وہ حبشی اونٹوں کے چرواہے کریں گے جنہوں نے لا الہ الا اللہ(4) کہا۔اسی طرح ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے مرسل روایت نقل کی ہے۔ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ دمشق میں عروہ بن رویم کے واسطہ سے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔امام احمد، ابن منذر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایسی سند سے نقل کیا ہے کہ وہ راوی جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتا ہے وہ معروف نہیں۔کہا جب یہ آیت نازل ہوئی ثلة من الاولين وقليل من الاخرين تو مومنوں پر بڑا شاق گزرا تو یہ آیت نازل ہوئی ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ کیونکہ اس حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ ثلة من الاولين سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ تک ہیں۔میں کہتا ہوں دونوں حدیثوں کو تعارض پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان مِنْ آدَمَ اِلَيْنَا ثُلَّةٌ وَّمِنِّيْ اِلَى الْقِيَامَةِ ثُلَّةٌ یہ حضور ﷺ کے اس قول کے منافی نہیں هُمَا جَمِيْعًا مِّنْ اُمَّتِيْ کیونکہ یہ کہنا ممکن ہے کہ حضور ﷺ سے لے کر قیامت تک کا اللہ ذوثلون میں منقسم ہے۔ایک ثلہ حضور ﷺ کی امت کے پہلے لوگوں میں سے ہے اور دوسرا ثلہ بعد والے لوگوں میں سے ہے پھر آیت میں موجود دونوں ثلون سے مراد حضور ﷺ کی امت ہو۔اگر یہ سوال کیا جائے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ سے مراد حضور ﷺ کی امت تھی تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رونے کی وجہ کیا تھی اور اس آیت کا نزول مسلمانوں پر کیوں شاق گزرا تھا؟ میں کہوں گا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رونا اس امت کے آخری حصہ پر رحم کی وجہ سے تھا۔آپ نے یہ خیال کیا تھا کہ اس امت کا آخری حصہ میں نجات پانے والے تھوڑے لوگ ہوں گے لیکن اس آیت کے نزول سے انہیں تسلی ہوگئی اگرچہ مقربین تو امت کے آخری حصہ میں تھوڑے ہوں گے مگر اصحاب یمین بے شمار ہوں

1۔تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 296 (الفکر)
2۔الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 226 (العلمیہ)
3۔صحیح بخاری، جلد 3، صفحہ 1331 (ابن کثیر)
4۔تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 294 (الفکر)

گے۔ ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ یہ ثلة من الاولین وقليل من الآخرين کا ناسخ نہیں جس پر حدیث کا ظاہر بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ اخبار نسخ کا احتمال نہیں رکھتیں (احکام نسخ کا احتمال رکھتے ہیں) ایک وجہ یہ ہے کہ نسخ کے لئے محل کا ایک ہونا ضروری ہے جبکہ پہلی آیت تین اقسام میں سے مقربین کے متعلق ہے دوسری اصحاب یمین کے متعلق ہے اس لئے نسخ کی بات کیسے کی جا سکتی ہے۔

یہ کہنا ممکن ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ تمام انبیاء کے صحابہ، حضور ﷺ کے صحابہ اور تابعین میں سے جو ان کے ساتھ شامل ہوں ان پر مشتمل ہو کیونکہ یہی لوگ اسلام کی طرف سبقت لے گئے۔ ان انبیاء کی اتباع میں بعد میں آنے والے ان لوگوں سے اول ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ۔ آخرون سے مراد پیچھے آنے والے ہیں، قیامت کے قریب ہونے کے وقت اس امت کے مقربین تو تھوڑے ہوں گے مگر اصحاب یمین کثیر ہوں گے۔ اسی طرح ان کے علاوہ میں بھی کثیر ہوں گے جس طرح ہم نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ذکر کیا ہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ میری امت جنتیوں کا نصف ہوگی اور حضور ﷺ کا فرمان کہ اسی صفیں میری امت کی ہوں گی اور بیس دوسری امتوں کی ہوں گی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک روز حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں ایک نبی کا گزر ہوتا تو اس کے ساتھ ایک آدمی ہوتا، ایک اور نبی کے ساتھ دو، کسی کے ساتھ جماعت اور کسی کے ساتھ کوئی امتی بھی نہ تھا۔ میں نے ایک بہت بڑی جماعت کو دیکھا جس نے آفاق کو بھرا ہوا تھا تو عرض کی گئی یہ آپ کی امت ہے ان کے ساتھ ستر ہزار افراد ایسے بھی ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ وہ لوگ ہیں جو فال نہیں پکڑتے تھے، جادو ٹونہ نہ کرتے تھے اور نہ ہی داغ لگواتے تھے بلکہ یہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے تھے۔ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ آگے بڑھے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کیا میں ان لوگوں میں سے ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ ایک اور آدمی اٹھا عرض کی کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ فرمایا عکاشہ تم پر سبقت لے گیا ہے(1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے آج رات مجھ پر انبیاء کو اپنی امتوں کے ساتھ پیش کیا گیا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی جمعیت کے ساتھ میرے سامنے آئے۔ میں نے انہیں دیکھا تو انہوں نے مجھے تعجب میں ڈال دیا۔ میں نے عرض کی اے میرے رب یہ کون ہیں؟ بتایا گیا یہ تیرے بھائی حضرت موسیٰ ہیں اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل ہیں میں نے عرض کی اے میرے رب میری امت کہاں ہے؟ فرمایا اپنی دائیں طرف دیکھو۔ کیا دیکھتا ہوں کہ مکہ کی سرزمین لوگوں سے بھری ہوئی تھی بتایا گیا یہ تیری امت ہے۔ کیا تو راضی ہے؟ میں نے عرض کی میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ فرمایا اپنی بائیں جانب دیکھو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگوں سے افق بھرا ہوا ہے۔ کہا گیا یہ تیری امت ہے کیا تو راضی ہے۔ میں نے عرض کی اے میرے رب میں راضی ہوں، میں راضی ہوں۔ فرمایا گیا ان کے ساتھ ستر ہزار ایسے بھی ہیں جو جنت میں حساب کے بغیر داخل ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر تم طاقت رکھو تو ستر ہزار میں سے ہو جاؤ اگر تم اس سے عاجز ہو تو پھر اہل ظراب (جو آپ کی دائیں جانب تھے) میں سے ہو جاؤ اگر تم اس سے بھی عاجز رہو تو افق والوں میں سے ہو جاؤ کیونکہ میں نے وہاں ایسے لوگوں کو دیکھا جن میں سے کچھ اچھے اور کچھ برے ہیں(2)۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 5، حدیث 5420 (ابن کثیر) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 295 (الفکر)

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾

"اور بائیں ہاتھ والے، کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی (یہ بدنصیب) جھلستی لو اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے [1] نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ یہ آرام دہ بے شک یہ لوگ پہلے بڑے خوش حال تھے [2]"

[1] اس کی ترتیب اسی طرح ہے جس طرح اصحب الیمین میں گزر چکی ہے۔ سموم ایسی گرم ہوا کو کہتے ہیں جو مساموں سے آر پار ہو جاتی ہے۔ حمیم جو حد درجہ گرم ہو۔ یحموم ایسا دھواں جو سخت سیاہ ہو، یہ حممة سے یفعول کے وزن پر ہے۔ عرب کہتے ہیں اسود یحموم جب کوئی چیز انتہائی سیاہ ہو۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آگ سیاہ ہوگی اور جہنمی بھی سیاہ ہوں گے اس میں ہر چیز سیاہ ہوگی۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یحموم جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے (1)۔

[2] وہ دوسرے سایوں کی طرح ٹھنڈا نہیں اور نہ ہی کسی بھی حوالے سے نفع مند ہے یا خوبصورت منظر والا نہیں یہ ذکر کر کے اس وہم کو دور کیا گیا ہے کہ گہرے سائے سے جو انسان راحت حاصل کرتا ہے۔

اس سے قبل وہ دنیا میں لذت کی زندگی بسر کرتے تھے، شہوات میں منہمک رہتے تھے، اپنے آپ کو طاعات میں نہیں تھکاتے تھے۔

وَ كَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾ وَ كَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَىِٕذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾

"اور وہ اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر [1] اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے [2] اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی (یہ ناممکن ہے) [3]"

[1] اَلْحِنْثِ الْعَظِیْمِ سے مراد بڑا گناہ یعنی شرک ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اَلْحِنْثِ الْعَظِیْمِ سے مراد یمین غموس ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ یہ قسم اٹھاتے تھے کہ انہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا اور انہیں نے تکذیب کی (2)۔

[2] نافع، کسائی، ابو جعفر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے اذا کو حرف استفہام کے ساتھ اور انا کو حرف استفہام کے ترک کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے متن کے مطابق دونوں میں حرف استفہام پڑھا ہے، جبکہ وہ اپنے اصول کے مطابق تخفیف اور تلیین کے قائل ہیں وَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ یہ اننذا کا بدل ہے یا جمہور کی قرأت کے مطابق ہمزہ کو اس لئے مکرر ذکر کیا ہے تاکہ دوبارہ اٹھائے جانے کا مطلقاً انکار ہو خصوصاً اس وقت میں اس کا انکار ہو، جبکہ حالت یہ ہو جس طرح اس کے معطوف میں ہمزہ کو ذکر کیا گیا ہے۔

[3] یہاں ہمزہ کو اس لئے داخل کیا تاکہ ان کے حق میں انکار میں شدت ہو کیونکہ آباؤ اجداد کا زمانہ پہلے ہے۔ اس کا عطف ان کا اسم کے محل پر ہے یا مبعوثوں میں جو ضمیر پوشیدہ ہے اس پر اس کا عطف ہے۔ ہمزہ کے ساتھ فاصلہ کرنا پوشیدہ ضمیر پر عطف کرنے کو اس نے حسین بنا دیا ہے۔ نافع اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے او کو واؤ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ظرف میں عامل وہ فعل ہوگا جس پر مبعوثوں کا فعل دلالت کرتا ہے، بذات خود اس میں یہ عامل نہیں کیونکہ ان اور ہمزہ کے ساتھ فاصلہ آ گیا تقدیر کلام یہ ہوگی اَنُبْعَثُ اِذَا مِتْنَا۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 296 (الفکر) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 297 (الفکر)

قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ﴿٤٩﴾ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٥٠﴾

”آپ فرمادیجئے بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں [1]“

[1] حساب وجزاء کے لئے جمع ہونے والے ہیں اس دن جو دنیا کے لئے حد مقرر کی گئی ہے۔ یہاں اضافت منی ہے جس طرح خاتم فضۃ میں اضافت منی ہے۔ میقات اس حد کو کہتے ہیں جو کسی شے کے لئے معین کر دی جائے جیسے مواقیت احرام ان حدود کو کہتے ہیں کہ جو شخص مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتا ہے، وہ احرام باندھے بغیر آگے نہیں جا سکتا۔ یہاں اِلٰی کا کلمہ لام کے معنی میں ہے، یعنی وہ قیامت کے روز جمع ہوں گے جس کا آنا معلوم اور یقینی ہے۔

ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ﴿٥١﴾ لَآكِلُونَ مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ ﴿٥٢﴾

”پھر تمہیں اے گمراہ ہونے والو! اے جھٹلانے والو! کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے [1]“

[1] مِن شَجَرٍ میں مِن ابتدائیہ ہے اور مِن زَقُّومٍ میں مِن بیانیہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں ٹپکایا جائے تو زمین والوں پر ان کی زندگی تباہ ہو جائے تو اس آدمی کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا زقوم ہو (1) اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا نیز امام نسائی، ابن ماجہ اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ عمرو خولانی نے کہا ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک انسان زقوم سے جتنا حصہ نوچے گا اس انسان کے بدن سے اتنا ہی حصہ نوچ لیا جائے گا۔ اسے عبداللہ بن احمد نے زوائد زہد میں اور ابو نعیم نے نقل کیا ہے۔

فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٥٣﴾ فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ﴿٥٤﴾ فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ ﴿٥٥﴾

”پس تم بھرو گے اس سے (اپنے) پیٹوں کو پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی [1] اس طرح پیو گے جیسے پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے [2]“

[1] منھا میں ضمیر شجر کی طرف لوٹ رہی ہے اگرچہ شجر مذکر ہے مگر شجرہ کے معنی میں ہے اس لئے ضمیر مونث ذکر کی۔ وہ سخت بھوک کی وجہ سے اس سے اپنے پیٹ بھریں گے اور پیاس کی شدت کی وجہ سے کھولتا ہوا پانی پئیں گے۔ علیہ میں ہ ضمیر شجر کی طرف لوٹ رہی ہے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے اسے مذکر ذکر کیا ہے یا زقوم کی طرف لوٹ رہی ہے۔

[2] نافع، عاصم اور حمزہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے شرب میں شین پر ضمہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اس پر فتحہ پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب شین پر فتحہ پڑھا جائے تو یہ مصدر ہے، جب ضمہ پڑھا جائے تو یہ اسم ہے اور مصدر کے معنی میں ہے جس طرح ضعف اور ضُعف استعمال ہوتا ہے۔

ھیم سے مراد سخت پیاسا اونٹ ہے (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو طلحہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے یہ ھیمان اور ھیمی کی جمع ہے جس طرح عطشان مذکر کے لئے اور عطشی مونث کے لئے آتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد وہ اونٹ ہے جسے ھیام کا مرض لگ جاتا ہے۔ یہ ایسی بیماری ہے جو اونٹ کو لگتی ہے تو اس کی وجہ سے وہ سیراب نہیں

1۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 7، صفحہ 307 (الفکر)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 297 (الفکر)

ہوتا، وہ لگا تار پانی پیتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جاتا ہے(1)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی ذکر کیا ہے۔ ضحاک اور ابن عیینہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا الھیم سے مراد نرم اور ریتلی زمین ہے(2)۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ھیام کی جمع ہے، یہ ایسی ریت ہوتی ہے جو پانی نہیں روک سکتی، اس کی جمع ھیم ہے جس طرح سحاب کی جمع سحب آتی ہے پھر اس میں تخفیف کی گئی اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا گیا جو ابیض کی جمع کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ معطوف اور معطوف علیہ دونوں ایک دوسرے سے کن وجہ خاص ہیں اس لئے اس میں کوئی اتحاد نہیں(3)۔

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

"یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن۱۔ (آج غور کرو) ہم نے ہی تم کو پیدا کیا پس تم قیامت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۲"

۱۔ نُزُلُهُمْ کا لفظ ذکر کرنے میں ان سے مذاق کیا جارہا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ کیونکہ نزل اس کھانے کو کہتے ہیں جو مہمان کے لئے تیار کیا جاتا ہے گویا سب سے پہلے انہیں یہ چیز ملے گی تو آپ خود اندازہ کرلیں کہ جب وہ جہنم میں مقیم ہو جائیں گے تو انہیں کن مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یوم الدین سے مراد یوم جزاء ہے۔

۲۔ ہم نے تم کو پیدا کیا ہے، جبکہ تم کچھ بھی نہ تھے اس حقیقت کو تم اچھی طرح جانتے ہو تو تم موت کے بعد دوبارہ اٹھانے کی کیوں تصدیق نہیں کرتے کیونکہ جو ذات پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوسری دفعہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم اس کے خالق ہونے کی تصدیق کیوں نہیں کرتے اس حال میں کہ تم یقین رکھتے ہو اور تصدیق قلبی کو اعمال سے ثابت کرو جو اس تصدیق پر دلالت کریں۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

"بھلا دیکھو تو جو منی تم ٹپکاتے ہو (اور سچ سچ بتاؤ) کیا تم اس کو (انسان بنا کر) پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۱"

۱۔ مَّا تُمْنُوْنَ کا معنی ہے وہ نطفہ جو تم رحموں میں ٹپکاتے ہو کیا تم اسے کامل انسان بناتے ہو یا ہم اسے تخلیق کرتے ہیں افرءیتم میں فاء عاطفہ ہے اور فعل محذوف پر اس کا عطف ہے۔ رؤیت علم کے معنی میں ہے، اس کا مفعول اول اسم موصول اور اس کا صلہ ہے اور اس کا دوسرا مفعول ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ہے لیکن استفہام کی وجہ سے معلق (۱) ہے۔ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ میں خبر جملہ فعلیہ ہے اور اس کا مسند الیہ انتم ہے جو مقدم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تخصیص کا فائدہ دے کیونکہ استفہام کے ساتھ انکار اور تقریر کا محل مسند الیہ ہے، نفس خالق نہیں اور نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ جملہ میں خبر کو معرفہ لانے کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ تخصیص کا فائدہ دے، تقدیر کلام یہ ہوگی اَنَظَرْتُمْ فَعَلِمْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ فِي الْاَرْحَامِ پھر وہ مکمل انسان بن جاتا ہے کیا اس کا پیدا کرنا تمہارے ساتھ مختص ہے یا ہمارے ساتھ مختص ہے۔ یہاں استفہام اس لئے ہے تاکہ خلق کی نسبت جو مخاطبین کی طرف ہے اس کا انکار کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اس

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 297 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کازرونی، جلد 5، صفحہ 289 (الفکر)

(۱) یہ تعبیر درست نہیں کیونکہ تعلیق اس وقت ہوتی ہے جب فعل اور مفعول اول کے درمیان حرف نفی یا استفہام ہو۔ مترجم۔

کا اقرار کیا جائے، یعنی تم اس حقیقت کو جانتے ہو کہ پیدا کرنا ہماری شان ہے تمہاری نہیں۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٦٠﴾

"ہم ہی نے مقرر کی ہے تمہارے درمیان موت اور ہم (اس سے) عاجز نہیں ہیں۔ لے"

لے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے دال کو مشدد پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں، یعنی ہم نے اپنے ارادہ کے مطابق تمہارے درمیان موت کو اس طرح تقسیم کر دیا ہے جس طرح تمہارے رزق کو تقسیم کیا تھا۔ اس وجہ سے تمہاری عمریں طویل، درمیانی اور چھوٹی ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوگئیں یا اس کا معنی یہ ہے ہم نے ہر ایک کے لئے موت کا وقت معین کر دیا ہے، نہ وہ اسے پیچھے کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسے پہلے کر سکتے ہیں۔ مسند الیہ کو جملہ فعلیہ کے خبر ہونے پر مقدم اس لئے کیا گیا ہے تا کہ تخصیص کا فائدہ دے، یعنی موت کو مقدر کرنا اور اس کے لئے وقت معین کرنا ہمارے ساتھ مختص ہے جس طرح ہر چیز کی تخلیق ہمارے ساتھ مختص ہے۔ یہ جملہ سابقہ جملے کے مضمون کی ہی وضاحت کرتا ہے۔ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ یہ قدرنا کے فاعل سے حال ہے، یعنی اس حال میں کہ کوئی بھی اس کی تقدیر میں ہم پر سبقت لے جانے والا نہیں یا اس حال میں کہ ہم مغلوب نہیں۔ یہ سبقته علی کذا سے مشتق ہے، یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اس پر غالب آ جائے اور تو اسے عاجز کر دے یا یہ جملہ معترضہ ہے، معنی یہ ہوگا نہ ہم پر کوئی سبقت لے سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ہمیں عاجز کر سکتا ہے کہ وہ موت سے بھاگ جائے یا اس کے وقت کو بدل دے۔

عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾

"کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے۔ لے"

یہ جار مجرور محذوف کے متعلق ہے اور قدرنا کے فاعل سے حال ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی: قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ قَادِرِيْنَ عَلَىٰ اَنْ نُبَدِّلَ مِنْكُمْ اَمْثَالَكُمْ مَكَانَكُمْ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کیا اس حال میں کہ ہم قادر ہیں کہ تمہاری جگہ تمہاری مثل لے آئیں یا یہ قدرنا کے متعلق ہے اور اس کی علت ہے اور علی حرف جار لام کے معنی میں ہے ہم نے موت کو مقدر کیا تا کہ ہم تمہاری جگہ تمہاری مثل لے آئیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مسبوقین کے متعلق ہو، معنی یہ ہوگا ہم مغلوب نہیں کہ تمہاری مثل لانے پر قادر نہ ہوں یہ مراد لینا بھی جائز ہے کہ ہم تمہاری صفات بدل دیں کہ امثال مثل کی جمع ہو جس کا معنی صفت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى۔

نُنشِئَكُمْ کا عطف نبدل پر ہے، یعنی موت کے بعد ہم تمہیں ایسی صفات اور احوال میں پیدا کرنے پر قادر ہیں جنہیں تم نہیں جانتے یعنی ثواب اور عذاب کو نہیں جانتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾

"اور تمہیں اچھی طرح علم ہے اپنی پہلی پیدائش کا پس تم (اس میں) کیوں غور و خوض نہیں کرتے۔ لے کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے جو تم بوتے ہو۔ ۲"

لے اس جملے کا عطف افرءیتم پر ہے۔ نشأۃ اولیٰ سے مراد مٹی سے انسان کو تخلیق کرنا اور جب وہ قابل ذکر چیز نہ تھا اسے وجود عطا کرنا ہے۔ فلولا میں فاء سببیہ ہے، یعنی جب تم یہ جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی دفعہ تخلیق کیا جب وہ اس پر قادر ہے تو وہ اس بات

یہ بھی قادر ہے کہ دوسری دفعہ پیدا کرے کیونکہ اس میں کم مشقت ہے کیونکہ مقصود پہلے سے موجود، اجزاء کی تخصیص ہو چکی اور مثال بھی پہلے سے موجود ہے اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ قیاس حجت ہے۔

۲۔ وہ دانا جو تم بوتے ہوا سے تم دیکھتے نہیں۔

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾

"(سچ سچ بتاؤ) کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہی اس کو اگانے والے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا بنا دیں پھر تم کف افسوس ملتے رہ جاؤ ۱ ۔"

۱۔ کیا تم اس دانے کو اگاتے ہو یا ہم اسے اگاتے ہیں۔ اگر ہم اس کھیتی کے بارے میں ارادہ کرتے تو اسے ریزہ ریزہ کر دیتے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حطاما کا معنی کیا ہے ایسا گھاس جس میں گندم کا دانہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ایسا گھاس جس سے کھانے اور غذا میں نفع حاصل نہیں کیا جاتا۔

فَظَلْتُمْ اصل میں فَظَلِلْتُمْ تھا تخفیف کے طور پر ایک لام کو حذف کر دیا گیا ہے۔ جو آفت تمہاری کھیتی میں واقع ہوتی اس پر تم تعجب کا اظہار کرتے۔ یہ عطاء، کلبی اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ تم اپنی محنت اور اخراجات پر شرمندگی کا اظہار کرتے، یہ یمان کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا وہ معصیت جو تم سے ہو چکی جس نے اس عذاب کو تم پر لازم کر دیا ہے اس پر تم شرمندگی کا اظہار کرتے ہو۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہیں۔ ابن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے معنی کیا وہ غمگین ہوتے ہیں۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو چیز فوت ہو جائے اس پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ عرب کہتے ہیں تفکہت میں خوش ہوا، تفکہت میں غمگین ہوا(1) میں کہتا ہوں یہ پھل کھانے اور اس سے اجتناب کرنے سے مستعار ہے۔ قاموس میں ہے تفکہ، یعنی شرمندہ ہوا اور اس سے لطف اندوز ہوا۔

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾

"(ہائے!) ہم تو قرضوں کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے ۱ بلکہ ہم تو ہیں ہی بڑے بدنصیب ۲ ، کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے پانی جو تم پیتے ہو ۳ ۔"

۱۔ ابوبکر نے عاصم سے وانا دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ استفہام تقریر کے لئے ہے، جبکہ باقی قراء نے ایک ہمزہ پڑھا ہے اور یہ جملہ خبریہ ہے جملہ قول کو مقدر ماننے کے ساتھ تفکہون کے فاعل سے حال ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ قَائِلُوْنَ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ، یعنی جو ہم نے خرچ کیا وہ ہم پر بطور چٹی لازم کیا گیا۔ مغرم اس شخص کو کہتے ہیں جس کا مال بغیر عوض کے چلا جائے۔ یہ ضحاک اور ابن کیسان رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے، جبکہ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ ہمیں عذاب دیا گیا۔ غرام کا معنی عذاب ہے(2)۔

۲۔ بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جنہیں رزق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ یہاں بل اضراب کے لئے ہے اور اضراب اہم کے ذکر کی صورت میں ہے کیونکہ مال کی چٹی رزق سے محروم کرنے سے آسان ہے کیونکہ رزق سے محرومی انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 299 (الفکر) 2۔ ایضاً۔

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

"(سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں لے اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری بنا دیتے پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے ہے۔"

لے مزن کا معنی بادل ہے جس کا واحد مزنہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا مزن سے مراد سفید بادل ہے جس کا پانی میٹھا ہوتا ہے، یعنی کیا تم نے بادل سے بارش کو نازل کیا یا ہم اپنی قدرت سے اس کو نازل کرنے والے ہیں۔

ع اجاجا کا معنی نمکین کڑوا ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ اجیج سے مشتق ہے، وہ آگ کا شعلہ زن ہونا ہے کیونکہ کڑوا پانی منہ کو جلا دیتا ہے۔ یہاں جعلنہ سے لام کو حذف کر دیا گیا ہے۔ وہ اِنْ جو محض شرط کے لئے آتا ہے اور وہ حرف شرط جو اِنْ کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہوتا ہے جیسے لو میں فاصلہ کرنے کے لئے آتا ہے کیونکہ لو کا لفظ محض شرط کے لئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ اتفاقاً اس میں شرط کا معنی سرایت کر گیا ہے کیونکہ یہ دو جملوں کے مضمون کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ دوسرے جملے کے مضمون کی نفی پہلے جملے کے مضمون کی نفی کے ساتھ مشروط ہے۔ یہاں لام مفتوح اس لئے حذف کیا گیا کیونکہ سامع کو اس کا علم ہے یا سابقہ جواب میں لام مذکور ہے اسی پر اکتفاء ہے لجعلنه حطاما سابقہ جواب میں اس لئے حذف نہیں کیا گیا تا کہ دونوں چیزوں میں سے جو مقصود بالذات ہے اس کی تخصیص ہو جائے وہ کھانا ہے کیونکہ مشروب کی نسبت کھانا زیادہ اہم ہے اور اس کا مفقود ہونا زیادہ مشکل ہے تا کہ تاکید میں زیادتی ہو تو تم انسان کو پیدا کرنے اور اس کے باقی رکھنے کی ضروری نعمتوں پر کیوں شکر بجا نہیں لاتے۔

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿٧٢﴾

"کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے آگ کو جو تم سلگاتے ہو لے (سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے ان کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں ع۔"

لے جس آگ کو تم روشن کرتے ہو۔ تورون وری الناد وریا سے مشتق ہے، اوریتہ، یعنی میں نے اسے جلایا، یعنی جس آگ کو تم زناد سے نکالتے ہو۔ عرب دو لکڑیوں سے آگ نکالتے ایک کو دوسری پر رگڑتے اوپر والی لکڑی کو زند اور نیچے والی کو زندہ کہتے انہوں نے ان لکڑیوں کو بھی نر اور مادہ سے تشبیہ دی۔

ع کیا تم نے اس درخت کو پیدا کیا یا ہم اسے ابتداءً پیدا کرنے والے ہیں جس میں سے زناد ہے جو مرخ اور عفار ہے۔ مرخ کو عفار پر رگڑا جاتا یہ دونوں سبز ہوتیں ان دونوں سے پانی ٹپک رہا ہوتا رگڑنے سے آگ نکل آتی۔

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾

"ہم نے ہی بنایا ہے اس کو نصیحت اور فائدہ مند مسافروں کے لئے لے تو (اے حبیب!) تسبیح کیجئے اپنے رب عظیم کے نام کی ع۔"

لے ھا ضمیر سے مراد زنادکی آگ ہے۔ دوبارہ زندہ کئے جانے کے معاملہ میں اس آگ کو نصیحت بنا دیا ہے کیونکہ وہ ذات پاک جو سر سبز و

شاداب درخت سے آگ پیدا کر سکتی ہے، جبکہ اس میں پانی ہوتا ہے جو آگ سے متضاد کیفیت کا حامل ہے تو وہ ذات پاک زندگی اور رطوبت غریزیہ کو ایسی چیز میں لوٹانے پر زیادہ قادر ہے جو پہلے زندہ اور تر تھی جیسے ہڈیاں اب وہ خشک اور بوسیدہ ہو چکی ہیں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تاریکیوں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ ہے یا یہ آگ جہنم کی آگ یاد دلانے والی ہے کیونکہ آگ ایسی چیز ہے جس کے ساتھ زندگی کے بہت سے کاموں کو متعلق کر دیا ہے اور ہر وقت اس کی ضرورت پیدا کر دی ہے تا کہ یہ لوگوں کے لئے موجود رہے، لوگ اسے دیکھیں اور اس کے ذریعے جہنم کی آگ یاد کریں کیونکہ یہ آگ جہنم کی آگ کا نمونہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ یہ آگ جلانے کے لئے کافی ہے۔ فرمایا جہنم کی آگ ان سے انہتر گنا بڑھ کر ہے، اس کا ہر جز اس کی گرمی کی طرح ہوگا، متفق علیہ (1)۔

یہ آگ مسافروں کے لئے نفع رساں ہے۔ مقوین ان مسافروں کو کہتے ہیں جو قوا میں ڈیرے ڈالتے ہیں۔ قوا ایسی زمین کو کہتے ہیں جو چٹیل ہو، بے آباد ہو اور آبادی سے بہت دور ہو۔ نفع حاصل کرنے کے اعتبار سے ان مسافروں کو خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ ان کا انتفاع مقیم کے انتفاع سے بڑھ کر ہے کیونکہ مسافر رات کو اس لئے بھی آگ روشن کرتے ہیں تا کہ درندے بھاگ جائیں، بھٹکا ہوا راہ تلاش کر لے اور سردیوں میں اس کے ذریعے وہ گرمائش حاصل کریں۔ اس کے علاوہ بھی اس کے منافع ہیں یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا مقوین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس آگ سے فائدہ اٹھاتے ہیں وہ مقیم ہوں یا مسافر وہ تاریکی میں اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں، سردی میں آگ تاپتے ہیں اور اس پر کھانا پکاتے ہیں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی ہے وہ بھوکوں کے لئے منفعت ہے جن کے پیٹ کھانے سے خالی ہوں۔ یہ اَقْوَتِ الدَّارُ سے مشتق ہے، یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب گھر رہائشیوں سے خالی ہو جائے۔ عرب کہتے ہیں اَقْوَيْتُ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا، یعنی میں نے فلاں فلاں وقت سے کوئی چیز نہیں کھائی (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا مقوین سے مراد اغنیاء ہیں۔ کہتے ہیں اقوی الرجل یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کی سواری قوی ہو جائے، مال زیادہ ہو جائے اور وہ قوی ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آگ میں اغنیاء اور فقراء سب کی منفعت ہے، کوئی ایک بھی دوسرے سے غنی نہیں۔ اغنیاء کا خصوصی ذکر شاید اس لئے ہے کیونکہ ان کے ہاں اکثر کھانا پکایا جاتا ہے اسی وجہ سے جس کے پاس اکثر کھانا پکایا جائے اور ضیافت زیادہ کی جائے اسے کثیر الرماد کہا جاتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ فاء سببیہ ہے جس طرح اس کی صنعتوں کے منافع اور انعامات کو تو جان چکا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی ان باتوں سے پاکی بیان کروں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا منکر اور اس کی نعمتوں کا انکار کرنے والا کرتا ہے یا معنی یہ ہے اس کی نعمتوں پر شکر بجالاتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو یا ظالم جو اس کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں ان کے بارے میں تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پاکی بیان کرو۔ باسم ربك العظيم میں باء زائدہ ہے اور اسم کا لفظ زائد ہے، معنی یہ ہوگا اپنے رب کی پاکی بیان کرو۔ یہ بھی جائز ہے کہ فاء سببیہ ہو، تقدیر کلام یہ ہوگی فسبح بذكر اسمه او بذكره کیونکہ کسی شے کا نام لینا اس کا ذکر ہی ہوتا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾

"پس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں 1 اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے 2"

1۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 7، حدیث: 2589 (الفکر)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 300 (الفکر)

لے امر کیونکہ ظاہر اور واضح ہے قسم اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس میں فاء سببیہ ہے یا اس کا معنی یہ ہے میں قسم اٹھاتا ہوں اور لا تاکید کے لئے زائدہ ہے جس طرح لئلا یعلم میں لا زائدہ ہے یا تقدیر کلام یوں ہے فلانا اقسم۔ اس میں مبتدا حذف ہے اور لام ابتدائیہ کے فتحہ میں اشباع ہے۔ اس پر عیسیٰ بن عمر کی قرأت بھی دلالت کرتی ہے وہ فلاقسم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ لا الگ کلمہ ہے اور اس کے ساتھ کفار کے اس قول کا رد ہے جو وہ قرآن کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ جادو ہے، شعر ہے یا کہانت ہے، یعنی بات اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہوں میں مواقع نجوم کی قسم اٹھاتا ہوں۔ حمزہ اور کسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے مَوْقِعِ واحد کا صیغہ پڑھا ہے واؤ ساکن اور الف نہیں پڑھا، جبکہ باقی قراء نے واؤ پر زبر اس کے بعد الف یعنی جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ مواقع نجوم سے مراد ان کا غروب ہونا ہے۔ ان کے غروب ہونے کا خاص طور پر ذکر اس لئے کیا گیا ہے کیونکہ اس کے غروب میں اس کا وہ اثر زائل ہوتا ہے جو اس کے ممکن اور حادث ہونے اور ایک ایسے موثر کے موجود ہونے پر زیادہ دلالت کرتا ہے، جس کی تاثیر ختم نہیں ہوتی۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا مواقع سے مراد ان کی منازل اور گزرگاہیں ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اس سے مراد قیامت کے روز ان کا ٹوٹنا اور بکھرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نجوم سے مراد قرآن کی آیات ہیں (1) اور مواضع سے مراد ان کے نازل ہونے کے اوقات ہیں کیونکہ یہ آیات نبی کریم ﷺ پر وقتاً فوقتاً نازل ہوتی تھیں۔

ٹے یہ جملہ قسم اور اس کے جواب کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ لو تعلمون صفت اور موصوف کے درمیان جملہ معترضہ ہے مقصود اس کی عظمت بیان کرتا ہے لو تمنی کے لئے ہے۔ تعلمون کا مفعول محذوف ہے، معنی یہ ہوگا کاش تم اس کی عظمت کو جانتے ہوتے۔ عظیم صفت اس لئے ذکر کی کیونکہ مقسم بہ میں اس کی عظیم قدرت، کمال حکمت اور رحمت کی زیادتی پر دلالت ہے اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو فضول نہ چھوڑ دے۔

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾

"بے شک یہ قرآن ہے بڑی عزت والا لے ایک کتاب میں جو محفوظ ہے ٹے اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک ہیں تے"

لے حضور ﷺ جس کی تلاوت کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے، یہ کسی اور سے نقل شدہ نہیں۔ یہ بڑا عزت والا اور مکرم ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو دوسرے تمام کلاموں پر فضیلت حاصل ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2) اس کا معنی یہ ہے یہ بہت خیر اور نفع والا ہے کیونکہ دنیا اور آخرت کی اصلاح کے لئے جن اہم علوم کی ضرورت ہوتی ہے ان کے اصولوں پر یہ مشتمل ہے۔ علماء لغت نے کہا کریم اسے کہتے ہیں جو خیر کثیر عطا فرماتا ہے یا اس کا معنی ہے اچھا اور اپنی جنس میں پسندیدہ۔

ٹے فی کتٰب یہ ظرف مستقر ہے اور قرآن کی صفت ہے۔ مکنون کا معنی محفوظ ہے۔ کتاب مکنون سے مراد لوح محفوظ ہے۔

تے ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لَّا يَمَسُّهُ کی ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے کیونکہ یہی مرجع قریب ہے، معنی یہ ہوگا کہ لوح محفوظ پر وہی مطلع ہو سکتے ہیں جنہیں جسمانی کدورتوں سے پاک کر دیا گیا ہو جو غالباً انسان کو معاصی پر برانگیختہ کرتی ہیں۔ یہ مطہرون فرشتے ہیں یہ قول پسندیدہ نہیں کیونکہ جسمانی کدورتوں سے خالی ہونا فضائل میں سے نہیں ہے اور نہ ہی اس وجہ سے انہیں پاک شمار کیا جا سکتا ہے ورنہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 300 (الفکر) 3۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 8، صفحہ 205 (الفکر)

فرشتوں کی انسانوں پر فضیلت لازم آئے گی، یہ اجماع کے خلاف ہے بلکہ جسمانی کدورتیں ہی محض ذاتی تجلیات کی حامل بنتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت انسانوں کے ساتھ خاص ہے۔

صحیح قول یہ ہے کہ ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے، معنی یہ ہوگا کہ قرآن کو وہی لوگ چھوئیں جو احداث سے پاک ہوں (باوضو ہوں) اس صورت میں یہ کلام نہی کے معنی میں ہوگی۔ قرآن سے مراد مصحف ہوگا۔ مصحف کو مجازاً قرآن اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ قرآن کے جوار میں ہے جس طرح حدیث طیبہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے دشمنوں کی سرزمین کی طرف قرآن لے کر سفر کرنے سے منع کیا ہے، یہ حدیث متفق علیہ ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے یہاں اس سے مراد مصحف ہے، اس بات پر اجماع ہے کہ جنبی، حائضہ، نفساء اور بے وضو کے لئے قرآن کا چھونا جائز نہیں، جب کہ داؤد نے اس سے اختلاف کیا ہے وہ حضرت ابوسفیان کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہرقل کو خط لکھا اور اس میں آیت بھی تھی یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا الخ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ کافر نجس ہے۔ ہم اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ عبارت اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں اپنی طرف سے لکھی اسے کلام اللہ کی حیثیت میں نہیں، اسی وجہ سے خط میں قل کا لفظ حذف کر دیا اگر آپ اسے کلام اللہ کی حیثیت سے لکھتے تو قل کا لفظ حذف نہ کیا جاتا بلکہ آپ کے لئے یہ لفظ حذف کرنا جائز نہ ہوتا جس طرح نماز اور تلاوت میں حذف کرنا جائز نہیں۔ ہمارے پیش نظر حضرت عمرو بن حزم کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے اہل یمن کی طرف خط لکھا اس میں یہ بھی تھا کہ قرآن کو پاک آدمی ہی ہاتھ لگائے(1) اسے دارقطنی نے، حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے معرفت میں، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے خلافیات میں روایت کیا ہے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ جب مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن بھیجا فرمایا قرآن نہ چھونا مگر پاکیزہ حالت میں(2)۔ سوید بن حاتم اسے روایت کرنے میں تنہا ہے، یہ ضعیف ہے۔ اس بات میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جسے دارقطنی اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں کوئی سقم نہیں۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن حکیم کو چھونا اور اس کا اٹھانا ایسے غلاف کے ساتھ جو مصحف سے الگ ہو جاتا ہو جائز ہے، جبکہ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے ایسے غلاف کے ساتھ بھی جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ اس کی تکریم یہ ہے کہ اسے ناپاک آدمی نہ چھوئے اگر اس پر غلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ہم کہتے ہیں تکریم نے چھونے کی حرمت کو ثابت کیا چھونے کا اطلاق حجاب اور ستر کے بغیر پر ہوتا ہے تکریم اس صورت میں ہوتی ہے جو شرع سے ثابت ہو، شرع سے زائد طریقہ کا اہتمام محض تکلف ہے۔

مسئلہ:۔ آستین اور دامن سے پکڑنا بھی ممنوع ہے کیونکہ یہ بھی ہاتھ کے تابع ہیں۔ کسی ایسے درہم کو پکڑنا بھی جائز نہیں جس میں کوئی آیت لکھی ہو ہاں اگر وہ تھیلی میں موجود ہوں تو انہیں پکڑنا جائز ہے کیونکہ مصحف اس کو کہتے ہیں جس پر قرآن لکھا گیا ہو۔

مسئلہ:۔ اس آیت سے بذریعہ دلالت النص یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جنبی کے لئے بدرجہ اولیٰ قرآن حکیم کی قرأت جائز نہیں۔ اسی پر اجماع ہے کیونکہ مصحف وہ کاغذ ہوتا ہے جس پر وہ نقوش لکھے جاتے ہیں جو قرآن کے الفاظ پر دلالت کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ جب یہ حکم آ چکا لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ تو قرآن کے الفاظ بدرجہ اولیٰ اس بات کے مستحق ہیں کہ پاکیزہ لوگوں کی زبانوں پر ہی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 301 (الفکر)
2۔ مجمع الزوائد، جلد 1، صفحہ 276 (القدسی)

جاری ہوں۔ حیض اور نفاس والی عورت امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنبی کی طرح ہے اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ وہ چھوٹی آیات پڑھ سکتی ہے۔ آپ کے اصحاب میں سے اکثر نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ جتنا چاہے پڑھ سکتی ہے یہی داؤد کا مذہب ہے۔ ان کے خلاف اسی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ان کے خلاف دلیل قائم کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کسی چیز کی بھی تلاوت نہ کرے (1) اسے دار قطنی، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہے۔ جو ضعیف ہے ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ روایت قوی ہے کیونکہ اس کی مغیرہ بن عبدالرحمٰن اور ابو معشر بن موسیٰ بن عقبہ نے متابعت کی ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مغیرہ بھی ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے مغیرہ بن عبدالرحمٰن کو ضعیف قرار دے کر غلطی کی ہے، یہ ثقہ ہے تاہم اس کی سند میں مغیرہ عبدالملک بن مسلم ضعیف ہے جہاں تک ابو معشر کی سند ہے اس میں ایک راوی مبہم ہے اور ابو معشر خود بھی ضعیف ہے۔ جابر رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث اس کی شاہد ہے۔ اسے دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً نقل کیا ہے، اس میں محمد بن فضل متروک ہے۔

مسئلہ:۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ محدث کے لئے بھی قرآن حکیم کی قرأت جائز نہ ہو اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی لیکن استحسان محدث کے لئے قرآن کی قرأت کے جواز کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ حدث اصغر (وضو کو توڑنے والے اسباب) منہ میں سرایت نہیں کرتا اسی وجہ سے وضو میں کلی کرنا واجب نہیں، جبکہ جنابت میں کلی کرنا واجب ہے۔ محدث کے لئے قرأت کے جواز پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے ایک رات حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گزاری۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ان کی خالہ تھیں کہا میں سرہانے کی چوڑائی پر سر رکھ کر سو گیا، جبکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے گھر والے لمبائی والی سمت میں سو رہے تھے۔ حضور ﷺ سو گئے یہاں تک کہ نصف رات گزر گئی یا اس سے تھوڑا پہلے یا تھوڑا بعد حضور ﷺ بیدار ہوئے آپ چہرے پر ہاتھ مارتے ہوئے بیٹھے پھر سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت کی پھر ایک مشکیزہ کی طرف اٹھے جو لٹک رہا تھا آپ نے اس سے وضو کیا، متفق علیہ (2)۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے کہ جنابت کے علاوہ کوئی چیز آپ کو قرآن حکیم کی قرأت سے نہیں روکتی تھی۔ اسے امام احمد، ابن خزیمہ، اصحاب سنن، ابن حبان، حاکم اور ابن جارد رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا نیز ابن سکن اور عبدالحق رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے اور امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح سنہ میں روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا محمد بن فضل نے کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے آیت کی تفسیر میں کہا کہ اسے صرف موحد ہی پڑھیں (3) میں کہتا ہوں صوفیاء کی اصطلاح میں موحد اسے کہتے ہیں جس کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو تیرا مقصود ہے حقیقت میں وہی تیرا معبود ہے کیونکہ انسان ہر ذلت، شکست اور مشقت اپنے مقصود کو حاصل کرنے کے لئے اٹھاتا ہے اسی کو تعبد (بندہ بننا) کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک اس کی خواہش اس کے تابع نہ ہو جائے جو میں پیغام حق اس کے لئے لایا ہوں (4) اسے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے

1۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 1، صفحہ 361 (الفکر)
2۔ صحیح بخاری: 138، جلد 1، صفحہ 64 (ابن کثیر)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 301 (الفکر)
4۔ مشکوٰۃ المصابیح: 167، جلد 1، صفحہ 94 (الفکر)

اپنی اربعین میں روایت کیا ہے۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس چیز سے منع کیا کرتے تھے کہ کسی یہودی یا نصرانی کو قرآن حکیم پڑھنے کی اجازت دی جائے(1)۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آیت کا یہ معنی ہے کہ قرآن کا ذائقہ اور اس کا نفع کوئی نہیں پاتا مگر جو اس پر ایمان لائے(2) اسی وجہ سے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ صوفی قرآن کی برکات اپنے نفس کو فناء کرنے اور رذائل سے پاک ہونے کے بعد ہی پاتا ہے۔ فناء سے قبل قرآن حکیم کی قرأت ابرار کے اعمال میں داخل رہے گی مگر نفس کے فناء اور رذائل کو زائل کرنے کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی منازل طے کرنے کا باعث ہوگی۔ اسی طرح جنت میں داخل ہونے کے بعد وہ اسی تلاوت کے ذریعے ترقی کرے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صاحب قرآن کو کہا جائے گا پڑھتا جا اور اوپر چڑھتا جا آہستہ آہستہ پڑھ جس طرح تو دنیا میں آہستہ آہستہ تلاوت کیا کرتا تھا تیرا مقام وہ ہوگا جہاں تو آخری آیت کی تلاوت کرے گا(4) اسے امام احمد، امام ترمذی، ابوداؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨٠﴾ أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿٨١﴾

"یہ اتارا گیا ہے رب العالمین کی طرف سے[1] کیا تم اس قرآن کے بارے میں کوتاہی کرتے ہو[2]"

[1] یہ قرآن کی چوتھی صفت ہے، یہ مصدر ہے اور اسم مفعول کے معنی میں ہے جیسے خلق بمعنی مخلوق ہوتا ہے۔

[2] ھذا الحدیث سے مراد قرآن ہے۔ انتم سے مراد اہل مکہ ہیں، ادھان کا اصل معنی نرم کرنے کے لئے تیل کا استعمال کرنا ہے پھر ظاہر میں معاملات میں نرمی کرنا ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ پھر یہ لفظ نفاق کے معنی میں استعمال ہونے لگا یہاں بھی یہی معنی مراد ہے۔ قاموس میں ہے دھن، نافق یعنی اس نے نفاق کیا۔ مداھنہ سے مراد ضمیر کے خلاف بات کرنا جس طرح ادھان اس معنی میں آتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ادھان سے مشتق ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ظاہر کچھ اور باطن میں کچھ پھر مکذب کو بھی مدھن کہتے ہیں اگر چہ وہ کفر وتکذیب کی صراحت کرے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح کہا ہے، یعنی وہ جھٹلاتے ہیں(5) مقاتل بن حیان نے کہا اس کا معنی کافر ہیں۔

وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾ فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ﴿٨٣﴾ وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ﴿٨٤﴾

"اور (اس کی بے پایاں برکتوں سے) تم نے اپنا یہی نصیب لیا ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے رہو گے[1] پس تم کیوں لوٹا نہیں دیتے جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت (پاس بیٹھے) دیکھ رہے ہوتے ہو[2]"

[1] رزق کا معنی حصہ اور نصیب ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا وہ آدمی خسارے میں ہے جس کے حصہ میں قرآن حکیم کی تکذیب ہے۔ مفسرین کی ایک جماعت نے کہا اس کا معنی یہ ہے تم نے شکر اس چیز کو بنا لیا ہے کہ تم قرآن کی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 301 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 8، صفحہ 194 (الفکر)
4۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 302 (الفکر) 5۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 233 (العلمیہ)

تکذیب کرتے ہو(1)۔امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ہیثم بن عدی نے کہا کہ از دشنوءہ کی زبان میں لَاُرْزَقُ فُلَانٍ کا معنی ہوتا ہے ماشکر اس نے شکر نہیں کیا(2)۔ایک قول یہ کیا گیا یہ معنی مضاف کے حذف کی صورت میں ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی تَجْعَلُوْنَ شُكْرَ رِزْقِكُمْ یہاں رزق سے مراد بارش ہے اس کی وجہ یہ ہے جب بارش ہوتی تو وہ یہ کہتے کہ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی بارش کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیال نہ کرتے تو انہیں کہا گیا کہ تم نے بارش کا شکر اس طرح کیا کہ تم اللہ تعالیٰ کو جھٹلاتے ہو یعنی تم شکر کی بجائے کفر کرتے ہو۔

زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی۔رات کو بارش ہوئی تھی جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا کیا تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا؟ لوگوں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور کچھ میرا انکار کرنے والے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے مگر جس نے یہ کہا ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی وہ میرے ساتھ کفر کرنے والا اور ستاروں پر ایمان رکھنے والا ہے(3)۔امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں لوگوں پر بارش ہوئی فرمایا لوگوں میں سے کچھ نے شکر گزار بندے کی حیثیت سے صبح کی اور کچھ نے ناشکرے کی حیثیت سے صبح کی۔بعض نے یہ کہا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہی کی ہے۔بعض نے کہا فلاں ستارے نے سچ کہا تو فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ سے لے کر تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ تک آیات نازل ہوئیں(4)۔ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیات غزوہ تبوک میں ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئیں، وہ حجر میں اترے۔حضور ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ یہاں سے پانی نہ لیں پھر آپ نے کوچ کیا اور دوسری جگہ پڑاؤ کیا لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا۔لوگوں نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں شکایت کی آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر دعا کی اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج دیئے، بادل خوب برسے یہاں تک کہ لوگ خوب سیراب ہو گئے۔ایک انصاری نے اپنی ہی قوم کے دوسرے انصاری سے کہا جس پر نفاق کی تہمت لگائی جاتی تھی تو ہلاک ہو تو نے خود دیکھا حضور ﷺ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحمت کی بارش نازل فرما دی تو اس نے جواب دیا ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوتی ہے(5) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ قصہ حجر میں واقع ہوا۔امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل نہیں فرماتا مگر لوگوں میں سے ایک جماعت اللہ تعالیٰ کے بارش نازل کرنے کا انکار کر دیتی ہے وہ یہ کہتے ہیں فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوتی ہے(6)۔

لولا ھلا کے معنی میں ہے۔بلغت کی ضمیر مرفوع، یعنی ھی ایسے اسم کی طرف لوٹ رہی ہے جو لفظوں میں مذکور نہیں بلکہ حکم میں اس کا ذکر ہے کیونکہ ہر ایک کو یقینی طور پر اس کا علم ہے، یعنی جب نفس پہنچ جائے موت کے وقت حلقوم تک اے وہ لوگو جو اس قریب المرگ آدمی کے پاس حاضر ہوتے ہو اور دیکھ رہے ہوتے ہو۔حینئذ کا تعلق تنظرون کے ساتھ ہے اس کی روح نکل رہی ہوتی ہے، جبکہ تم

1۔تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 302 (الفکر) 2۔ایضاً 3۔مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 117 (صادر)
4۔سنن کبریٰ، جلد 3، صفحہ 358 (الفکر) 5۔الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 234 (العلمیہ)
6۔مشکوٰۃ المصابیح، 4597، جلد 2، صفحہ 517 (الفکر)

عاجز ہوتے ہو،تمہارے بس میں نہیں ہوتا کہ تم اس کا دفاع کرسکو اور نہ ہی تم کسی چیز کے مالک ہوتے ہو۔ یہ جملہ بلغت کے فاعل سے حال بن رہا ہے اور ضمیر عائد جو تنظرون کا مفعول بہ ہے محذوف ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾

"اور ہم (اس وقت بھی) تم سے زیادہ مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں البتہ تم دیکھ نہیں سکتے [1]۔ پس اگر تم کسی کے پابند حکم نہیں ہو [2]"

[1] امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اَقْرَبُ کا معنی اعلم کیا ہے(1) یعنی ہم اس قریب المرگ کا زیادہ علم رکھتے ہیں۔ یہاں علم کو قرب سے تعبیر کیا ہے، یہ اطلاع کے اسباب میں سے قوی ترین سبب ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی یہ کیا ہے علم، قدرت اور رویت میں تم سے زیادہ قریب ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے جو اس کی روح کو قبض کرنے والے ہیں وہ تمہاری بنسبت اس کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ تمام تاویلات اس گمان پر مبنی ہیں کہ قرب صرف زمان و مکان میں منحصر ہے انہیں اس قرب کا ادراک نہیں جس کی کوئی کیفیت نہیں جو دلیل شرعی سے ثابت ہے جس کا ادراک فراست مومن سے کیا جا سکتا ہے، عوام اس کا ادراک نہیں کرتے اسی وجہ سے بطور استدراک یہ کلام ذکر فرمایا لیکن تم میرے قرب کو نہیں دیکھ سکتے نَحْنُ اَقْرَبُ والا جملہ بلغت کے فاعل سے دوسرا حال ہے۔

[2] لو، هل کے معنی میں ہے۔ یہ سابقہ حروف تحضیض کی تاکید کے لئے ہے اگر تم مجرم نہیں ہو قیامت کے روز دوبارہ اٹھا کر تمہارا حساب کتاب نہیں ہونا ہے، یعنی تمہارے گمان کے مطابق تمہیں نہیں اٹھایا جائے گا یا تم مملوک اور مجبور نہیں ہو یہ دانہ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ اسے ذلیل کرے اور اپنا غلام بنا لے اصل میں یہ ترکیب ذلت اور انقیاد کے لئے وضع کی گئی ہے۔

تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾

"تو پھر کیوں نہیں لوٹا دیتے (مرنے والے کی روح) اگر تم سچے ہو [1] پس وہ (مرنے والا) اگر اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا تو اس کے لئے راحت، خوشبودار غذائیں [2] اور سرور والی جنت ہوگی۔"

[1] ھا ضمیر سے مراد نفس ہے، یعنی نفس کو اس کی قرارگاہ کی طرف کیوں نہیں لوٹا دیتے تاکہ موت اس تک نہ پہنچ سکے یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم نفس کو کیوں نہیں لوٹاتے کیونکہ تم مغلوب تو نہیں یہ ظرف کا عامل ہے لولا کے ساتھ جو تحضیض (ا) وارد ہوئی اور جو چیزیں اس کے ضمن میں ہیں وہ جواب شرط پر دلالت کرتی ہیں۔

جو کچھ تم گمان کرتے ہو اگر اس میں سچے ہو۔ یہ ایسی شرط ہے جو سابقہ کلام کی وجہ سے جزاء سے مستغنی ہے، یہ معنی میں سابقہ شرط کی تاکید ہے، یعنی اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ تم مجبور نہیں جس پر تمہارا اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار اور تمہارا اس کی آیات کی تکذیب دلالت کرتا ہے تو پھر تم نفس کو اپنے مقر کی طرف کیوں نہیں لوٹاتے جب وہ حلقوم تک پہنچ جاتا ہے، جبکہ اس وقت تم دیکھ رہے ہوتے ہو۔

1۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کازرونی، جلد 5، صفحہ 293 (الفکر)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 303 (الفکر)

(ا) برانگیختہ کرنا، ابھارنا۔

جب قریب الموت کا ذکر گزر چکا اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے مجبور و مقہور ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس پر کوئی قدرت نہیں رکھتا اب نفس کو اس کی طرف متوجہ کیا کہ اللہ تعالیٰ جو قادر ہے، مالک ہے، قریب ہے اس پر مسلط ہے وہ کیا معاملہ کرتا ہے تو اس اجمال کی تفصیل یوں بیان فرمائی۔

امّا حرف شرط ہے، تقدیر کلام یوں ہے مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ فَالْمُتَوَفّٰى اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ صورت حال جیسی بھی ہو اگر فوت ہونے والا مقربین میں سے ہو مقربین جو تینوں مذکورہ اصناف میں سے افضل ہیں ان کے لئے راحت ہے۔ روح ترکیب کلام میں مبتدا موخر ہے جبکہ اس کی خبر ظرف محذوف ہے اور جملہ ظرفیہ شرط کی جزاء ہے اور جملہ شرطیہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور جملہ اسمیہ اس شرط کی جزاء ہے جو اما کے بعد محذوف ہے اور جزاء کی جزاء کو اس کے قائم مقام رکھا ہے جو شرط اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ہے۔ فاء کو اس لئے حذف کر دیا گیا کیونکہ دو حرف شرط اور جزاء پے در پے آ گئے تھے یا اس فاء پر اکتفاء کیا گیا جو دوسری شرط کی جزاء میں ہے۔

یعقوب نے راء کے ضمہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جس نے ضمہ کے ساتھ پڑھا اس نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا کہ اس کی روح ریحان میں نکالی جائے گی۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا روح سے مراد رحمت ہے کیونکہ رحمت مرحوم کی زندگی کے لئے سبب کی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد دائمی زندگی ہے۔ جس نے فتح کے ساتھ پڑھا اس نے کہا اس کا معنی خوشی اور راحت ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور سعید بن جبیر نے یہی کہا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی مغفرت اور رحمت ہے (1)۔

ریحان سے مراد اچھا رزق ہے۔ مجاہد، سعید بن جبیر اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حمیر کی زبان میں ہے۔ دوسرے علماء نے کہا ریحان سے مراد پھول ہے جسے سونگھا جاتا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا مقربین میں سے کوئی بھی دنیا اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک کہ اس کے پاس جنت کے ریحان میں سے کچھ پھول اس کے پاس لائے نہیں جاتے ہیں۔ وہ انہیں سونگھتا ہے پھر اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔ ابو بکر رزاق نے کہا روح سے مراد آگ سے نجات اور ریحان سے مراد جنت میں داخل ہونا ہے (2)۔

وَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾

''اور اگر وہ اصحاب یمین (کے گروہ) سے ہوگا تو (اسے کہا جائے گا) تمہیں سلام ہو اصحاب یمین کی طرف سے''

اگر فوت ہونے والا اصحاب یمین میں سے ہو جو مذکورہ تینوں اقسام میں دوسری قسم ہے تو اے صاحب یمین تم پر اصحاب یمین کی طرف سے سلام ہو وہ تمہیں سلام کہتے ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے اے محمد ﷺ ان کی طرف سے آپ کے لئے سلامتی ہو آپ ان کے بارے میں غمگین نہ ہوں کیونکہ وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہیں آپ ان کی سلامتی کے بارے میں جو پسند کرتے ہیں آپ ان میں وہی دیکھیں گے (3) اور راضی ہو جائیں گے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں سے درگزر فرمائے گا، ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے گا۔ فراء اور دوسرے علماء نے کہا اے محمد ﷺ آپ پر سلام ہو کیونکہ وہ اصحاب یمین میں سے ہیں یا صاحب یمین سے کہا جائے گا تجھے سلام ہو کیونکہ تو اصحاب یمین میں سے ہے (4)۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 4-303 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّ تَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْیَقِیْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۹۶﴾

"اور اگر (وہ مرنے والا) جھٹلانے والے گمراہوں سے ہوگا تو اس کی مہمانی کھولتے پانی سے ہوگی اور داخل ہونا پڑے گا اسے بھڑکتے دوزخ میں بے شک (جو بیان ہوا) یہ یقیناً حق ہے [1] پس (اے حبیب!) پاکی بیان کیجئے اپنے رب کے نام کی جو بڑی عظمت والا ہے [2]"

[1] اگر مرنے والا قرآن اور نبی ﷺ کو جھٹلانے والا اور صراط مستقیم سے بھٹکنے والا ہوا، یعنی اصحاب شمال سے ہوا۔ یہ مذکورہ تینوں قسموں میں سے تیسری قسم ہے یہاں ان کی صفت ان کے افعال سے ذکر کی ہے تاکہ انہیں ان افعال سے جھڑکا جائے اور انہیں اس بات کا شعور دلایا جائے کہ یہ تمہارے افعال تمہارے حق میں کس چیز کو ثابت کرتے ہیں اس کے بعد انہیں اس کلام کے ساتھ دھمکی دی کہ ان کے لئے کھولتے ہوئے پانی کی ضیافت ہے، یعنی جنہیں عذاب دیا جائے گا انہیں جہنم کا کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا اور انہیں بڑی آگ میں داخل کیا جائے گا۔ قریب الموت آدمیوں کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا گیا وہ یقینی خبر ہے۔

[2] اپنے رب کا نام ذکر کرتے ہوئے اور اس کے امر کو یاد کرتے ہوئے نماز ادا کیجئے یا اس کا معنی ہے اس کا نام ذکر کرتے ہوئے اس کی ایسی چیزوں سے پاکی بیان کیجئے جو اس کی عظمت شان کے مناسب نہ ہوں یا اپنے عظیم رب کی پاکی بیان کیجئے۔ سورۂ حاقہ کے آخر میں بھی دو آیتیں آئیں گی اس آیت کی تفسیر پہلے بھی گزر چکی ہے۔ میں نے وہاں رکوع اور سجود کی تسبیحات کا ذکر کیا اور اس میں جو احادیث وارد ہوئیں اور ائمہ کا جو اختلاف ہے اس کا بھی ذکر کیا یہاں ان کا اعادہ نہیں کریں گے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جس نے ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کی اسے کبھی فاقہ نصیب نہیں آئے گا۔ اسے امام بغوی، ابو یعلی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں ضعیف سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

سورۃ الحدید

آیاتھا ۲۹ | سُوْرَۃُ الْحَدِیْدِ مَدَنِیَّۃٌ ۵۷ | رکوعاتھا ۴

سورۃ الحدید مدنی ہے، اس میں انتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

"اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہہ رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے[1] اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے[2]"

[1] یہاں سورۂ حشر اور سورۂ صف میں فعل ماضی کا صیغہ ذکر کیا گیا اور سورۂ جمعہ اور تغابن میں مضارع کا صیغہ ذکر کیا گیا، مقصود یہ شعور دلانا تھا کہ مخلوقات کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح تمام اوقات کو محیط ہے، حالات کے مختلف ہونے سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں مصدر کا آنا اس دلالت میں زیادہ بلیغ ہے۔ تسبیح کا فعل کبھی بذات خود متعدی ہوتا ہے کیونکہ اس کا معنی پاکی بیان کرنا اور نقص اور عیب کو دور کرنا ہے، یہ سبح سے مشتق ہے جس کا معنی جانا اور دور ہونا ہے۔ بعض اوقات یہ لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے نصحته اور نصحت له دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لام صلہ اس لئے ذکر کیا گیا کہ یہ شعور دلایا جائے کہ فعل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کیا گیا ہے۔

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کو شامل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو تسبیح کرتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ جمادات اور اس جیسی چیزوں سے تسبیح تسبیح حالی ہوتی ہے، یعنی ان میں اللہ تعالیٰ کے عیوب سے پاک ہونے پر دلالت ہے۔ صحیح یہ ہے کہ موجودات میں سے کوئی چیز بھی زندگی اور علم کی کسی نہ کسی صورت سے خالی نہیں جس طرح ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت: وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔ ان سے تسبیح مقالی بھی ہوتی ہے کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔

[2] ترکیب کلام میں یہ حال ہے اور اس بات کا شعور دلاتا ہے کہ تسبیح کا مبداء یہ چیز ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ②

"اسی کے لئے بادشاہی آسمانوں اور زمینوں کی وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے[1] اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے[2]"

[1] اللہ تعالیٰ کی ذات ان کو پیدا کرنے والی اور ان میں تصرف کرنے والی ہے جملہ۔ یا تو سبح کے مفعول سے حال ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے۔

[2] یہ جملہ مستانفہ ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ھو ہے یا للہ میں جو ضمیر مجرور ہے اس سے حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات زندہ کرنے، مارنے اور ان کے علاوہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھنے والی ہے۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ③

"وہی اول، وہی آخر، ۱؎ وہی ظاہر، وہی باطن اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۲؎"

۱؎ وہ ہر چیز سے پہلے ہے، اس سے پہلے کوئی چیز نہیں کیونکہ وہی تمام اشیاء کو پیدا کرنے والا ہے اور ہر چیز کے فناء ہونے کے بعد وہی باقی ہے۔ اگر ذات کو دیکھا جائے، غیر کا اعتبار نہ کیا جائے تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا وجود اصل ہے جو انفکاک اور زوال کا احتمال نہیں رکھتا، جبکہ دوسری اشیاء کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود سے مستعار ہے۔ ذات کو دیکھا جائے تو وہ ہر شے کے بعد بھی ہے اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔

۲؎ ظہور میں وہ سب سے بڑھ کر ہے، اس سے بڑھ کر کوئی شے نہیں کیونکہ کسی چیز کا ظہور اس کے وجود کی وجہ سے ہوتا ہے اور معدوم کے لئے کوئی ظہور نہیں ہوتا، جبکہ کائنات کی ہر چیز کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود سے حاصل شدہ اور اس کا سایہ ہے اس لئے ہر چیز کا ظہور اس کے ظہور کی فرع ہوا مگر اللہ تعالیٰ کے کمال ظہور اور اس کے وجود کے پھیلاؤ کی وجہ سے وہ آنکھوں سے مخفی ہے کیونکہ آنکھوں میں کوتاہی پائی جاتی ہے جس طرح چمگادڑ کی آنکھ سے سورج مخفی ہو جاتا ہے اسی طرح نصف النہار میں ظہور میں شدت اور نور میں کمال کی وجہ سے سورج لوگوں کی آنکھوں سے مخفی ہو جاتا ہے جسے ادنیٰ سی تمیز حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا اعتراف کرتا ہے یہاں تک کہ بچے اور مجنون بھی پہچان رکھتے ہیں جس طرح دن کے وقت لوگ سورج کے وجود کا اعتراف رکھتے ہیں۔

وہ کمال ظہور کی وجہ سے مخفی بھی ہے نیز اس کی ذات کی حقیقت کا جہاں تک تعلق ہے وہ ہر شے سے مخفی ہے، اس سے بڑھ کر کوئی چیز مخفی نہیں یہاں تک کہ انبیاء صدیقین جو سب سے بہترین ہیں کی آنکھیں بھی اس کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ امام مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن ابی شیبہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو یعلی موصلی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ آپ ﷺ ارشاد فرماتے، جبکہ آپ پہلو کے بل لیٹے ہوتے اے اللہ جو آسمان و زمین کا رب ہے جو عرش عظیم کا رب ہے اے ہمارے رب اور ہر شے کے رب جو دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے تورات، انجیل اور فرقان کو نازل کرنے والا ہے میں ہر چیز کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں تو ہماری ناصیہ (پیشانی کے بال) کو پکڑنے والا ہے اے اللہ تو اول ہے تجھ سے پہلے کسی چیز کا وجود نہیں، تو آخر ہے تیرے بعد کسی چیز کا کوئی وجود نہیں، تو ظاہر ہے تجھ پر کوئی غالب نہیں، تو باطن ہے تجھ سے بڑھ کر کوئی مخفی چیز نہیں ہم سے قرض کو دور کر دے، ہمیں فقر سے غنی کر دے (1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا آپ نے کہا اس کا معنی یہ ہے اس کا اول کے بارے میں علم ایسے ہی ہے جس طرح آخر کے بارے میں علم، اس کا ظاہر کے بارے میں علم ایسے ہی ہے جس طرح باطن کے بارے میں علم، اس کے (2) ہاں ظاہر اور خفی برابر ہیں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۖ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ④

"وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت حکومت پر ۱؎ وہ جانتا ہے جو کچھ

1۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 362 (الفکر)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 308 (الفکر)

زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس کی طرف عروج کرتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو (اسے) خوب دیکھنے والا ہے [2]"

[1] یہ متشابہات میں سے ہے، اس میں محفوظ ترین راہ یہی ہے کہ اس کی تاویل اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی جائے اور اس آیت سے جو بھی اس نے ارادہ کیا ہے اس پر ایمان لے آیا جائے۔

[2] مَا یَلِجُ سے مراد دانے، بارش کے قطرات، خزانے، مردے اور دوسری چیزیں ہیں۔

مَا یَنْزِلُ سے مراد بارش، فرشتے، احکام اور برکات ہیں۔ ما یعرج سے مراد بخارات اور فرشتے جو بندوں کے اعمال اور روحیں لے کر جاتے ہیں اس کی معیت تمہیں حاصل ہے لیکن اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی تم جہاں کہیں بھی ہو کیونکہ تمام مکانات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف برابر ہے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے اس لئے وہ تمہیں اس کی جزا بھی دے گا۔

لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؕ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

"اس کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جائیں گے [1] داخل فرماتا ہے رات (کا کچھ حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کا کچھ حصہ) رات میں اور وہ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے [2]"

[1] اس کا ذکر دوبارہ لوٹانے کی صورت میں کیا ہے جس طرح پہلی دفعہ پیدا کرنے کی صورت میں ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں کے لئے مقدمہ کے طور پر ہے۔

[2] ان دونوں میں سے ایک میں کمی کرتا ہے اور دوسرے میں اضافہ کر دیتا ہے اور دلوں میں جو کچھ پوشیدہ ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع الجوامع میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے ضروریات کو پورا کرنے کی دعا میں نقل کیا ہے کہ وہ آدمی سورۂ حدید کی پہلی تین آیات پڑھے، سورۂ حشر کی آخری دس آیات پڑھے پھر یہ کہے اے وہ ذات پاک جس کی یہ شان ہے کوئی اور اس جیسا نہیں میری حاجت کو پورا فرما دے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

"ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو (اس کی راہ میں) ان مالوں سے جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے [1] پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور (راہ خدا میں) خرچ کرتے رہے ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے [2]"

[1] اے لوگو اس اللہ پر ایمان لاؤ جس کی وہ شانیں ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر جیسا ایمان لانا چاہیئے وہ رسولوں کے واسطہ کے بغیر ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا وہ مال خرچ کرو جن میں تصرف کرنے کا تمہیں اپنا نائب بنایا، جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ اور حقیقۃً اسی کی ملک میں ہے یا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ملکیت اور تصرف میں تم سے پہلوں کا نائب بنایا اور

عنقریب کسی اور کو تمہارا نائب بنا دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عنوان کے ساتھ اس لئے اس چیز کو ذکر کیا تا کہ انسان کو مال خرچ کرنے پر برانگیختہ کیا جائے اور نفس پر اسے آسان بنایا جائے۔

۲؎ اس میں فاء تعلیل کے لئے ہے اور اس آیت میں وعدہ میں کئی مبالغے ہیں۔ جملہ اسمیہ کا ذکر کیا ایمان اور انفاق کا دوبارہ ذکر کیا حکم کی بناء ضمیر پر رکھی، اجر کو نکرہ ذکر کیا اور کبیر کے ساتھ اس کی صفت لگائی۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۞

"آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے ۱؎ حالانکہ (اس کا) رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر ۲؎ اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے ۳؎ اگر تم یقین کرنے والے ہو ۴؎۔"

۱؎ لَا تُؤْمِنُونَ والا جملہ مخاطب کی ضمیر سے حال ہے، اس میں عامل مالکم میں معنی فعل ہے، یعنی تَصْنَعُوْنَ غَيْرَ مُؤْمِنِيْنَ بِهٖ اور مَا لَكُمْ والا جملہ معترضہ ہے جو توبیخ کے لئے ہے۔

۲؎ یہ بھی لَا تُؤْمِنُونَ کی ضمیر سے حال ہے، یعنی ایمان کے ترک کرنے میں تمہارے پاس کونسا عذر ہے، جبکہ حال یہ ہے کہ رسول اللہ دلائل، آیات اور بینات کے ساتھ تمہیں بلا رہے ہیں۔

۳؎ یہ سابقہ ذو الحال سے حال مرادف ہے یا یدعوکم کے مفعول سے حال ہے، یعنی حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل جب تمہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا تم سے وعدہ لیا تھا کہ تم ایمان لاؤ گے فرمایا تھا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ الآیۃ۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے قبل انبیاء کی زبانوں اور سابقہ کتابوں میں تم سے پختہ وعدہ لیا تھا جب آ جائے تمہارے پاس وہ رسول جو اس کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہے تو ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا پوچھا کیا تم نے اقرار کر لیا ہے الخ۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ عہد لینے سے مراد یہ ہے کہ دلائل قائم کر دیئے اور نظر و فکر کی صلاحیت عطا کر دی۔ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے اخذ کو ماضی مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور میثاقکم کو مرفوع پڑھا ہے اور فعل میثاق کی طرف منسوب ہے، جبکہ باقی قراء نے فعل کو معروف اور میثاق کو منصوب پڑھا ہے۔

۴؎ یہ شرط ہے اور اس کی جزاء محذوف ہے۔ میرے نزدیک اس کی تقدیر یہ ہو سکتی ہے: اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ بِاللّٰهِ عَلٰى زَعْمِكُمْ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری ہے وہ حضور ﷺ پر ایمان لانے کے واسطہ کے بغیر ممکن نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار بھی اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتے تھے اور بتوں کو اپنا شفیع مانتے تھے۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ عبدالقیس کا وفد جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے انہیں چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے انہیں منع کیا۔ انہیں اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانے کا حکم دیا پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے۔ لوگوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، رمضان شریف کے روزے رکھنا اور یہ کہ تم مال غنیمت

میں سے خمس ادا کرو گے اور انہیں حنتم، دباء، نقیر اور مزفت سے منع (1) کیا فرمایا انہیں یاد کر لو اور پیچھے رہ جانے والے قوم کے افراد کو بتاؤ (1)۔ میں کہتا ہوں میرے نزدیک تقدیر کلام یوں ہے کہ پہلے انہیں ایمان لانے کا حکم دیا پھر انہیں چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع کیا پھر ایمان کی وضاحت شہادتین سے کی اور چار امور جن کا حکم دیا گیا تھا ان کی وضاحت نماز قائم کرنے کے حکم سے کی۔ یہ حدیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان کا اعتبار رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آیت کی تقدیر یوں ہے کہ اگر تم کسی سبب اور وجہ سے ایمان لاتے ہو تو یہ اس کا سبب ہے اب مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر تم کسی وقت ایمان لانے والے ہو تو یہ تمہارے ایمان لانے کا بہترین وقت ہے کیونکہ حضور ﷺ کی بعثت اور قرآن حکیم کے نزول کی صورت میں دلائل قائم کر دیئے گئے ہیں (2)۔

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹﴾

"وہی ہے جو نازل فرما رہا ہے اپنے (محبوب) بندہ پر روشن آیتیں تاکہ تمہیں نکال لے کفر کے اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی شفقت فرمانے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے [1]"

[1] عَبْدِهٖۤ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ سے مراد قرآن اور دوسرے واضح معجزات ہیں۔ وہ رؤف رحیم اس طرح ہے کہ اس نے تمہاری طرف اپنا رسول مبعوث کیا، اپنی آیات کو نازل فرمایا، صرف عقلی دلائل تک تمہیں محدود نہیں رکھا۔

وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾

"آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے (اپنے مال) راہ خدا میں [1] حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا وارث ہے [2] تم میں سے کوئی برابری نہیں کر سکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (راہ خدا میں) مال خرچ کیا اور جنگ کی ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ کی [3] (ویسے تو) سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے بخوبی خبردار ہے [4]"

[1] ما، ای کے معنی میں ہے، یعنی خرچ نہ کرنے میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے مراد ایسے مصارف ہیں جن میں مال خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

[2] یہ جملہ حال ہے، جبکہ حال یہ ہے اللہ تعالیٰ زمین و آسمان اور ان میں جو کچھ ہے سب کا مالک ہے کسی کا مال مرنے کے بعد اس کے پاس باقی رہنے والا نہیں جب بات اس طرح ہے تو مال کو اس طرح خرچ کرنا جو ثواب کا سبب بنے زیادہ بہتر ہے، جبکہ مال خرچ نہ کرنا اور مال جمع کرنا تا کہ کوئی اور اس سے فائدہ اٹھائے یہ مطلقاً تمہیں فائدہ نہیں دے گا۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 13 (وزارت تعلیم) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 309 (الفکر)

(1) چاروں برتن ہیں جن میں شراب بنائی جاتی، مترجم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، انہوں نے ایک بکری ذبح کی۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا صدقہ کے بعد کوئی چیز بچی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی صرف ایک بازو بچا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا بازو کے بغیر سب باقی ہے(1) اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کون ایسا آدمی ہے جس کو اپنے مال کی بنسبت وارث کے مال سے زیادہ محبت ہو۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے ہر ایک کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کا اپنا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کیا۔ اسے امام بخاری اور امام نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔

الفتح سے مراد فتح مکہ ہے، یہ اکثر مفسرین کا قول ہے، جبکہ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ لا یَسْتَوِیْ باب افتعال سے ہے تاہم معنی باب تفاعل کا دے رہا ہے لایَسْتَوِیْ کا فاعل من انفق و قاتل ہے نیز اس کے معطوف جو محذوف ہیں فتح کے بعد مال خرچ کیا اور جہاد کیا وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے قبل مال خرچ کیا اور جہاد کیا وہ ان لوگوں کی بنسبت درجے میں بڑھ کر ہیں جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا محمد بن فضل نے کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے کہا یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ آپ وہ پہلی شخصیت ہیں جو حضور ﷺ پر ایمان لائے اور سب سے پہلے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا(2)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں موجود تھا، جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے پاس موجود تھے اور آپ نے ٹاٹ کا لباس زیب تن کر رکھا تھا اور کانٹوں سے اس کے سینے کو بند کر رکھا تھا (بٹن کی جگہ کانٹا لگا رکھا تھا) حضرت جبرئیل امین تشریف لائے پوچھا کیا وجہ ہے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ایسی عبا دیکھ رہا ہوں جس کے سینے پر انہوں نے کانٹا لگا رکھا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس نے فتح سے پہلے تمام مال مجھ پر خرچ کر دیا تھا۔ جبرئیل امین نے عرض کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابوبکر صدیق کو میرا سلام کہیں اور ان سے پوچھیں کیا اس فقر و تنگدستی میں تم مجھ پر راضی ہو یا ناراض ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر اللہ تعالیٰ تجھے سلام ارشاد فرماتا ہے اور پوچھتا ہے کیا اس فقر میں تو اللہ سے راضی ہے یا ناراض۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں اپنے رب سے ناراض ہو سکتا ہوں میں اپنے رب سے راضی ہوں(3)۔ واحدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مہاجرین و انصار میں سے سابقین ان صحابہ پر فضیلت رکھتے ہیں جو فتح کے بعد ایمان لائے اور اس کے بعد اپنے مال خرچ کیے۔ یہ آیت اپنے مفہوم اور سیاق کے ساتھ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل اور صحابہ تمام لوگوں سے افضل ہیں کیونکہ فضیلت کا دارومدار اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے، مال خرچ کرنے اور جہاد کرنے میں ہے جس طرح حضور ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے:۔

جس نے اچھا طریقہ شروع کیا تو اسے اس کا اجر اور اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا، جبکہ عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 10-9، صفحہ 211 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 309 (الفکر) 3۔ ایضاً

کمی نہ کی جائے گی(1) علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے اور آپ کے ہاتھ پر قریش کے معززین مسلمان ہوئے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں عظیم مال خرچ کرنے والوں میں سے بھی سب سے آگے ہیں، کفار سے مصائب برداشت کرنے والوں میں سے بھی سب سے پہلے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کسی کا ہم پر احسان تھا ہم نے اس کا بدلہ دے دیا صرف ابوبکر کا ہم پر احسان ہے جس کا بدلہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ دے گا۔ کسی کے مال نے مجھے اتنا نفع نہیں دیا جتنا نفع مجھے ابوبکر کے مال نے دیا ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ آپ نے تمام مال رسول اللہ ﷺ اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ اسے ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے کہ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا گھر کے صحن میں مسجد بنالی آپ اسی میں نماز ادا فرماتے اور قرآن حکیم کی تلاوت کرتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ جب عقبہ بن ابی معیط نے حضور ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اپنی چادر آپ کی گردن میں ڈالی اور گلا گھونٹا۔ حضرت ابوبکر صدیق کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے عقبہ بن ابی معیط کو آپ سے دفع کیا فرمایا کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، جبکہ وہ تمہارے پاس واضح دلائل لایا ہے۔ ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا اور یہ زیادہ کیا کہ کفار نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا، سخت مارا جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر آئے آپ جب بھی اپنا ہاتھ سر پر رکھتے تو آپ کے بال ہاتھ کے ساتھ ہی آجاتے آپ زبان سے یہ کہتے تبارکت یا ذاالجلال۔ ابو عمر و رحمۃ اللہ علیہ نے استیعاب میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سات غلاموں کو آزاد کیا جنہیں اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی وجہ سے اذیتیں دی جاتی تھیں۔ ان غلاموں میں سے بلال اور عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ ابو اسحق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی قوم کو جوڑنے والے، اپنی قوم میں محترم اور اچھے اخلاق کے حامل شخصیت تھے۔ آپ کی قوم کے جو افراد آپ کے پاس آتے اور اٹھتے بیٹھتے تھے ان میں سے قابل اعتماد لوگوں کو آپ نے اسلام کی دعوت دینا شروع کر دی۔ مجھ تک جو روایات پہنچی ہیں ان میں یہ ہے کہ آپ کی دعوت سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جو بنی عبدالشمس کے رئیس تھے، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جو بنی اسد کے رئیس تھے، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم جو دونوں بنی زہرہ کے رئیس تھے اور طلحہ بن عبداللہ جو بنی تیم کے رئیس تھے مسلمان ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انہیں حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ جب ان شخصیات نے آپ کی دعوت کو قبول کر لیا، اسلام لے آئے، نماز پڑھ لی تو ان کے اسلام قبول کرنے سے قریش کے قبائل کی شوکت ناپید ہو گئی۔ ابوالحسن اشعری نے کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دوسرے صحابہ پر فضیلت قطعی ہے۔ میں کہتا ہوں اسی پر سلف صالحین کا اجماع ہے۔ ابن عبدالبر سے جو مروی ہے کہ سلف صالحین کا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں اختلاف ہے یہ عجیب و غریب شے ہے یہ اس بات میں ان لوگوں سے الگ تھلگ ہیں جو ان سے علم میں بہت عظیم اور جلیل ہیں، انہیں میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ہم نے فضیلت شیخین کے عقلی و نقلی دلائل اپنی کتاب السیف المسلول میں ذکر کر

1۔ مشکوٰۃ المصابیح: 210، جلد 1، صفحہ 106 (الفکر)

دیئے ہیں۔ اسلام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا مقام ہے جسے معراج کی رات کے بارے میں حضور ﷺ کی تصدیق کرنے میں کمال ثبات کا اظہار فرمایا۔ اس مسئلہ میں کفار کو جواب ارشاد فرمایا، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی، اپنے گھربار، عیال اور بچوں کو چھوڑا، غار ثور اور تمام راستہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے۔ بدر کے روز آپ کی گفتگو اور حدیبیہ کے موقع پر آپ کی گفتگو کمال ایمان اور عظمت شان پر واضح دلیل ہیں، جبکہ دوسرے لوگوں پر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے میں تاخیر کی وجہ سے معاملہ مشتبہ ہو رہا تھا۔ حضور ﷺ کے وصال کے موقع پر، جبکہ آپ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے آپ ثابت قدم رہے۔ لوگوں سے خطاب فرمایا، انہیں تسلی دی پھر مسلمانوں کے مفادات کے لئے بیعت لینے کا اہتمام کیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر بھیجنے کا اہتمام کیا، مرتدوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، عراق اور شام کی طرف لشکروں کی روانگی کا اہتمام کیا۔ آپ کے مناقب میں سے آخری آپ کا یہ فیصلہ ہے کہ آپ نے خلافت کی ذمہ داری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تفویض کی۔

۳؎ ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے کل کو مرفوع۔ جبکہ باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے یعنی تمام صحابہ جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا یا فتح کے بعد خرچ کیا سب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ثواب کا وعدہ کیا ہے، ان میں سے کسی پر بھی طعن کرنا جائز نہیں۔ صحابہ کے درمیان باہمی اختلافات اور جھگڑوں کی اچھی تعبیریں کرنی چاہئیں یا زیادہ سے زیادہ اجتہادی غلطی پر محمول کرنا چاہئے۔ آیت کا ابتدائی حصہ اس امر پر بھی دلالت کرتا ہے کہ صحابہ بعد کے زمانے کے مسلمانوں پر فضیلت رکھتے ہیں کیونکہ صحابہ اسلام لانے، مال خرچ کرنے اور جہاد کرنے میں دوسرے لوگوں پر سبقت لے گئے ہیں۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو گالی نہ دینا اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے وہ صحابی کے ایک مد اور اس کے نصف تک بھی نہیں پہنچ سکتا(1) کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح ظاہر کو جانتا ہے اسی طرح باطن کو بھی جانتا ہے اس لئے ہر کسی کو اس کے حساب کے مطابق بدلہ دے گا۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾

"کون ہے جو (اپنا مال) اللہ تعالیٰ کو (بطور) قرض حسنہ دے ۱؎ اور اللہ تعالیٰ کئی گناہ بڑھادے اس کے مال کو اس کے لئے (اس کے علاوہ) اسے شاندار اجر بھی ملے گا ۲؎"

۱؎ لفظ اللہ اسم جلالت سے پہلے عباد کا لفظ محذوف ہے، معنی یہ ہوگا جو اللہ کے بندوں کو قرض دیتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے جو آدمی اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے یہ امید رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اسے بدلہ دے گا تو وہ ایسے ہی ہے، جس طرح کوئی اللہ تعالیٰ کو قرض دے۔ یہاں قرض کا لفظ بطور مجاز استعمال ہوا ہے کیونکہ ایسے عمل کی جزاء لازمی ہوگی (جس طرح قرض کی واپسی لازمی ہوتی ہے) قرض حسن سے مراد یہ ہے کہ وہ اخلاص نیت سے مال خرچ کرے، اچھا مال دے اور صحیح طریقے سے خرچ کرے، اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا اجر عطا فرمائے گا۔ عاصم نے اسے باب مفاعلہ سے منصوب پڑھا ہے کیونکہ معنی کے اعتبار کی وجہ سے یہ استفہام کا جواب ہے گویا یوں فرمایا کیا کوئی ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے تو اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا اجر عطا فرمائے۔ ابن عامر اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ نے باب تفعیل سے اسے منصوب پڑھا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے باب تفعیل سے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ اس کا عطف یقرض پر ہے، جبکہ باقی

1۔ مشکوٰۃ المصابیح: جلد 6007، جلد 3، صفحہ 333 (الفکر)

قراء نے باب مفاعلہ سے اسے مرفوع پڑھا ہے۔

2۔ یہ جملہ فَيُضٰعِفَهٗ میں ضمیر منصوب سے حال ہے، یعنی اس حال میں کہ وہ اجر جو کئی گنا اضافے کے ساتھ دیا جا رہا ہے وہ فی نفسہ کریم ہے اگر کئی گنا نہ بھی کیا جائے تب بھی اس کو طلب کیا جانا چاہئے جب اسے کئی گنا بڑھا کر دیا جائے تو پھر اس کی طلب کیوں نہ کی جائے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾

"جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ ضوفشانی کر رہا ہوگا ان کا نور 1 ان کے آگے بھی اور ان کے دائیں جانب بھی 2 (مومنو!) تمہیں مژدہ ہو 3 آج ان باغوں کا بہہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں تم ہمیشہ وہاں رہو گے 4 یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے 5"

1۔ يَوْمَ، يضاعفه کی ظرف ہے یا اذکر فعل محذوف کی ظرف ہے يَسْعَىٰ نُورُهُمْ یعنی توحید اور طاعات کا نور ان کے ساتھ ساتھ پل صراط پر دوڑ رہا ہوگا نیز جہاں بھی وہ ہوں گے یہ نور ان کے ساتھ ساتھ ہوگا یہ نور انہیں جنت کی طرف لے جائے گا۔ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ والا جملہ مومنین اور مومنات سے حال ہے۔

2۔ بعض مفسرین نے اس سے تمام جوانب مراد لی ہیں۔ کل کو بعض کے ذکر کرنے کے ساتھ تعبیر کر دیا۔ اس معنی کی تائید حضور ﷺ سے مروی دعائیں کرتی ہیں کیونکہ جب آپ نماز کے لئے نکلتے تو یہ دعا کرتے اے اللہ میرے دل میں، میری آنکھ میں، میرے کان میں، میرے دائیں، میرے بائیں، میرے آگے، میرے پیچھے نور بنا دے اور مجھے بھی نور بنا دے (1) اسے شیخین، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ امام مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں میری زبان میں، میرے پیچھے، میرے آگے، میرے اوپر اور میرے نیچے نور بنا دے اے اللہ مجھے نور عطا کر (2) یہ دعا تقاضا کرتی ہے کہ نور تمام اطراف سے اسے گھیرے ہوئے ہو۔ ان دو جہتوں کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ خوش بختوں کو صحائف انہیں دو جہتوں سے دیئے جاتے ہیں۔ ضحاک اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کی تعبیر کتب سے کی ہے (3) ایک قول یہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دو جہتوں میں نور رکھ دے گا۔ مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ وہ اپنی نیکیوں کی وجہ سے سعادت مند ہو گئے اور سفید صحیفوں کی وجہ سے کامیاب ہو گئے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ان کے اعمال کے مطابق انہیں نور عطا کیا جائے گا جب وہ پل صراط سے گزر رہے ہوں گے ان میں سے کچھ ایسے ہوں گے جن کا نور پہاڑ کی مانند ہوگا کچھ ایسے ہوں گے جن کا نور کھجور کے درخت کی مانند ہوگا سب سے کمزور نور اس کا ہوگا جس کے انگوٹھے میں کبھی چمکے گا اور کبھی بجھ جائے گا (4)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہمارے سامنے یہ بات ذکر کی گئی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومنین میں سے ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کا نور مدینہ سے عدن تک ہوگا، دوسرے کا صنعا تک ہوگا۔ ان میں سے سب سے کم نور والا وہ ہوگا جس کا نور صرف اس کے قدموں تک پہنچے گا (5)۔

1۔ صحیح بخاری: 2328، جلد 5، صفحہ 5957 (ابن کثیر) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 260 (الفکر) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 310 (الفکر)
4۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 250 (العلمیہ) 5۔ ایضاً

فصل

نور اور ظلمت کے اسباب کے بارے میں

ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے دونوں حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں فرمایا جو لوگ تاریکیوں میں مساجد کی طرف چل کر جاتے ہیں ان کے لئے قیامت کے روز مکمل نور کی بشارت ہے(1) اسی کی مثل حضرات سہل بن سعد، زید بن حارثہ، ابن عباس، ابن عمر، حارثہ بن وہب، ابی امامہ، ابودرداء، ابوسعید، ابوموسیٰ، ابوہریرہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے وارد ہوئی ہے۔ امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے، وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جس نے نماز پر مواظبت اختیار کی اس کے لئے قیامت کے روز نور برہان اور نجات ہوگی جس نے نماز پر مواظبت اختیار نہ کی اس کے لئے ان میں سے کوئی چیز بھی نہ ہوگی وہ قیامت کے روز قارون، فرعون اور ہامان کے ساتھ ہوگا(2)۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید سے مرفوع حدیث نقل کی ہے جس نے سورۂ کہف کی تلاوت کی تو قیامت کے روز اس کی جگہ سے مکہ تک نور ہوگا(3)۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا جس نے جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھی اس کے لئے اس کے قدموں سے لے کر آسمان تک نور ہوگا جو قیامت کے روز اس کے لئے روشنی پھیلائے گا(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے جس نے ایک آیت کی تلاوت کی قیامت کے روز اس کے لئے نور ہوگا(5)۔ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے مجھ پر پڑھا جانے والا درود پل صراط پر نور ہوگا(6)۔ طبرانی رحمت اللہ علیہ نے اوسط میں نقل کیا ہے دنیا میں جس کی نظر چلی گئی اگر وہ نیک ہوا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے لئے نور بنادے گا(7)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عبادہ بن صامت سے حج کے بارے میں ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے جہاں تک تیرے سر کے منڈوانے کا تعلق ہے اس کے سر کے بالوں میں سے کوئی بال زمین پر نہیں گرتا مگر قیامت کے روز وہ بال اس کے لئے نور ہوگا۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے جب تو رمی جمار کرے گا تو قیامت کے روز یہ تیرے لئے نور ہوگا(8)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ سند کے ساتھ ابوامامہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے جس کو اسلام کی حالت میں بڑھاپا آیا قیامت کے روز یہ اس کے لئے نور ہوگا(9)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک تیر بھی پھینکا قیامت کے روز اس کے لئے نور ہوگا(10)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں منقطع سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کی ہے بازار میں اللہ کے ذکر کرنے

1۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 2، صفحہ 13 (الفکر)
2۔ کنز العمال، جلد 7، حدیث: 18971 (التراث الاسلامی)
3۔ مجمع الزوائد، جلد 1، صفحہ 239 (الفکر)
4۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 586 (التراث الاسلامی)
5۔ ایضاً، صفحہ 534
6۔ ایضاً، صفحہ 490
7۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 278
8۔ الترغیب والترہیب، جلد 2، صفحہ 207 (الفکر)
9۔ کنز العمال، جلد 4، حدیث، 10749 (التراث الاسلامی)
10۔ مجمع الزوائد، جلد 5، صفحہ 270 (الفکر)

والے کے ہر ہر بال کے بدلے میں قیامت کے روز اللہ کا نور ہوگا۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے جس نے مسلمان سے کوئی تکلیف دور کی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ پل صراط پر اس کے لئے دو شاخوں والا نور بنا دے گا ان دونوں نور کی شاخوں سے ایک جہاں روشن ہوگا جس کا شمار اللہ رب العزت کے سوا کوئی نہ کر سکے گا (1)۔ شیخین نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے، حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے اور اسے طبرانی نے ابن زیاد رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے۔ ان سب نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے روز یہ تاریکیاں ہوگا (2)۔ واللہ اعلم۔

۳؎ فرشتوں میں سے جو بھی ان جنتیوں کو ملے گا وہ انہیں یہ خوشخبری دے گا۔ اصل میں یہ جملہ فعلیہ تھا، تقدیر کلام یہ تھی: یُبَشِّرُکُمُ الْیَوْمَ بِجَنّٰتٍ لیکن جملہ اسمیہ کی طرف پھیر دیا گیا تا کہ استمرار پر دلالت ہو۔ ترکیب کلام میں بشری مبتدا ہے اور جنات اس کی خبر ہے۔ الیوم، بشری کی ظرف ہے، یعنی اسے جنتوں کی بشارت دی جائے گی یا تمہیں جنتوں میں داخل ہونے کی بشارت ہو۔

۴؎ یہ جملہ جنات کی صفت ہے خٰلِدِیْنَ فِیْهَا یہ اس جملہ سے حال ہے جو سابقہ کلام سے سمجھا جاتا ہے جس کی تقدیر یہ ہے یَدْخُلُوْنَهَا خَالِدِیْنَ فِیْهَا جنات سے اسے حال بنانا جائز نہیں ورنہ یہ لازم آئے گا کہ آپ اسے اس کا حال بنا رہے ہیں جس کا یہ حال نہیں۔

۵؎ اسم اشارہ سے مراد نور اور دائمی جنتوں کی بشارت ہے۔

یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾

"اس روز کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے (اے نیک بختو!) ذرا ہمارا بھی انتظار کرو۱؎ ہم بھی روشنی حاصل کرلیں تمہارے نور سے۲؎ (انہیں) کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور وہاں نور تلاش کرو۳؎ پس کھڑی کردی جائے گی ان کے اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا۴؎"

۱؎ یَوْمَ یَقُوْلُ یہ یوم تری سے بدل ہے۔ حمزہ نے اس فعل کو باب افعال سے ہمزہ قطعی کے ساتھ امر کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ نظرة سے مشتق ہے جو مہلت کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے جو ابلیس کے قول کی حکایت ہے رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔ یعنی ہمیں مہلت دو پیچھے سے آکر ملنے والے کے لئے مہلت دینے کا استعمال بطور مجاز ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مجرد سے ہمزہ وصلی مضموم کی صورت میں پڑھا ہے جب وصل ہو تو ہمزہ کو حذف کرتے ہیں، یہاں سے ابتداء ہو تو اسے مضموم پڑھتے ہیں، یہ انتظار کے معنی میں ہے۔ قاموس میں ہے نظرہ، انتظرہ، تنظرہ اس پر دیر کروی نظرة جز فوجة کے وزن پر ہے اس کا معنی تاخیر کرنا مہلت دینا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ خوشحالی تک مہلت دو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲؎ فعل جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے، یعنی ہم تمہارے ذریعے روشنی حاصل کریں اور تمہارے نور کی روشنی میں آگے چلیں۔ قیامت

1۔ الترغیب والترہیب، جلد 2، صفحہ 145 (الفکر) 2۔ مسند حمیدی: 1159

کے روز منافقوں اور کافروں کے لئے کوئی نور نہیں ہوگا کیونکہ دنیا میں ان کے پاس نور ایمان نہیں تھا۔ قرآن سے یہی معنی سمجھ آتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے اس کے لئے نور کہاں سے آئے گا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے ابی امامہ باہلی سے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایک تاریکی پیدا کرے گا کوئی مومن اور کافر اپنی ہتھیلی تک نہیں دیکھ سکے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے لئے ان کے اعمال کے مطابق نور پیدا فرمائے گا منافق ان کے پیچھے چلیں گے اور کہیں گے ہمیں مہلت دو تا کہ ہم تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں (1)۔

انہیں سے ایک اور سند سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے کہ لوگوں پر سخت تاریکی چھا جائے گی پھر نور تقسیم کیا جائے گا مومن کو نور دیا جائے گا۔ کافر اور منافق کو چھوڑ دیا جائے گا انہیں کچھ بھی نور نہیں دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کی مثال بیان فرمائی ہے: اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَاؕ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۠ جس طرح نابینا آنکھ والے کی بصارت سے کوئی روشنی حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح منافق اور کافر مومن کے نور سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکے گا۔ منافق مومنوں سے کہیں گے ٹھہرو تا کہ ہم تمہارے نور سے فائدہ حاصل کریں تو انہیں کہا جائے گا پیچھے پلٹ جاؤ نور تلاش کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خفیہ تدبیر ہے جو وہ منافقین کے ساتھ اپنائے گا۔ فرمایا وہ اللہ سے دھوکہ کرتے تھے، جبکہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بدلہ عطا فرماتا ہے تو وہ اسی جگہ کی طرف پلٹ جائیں گے جہاں نور تقسیم ہو رہا تھا تو وہ کوئی چیز نہ پائیں گے پھر وہ مومنوں کی طرف پلٹیں گے، جبکہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان دیوار کھڑی کر دے گا جس کا دروازہ ہوگا۔ ابن جریر اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اسی اثناء میں لوگ تاریکی میں بھٹک رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نور بھیجے گا۔ جب مومن اس نور کو دیکھیں گے تو اس کی طرف متوجہ ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے راہنمائی ہوگی۔ جب منافق مومنوں کو دیکھیں گے کہ وہ نور کی طرف چلے گئے ہیں تو وہ بھی ان کے پیچھے جائیں گے تو منافقوں پر تاریکی چھا جائے گی۔ اس وقت وہ مومنوں سے کہیں گے ہمارا انتظار کیجئے تا کہ ہم تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں، ہم دنیا میں تمہارے ساتھ تھے تو مومن کہیں گے پیچھے مڑ جاؤ جہاں سے تم آئے ہو وہاں یہ نور تلاش کرو (2)۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے یزید بن شجرہ سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے نام، علامات، تمہاری سرگوشیاں اور مجالس لکھی جاتی ہیں جب قیامت کا دن ہوگا تو ندا دی جائے گی اے فلاں بن فلاں تیرے لئے کوئی نور نہیں (3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ مومنین کو ان کے اعمال کے مطابق نور عطا فرمائے گا جس کی روشنی میں وہ پل صراط پر چلیں گے منافقوں کو دھوکہ دینے کے لئے بھی نور دیا جائے گا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ هُوَ خَادِعُهُمْ اسی اثناء میں جب وہ اس نور میں چل رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ ایک ہوا اور تاریکی بھیجے گا جو منافقین کے نور کو بجھا دے گی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے: یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰى بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وہ یہ دعا اس لئے کریں گے تا کہ منافقوں کی طرح ان کا نور بھی سلب نہ ہو جائے (4) حاکم نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے قیامت کے روز ہر موحد کو نور دیا جائے گا۔ منافق کا نور بجھ جائے گا، مومن جب منافق کے نور کو بجھتا ہوا دیکھے گا تو اس پر یہ امر بڑا شاق گزرے گا تو وہ کہے گا اے

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 251 (العلمیہ) 2۔ ایضاً۔ 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 310 (الفکر)

ہمارے رب ہمارے نور کو مکمل کردے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام مسلم، دارقطنی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایک روایت میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی سند سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے جابر بن عبداللہ سے سنا پھر طویل حدیث ذکر کی اس میں ہے ہر انسان کو نور دیا جائے گا خواہ منافق ہو یا مومن پھر وہ اس کے پیچھے پیچھے چلیں گے۔ جہنم کی پل پر آنکڑے اور کانٹے ہوں گے اللہ تعالیٰ جن کے بارے میں ارادہ فرمائے گا یہ ان لوگوں کو پکڑ لیں گے پھر منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا (1)۔ میرے نزدیک پسندیدہ نقطہ نظر یہ ہے کہ منافقین کے لئے بالکل نور نہیں ہوگا جس پر قرآن حکیم اور سابقہ احادیث دلالت کرتی ہیں۔ آخری احادیث جن میں منافقین کو نور عطا کئے جاتے اور جنت میں پہنچنے سے پہلے ان کے نور کے بجھنے کا ذکر ہے شائد اس سے مراد رافضی اور خارجیوں جیسے مومن ہیں۔ اس معنی پر قرینہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر موحد کو نور دیا جائے گا، جبکہ موحد اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دے جس طرح عبدالقیس کے وفد والی حدیث میں گزر چکا ہے کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے، واللہ اعلم۔

؎ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مومن انہیں یہ کہیں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا فرشتے انہیں کہیں گے (2) کہ تم اسی جگہ کی طرف لوٹ جاؤ جہاں نور تقسیم ہو رہا تھا جس پر حضرت ابی امامہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ یہ اصل میں ان کفار و منافقین کے ساتھ دھوکہ ہے یا اس کا معنی یہ ہے دنیا کی طرف لوٹ جاؤ وہاں نور تلاش کرو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایمان، معرفت الہیہ، اچھے اخلاق اور احکام کی اطاعت کر کے ایمان حاصل کرو کیونکہ یہ نور تو ان چیزوں کا ہی ظہور ہے۔

؎ تو ان منافقین اور مومنین کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس میں سے مومن داخل ہوں گے۔ اس دیوار یا دروازے کے اندر اللہ کی رحمت ہوگی کیونکہ جنت اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور باہر کی جانب عذاب ہوگا کیونکہ وہ جہنم کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جس دیوار کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا کہ اس میں ایک دروازہ ہے وہ بیت المقدس کی مشرقی دیوار ہے جس کا اندر والا حصہ مسجد میں اور اس کے ظاہر والا حصہ میں جہنم کی وادی ہوگی۔ ابن شریح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کعب احبار بیت المقدس میں موجود باب رحمت کے بارے میں یہ کہتے تھے کہ یہ وہی باب ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ (3)۔

يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ⑭

"منافق پکاریں گے اہل ایمان کو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے کہیں گے بے شک! لیکن تم نے اپنے آپ کو خود فتنوں میں ڈال دیا ل اور ہماری تباہی کا انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور دھوکہ میں ڈال دیا تمہیں جھوٹی امیدوں نے یہاں تک کہ اللہ کا فرمان آپہنچا اور دھوکہ دیا تمہیں اللہ کے بارے میں شیطان (دغاباز) نے ؎"

ل جب منافقوں اور مومنوں کے درمیان دیوار قائم کر دی جائے گی اور وہ تاریکی میں رہیں گے تو منافق مومنوں کو دیوار کے پیچھے سے ندا

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 107 (قدیمی) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 311 (الفکر) 3۔ ایضاً۔

کریں گے کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے اور روزے نہیں رکھتے تھے تو مومن کہیں گے بات اسی طرح ہے لیکن تم نے نفاق اور کفر کے ذریعے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا اور اپنے آپ کو معاصی اور شہوات میں استعمال کرتے رہے یہ سب فتنہ ہیں۔
۲ اور حضور ﷺ کے وصال کے ساتھ مومنوں کے لئے مصائب کا انتظار کرتے رہے اور تم نے یہ کہا تو ممکن ہے وہ جلد ہی فوت ہو جائیں اور ہم ان سے راحت پائیں اور تم دین اور جو عیدیں تمہیں دی گئیں ان کے بارے میں شک میں مبتلا رہے اور جھوٹی آرزوں نے اور جو کچھ تم مومنوں کے بارے میں مصائب کے نازل ہونے کے بارے میں تمنی کرتے تھے اس نے تمہیں دھوکے میں ڈال دیا یہاں تک کہ تمہیں موت نے آلیا، شیطان یا دنیا نے تمہیں دھوکے میں مبتلا کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے تمہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا یا یہ کہا کہ دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا اور نہ ہی کوئی حساب ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ ہمیشہ شیطان سے دھوکہ کھاتے رہیں گے یہاں تک کہ شیطان انہیں جہنم میں ڈال دے گا(1)۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۵

"پس آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کفار سے ۱ تم (سب کا ٹھکانہ) آتش (جہنم) ہے وہ تمہاری رفیق ہے اور بہت بری جگہ ہے لوٹنے کی ۲۔"

۱ ابو جعفر، ابن عامر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے تو خذ پڑھا ہے کیونکہ مسند الیہ مؤنث ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ نائب فاعل مؤنث غیر حقیقی ہے ساتھ ہی ساتھ ان کے درمیان فاصلہ بھی آچکا ہے۔ فدیۃ کا معنی بدل اور عوض ہے۔
۲ جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے اور یہی تمہارے لئے مناسب ہے یا یہی تمہاری مددگار ہے، جس طرح یہ قول کہا جاتا ہے: تَحِيَّةُ بَيْنِهِمْ ضَرْبٌ وَجِيْعٌ یا یہ جہنم تمہارے معاملات کی ذمہ دار ہوگی جس طرح دنیا میں تم جہنم کے اسباب کے ذمہ دار بنے رہے یہ جہنم کتنا برا ٹھکانہ ہے۔
ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف میں عبد العزیز بن رواد سے، ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حیان رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ میں مزاح اور ہنسنا ہنسانا زیادہ ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۱۶

"کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا اہل ایمان کے لئے کہ جھک جائیں ان کے دل یاد الٰہی کے لئے ۱ اور اس سچے کلام کے لئے جو اترا ہے ۲ اور نہ بن جائیں ان لوگوں کی طرح جنہیں کتاب دی گئی اس سے پہلے ۳ پس لمبی مدت گزر گئی ان پر تو سخت ہو گئے ان کے دل اور ایک کثیر تعداد ان میں سے نافرمان بن گئی ۴۔"

۱ یہ اَنٰی یَاْنِی الْاَمْرُ سے مشتق ہے، یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب معاملہ کا وقت آجائے کہ اللہ کے ذکر کی وجہ سے ان کے دل

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 311 (الفکر)

نرم ہو جائیں اور خشوع وخضوع کا اظہار کریں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارے اسلام لانے اور اس آیت کے نزول کے درمیان چار سال کا عرصہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں میں کچھ سستی دیکھی تو نزول قرآن کے تیرہویں سال اس آیت میں مومنوں کو عتاب فرمایا(1) عبداللہ بن مبارک نے زہد میں سفیان سے، انہوں نے اعمش سے روایت کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ مدینہ طیبہ تشریف لائے پہلے وہ مشقت میں تھے اب انہیں کچھ راحت نصیب ہوئی تو انہوں نے بعض معاملات میں سستی کا مظاہرہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سدی سے، انہوں نے قاسم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں کچھ سستی آئی تو انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے احسن الحدیث والی آیت کو نازل فرمایا پھر ان میں کچھ اکتاہٹ اور سستی ظاہر ہوئی تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمیں کچھ بیان فرمایئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(3)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے یہ آیت ہجرت کے ایک سال بعد منافقین کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک روز سوال کیا ہمیں تورات میں سے کوئی چیز بتاؤ کیونکہ اس میں بڑے عجائبات ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ قرآن دوسری کتابوں سے بہترین ہے تو جتنی دیر اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے سے رکے رہے۔ انہوں نے پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے احسن الحدیث والی آیت نازل فرمائی وہ پھر اتنی دیر تک سوال کرنے سے رکے رہے جتنی دیر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ انہوں نے پھر سوال کیا اور کہا ہمیں تورات میں سے کوئی چیز بتاؤ کیونکہ اس میں بڑی عجیب چیزیں ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی اس صورت میں آیت کا یہ معنی ہوگا کہ کیا وہ لوگ جو علانیہ اور زبان سے ایمان لانے کے دعویدار ہیں ان کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ڈریں(4)۔

ع نافع، حفص اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے نزل کو زاء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے زاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ حق سے مراد قرآن ہے اور اسم موصول ذکر اللہ پر معطوف ہے۔ یہاں ایک وصف کا عطف دوسرے وصف پر ہے۔ ذکر سے مراد قرآن کے علاوہ اور ذکر مراد لینا بھی جائز ہے۔

ع لا یکونوا یہ محل نصب میں ہے کیونکہ اس کا عطف تخشع پر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مجزوم ہو کیونکہ یہ فعل نہی ہے اور اس کا عطف امر پر ہے اگرچہ امر کا صیغہ صراحۃً موجود نہیں تاہم سابقہ کلام سے وہ سمجھا جا رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ کا معنی یہی ہے مومنوں کے دلوں کو ڈرنا چاہئے۔

ع انہیں یہود ونصاریٰ کی طرح نہیں ہونا چاہئے اہل کتاب کے ساتھ مماثلت کے بارے میں نہی ان چیزوں کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے۔

طال فعل اوتوا پر معطوف ہے۔ الامد سے مراد وہ زمانہ ہے جو ان لوگوں اور انبیاء کے درمیان واقع ہوا یا کفر اور نافرمانی میں عرصہ لمبا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 313 (الفکر) 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 254 (العلمیہ)
3۔ ایضاً۔ 4۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 313

ہو گیا کیونکہ ان کی عمریں طویل ہیں۔ فقست کا عطف طال پر ہے۔ فاسقون کا معنی دین سے خارج ہیں، دل کی سختی کی وجہ سے کتابوں میں جو احکام اور ہدایات ہیں ان کو چھوڑنے والے ہیں۔ یہ جملہ اسمیہ ہے اور اس کا عطف جملہ فعلیہ پر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو اور الم یان والا جملہ جملہ مستانفہ ہو۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝

"جان لو! اللہ تعالیٰ زندہ کر دیتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں تمہارے لئے (اپنی نشانیاں) تا کہ تم سمجھو[1]۔ بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں[2] اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا[3] کئی گنا بڑھا دیا جائے گا ان کے لئے (ان کا مال)[4] اور انہیں فیاضانہ اجر ملے گا[5]"

[1] ذکر اور تلاوت کے ساتھ سخت دلوں کو زندہ کرنے کی مثال دی جا رہی ہے یا مردوں کو زندہ کرنے کی مثال بیان کی جا رہی ہے۔ مقصود خشوع وخضوع کی رغبت دلانا اور دل کی سختی سے جھڑکنا ہے۔ آیات واضح کرنے کا مقصد یہ ہے تا کہ تمہاری عقل مکمل ہو جائے۔

[2] ابن کثیر اور ابو بکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے عاصم سے دونوں کو صاد کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ باب تفعیل سے مشتق ہے۔ ان دونوں الفاظ سے مراد مومن مرد اور مومن عورتیں ہیں، جبکہ باقی قراء نے صاد کو مشدد پڑھا ہے یہ باب تفعل سے مشتق ہے یہاں تاء کو صاء میں مدغم کیا گیا ہے۔

[3] انہوں نے خوشی اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا، اس جملے کا عطف اِن کے معنی فعل پر ہے۔ اس کا معنی یہ ہے انہوں نے تصدیق کی یا صدقہ کیا یا قَرْضًا حَسَنًا کا عطف تصدق پر ہے مقصود یہ راہنمائی کرنا ہے کہ معتبر اخلاص کے ساتھ صدقہ کرنا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اقرضوا کا عطف مصدقین کے صلہ پر ہے اور مصدقات کا عطف اسم موصول (مصدقین پر جو الف لام ہے) پر ہے تو اس صورت میں ایسے اسم موصول پر عطف لازم آتا ہے جو صلہ کے ساتھ مکمل نہیں ہوا جو جائز نہیں۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مصدقین اور مصدقات معنی کے اعتبار سے ایک موصول ہیں اور اقرضوا کا عطف صلہ پر ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی اَلنَّاسُ تَصَدَّقُوْا وَاَقْرَضُوْا مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ۔ یہ بھی جائز ہے کہ مصدقین اور مصدقات کے لئے ایک خبر مقدر کی جائے پھر اس پر عطف کرنے کے لئے ایک اور اسم موصول مقدر مانا جائے اور یوں کہا جائے: اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَالَّذِيْنَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ۔ یہ بھی جائز ہے کہ اقرضوا کا عطف ایک مقدر خبر پر ہے، تقدیر کلام پھر یہ ہو اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ اَنْفَقُوْا اَمْوَالَهُمْ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اس تعبیر کی صورت میں یضاعف یا تو قرض کی صفت ہو یا جملہ مستانفہ ہو۔ یہ تقدیر کرنا بھی جائز ہے اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ فَازُوْا وَقَدْ اَقْرَضُوْا اس صورت میں واقرضوا حال ہوگا ان وجوہ پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

[4] ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے یضعف باب تفعیل سے پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے باب مفاعلہ سے پڑھا ہے اور یضاعف کو جزم نہیں دی کیونکہ یہ ان کی خبر ہے اس کا نائب فاعل لہم ہے یا اس کا نائب فاعل مصدر کی ضمیر ہے۔

[5] اس کا عطف یضاعف پر ہے یا لھم کی ضمیر سے حال ہے، سابقہ بحث میں اس کی مثل گزر چکا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿19﴾

"اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر وہی (خوش نصیب) اللہ کی جناب میں صدیق [1] اور شہید ہیں [2] ان کے لئے (خصوصی) اجر اور ان کا (مخصوص) نور ہے [3] اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ تو دوزخی ہیں [4]"

[1] جو تصدیق میں صدق میں مبالغہ کرتے تھے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام خبروں اور حضور ﷺ کی تصدیق کرتے تھے۔ یہ آیت اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ صدیق کا اطلاق ہر مومن پر کرنا جائز ہے۔ اسی وجہ سے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا وہ صدیق وشہید ہے۔ عمرو بن میمون نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ صدیق کا ایک اور مفہوم بھی ہے جو اس سے خاص ہے وہ وہ ہوتا ہے جو وراثۃً اور تبعاً نبوت کے کمالات کو حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ میں صدیقین کا دوسرا مفہوم مراد ہے۔ میں کہتا ہوں اس آیت میں بھی یہی دوسرا معنی مراد لینا صحیح ہے۔ اسم موصول میں سے معین افراد مراد ہیں جو صحابہ ہیں کیونکہ یہی لوگ حضور ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔ وہ حصر جو ضمیر فصل سے سمجھا جا رہا ہے وہ بھی اسی امر پر دلالت کرتا ہے کہ صدیقیت کا انحصار صحابہ میں کیا جائے اکثر لوگوں کی طرف نسبت کے اعتبار سے یہ حصر حصر اضافی ہوگا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تمام صحابہ کمالات نبوت سے فیض یافتہ تھے گویا جس نے بھی ایمان کے ساتھ ایک نظر سے حضور ﷺ کو دیکھا وہ کمالات نبوت میں مستغرق ہو جاتا۔ صدیق کا ایک اور معنی بھی ہے جو دوسرے معنی سے بھی خاص ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا یہ قول اسی معنی میں ہے: اَنَا الصِّدِّيْقُ الْاَكْبَرُ لَا يَقُوْلُهَا بَعْدِيْ اِلَّا كَاذِبٌ میں ہی صدیق اکبر ہوں میرے بعد جھوٹا ہی اس مقام کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اسی معنی میں حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس امت میں آٹھ افراد مقام صدیقیت پر فائز ہیں جو اپنے زمانہ میں اسلام کی طرف سبقت لے گئے وہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی شیر خدا، حضرت زید، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت حمزہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں ان میں سے نویں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی نیت کی صداقت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کو ان کے ساتھ کر دیا(1) الحق بھم کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کو چھ سال بعد صدیقیت میں ان کے ساتھ شامل کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ صدیقیت کے مقام میں وہ ان سے مرتبہ میں کم ہیں بلکہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب سے افضل ہیں۔

[2] وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے گواہی دینے والے ہیں یا قیامت کے روز وہ سابقہ امتوں کے خلاف گواہی دینے والے ہیں، اس کا عطف صدیقین پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ ترکیب کلام میں مبتدا ہے اور عِنْدَ رَبِّهِمْ اس کی خبر ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مسروق اور ایک جماعت کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا شہداء سے مراد انبیاء ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور مقاتل بن حبان کا بھی یہی قول

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 314 (الفکر)

ہے۔ مقاتل بن سلیمان نے کہا یہ وہ ہستیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کی گئیں (1)۔

۲؎ وہ اجراور نور جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

۳؎ یہی لوگ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے کوئی اور ان میں نہیں رہے گا کیونکہ صحبت ہمیشگی پر دلالت کرتی ہے اور ترکیب اختصاص کا شعور دلاتی ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ⑳

"خوب جان لو! کہ دنیوی زندگی محض کھیل، تماشا اور (سامان) آرائش ہے اور آپس میں (حسب ونسب پر) اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد حاصل کرنا ہے ۱؎ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے بادل برسے اور نہال کر دے کسانوں کو اس کی (شاداب وسرسبز) کھیتی ۲؎ پھر وہ (پکا یک) سوکھنے لگے تو تو اسے دیکھے کہ اس کا رنگ زرد پڑ گیا ہے پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور (دنیا پرستوں کے لئے) آخرت میں سخت عذاب ہوگا اور (خدا پرستوں کے لئے) اللہ کی بخشش اور (اس کی) خوشنودی ہوگی اور نہیں ہے دنیوی زندگی مگر فریب کا سامان ۳؎"

۱؎ اَلْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ترکیب کلام میں مبتدا ہے۔ یہاں اس سے مراد وہ اشیاء ہیں جن میں لوگ دنیاوی زندگی میں رغبت کرتے ہیں مگر جن کے ذریعے اخروی منافع تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ لعب اور جو اس کے معطوف ہیں وہ مبتدا کی خبر ہیں، یعنی ان میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ان کا نفع قلیل ہے خصوصاً جب ان چیزوں کو دیکھا جائے جو آخرت میں فائدہ دیتی ہیں جو چیز جلد زائل ہونے والی ہے اس کو کھیل شمار کیا گویا اس میں کوئی فائدہ نہیں یہ لہو اس اعتبار سے ہیں کیونکہ یہ انسان کو آخرت کے اہم امور سے غافل کر دیتے ہیں اور زینت ہے اس کے ذریعے وہ زینت حاصل کرتے ہیں جیسے اچھے لباس، خوبصورت سواریاں اور شاندار مکانات اور تمہارا باہم نسب اور اس جیسی چیزوں کے ساتھ فخر کرنا ہے جن کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی فضیلت نہیں اور یہ مال اور اولاد کی کثرت پر باہم فخر کرنا ہے اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا والا جملہ اعلموا کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔

۲؎ یہ مبتداء کی دوسری خبر ہے اور کاف محل رفع میں ہے اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ یہ غیث کی صفت ہے یہاں دنیا کے امور کی جلد زائل ہونے اور فائدہ کے کم ہونے میں بارش کے ساتھ تشبیہ دی جارہی ہے یہاں خوش ہونے کی نسبت کفار کے ساتھ خاص کی گئی ہے کیونکہ مومن جب کوئی اچھی چیز دیکھتا ہے تو اس کا فکر صانع کی قدرت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے وہ ان چیزوں سے خوش تو ہوتا ہے مگر اس کا مطمع نظر اخروی فوائد کی طرف ہوتا ہے اس کی آنکھ دنیاوی زندگی کے حسن وجمال کی طرف نہیں اٹھتی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ کفار سے مراد کاشتکار ہیں قاموس میں کافر کا معنی کاشتکار ذکر کیا گیا ہے کیونکہ کفر کا معنی ڈھانپنا ہے اور کاشتکار زمین میں بیج چھپاتا ہے۔

۳؎ ثُمَّ يَهِيْجُ کا عطف اعجب پر ہے، یعنی پھر وہ کسی آفت کی وجہ سے خشک ہو جاتی ہے۔ حطام سے مراد جو چیز خشک ہونے کی وجہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 314 (الفکر)

سے ٹوٹ جائے۔ قاموس میں اسی طرح ہے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لئے آخرت میں شدید عذاب ہے کیونکہ وہ دنیا میں لہو ولعب میں مشغول رہے اور آخرت میں فائدہ پہنچانے والی چیزوں سے غافل رہے اور اولیاء اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رضوان ہے کیونکہ انہوں نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کئے رکھی اور آخرت کے لئے تیاری کرتے رہے۔ جس نے دنیاوی زندگی کو آخرت کی طلب کے لئے استعمال نہ کیا اس کے لئے یہ دھوکے کا سامان ہے جس نے اسے آخرت کی طلب میں استعمال کیا اس کے لئے یہ ایسا سامان ہے جو اپنے سے بہتر تک پہنچانے والا ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

”تیزی سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے [1]۔ جو تیار کی گئی ہے ان کے لئے جو ایمان لے آئے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر [2] یہ اللہ کا فضل (وکرم) ہے عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے [3] اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے [4]“

[1] ایمان، خوف، امید اور اعمال صالحہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی طرف جلدی سے آگے بڑھو جس طرح دوڑ میں حصہ لینے والے مضمار (ا) میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جنت کی چوڑائی سات آسمانوں اور سات زمینوں کے برابر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر ان آسمانوں اور زمینوں کو ملایا جائے جب اس کی چوڑائی کا یہ عالم ہے تو اس کی لمبائی تو اس سے بھی بڑھ کر ہوگی۔

[2] اس میں یہ دلیل ہے کہ جنت مخلوق ہے اس کے مستحق ہونے کے لئے ایمان کافی ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان اس وقت تک معتبر نہیں ہوتا جب تک رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لایا جائے۔

[3] وہ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل فرماتا ہے اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ مومنوں کو جنت میں داخل کرنا یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اس کے وعدہ پر منحصر ہے اس پر واجب نہیں جس طرح معتزلہ (ب) نے کہا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کرے۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی کی طرف وحی کی کہ اپنی امت کے اطاعت گزاروں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کریں بے شک قیامت کے روز میں ایک بندے کو حساب کے لئے کھڑا کروں گا اگر میں اسے عذاب دینا چاہوں گا تو اسے عذاب دوں گا اور اپنی امت کے نافرمانوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں میں بڑے بڑے گناہ بخش دیتا ہوں اور مجھے کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کا عمل اسے نجات نہیں دے گا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کو بھی۔ فرمایا مجھے بھی نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمت اور فضل سے گھیر رکھا ہے (1) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

1۔ صحیح بخاری: 6098، جلد 5، صفحہ 2373 (ابن کثیر)

(ا) جہاں گھوڑوں کو ضامر بناتے اور جنگوں کے لئے تیار کرتے اور مقابلے کراتے، مترجم۔ (ب) معتزلہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، مترجم

نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں فرمایا سیدھے سیدھے چلو قریب قریب رہو، خوش رہو، کسی کو بھی اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ لوگوں نے عرض کی آپ کو بھی یارسول اللہ ﷺ فرمایا مجھے بھی نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمت اور فضل میں لپیٹ رکھا ہے(1)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت مروی ہے۔ ابو سعید خدری سے یہی حدیث وارد ہے جسے امام احمد، ابوموسیٰ، شریف بن طارق رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے نقل کیا ہے۔ ان دونوں احادیث کو بزار، شریک بن ظریف، اسامہ بن شریک اور اسد بن کدرر رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا۔ ان دونوں کو نقل کیا گیا تاہم اس کا اللہ تعالیٰ کے فرمان: اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کے ساتھ اشکال لازم آتا ہے کیونکہ یہ فرمایا جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال کے باعث۔

اس کا جواب دیا گیا کہ جنت کے درجات مختلف ہیں جو مختلف اعمال سے حاصل ہوتے ہیں۔ جنت میں دخول تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہوتا ہے۔ اس کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جسے ہناد نے زہد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے تم پل صراط سے اللہ تعالیٰ کے درگزر کرنے سے گزرو گے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ تم جنت میں داخل ہو گے اور اپنے اعمال کے حساب سے جنت کے مقامات میں قیام کرو گے۔ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے عون بن عبد اللہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

ے اس قسم کا فضل و احسان کرنا اس سے کوئی بعید نہیں اگر چہ وہ فضل کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۚ﴿۲۲﴾

"نہیں آئی کوئی مصیبت زمین پر اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے [1] کہ ہم ان کو پیدا کریں [2] بے شک یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے [3]"

[1] مصیبۃ سے مراد خشک سالی یا کوئی اور زمینی آفت ہے انسانوں میں جیسے مرض، وبا اور ساتھیوں کی موت ہے دونوں جار مجرور معطوف معطوف علیہ ہو کر مصیبۃ کی صفت ہیں۔ فِیْ كِتٰبٍ حال ہے، یعنی کسی حال میں بھی تمہیں مصیبت پہنچے وہ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت ہے۔

[2] نبراھا میں ھا ضمیر مصیبت کے لئے ہے یا زمین کے لئے یا انفس کے لئے ہے یعنی ان کی پیدائش سے بھی پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھی ہوئی ہے۔

[3] اشیاء کی کثرت کے باوجود ان کا ثبت کرنا اور لوح محفوظ میں لکھنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ﴿۲۳﴾

"(ہم نے تمہیں یہ اس لئے بتا دیا ہے) کہ تم غمزدہ نہ ہو اس چیز پر جو تمہیں نہ ملے اور نہ اترانے لگو اس چیز پر جو تمہیں مل جائے [1] اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی مغرور، شیخی باز کو [2]"

[1] اس نے اس لئے لکھا ہے تاکہ جو نعمتیں تم سے فوت ہوئیں ہیں ان پر تم غمگین نہ ہو اور ان نعمتوں میں سے جو تمہیں میسر ہوں ان پر خوشی کا اظہار نہ کرو کیونکہ جسے یہ معلوم ہو جائے کہ ہر ایک چیز پہلے سے مقدر ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی تو اس پر حقیقت حال واضح ہو

1۔ صحیح بخاری: 6108، جلد 5، صفحہ 2373 (ابن کثیر)　2۔ صحیح بخاری: 6102، صفحہ 286

جائے گی تو وہ کسی چیز کے فوت ہونے پر نہ غمگین ہوگا اور نہ کسی چیز کے حاصل ہونے پر خوش ہوگا۔

ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے اتیان مصدر سے الف کے قصر کے ساتھ اَتٰکُمْ پڑھا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ما فاتکم کے مقابل ہے، جبکہ باقی قراء نے ہمزہ پر کھڑی زبر پڑھی ہے، یعنی جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا۔ جمہور کی قرأت میں یہ شعور دلایا گیا ہے کہ کسی نعمت کا فوت ہونا کسی علت کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ فوت کا معنی معدوم ہونا ہے اور یہی اصل ہے۔ جہاں تک وجود اور بقاء کا تعلق ہے اس کا علت کے بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا یہاں اس سے مراد اس غم کی نفی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کرتے اور صبر کرنے سے روکے اور ایسی خوشی کی نفی ہے جو تکبر و غرور کا باعث ہے۔ اسی وجہ سے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فخر کرنے والوں اور تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ؔ یہ جملہ حال ہے۔ مختال کا معنی دنیاوی نعمتوں پر تکبر کرنے والا فخور جو لوگوں پر فخر کرتا ہو۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہر ایک آدمی خوش بھی ہوتا ہے اور غمگین بھی ہوتا ہے لیکن اپنی خوشی کو شکر بنا دو اور حزن پر صبر کرو۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن آدم تو کسی مفقود چیز پر کیوں غمگین ہوتا ہے کیونکہ تیرے ہاتھ سے لینے والا تجھے واپس نہیں کرے گا کسی موجود چیز پر کیوں فخر کرتا ہے کیونکہ موت اسے تیرے ہاتھ میں نہیں رہنے دے گی۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۴

"جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو (اللہ کے حکم سے) روگردانی کرے تو بے شک اللہ ہی بے نیاز، ہر تعریف کا مستحق ہے۔ ؎"

؎ الَّذِيْنَ محل نصب میں ہے کیونکہ یہ کل مختال سے بدل ہے یا یہ مرفوع ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے، اس کی خبر محذوف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان وَمَنْ يَّتَوَلَّ دلالت کرتا ہے۔ جس کا معنی یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے اعراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے خرچ کرنے سے بھی غنی ہے۔ انسان کا شکر سے اعراض کرنا اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا اور نعمت کا شکر بجا لانا جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث ہے وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نفع نہیں دیتا۔

نافع اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے الغنی سے پہلے ھو کا لفظ نہیں پڑھا، ان کے مصاحف میں کتابت بھی اسی طرح ہے، جبکہ باقی قراء نے ضمیر فصل کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۲۵

"یقیناً ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) ؎ تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں ؎ اور ہم نے پیدا کیا لوہے کو ؎ اس میں بڑی قوت ہے اور طرح طرح کے فائدے ہیں لوگوں کے لئے ؎ اور (یہ سب اس لئے) تاکہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے

رسولوں کی بن دیکھے یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زور آور، سب پر غالب ہے ۵ "

۱۔ رسل سے مراد فرشتے ہیں جنہیں انبیاء کی طرف بھیجا اور انبیاء میں سے کچھ کو رسول بنا کر امتوں کی طرح مبعوث کیا۔ بینات سے مراد دلائل اور معجزات ہیں ان کے ساتھ کتابیں نازل فرمائیں تاکہ حق کو باطل سے اور عمل صالح کو عمل فاسد سے اور حلال کو حرام سے الگ کر دیں نیز ان کے ساتھ میزان عدل نازل فرمایا۔ مقاتل بن سلیمان نے کہا میزان سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے (1) میزان کے نازل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میزان استعمال کرنے کا حکم نازل فرمایا تاکہ اس کے ساتھ حقوق کو مساوی کیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ترازو لائے اور حضرت نوح علیہ السلام کو دیا اور کہا اپنی قوم کو حکم دیں کہ اس کے ساتھ وزن کیا کریں۔

۲۔ تاکہ لوگ انصاف کریں اور کوئی بھی کسی دوسرے شخص پر ظلم نہ کرے، یہ کتاب اور میزان نازل کرنے کی علت ہے۔

۳۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو اس روایت کی مرفوع حدیث کے طور پر نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے چار برکات زمین پر نازل فرمائیں لوہا، آگ، پانی اور نمک۔ اہل معانی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا معنی یہ ہے کہ ہم نے لوہے کو پیدا کیا، یعنی ان کے لئے کانوں سے لوہے کو نکالا اور اس سے مختلف چیزیں بنانے کے فن کو وحی کے ذریعے تعلیم دی۔ قطرب نے کہا یہ نُزُل سے مشتق ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے اَنْزَلَ الْاَمِیْرُ عَلٰی فُلَانٍ نُزُلًا حَسَنًا کہ امیر نے فلاں پر بڑی نوازش کی اسی صورت میں آیت کا یہ معنی ہوگا اللہ تعالیٰ نے انہیں لوہا عطا کیا اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ (2)۔

۴۔ باس کا معنی حرب ہے کیونکہ جنگ کے آلات لوہے سے ہی بنائے جاتے ہیں، لوگوں کے اس میں منافع ہیں کیونکہ جو بھی صنعت ہو اس کے آلات لوہے کے ہوتے ہیں۔

۵۔ اس کا عطف کلام محذوف پر ہے جو لِیُقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَعْدَآئَهٗ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ، یہ بھی جائز ہے کہ لام فعل محذوف کا صلہ ہو، تقدیر کلام یہ ہوگی وَ اَنْزَلَهٗ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ کے مفہوم پر ہو، اس کی تقدیر کلام یہ ہوگی: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ لِاَنَّ فِیْهِ بَاْسًا شَدِیْدًا وَّلِیَعْلَمَ اللّٰهُ۔

بالغیب جار مجرور ینصرہ کی پوشیدہ ضمیر سے حال ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کے ہلاک کرنے کا ارادہ کرے اس کو ہلاک کرنے پر قوی ہے، وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں۔ اس نے لوگوں کو جو جہاد کا حکم دیا ہے وہ بھی ان لوگوں پر فضل و احسان ہے تاکہ اس کے ذریعے وہ اللہ کی رضا کو حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور دین کو غلبہ دینے کے ثواب کے مستحق بنیں یا شہادت کے مستحق ٹھہریں۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾

" اور ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا ۱ اور ہم نے رکھ دی ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب ۲ پس ان میں سے چند تو ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں ۳ "

۱۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا، رسلنا کی تفسیر ہے۔ ان دونوں ہستیوں کا ذکر ان کی فضیلت اور ان کی اولاد کے زیادہ ہونے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 316 (الفکر) 2۔ ایضاً

کی وجہ سے کیا۔

۲؎ ان دونوں کو اس بناء پر فضیلت دی کہ نبوت اور کتاب کو ان کی ذریت میں رکھا کیونکہ چاروں کتابیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں رکھیں، جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ مدارک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہاں کتاب سے مراد قلم کے ساتھ لکھنا ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے کتبت کتابا۔

۳؎ منھم کی ھم ضمیر سے مراد اولاد یا آپ کی قومیں ہیں جن کی طرف انہیں نبی بنا کر بھیجا گیا (اگرچہ ان قوموں کا پہلے صراحۃً ذکر نہیں) تاہم لفظ ارسال اس پر دلالت کرتا ہے، یہاں فاء سببیہ ہے۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ۬ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ رَهْبَانِيَّةَ ١ بْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

"پھر ہم نے ان کے پیچھے انہیں کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو اور انہیں انجیل عطا فرمائی ۱؎ اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت ۲؎ اور رہبانیت کو ۳؎ انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اسے اختیار کیا تھا ۴؎ پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا ۵؎ پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے (ان کے حسن عمل اور حسن نیت) کا اجر ۱؎ اور ان میں سے اکثر فاسق (وفاجر) تھے ۲؎"

۱؎ اثارھم میں ھم ضمیر سے مراد حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام ہیں، یعنی ان دونوں ہستیوں کے بعد اور رسول بھیجے۔ ھم کی ضمیر کو ذریت کی طرف لوٹانا جائز نہیں کیونکہ ان کے بعد جو رسول بھیجے گئے تھے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہی تھے اور تمام رسولوں کے بعد اور حضور ﷺ سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ آپ کے بعد انبیاء کی بعثت کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لئے منقطع ہو گیا۔ آخر میں حضور ﷺ کو خاتم النبیین کی حیثیت سے مبعوث کیا گیا۔

۲؎ رافۃ کا معنی محبت اور نرمی ہے اور رحمت کا معنی بھائیوں اور مومنین پر مہربانی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ اور جس طرح حضور ﷺ کے صحابہ کے بارے میں فرمایا رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔

۳؎ رھبانیۃ سے مراد عبادت اور ریاضت میں مبالغہ، لوگوں سے انقطاع اور شہوات کو ترک کرنا ہے یہاں تک کہ جو چیزیں مباح ہیں انہیں بھی چھوڑ دینا ہے جس طرح دن کے وقت کھانا، رات کو نیند اور حقوق زوجیت ادا کرنا۔ یہ راھبون کی طرف منسوب ہیں یہ رھب سے فعلان کے وزن پر ہے جس کا معنی خوف کھانا ہے جس طرح خشیان خشی سے مشتق ہے اس کا عطف رافۃ پر ہے، یعنی ہم نے ان کے دلوں میں رھبانیت کی طرف میلان پیدا کر دیا۔ اس رہبانیت کو انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا تھا، یہ جملہ رھبانیۃ کی صفت ہے۔ رھبانیت کو اپنی طرف سے ایجاد کرنے کا قول اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے منافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں

اس کا میلان پیدا کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ رھبانیۃ کا لفظ ایک مقدر فعل کی وجہ سے منصوب ہو جس کی تفسیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کرتا ہے ابْتَدَعُوْهَا اس جملہ کا عطف جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً وَّابْتَدَعُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْفُسِهِمْ رَهْبَانِيَّةً۔

ﮯ رھبانیت کے خصائل میں سے کوئی بھی چیز ہم نے ان پر لازم نہیں کی تھی مگر یہ کہ وہ اللہ کی رضا چاہیں، اس صورت میں یہ مستثنیٰ متصل ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنا یہ رہبانیت میں داخل نہیں۔ معنی یہ ہوگا ہم نے ان پر اللہ تعالیٰ کی رضا کی چاہت کو فرض کیا تھا۔

ﮥ یہاں سلب عموم کی نفی ہے نہ عموم سلب کی نفی ہے۔ معنی یہ ہوگا ان سب نے رعایت نہیں کی جیسے رعایت کرنے کا حق تھا بلکہ بعض نے تو اسے ضائع کر دیا کیونکہ انہوں نے اپنے اوپر جو ریاضت کی زیادتی کو لازم کیا تھا اس کو چھوڑ دیا یا انہوں نے ریاکاری، شہرت اور دنیا کی طرف میلان کا قصد کیا یا کفر کرنے کی وجہ سے اسے ضائع کر دیا۔ ان کا کفر یہ قول تھا ثالث ثلاثة یا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہونے کا جو اعتقاد اپنا لیا تھا یا وہ یہودی ہو گئے تھے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور ﷺ کا انکار کیا تھا یا حضور ﷺ کی بعثت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم تھے لیکن حضور ﷺ کا انکار کیا ان سب نے رعایت نہیں کی جس طرح رعایت کرنے کا حق تھا۔

ﮦ ان میں سے جو صحیح ایمان لائے اور رہبانیت کے حقوق ادا کئے یہاں تک کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نصاریٰ کو وصیت کی تھی اس کے مطابق حضور ﷺ پر ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ وعدہ کے مطابق ان کے اعمال کے حساب سے اجر عطا فرمائے گا۔ جس نے رہبانیت کا حق ادا کیا جس طرح اس نے اسے اپنے اوپر لازم کیا تھا اللہ تعالیٰ اسے اپنا اجر دے گا جس نے دین اور ایمان پر استقامت کی لیکن اس نے رہبانیت کے حقوق کی رعایت نہیں کی اللہ تعالیٰ اسے اس کے علم کا اجر عطا فرمائے گا۔

ﮧ ان کی اکثریت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے خارج ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے تثلیث اور اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹا ہونے کا عقیدہ رکھا یا یہودیت کو اختیار کیا یا بادشاہوں کے دین میں داخل ہو گئے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ثابت قدم رہے لیکن حضور ﷺ کا انکار کیا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا فرمایا اے ابن مسعود تم میں سے پہلی امت بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئی، ان میں سے تین نے نجات پائی، باقی سب فرقے ہلاک ہو گئے۔ نجات پانے والوں میں سے ایک جماعت وہ تھی جنہوں نے بادشاہوں کا سامنا کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر رہتے ہوئے بادشاہوں سے جنگ کی۔ بادشاہوں نے انہیں پکڑ لیا اور انہیں قتل کر دیا۔ دوسری جماعت وہ تھی جن میں یہ طاقت تو نہ تھی کہ بادشاہوں کا سامنا کریں اور نہ ہی ان کے اندر یہ طاقت تھی کہ وہ انہیں کے درمیان رہیں اللہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی انہیں دعوت دیں تو وہ ممالک کی سیاحت پر نکل گئے اور رہبانیت اختیار کر لی یہی وہ جماعت ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر ایمان لایا اس نے میری تصدیق کی اور میری اتباع کی اس نے رعایت کی جس طرح رعایت کرنے کا حق تھا اور جو مجھ پر ایمان نہ لایا پس وہی ہلاک ہونے والے ہیں(1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 318 (الفکر)

علیہ نے کہا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ میں دراز گوش پر حضور ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا فرمایا اے ام عبد کیا تم جانتے ہو بنو اسرائیل نے کیسے رہبانیت اختیار کی؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جابر حاکم ان پر غالب آ گئے وہ نافرمانیاں کرتے تھے اہل ایمان غضبناک ہو گئے اور بادشاہوں سے جنگ کی اہل ایمان کو تین دفعہ شکست ہوئی اب اہل ایمان میں سے تھوڑے افراد باقی رہ گئے اہل ایمان نے کہا اگر یہ ہم پر غالب آ گئے تو یہ ہمیں نیست ونابود کر دیں گے اور دین کی طرف دعوت دینے والا بھی کوئی نہیں بچے گا۔ انہوں نے کہا آ ؤ زمین میں بکھر جائیں یہاں تک کہ وہ نبی تشریف لے آئے جس کا وعدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہم سے کیا تھا۔ نبی سے ان کی مراد حضور ﷺ سے تھی تو وہ پہاڑوں کی غاروں میں بکھر گئے اور رہبانیت کو اپنا لیا۔ ان راہبوں میں سے کچھ تو وہ تھے جنہوں نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑے رکھا اور ان میں سے کچھ وہ بھی تھے جنہوں نے کفر کیا پھر حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا پھر حضور ﷺ نے فرمایا اے ام عبد کیا تم جانتے ہو میری امت کی رہبانیت کیا ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا ہجرت، جہاد، نماز، روزہ، حج، عمرہ اور ٹیلوں پر اللہ اکبر کہنا(1)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کی گئی ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ہر امت میں رہبانیت ہے، جبکہ اس امت میں رہبانیت اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا ہے(2) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں نے تورات اور انجیل میں تبدیلی کر دی۔ ان میں ایسے مومن بھی تھے جو تورات اور انجیل کی تلاوت کرتے تھے اور اللہ کے دین کی طرف بلاتے تھے۔ ان کے بادشاہوں کو کہا گیا کاش آپ ان لوگوں کو جمع کرتے جنہوں نے تمہاری مخالفت کی پھر تم ان کو قتل کر دیتے یا اسی دین میں یہ داخل ہو جاتے جس میں ہم ہیں۔ بادشاہ نے انہیں جمع کیا، ان پر یہ تجویز رکھی کہ وہ قتل کے لئے تیار ہو جائیں یا اصلی تورات اور انجیل کو چھوڑ دیں اور اس تورات وانجیل کی قرأت کریں جس میں تبدیلی کی جا چکی ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہم اپنے آپ کو تم سے دور رکھتے ہیں۔ ایک طائفہ نے کہا ہمارے لئے ایک مینار بنا دو پھر ہمیں اس پر چڑھا دو پھر ہمیں کوئی ایسی چیز دے دو جس کے ذریعے ہمارا کھانا پینا وہاں پہنچتا رہے ہم تمہارے پاس نہ آئیں گے۔ دوسری جماعت نے کہا ہمیں چھوڑ دو، ہم زمین میں سیاحت کریں گے، ہم سرگرداں رہیں گے، ہم اسی طرح پئیں گے جس طرح جنگلی جانور پانی پیتے ہیں اگر تم ہمیں بستیوں میں موجود پاؤ تو بے شک تم ہمیں قتل کر دینا۔ ایک جماعت نے کہا ہمارے لئے جنگلوں میں گھر بنا دو، ہم کنویں کھودیں گے، سبزیاں کاشت کریں گے، نہ ہم تمہارے پاس آئیں گے اور نہ ہی تمہارے پاس سے گزریں گے۔ انہوں نے اسی طرح کیا یہ سب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی راہ پر چلتے رہے۔ ان کے بعد ایسی قوم آئی جنہوں نے کتاب میں تبدیلی کر دی۔ ایک آدمی نے کہنا شروع کر دیا ہم فلاں جگہ ہوتے ہیں ہم اسی طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح فلاں عبادت کرتا تھا۔ ہم اسی طرح سیاحت کرتے ہیں جس طرح فلاں سیاحت کرتا تھا، ہم اسی طرح گھر بناتے ہیں جس طرح فلاں نے گھر بنایا، جبکہ وہ شرک کا ارتکاب کرتے انہیں ان لوگوں کے ایمان کا کوئی علم نہیں جن کی وہ اقتداء کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہی مراد ہے وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا، یعنی ان صالح لوگوں نے رہبانیت کی ابتداء کی مگر اس طرح رعایت نہ کی جس طرح رعایت کرنے کا حق تھا۔ اس سے مراد بعد والے لوگ ہیں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 318 (الفکر)　　2۔ ایضاً۔

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر رہبانیت کی ابتداء کی۔ ان کے لئے اجر ہے تاہم وہ لوگ جو بعد میں آئے ان کی اکثریت فاسق ہے کہا جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو ان میں سے بالکل تھوڑے افراد رہ گئے تھے۔ ایک آدمی مینار سے نیچے آیا، ایک سیاح سیاحت سے آیا اور ایک گرجا میں رہنے والا گرجا سے آیا اور حضور ﷺ پر ایمان لے آئے (1)۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں ایک ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں ایسا راوی ہے جو معروف نہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نجاشی کے چالیس ساتھی آئے اور انہوں غزوہ احد میں شرکت کی، انہیں زخم لگے تھے مگر کوئی بھی شہید نہیں ہوا تھا۔ جب انہوں نے مومنوں کی تنگدستی کو دیکھا عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم خوشحال لوگ ہیں ہمیں اجازت دیجئے ہم اپنے مال لے آئیں اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی مدد کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا: اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ (2) وَ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ۝ اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا جب یہ آیت نازل ہوئی تو ان لوگوں نے کہا اے مومنو ہم میں سے جو تمہاری کتاب پر ایمان لایا اس کے لئے دگنا اجر ہے اور جو تمہاری کتاب پر ایمان نہیں لایا تو اس کے لئے تمہارے جیسا اجر ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۲۸

"اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اور اس کے رسول (مقبول) پر اللہ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے [1] اور بنا دے گا تمہارے لئے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے [2] اور بخش دے گا تمہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے [3]"

[1] رسولہ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے۔ یوتکم اور اس کے جو معطوف ہیں یہ سب جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ کفلین دو حصے۔

ابن ابی داؤد اور حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے مقاتل سے نقل کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ تو اہل کتاب میں سے ایک مومن نے حضور ﷺ کے صحابہ پر فخر کیا کہا ہمارے لئے دو اجر ہیں، جبکہ تمہارے لئے ایک اجر ہے۔ یہ چیز صحابہ کرام پر بڑی شاق گزری تو اللہ تعالیٰ نے نے اس آیت کو نازل فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے مومنوں کے اجر کی طرح عام ایمان والوں کے لئے بھی دو اجر بنا دیئے۔ اس صورت میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں خطاب عام صحابہ کے لئے ہوگا اس صورت میں اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ کا قول سابقہ اٰمَنُوْا کی تاکید ہوگا، یعنی حضور ﷺ جو پیغام بھی لائے ہیں اس پر اس طرح ایمان لاؤ جس طرح ایمان لانے کا حق ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر مفسرین نے یہ کہا یہ خطاب یہود و نصاریٰ میں سے اہل کتاب کو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لانے والو حضور ﷺ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت میں سے دوگنا اجر عطا فرمائے گا کیونکہ تم حضرت عیسیٰ اور انجیل پر ایمان لائے اور پھر حضور ﷺ اور قرآن پر ایمان لائے۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ کوئی بعید نہیں کہ یہودیوں کو سابقہ دین پر ہونے کی وجہ سے ثواب دیا جائے اگرچہ وہ اسلام کی برکت سے منسوخ ہو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 319 (الفکر) 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 260 (العلمیہ)

گیا ہے۔ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ خطاب ان نصاری کو ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ میں تھے۔صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین قسم کے لوگوں کے لئے دو اجر ہیں ایک وہ جو اہل کتاب میں سے ہو جو اپنے نبی پر ایمان لائے اور حضور ﷺ پر بھی ایمان لائے، دوسرا وہ غلام ہے جو اللہ تعالیٰ اور اپنے مالک کے حقوق ادا کرے، تیسرا وہ جس کی لونڈی ہو وہ اس سے لطف اندوز ہوتا تھا اس نے لونڈی کو ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا، اسے علم دیا اور بہترین علم دیا پھر اسے آزاد کیا اور اس سے شادی کر لی تو اس کے لئے بھی دو اجر ہیں(1)۔

ؔ بہ میں ضمیر سے مراد پل صراط ہے۔حضرت ابن عباس اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی قول کیا ہے۔اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نور سے مراد قرآن ہے۔مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد ہدایت اور بیان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ دین میں تمہارے لئے واضح راستہ بنا دے گا جس کے ذریعے تم اللہ تعالیٰ اور جنت فردوس کی طرف ہدایت پا جاؤ گے۔

ؔ وہ تمہارے سابقہ گناہ بخش دے گا۔ابن جریر نے قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ تو اہل کتاب نے مسلمانوں سے حسد کیا(2)۔

لِّئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾

"(تم پر خصوصی کرم اس لئے کیا) تا کہ جان لیں اہل کتاب کہ ان کا کوئی قابو نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل (وکرم) پر اور یہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے نوازتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔"

لؔ لئلا یہ ان افعال کے متعلق ہے جو امر کے جواب میں واقع ہیں اور ان میں تنازع فعلین (ا) کا قاعدہ جاری ہوتا ہے۔ایک قول یہ کیا گیا یہ جار مجرور محذوف فعل کے ساتھ متعلق ہے، اس کی تقدیر یہ ہوگی اَعْلَمَكُمْ بِذٰلِكَ لِئَلَّا یَعْلَمَ اس میں لا زائدہ ہے۔ان مثقلہ سے مخففہ ہے۔معنی یہ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے کچھ بھی نہیں پائیں گے، وہ اپنے اختیار سے کسی چیز کو پانے پر قادر نہیں۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت اس روایت کے مناسب ہے جو طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن ابی حاتم نے مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ میں خطاب عام مومنوں کو ہو، اہل کتاب کو خطاب نہ ہو۔امام بغوی نے قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ذکر کیا ہے کہ اہل کتاب میں سے جو ایمان نہیں لائے تھے انہوں نے حسد کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا جو ان کے اس گمان کے بالکل برعکس تھا جو وہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے اس کے محبوب اور اس کی رضا کے مستحق ہیں نیز ان پر یہ بھی واضح کیا کہ وہ اجر وثواب میں سے کسی چیز کے مستحق نہیں کیونکہ وہ رسولوں پر ایمان نہیں لائے کیونکہ انبیاء ورسل پر ایمان حضور ﷺ پر ایمان لانے کے ساتھ مشروط ہے اس تعبیر کی بناء پر یہ اس قول کے مناسب ہے جو مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ آیت میں خطاب اہل کتاب کو ہے۔

1۔مشکوٰۃ المصابیح، جلد1، صفحہ 11، صفحہ 45 (الفکر)　2۔الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 216 (العلمیہ)

(ا) معمول (فاعل، مفعول وغیرہ) ایک ہو اور فعل متعدد ہوں اور ہر ایک فعل اس معمول میں عامل بن سکتا ہو۔(مترجم)۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ لا زائدہ نہیں پھر اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ اہل کتاب یہ اعتقاد نہ رکھیں کہ نبی کریم ﷺ اور مومن اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے کسی چیز پر قادر نہیں اور نہ ہی اس کو وہ پائیں گے۔ ابن منذر نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے، جبکہ ان کا گمان اس کے برعکس تھا وہ یہ خیال کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے، اس کے محبوب اور اس کی رضا کے مستحق ہیں، جبکہ وہ اجر و ثواب میں سے کوئی چیز بھی حاصل کرنے پر قادر نہیں کیونکہ وہ رسولوں پر ایمان نہیں لائے کیونکہ انبیاء و رسل پر ایمان حضور ﷺ پر ایمان لانے کے ساتھ مشروط ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ یہودیوں نے کہا قریب ہی زمانہ میں ہم سے ایک نبی ظاہر ہوگا جو ہاتھ پاؤں کاٹے گا جب اس نبی کا ظہور عرب سے ہوا تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا لِّئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ معنی یہ ہوگا تاکہ وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے وہ جان لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر قادر نہیں ہوں گے (1) چہ جائیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم نعمت یعنی نبوت میں تصرف کریں۔

یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ یہ ان کی دوسری خبر ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ سابقہ امتوں کے مقابلہ میں تمہاری موت اتنی ہے جتنی عصر کی نماز سے لے کر مغرب کی نماز کا وقت ہے۔ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایک ایسے آدمی جیسی ہے جس نے کوئی کام کرانا چاہا اس نے کہا کون ہے جو میرے لئے دوپہر تک ایک قیراط پر کام کرے یہودیوں نے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا پھر اس نے کہا کون ہے جو نصف نہار سے عصر تک ایک ایک قیراط پر کام کرے تو نصاریٰ نے نصف نہار سے عصر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا پھر اس نے کہا کون ہے جو عصر سے مغرب تک دو دو قیراط پر میرے لئے کام کرے خبردار تم ہی عصر کی نماز سے سورج کے غروب ہونے تک کام کرنے والے ہو خبردار تمہارے لئے دوگنا اجر ہے تو یہود و نصاریٰ ناراض ہو گئے، انہوں نے کہا کام ہم زیادہ کریں اور اجر کم ملے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تمہارے حق میں کوئی کمی کی ہے؟ انہوں نے عرض کی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہوں میں عطا کروں (2)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ مسلمانوں، یہودیوں اور نصرانیوں کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے ایک قوم کو مزدوری پر لگایا جو معین مزدوری پر رات تک کام کریں، انہوں نے دوپہر تک کام کیا پھر انہوں نے کہا ہمیں اس اجرت سے کوئی غرض نہیں جس کی تو نے ہمارے ساتھ شرط لگائی تھی وہ شرط سراسر باطل ہے مزدوری لینے والے نے کہا کیا تم باقی ماندہ کام نہیں کرو گے تاکہ تم اپنی پوری مزدوری لو تو انہوں نے کام کرنے سے انکار کر دیا اور اسے چھوڑ دیا اس نے ان کے بعد اور لوگوں کو مزدوری پر لگایا کہا باقی ماندہ دن میں کام کرو تو تمہارے لئے وہ اجر ہوگا جو میں نے ذکر کیا تھا۔ انہوں نے عصر کی نماز تک کام کیا پھر کہا ہمارا کام بے فائدہ اور جو تو نے اجرت طے کی تھی وہ تمہارے لئے ہے کام پر لگانے والے نے کہا باقی ماندہ کام پورا کرو کیونکہ دن میں سے تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے مگر انہوں نے کام سے انکار کر دیا۔ کام پر لگانے والے نے ایک اور قوم کو کام پر لگا لیا شرط یہ لگائی کہ باقی ماندہ دن کام کریں۔ انہوں نے باقی ماندہ دن کام کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو ان لوگوں نے دونوں جماعتوں کی پوری پوری مزدوری لے لی۔ یہ ان کی اور ان لوگوں کی مثال ہے جو اس قرآن کے نازل ہونے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 321 (الفکر)   2۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 9-10، حدیث: 2871 (العلمیہ)

سے پہلے ہوگزرے ہیں (1)، واللہ اعلم۔ میں کہتا ہوں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان یہود و نصاریٰ کا بیان ہے جنہوں نے دین کے منسوخ ہونے سے پہلے اپنے اپنے دینوں پر عمل کیا تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اجر ہے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان یہودیوں کا ذکر ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور ان نصاریٰ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے حضور ﷺ کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو حکم دیا تھا اسے انہوں نے چھوڑ دیا ان سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ لیا تھا کہ جب وہ رسول آجائے جو اس پیغام حق کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس موجود ہے تو ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ان لوگوں کے لئے کوئی اجر نہیں اور ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ صحیحین میں حضور ﷺ کی امت کے لئے شہادت ہے کہ انہیں سابقہ امتوں کے صالحین کے مقابلہ میں دگنا اجر دیا جائے گا اور یہ بھی شہادت ہے کہ وہ قیامت تک حق پر رہیں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا فرمایا میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہے گی انہیں چھوڑنے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے تب وہ اسی پر قائم ہوں گے، متفق علیہ (2)۔ اے اللہ مجھے اس جماعت سے بنا دے جو تیرے دین پر قائم ہو اور تیرے دین کی حمایتی ہو صلی اللہ علیک وسلم۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے عرباض بن ساریہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سونے سے پہلے مسبحات (ا) پڑھتے، فرماتے ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بڑھ کر ہے (3) میرا خیال یہ ہے کہ شاید وہ تسبیح والی آیت ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت نقل کی ہے کہ مسبحات سورۂ حدید، سورۂ حشر، سورۂ صف، سورۂ جمعہ، سورۂ تغابن اور سورۂ اعلیٰ ہیں۔ میں کہتا ہوں ان میں سورۂ بنی اسرائیل بھی ہے، جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر نہیں کیا، جبکہ امام ترمذی، نسائی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا یہاں تک کہ آپ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر پڑھتے۔ مجھے ڈر ہے کہ نبی کریم ﷺ سونے سے پہلے ساتوں مسبحات کی تلاوت کرتے ہوں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 321 (الفکر) 2۔ صحیح بخاری: 3442، جلد 3، صفحہ 1331 (ابن کثیر)

3۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 11، صفحہ 32 (العلمیہ)

(ا) جن سورتوں کے آغاز میں سبح، یسبح اور سبحان وغیرہ کے الفاظ ہیں۔ مترجم۔

سورۃ المجادلہ

آیاتھا ۲۲ — سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ ۵۸ — رکوعاتھا ۳

سورۃ المجادلہ مدنی ہے، اس میں بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جس کی سماعت ہر شے کو محیط ہے۔ میں حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کی بات سن رہی ہوں، جبکہ اس کی بعض گفتگو میں نہ سن سکی۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے اپنے خاوند کی شکایت کر رہی تھی، وہ عرض کر رہی تھی یا رسول اللہ ﷺ اس نے میرا مال کھا لیا میں نے اپنا بطن اس کے لئے بکھیر دیا (یعنی اس کے بچے جنے) یہاں تک کہ جب میں بوڑھی ہو گئی اور مجھ سے ولادت کا سلسلہ منقطع ہو گیا اس نے مجھ سے ظہار کر لیا اے اللہ میں تیری بارگاہ میں شکایت کرتی ہوں وہ اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں تھی کہ جبرئیل امین یہ آیات لے کر حاضر ہو گئے (1)۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

"بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور (ساتھ ہی) شکوہ کئے جاتی تھی اللہ سے (اپنے رنج و غم کا) [1] اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ بے شک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے [2]"

[1] حمزہ، کسائی، ابو عمرو اور ہشام رحمہم اللہ تعالیٰ نے دال کو سین میں ادغام کیا ہے۔ قد کا کلمہ ماضی کو زمانہ حال کے قریب کرنے کے لئے ہے اور اس بات کا شعور دلا رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور وہ عورت توقع رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس عورت کا جھگڑا اور شکوہ سن رہا ہے اور اس کی مصیبت دور فرمائے گا۔ اس عورت کا خاوند اوس بن صامت تھا۔ مجادلہ کا معنی سخت خصومت کرنا ہے یہاں اس سے مراد یہ ہے وہ گفتگو اور جواب میں سختی کر رہی تھی جس طرح دو مد مقابل گفتگو میں سختی کرتے ہیں۔

[2] اس کا عطف تجادلک پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری گفتگو کے دہرانے کو سن رہا ہے۔ یہاں کما ضمیر مخاطب کو غلبہ دینے کی بناء پر ذکر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقوال سننے والی اور احوال دیکھنے والی ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت خولہ بنت ثعلبہ کے حق میں نازل ہوئی جو اوس بن صامت کی بیوی تھی، یہ خوبصورت جسم کی مالک تھی، جبکہ حضرت اوس رضی اللہ عنہ بڑے غصیلے تھے۔ ایک دن حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے قربت چاہی تو خولہ نے اس سے انکار کر دیا تو

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 262 (العلمیہ)

حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے کہا تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے پھر حضرت اوس رضی اللہ عنہ اپنی بات پر شرمندہ ہوئے۔ ظہار اور ایلاء دونوں دور جاہلیت میں طلاق شمار ہوتی تھیں۔ حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے کہا میرا گمان ہے کہ تم مجھ پر حرام ہو چکی ہو تو حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا یہ طلاق نہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی، جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے سر کی ایک جانب دھو رہی تھیں۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے خاوند اوس بن صامت نے مجھ سے اس وقت شادی کی، جبکہ میں جوان اور غنی تھی، میرے پاس مال اور رشتہ دار تھے یہاں تک کہ اس نے میرا تمام مال کھا لیا اور میری جوانی تباہ کر دی۔ میں بوڑھی ہو گئی تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا، اب وہ شرمندہ ہے کیا کوئی ایسی صورت ہے جو مجھے اور اسے جمع کر دے اور مجھے اس کے ساتھ رہنے دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو اس پر حرام ہو چکی ہے۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں شکایت کرتی ہوں میں طویل عرصہ تک اس کے ساتھ رہی، میں نے اس کے لئے اپنا پیٹ جھاڑ دیا، یعنی میں نے اس کے بچے جنے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا یہی خیال ہے کہ تم اس پر حرام ہو چکی ہے مجھے تیرے بارے میں کوئی خاص حکم نہیں دیا گیا۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں بار بار عرض کرتی جب حضور ﷺ نے اسے یہ فرمایا تو اس پر حرام ہو چکی ہے تو وہ رک گئی اور عرض کی میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرتی ہوں میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر میں ان بچوں کو اس کے حوالے کر دوں تو یہ ضائع ہو جائیں گے اگر میں انہیں اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مر جائیں گے۔ وہ بار بار اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتی اور کہتی اے اللہ میں تیری بارگاہ میں شکایت کرتی ہوں اپنے نبی کی زبان پر کوئی حکم نازل فرما اسلام میں یہ پہلا ظہار تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے سر کی دوسری جانب دھونے لگی۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی میرے معاملہ میں غور کیجئے اے اللہ کے نبی اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کر دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اپنی بات اور جھگڑے کو روک دے کیا تو رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور کو نہیں دیکھتی۔ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ کو اونگھ آتی۔ جب وحی ختم ہوئی فرمایا اپنے خاوند کو بلاؤ۔ حضرت اوس رضی اللہ عنہ آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات اس پر تلاوت کیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا برکت والی ہے وہ ذات جس کی قوت سماعت تمام آوازوں کو محیط ہے۔ وہ عورت حضور ﷺ سے باتیں کر رہی تھی، جبکہ میں حجرہ کی ایک جانب میں موجود تھی میں نے اس کی بعض باتوں کو سنا اور بعض مجھ پر مخفی رہیں(1)۔

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۲

"جو لوگ تم میں سے ظہار کرتے ہیں ۱؎ اپنی بیویوں سے ۲؎ وہ ان کی مائیں نہیں ہیں ۳؎ نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جنا ہے بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بری بات اور جھوٹ ۴؎ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا، بہت بخشنے والا ہے ۵؎"

۱؎ عاصم نے يُظٰهِرُوْنَ کو دونوں جگہ باب مفاعلہ سے جمع مذکر غائب کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ ابن عامر، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے باب تفاعل سے یاء کے فتحہ اور ظاء کو مشدد پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے باب تفعل سے پڑھا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 323 (الفکر)

ظہار کا معنی یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے بیوی کو کہے تو میرے لئے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے، دور جاہلیت میں یہ طلاق سمجھی جاتی تھی اور عورت خاوند پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی تھی تاہم شرع شریف نے کفارہ کی ادائیگی کے ساتھ اس کی حرمت کو ختم کر دیا۔ یہ لفظ ظہر سے مشتق ہے۔ فقہاء نے ان اعضاء کو حکم میں اس کے ساتھ شامل کر دیا ہے جن کی طرف دیکھنا مرد کے لئے جائز نہیں ہوتا مثلاً مرد یہ کہے اَنْتِ عَلَیَّ کَفَخِذِ اُمِّیْ وغیرہ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے اگر اس نے بیوی کو ایسے اعضاء کے ساتھ تشبیہ دی جن کی طرف دیکھنا اس کے لئے جائز تھا تب بھی ظہار ثابت ہو جائے گا جس طرح وہ کہے اَنْتِ عَلَیَّ کَیَدِ اُمِّیْ یا اَنْتِ عَلَیَّ کَعَیْنِ اُمِّیْ۔ اسی طرح اگر مرد نے بیوی کو دادی، پھوپھی، خالہ، بیٹی یا کسی ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دی جو ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہوتی ہے تب بھی ظہار ثابت ہو جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں یہ شرط ذکر کی ہے کہ اس کی حرمت بعد میں طاری نہ ہوئی ہو اگر ایسا ہوا تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی ظہار نہیں ہوگا مثلاً اگر وہ یہ کہے تو مجھ پر مجھے دودھ پلانے والی یا میرے باپ کی بیوی کی پشت کی طرح ہے تو ظہار نہ ہوگا، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس صورت میں بھی ظہار ہوگا کہ اب یہ دائمی حرمت میں ماں کی طرح ہیں۔ اسی طرح اگر اس نے بیوی کا مشترک جزء ذکر کیا یا ایسا جزء ذکر کیا جس کے ساتھ پوری ذات تعبیر کی جا سکتی ہے تب بھی ظہار ہو جائے گا جس طرح وہ یہ کہتا ہے رَاْسُکِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ تیرا سر میری ماں کی پشت کی طرح ہے یا تیری شرمگاہ، تیرا چہرہ، تیری گردن، تیرا بدن، تیرا جسم، تیری روح، تیرا نفس یا تیرا نصف میری ماں کی پشت کی طرح ہے یا تو اس لئے ظہار ہوگا کیونکہ ان الفاظ سے پورا بدن مراد لیا جاتا ہے یا مشترک جزء میں حکم ثابت ہوتا ہے اور پھر تمام جسم کی طرف متعدی ہو جاتا ہے۔ اگر وہ یہ کہے تیرا ہاتھ اور تیرا پاؤں مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے تو اس میں ظہار نہیں ہوگا، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی جو غالب رائے ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ اگر کوئی آدمی یہ کہے اَنْتِ عَلَیَّ کَاُمِّیْ یا کہے مِثْلُ اُمِّیْ تو اس کی نیت دیکھی جائے گی تاکہ حکم واضح ہو جائے۔ اگر وہ کہے میں نے تعظیم کا قصد کیا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ تشبیہ کے ذریعے تعظیم کلام عرب میں مروج ہے۔ اگر وہ یہ کہے میں نے اس سے ظہار کا ارادہ کیا تھا تو وہ ظہار ہوگا کیونکہ اس کلام میں بیوی کو ماں کے ساتھ تشبیہ دے رہا ہے، جبکہ ظہار کے اوپر والے الفاظ میں ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دیتا تھا لیکن یہ لفظ صریح نہیں اس لئے نیت کی ضرورت ہوگی۔ اگر وہ یہ کہے میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو وہ طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ وہ حرمت میں بیوی کو ماں کے ساتھ تشبیہ دے رہا ہے گویا اس نے کلام اس طرح کی ہے اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ اور ان الفاظ سے اس نے طلاق کی نیت کی۔ اگر اس نے کوئی نیت بھی نہ کی تو کرامت کے احتمال کی وجہ سے کوئی حکم بھی ثابت نہ ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ ظہار ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو یہ کہے تو مجھ پر ایک ماہ کے لئے ماں کی پشت کی طرح ہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق ظہار نہیں ہوگا، اس کا کلام لغو چلا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ ظہار ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ اگر مدت میں اس نے وطی کا ارادہ کیا تو اس قول کی وجہ سے اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ اگر اس نے وطی کا ارادہ نہ کیا یہاں تک کہ مدت ختم ہوگئی تو اس پر کوئی کفارہ نہ ہوگا مگر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر مظاہر نے اس عورت سے کفارہ سے پہلے مدت میں وطی کی تو وہ گناہگار ہوگا اور کفارہ اس پر قائم رہے گا، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گناہگار ہوگا اور اس پر کفارہ لازم نہیں آئے گا بلکہ مدت کے اندر دوبارہ وطی کا ارادہ کیا تو کفارہ ادا کرے۔ اگر مدت گزر گئی تو وہ عورت کفارہ کے بغیر

حلال ہو جائے گی۔ اگر مدت کے اندر اس نے عورت کو طلاق بائنہ دے دی تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔ یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے کہ یہ دائمی ظہار ہے۔ اس باب میں سلیمان بن یسار کی حدیث ہے جو سلمہ بن صخر سے مروی ہے مجھے عورت کی جتنی خواہش ہوتی اتنی کسی اور کو خواہش نہیں ہوتی تھی۔ جب رمضان شریف کا مہینہ داخل ہوا تو میں نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا تا کہ رمضان گزر جائے۔ میں نے ظہار اس لئے کیا تھا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ میں رات کے وقت بیوی سے حقوق زوجیت ادا کروں گا یہ سلسلہ لگاتار جاری رکھوں گا یہاں تک کہ صبح ہو جائے گی، جبکہ میں بیوی سے الگ ہونے پر قادر نہ ہوں گا۔ ایک رات وہ میری خدمت کر رہی تھی کہ اس کے جسم کا کچھ حصہ ننگا ہو گیا۔ میں اس پر جھپٹ پڑا۔ جب صبح ہوئی میں اپنی قوم کے لوگوں کے پاس گیا انہیں اپنی بات بتائی انہیں کہا میرے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں چلو اور آپ کی خدمت میں میرے بارے میں گزارش کرو۔ قوم کے افراد نے کہا اللہ کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے، ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہمارے بارے میں قرآن نازل نہ ہو جائے یا رسول اللہ ﷺ ہمارے بارے میں ایسی بات کہیں جس کی شرمندگی ہمیشہ ہم پر قائم رہے۔ تم خود جاؤ جو مناسب سمجھو کرو۔ میں نکلا اور حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا، میں نے اپنی بات بتائی۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو نے ایسا کیا ہے؟ میں نے عرض کی میں نے ایسا کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو نے ایسا کیا ہے؟ میں نے عرض کی میں نے ایسا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا تو نے ایسا کیا ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو نے ایسا کیا ہے؟ میں نے کہا میں نے ایسا کیا ہے۔ آپ مجھ میں اللہ کا حکم جاری کریں، میں اس پر صابر رہوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایک غلام آزاد کرو میں نے اپنا ہاتھ گردن کی ایک طرف مارا میں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں اس گردن کے علاوہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا دو ماہ کے روزے رکھو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جو کچھ مجھے مصیبت پہنچی ہے وہ روزوں کی وجہ سے پہنچی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر صدقہ کرو۔ میں نے عرض کی وہ ذات پاک جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے ہم نے یہ رات بھی بھوکے گزاری ہے، ہمارے پاس رات کا کھانا نہیں تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا بنی زریق کا صدقہ وصول کرنے والے کے پاس جاؤ، اس سے کہو وہ تجھے مال دے۔ اس میں ایک وسق (ا) کھجوروں کا ساٹھ مسکینوں کو دو۔ باقی اپنے اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرو تو سلمہ بن صخر نے کہا میں اپنی قوم کے پاس واپس آیا اور ان سے کہا میں نے تمہارے پاس تنگی اور بری رائے دیکھی تھی، جبکہ رسول اللہ ﷺ کے پاس میں نے کشادگی اور برکت پائی ہے۔ مجھے آپ نے تمہاری زکوٰۃ لینے کے بارے میں حکم دیا ہے مجھے اپنی زکوٰۃ ادا کرو(1) اسے امام احمد، امام حاکم، امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اصحاب سنن نے روایت کیا ہے عبدالحق نے اس پر انقطاع کا اعتراض کیا جبکہ ابن سلیمان نے سلمہ سے ملاقات نہیں کی یہ امام ترمذی نے امام بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا۔ اسے امام بیہقی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے محمد بن عبدالرحمٰن اور سلمہ بن عبدالرحمٰن کے واسطہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت سلمہ بن صخر نے پورے رمضان شریف کے لئے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا پھر اس نے حضور ﷺ سے اس بارے میں ذکر کیا تو حضور ﷺ نے ایک غلام آزاد کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ظہار موقت (ب) بھی ہوتا ہے اور یہ بھی استدلال کیا کہ اگر مظاہر کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی کرے تو وہ گنا ہگار ہوتا ہے اور کفارہ اس کے ذمہ رہتا ہے۔ لیکن اس حدیث میں ظہار کے موقت

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 268 (العلمیہ)

(ا) ساٹھ صاع کے برابر ایک پیمانہ جو تقریباً چھ من کے برابر ہوتا ہے، مترجم

(ب) جس کے لئے مدت معین ہو، مترجم

ہونے کی کوئی دلیل نہیں لیکن یہ دلیل موجود ہے کہ ظہار لغو نہیں ہوتا خواہ وہ شرع میں موقت ہو یا دائمی ہو۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال جلد بازی سے خالی نہیں کیونکہ اگر ہم یہ کہیں کہ موقت ظہار موقت نہیں ہوتا بلکہ دائمی ہوتا ہے تو یہ حدیث اس بات پر دلیل نہیں بن سکتی کہ کفارہ کی ادائیگی سے قبل وطی کفارہ کے باقی رہنے پر دلیل ہوگی کیونکہ یہ تاویل کرنا جائز ہے کہ حضور ﷺ نے کفارہ کا حکم اس لئے دیا تاکہ رمضان کے بعد حلت ثابت ہو جائے۔ ہمارے یہ الفاظ: اِنَّ الْكَفَّارَةَ لَاتَسْتَقِرُّ فِي الذِّمَّةِ بِالْوَطْيِ قَبْلَ التَّكْفِيْرِ۔ یہ تو اس حرمت کو دور کرنے کے لئے ہے جو ظہار سے ثابت ہے اور کفارہ کی ادائیگی سے قبل وطی صرف گناہ کا باعث ہے، جبکہ حرمت تو بعد میں بھی باقی ہے۔ کفارہ کی ادائیگی کی ضرورت اسی وقت ہوگی جب وہ وطی کا ارادہ کرے گا اور اس کے بعد مباح ہونے کا ارادہ کرے گا۔ جس نے وطی کے بعد طلاق دے دی اسے کفارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں جس طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ موقت ظہار بھی دائمی ہوتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اسے دو ماہ کے روزے رکھنے کا حکم دیا تھا۔ دو ماہ کے روزے اس رمضان کے ختم ہونے کے بعد ہی متصور ہو سکتے ہیں جس رمضان کے ختم ہونے تک ظہار کیا تھا۔ اگر ظہار کی حرمت رمضان کے ختم ہونے کے ساتھ ختم ہونے والی تھی تو اس کے بعد کفارہ کی کوئی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ اس وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ ظہار موقت موقت ہوتا ہے درست نہیں۔

مسئلہ:۔ ایسا ظہار جسے کسی شرط کے ساتھ معلق کیا جائے وہ صحیح ہوتا ہے۔ امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمہ بن صخر کی مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے، جبکہ ابن رافعہ نے اس پر اعتراض کیا کہ سنن میں جو روایت ہے اس میں تعلیق کے جواز پر کوئی دلیل نہیں یہ ظہار موقت ہے، اس میں تعلیق والی کوئی بات نہیں لیکن بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایسے الفاظ ہیں جو رافعی کے قول کی تائید کرتے ہیں۔

مسئلہ:۔ اگر خاوند نے ظہار کو شرط کے ساتھ معلق کیا پھر خاوند نے بیوی کو طلاق بائنہ دے دی پھر شرط عدت میں پائی گئی تو وہ مظاہر نہیں ہوگا۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔

مسئلہ:۔ نکاح کی شرط کے ساتھ ظہار صحیح ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ جب ایک آدمی نے اجنبی عورت سے کہا اگر میں نے تجھ سے شادی کی تو تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ بعد میں اسی عورت سے شادی کر لی تو اس پر کفارہ ظہار لازم ہوگا۔ اگر اس نے یہ کہا تو مجھ پر رجب اور رمضان میں میری ماں کی پشت کی طرح ہے اور رجب میں کفارہ ادا کر دیا تو یہ اس کی طرف سے جائز ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے ظہار کیا، بعد میں اس پر جنون طاری ہو گیا پھر اسے افاقہ ہو گیا تو وہ ظہار کے حکم میں ہوگا۔ افاقہ کی صورت میں وہ لوٹنے والا نہ ہوگا جب تک وہ وطی کا ارادہ نہ کرے، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول میں اس سے اختلاف کیا ہے۔

مسئلہ:۔ جس آدمی نے اپنی عورتوں سے کہا تم سب مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو، وہ بالاتفاق سب سے ظہار کرنے والا ہوگا پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس پر کفارے متعدد ہوں گے یا ایک کفارہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورتوں کے متعدد ہونے کی صورت میں کفارے متعدد ہوں گے۔ حضرت حسن بصری، طبرانی، ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے علماء کا یہی قول ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ایک کفارہ ہوگا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن مسیب کی روایت سے ان سے یہی نقل کیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، وہ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت علی، حضرت عروہ اور طاؤس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، انہوں نے اسے ایلاء میں قسم پر قیاس کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کفارہ اس حرمت کو ختم کرنے کے لئے ہے جو ظہار سے ثابت ہے۔ جب عورتیں متعدد ہیں تو کفارے بھی متعدد ہوں گے اور قسم کا کفارہ اللہ تعالیٰ کے نام کی حرمت کی پامالی کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے وہ کفارہ ایک ہی ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر ایک آدمی ایک عورت کے ساتھ ایک مجلس میں یا متعدد مجالس میں متعدد ظہار کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے کفارے بھی متعدد ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظہار حرمت کو ثابت کرتا ہے، جبکہ نکاح باقی ہے اس لئے دوسرا ظہار اور تیسرا ظہار صحیح ہوگا۔ حرمت کے اسباب کے جمع ہونے میں کوئی منافات نہیں جس طرح شراب روزے دار پر اپنی ذات کی وجہ سے حرام ہے، روزے کی وجہ سے بھی حرام ہے اسی طرح اگر کسی نے شراب نہ پینے کی قسم کھائی تو اس قسم کی وجہ سے بھی حرمت ہوگی مگر جب وہ دوسرے اور تیسرے ظہار سے پہلے ظہار کی تاکید مراد لے تو قضاء (1) اور دیانت دونوں اعتبار سے اس کی تصدیق کی جائے گی لیکن طلاق کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اگر وہ دوسری اور تیسری طلاق سے پہلی طلاق کی تاکید کا ارادہ کرے تو قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کیونکہ ظہار کا معاملہ بندے اور اللہ کے درمیان ہے۔

اس پر ایک اعتراض وارد کیا گیا جب پہلے ظہار سے حرمت ثابت ہو گئی تو دوسرے ظہار سے حرمت ثابت نہیں ہوگی ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گا۔ اسباب جب ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہوں تو وہ متعدد حرمتوں کا تقاضا نہیں کرتے اس لئے یہ ضروری ہے کہ ایک ہی کفارہ سے متعدد ظہاروں کی حرمت ختم ہو جائے جس طرح وہ حدث جو متعدد اسباب سے ثابت ہو وہ ایک ہی وضو سے اٹھ جاتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ترکیب میں منکم، تظاھرون کے فاعل سے حال بن رہا ہے اس میں عربوں کی عادت پر طنز کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ دور جاہلیت کے رسم و رواج سے چیز تعلق رکھتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ منکم کی قید اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ ذمی کی طرف سے ظہار صحیح نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے، جبکہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ برائمکہ کی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ کافر ہم میں سے نہیں ہے۔ قیاس کے ذریعے اسے ساتھ ملانا بھی ممکن نہیں کیونکہ ظہار ایک جنایت ہے اس کا حکم حرمت ثابت کرتا ہے جو حرمت کفارہ کی ادائیگی سے اٹھ جاتی ہے۔ کافر کا شرک اس چیز سے مانع ہے کہ کفارہ کی ادائیگی کے ساتھ جنایت کا اثر ختم ہو جائے نیز وہ کفارہ کی ادائیگی کا اہل بھی نہیں کیونکہ کفارہ کی ادائیگی ایک عبادت ہے، اس میں نیت شرط ہے جو کافر سے ثابت نہیں ہوتی اس لئے اس میں دائمی حرمت باقی رہے گی یا نص میں کافر کے لئے یہ حکم نہیں۔

ایک سائل یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ آیت نہ حرمت کو ثابت کرتی ہے اور نہ ہی کفارہ کو ثابت کرتی ہے بلکہ یہ ظہار کرنے والے کے گناہ کو ثابت کرتی ہے اس کا ارتکاب امر قبیح کا ارتکاب اور اسے جھوٹ قرار دیا گیا ہے۔ حرمت کا ثبوت اور کفارہ یہ بعد والی آیت سے ثابت ہوتا ہے آیت سے میری مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا اس میں منکم کی قید نہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذمی کی طرف سے ظہار کرنا صحیح ہے۔ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ ظہار کے ذریعے سے حرمت شرع کے حق کے طور پر ثابت ہوتی ہے، جبکہ کفار حقوق شرع کے مخاطب نہیں جس طرح ان کا نکاح گواہوں کے بغیر اور کافر کی

(1) قاضی کے ہاں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا اور دیانت میں بھی اعتبار ہوگا، یعنی اسے جھوٹا نہیں سمجھا جائے گا۔ مترجم

عدت میں جائز ہے اسی طرح ان سے ظہار بھی ثابت نہیں ہوگا۔ جب اس کے کفر کی وجہ سے ظہار کرتے وقت حرمت ثابت نہ ہوئی تو بعد میں اسلام لانے کی وجہ سے بھی حرمت ثابت نہ ہوگی کیونکہ سبب موجود نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

؂ یہاں نساء کے لفظ کو ظہار کرنے والوں کی ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یہ قید اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ ظہار منکوحہ بیوی سے تو ہوسکتا ہے اپنی لونڈی سے نہیں ہوسکتا خواہ اس کے ساتھ وطی کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو۔ یہ ہمارا مذہب ہے نیز امام شافعی، امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ اور کثیر صحابہ اور تابعین کا مذہب ہے، جبکہ امام مالک اور امام ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ نے مطلق لونڈی میں، جبکہ سعید بن جبیر، عکرمہ، طاؤس، قتادہ اور زہری رحمہم اللہ تعالیٰ نے موطوءہ لونڈی کی قید ذکر کی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ لفظ نساء کا لونڈیوں پر اطلاق اگرچہ لغت کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن لغت کے اعتبار سے اطلاق کی صحت حقیقت کو مستلزم نہیں ہوتی بلکہ نساء کی مرد یا مردوں کی طرف اضافت یہ حقیقت ہے۔ یہ امر بیویوں میں متحقق ہوتا ہے کیونکہ یہی مفہوم ذہن میں جلدی آتا ہے کیونکہ لونڈیوں کے بارے میں یہ کہنا تو صحیح ہے ھولاء جواریہ، یہ کہنا صحیح نہیں ھولاء نساء ہ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ سے مراد بیویاں ہیں لونڈیاں نہیں کیونکہ لونڈیوں پر چادریں نیچی کرنا واجب نہیں یہ معنی کیسے لیا جا سکتا ہے، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لونڈی سے فرمایا تھا اَلْقِیْ عَنْكِ الْخِمَارَ یَا دَفَارِ اَتَشَبَّهِیْنَ بِالْحَرَائِرِ اے لونڈی اپنی اوڑھنی کو اتار دے کیا تو آزاد عورتوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے۔

ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ ظہار زمانہ جاہلیت میں طلاق سمجھا جاتا تھا شرع میں اسے ایسی حرمت کی طرف پھیر دیا گیا جو کفارہ کی ادائیگی کے ساتھ ختم ہوجانے والی ہے، جبکہ لونڈی کے لئے کوئی طلاق نہیں۔

؃ ان کی بیویاں حقیقت میں ان کی مائیں نہیں کہ وہ ماؤں کی طرح مردوں پر حرام ہو جائیں۔ ان کی مائیں وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ قالون اور قنبل نے یہاں، سورۂ احزاب اور سورۂ طلاق میں الائی ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے، آخر میں یاء نہیں پڑھی، جبکہ ورش نے یاء پڑھی ہے جو ہمزہ کا نائب ہے۔ جب اس پر وقف کیا تو اسے یاء ساکنہ بنا دیا، جبکہ بزی اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے دونوں حالتوں میں یاء ساکنہ پڑھی ہے جو ہمزہ کا بدل ہے، جبکہ باقی قراء نے ہمزہ اور اس کے بعد یاء پڑھی ہے۔ حمزہ نے جب اس پر وقف کیا تو یاء کو ساکن پڑھا، جبکہ بزی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں صورتوں میں ساکن پڑھا جو ہمزہ کا بدل ہے، جبکہ باقی قراء نے ہمزہ کو اصل پر بین بین پڑھا ہے۔ ولانھم یہ ماھن امھاتھم کی علت ہے۔

؄ ظہار کو منکر اس لئے کہا کیونکہ شرع نے اسے ناپسند کیا اور یہ جھوٹ ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جھوٹ کا اطلاق خبر پر ہوتا ہے، جبکہ ظہار تو انشاء ہے جو صدق و کذب کا احتمال نہیں رکھتی۔

ہم اس کا جواب یہ دیں گے ظہار اگرچہ انشاء ہے لیکن اصل میں یہ خبر دینا ہے کیونکہ اس کے گمان میں اس میں دائمی حرمت ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کو زور (جھوٹ) فرمایا۔

؅ سابقہ جتنے بھی گناہ ہوئے انہیں مطلقاً معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے اور جب ان سے وہ رجوع کریں تو اس وقت بھی بخشنے والا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ

قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ③

”جو لوگ ظہار کر بیٹھیں اپنی عورتوں سے پھر وہ پلٹنا چاہئیں اس بات سے جو انہوں نے کہی ۱؎ تو (خاوند) غلام آزاد کرے ۲؎ اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو (اس سے) آگاہ ہے ۳؎“

۱؎ علماء نے اس آیت کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ اهل الظواهر (۱) نے کہا آیت کا معنی یہ ہے انہوں نے ظہار کے لفظ کو مکرر ذکر کیا۔ ان کے نزدیک کفارہ اس وقت واجب ہوگا جب وہ ظہار کے لفظ کو مکرر ذکر کرے۔ یہی ابوالعالیہ کا قول ہے(1)۔

اس قول کو اجماع اور اس بات میں وارد ہونے والی احادیث رد کرتی ہیں کیونکہ احادیث میں ایسی کوئی چیز وارد نہیں جس میں کفارہ کو ظہار کے لفظ کے تکرار کے ساتھ معلق کیا گیا ہو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ لوگ دور جاہلیت میں ظہار کرتے جس نے دور اسلام میں ظہار کیا تو اس نے اسی عمل کی طرف رجوع کیا جو اس نے دور جاہلیت میں کیا تھا(2) اس نے حقیقت میں ایسا کیا یا حکماً ایسا کیا کیونکہ جس نے اس قسم کا اعتقاد رکھا گویا اس نے اس کی طرف رجوع کیا۔ اس قول پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عطف تغایر کا تقاضا کرتا ہے، جبکہ ثم کا لفظ تراخی کو ثابت کرتا ہے تو یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ عود سے مراد ظہار ہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عود کی تفسیر شرمندہ ہونے سے کی ہے(3) یعنی انہوں نے جو بات کہی تھی اس پر شرمندہ ہوئے، اب انہوں نے حلت کا ارادہ کیا۔ آپ نے عود کا معنی شرمندہ ہونا اس لئے کیا کیونکہ عود کا معنی کسی شے کی طرف لوٹنا ہے، جبکہ پہلے وہ اس سے دور ہو چکا تھا۔ صحاح میں اسی طرح ہے آدمی پہلے اس کی حلت پر راضی تھا پھر جب حلت سے اس کی حرمت کی طرف پھر گیا جب حرمت سے شرمندہ ہوا تو گویا وہ حلت کی اصلی حالت حلت کی طرف لوٹ آیا۔ اکثر مفسرین نے کہا آیت اپنے ظاہر پر محمول نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا لام، عن کے معنی میں ہے۔ یعودون لما قالوا کا معنی یرجعون عما قالوا ہے۔ اس قول سے رجوع کا مطلب حاصل کرنے کا ارادہ ہے، معنی یہ ہوگا انہوں نے حلت کا ارادہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا مضاف محذوف ہے تقدیر کلام یوں ہے: یعودون لنقض ما قالوا یالتدارک ما قالوا یا لضدما قالوا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یعودون لما قالوا ای الی قولهم بالتدارک، یعنی وہ تدارک کرنے کے ساتھ سابقہ قول کی طرف لوٹے۔ اسی مفہوم میں یہ جملہ بولا جاتا ہے عَادَ الْغَیْثُ عَلٰی مَا اَفْسَدَ ان تمام تقادیر کی صورت میں عود کا معنی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھرنا ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ ناراضگی کی حالت سے رضامندی کی حالت کی طرف پھرا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ اس صورت میں اس آیت کا معنی یہ ہوگا پھر وہ عورت کی حلت کا ارادہ کرتے ہیں۔ فراء نے کہا عَادَ فُلَانٌ لِمَا قَالَ کا معنی ہے جو اس نے بات کہی تھی اسی بارے میں دوبارہ گفتگو کی۔ یا اس کا اثر زائل کرنے کے لئے گفتگو کی یہ قول دونوں مذکورہ تاویلوں کا احتمال رکھتا ہے۔

ثعلب سے یہ مروی ہے کہ اس کا معنی ہے کہ جس چیز کو انہوں نے حرام کر دیا تھا اس کی حلت کی طرف لوٹے۔ اس تقدیر کی صورت میں بھی مضاف محذوف ہے مگر اس نے ما قالوا سے مراد یہ لیا ہے جو انہوں نے ظہار کے لفظ کے ساتھ اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس میں

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　　2۔ ایضاً۔　　3۔ ایضاً۔

(۱) مسلمانوں کی ایک جماعت جو اجتہاد و قیاس کے خلاف تھی اور آیات و احادیث کے ظاہر الفاظ کے مطابق حکم لگاتے تھے۔ مترجم۔

قول کو مقول فیه کے قائم مقام رکھا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے نَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ یہاں ما یقول سے مراد المقول فیه لیا ہے جو بیچے کا مال ہے۔ ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ اس عورت کو اپنے پاس روک کر اور اسے مباح قرار دے کر مقول فیها (عورت) کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس مذکورہ قول سے رجوع وطی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہی حضرت حسن بصری، قتادہ، زہری اور طاؤس رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ ان علماء نے فرمایا جب تک اس نے وطی نہ کی اس پر کوئی کفارہ نہیں (1) جس طرح ایک آدمی قسم اٹھائے جب تک وہ اس قسم کو نہیں توڑتا اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔

اس قول کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان رد کرتا ہے مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا کیونکہ یہ ارشاد وطی سے قبل کفارہ کو واجب کرتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان ہے جب ظہار کے بعد اس نے بیوی کو اتنے عرصہ کے لئے روکے رکھا جس میں وہ اسے جدا کر سکتا تھا اور اس نے اسے طلاق نہ دی تو اس نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اس پر کفارہ واجب ہو گیا۔ اگر اس نے ظہار کے بعد اسی وقت اسے طلاق معلق دی یا اسی وقت ان میں سے کوئی ایک مر گیا تو مرد پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا کیونکہ قول میں عود کا مطلب قول کی مخالفت ہوتا ہے اس نے ظہار سے حرمت کا قصد کیا تھا جب اس نے عورت کو اپنے پاس روک لیا تو اس نے اپنے قول کی مخالفت کی اور اپنے قول سے اس نے رجوع کر لیا تو اس پر کفارہ لازم آ جائے گا یہاں تک کہ یہ بھی کہا اگر اس نے اپنی ایسی عورت سے ظہار کیا جسے طلاق رجعی دی ہوئی تھی تو اس کا ظہار منعقد ہو جائے گا۔ جب تک اس سے رجوع نہیں کرے گا اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اگر اس نے عورت سے رجوع کر لیا تو وہ ظہار سے بھی رجوع کرنے والا ہوگا اور اس پر کفارہ بھی لازم ہوگا۔ ہم کہتے ہیں ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ظہار کا حکم (حرمت) اس طلاق کی وجہ سے نہیں ہوتا جو ظہار کے بعد دی جاتی ہے کہ ہم یہ کہیں کہ اگر اس نے اسے طلاق نہ دی اور اسے نکاح پر باقی رکھا تو یہ ظہار کے حکم کو ختم کرنا ہے جس طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یا ظہار کے حکم کی مخالفت ہے بلکہ دور جاہلیت میں ظہار کا حکم یہ تھا کہ عورت مطلقاً حرام ہو جاتی جو اس حلت کے خلاف تھی جو نکاح سے ثابت ہوتی۔ طلاق کا حکم بھی یہی تھا پھر شرع میں ظہار کا معنی یہ ہوا کہ وطی کرنا حرام ہے، جبکہ نکاح باقی ہے اور وہ حرمت کفارہ کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ کفارہ کا حکم اس حرمت کو رفع کرنے کے لئے ہے ظہار کے بعد سکوت عورت کے مباح ہونے اور اس کے ساتھ وطی کرنے کا ارادہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں عود سے مراد وطی ہے جس طرح حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب نے کہا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے کفارہ کو وطی کے حلال ہونے کی شرط قرار دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا تو اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا کا معنی یہ ہے پھر وہ اپنی کہی ہوئی بات سے لوٹنے کا ارادہ کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ اس کا معنی ہے جب تم نماز کے لئے کھڑا ہونے کا ارادہ کرو اس لئے یہ قول کرنا درست نہیں کہ جب تک اس نے وطی نہ کی اس پر کفارہ نہیں ہوگا۔

یہ خبر محذوف ہے، تقدیر کلام یوں ہے فعلیهم تحریر رقبة یہ وطی کے لئے شرط ہے اس میں فاء تعقیب کے لئے ہے، اس میں صرف تعقیب کا معنی پایا جاتا ہے، سببیت کا معنی نہیں پایا جاتا۔ اکثر علماء نے کہا یہاں فاء سببیہ ہے تاہم علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کفارہ ظہار کے وجوب کا سبب کیا ہے؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا سبب ظہار اور رجوع کرنا ہے، یعنی ظہار کے بعد

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

عورت کو اتنی دیر تک روکے رکھنا جس میں وہ طلاق دے سکتا تھا اس کے لئے یہ شرط ہے کیونکہ آیت میں حکم کو دو چیزوں پر مرتب کیا گیا ہے اور کفارہ ظہار کے مکرر ہونے سے مکرر ہو جاتا ہے اس لئے ظہار سبب ہے۔

احناف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ظہار کفارہ کا سبب نہیں بن سکتا کیونکہ کفارہ عبادت ہے یا اس میں عبادت کے معنی کا غلبہ ہے، جبکہ ظہار کو منکرا من القول وزورا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک ممنوع چیز عبادت کا سبب نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے کفارہ کے وجوب کو ظہار اور اس سے رجوع کے ساتھ مشروط کیا ہے اس لئے اس کا سبب یہ دونوں چیزیں ہوں گی۔ ظہار معصیت ہے، یہ کسی عقوبت کا سبب تو بن سکتی ہے۔ عود (لوٹنا) جو امساک بالمعروف (نیکی کے ساتھ روکنا) ہے اور عبادت ہے کفارہ عقوبت (سزا) اور عبادت میں گردش کناں ہے اس لئے یہی مناسب ہے کہ دونوں امروں کا مجموعہ ہی اس کا سبب ہو۔ محیط میں فرمایا اس کا سبب صرف لوٹنا ہے کیونکہ مذکورہ چیزوں میں سے یہ بعد میں ہے کفارہ کو اسی پر مرتب کیا تاہم ظہار اس کے لئے شرط ہے۔ جب علت میں انفراد ممکن ہو تو حکم کو اسی کی طرف پھیرا جاتا ہے کیونکہ مرکب کی اصل انفراد ہے تاہم حکم شرط کے مکرر ہونے سے مکرر ہوتا رہتا ہے جس طرح صدقہ فطر میں یہ حکم جاری ہوتا ہے اس کا سبب وہ فرد ہے جس کی وہ کفالت کرتا ہے اور اس کا ولی ہوتا ہے۔ یہاں ایک اعتراض صادر ہوتا ہے کہ اگر وطی پر ارادہ کفارہ کے وجوب کا سبب ہے یا ظہار اور ارادہ کا مجموعہ کفارہ کے وجوب کا سبب ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس آدمی پر کفارہ لازم ہو جو اپنی بیوی سے ظہار کرے پھر وطی کا عزم کرے پھر اس عورت کو طلاق بائنہ دے یا ارادہ کے بعد مر جائے کیونکہ یہاں بھی سبب تو پایا گیا ہے لیکن اس کے باوجود بھی کفارہ تو واجب نہیں ہوتا کیونکہ اگر کفارہ واجب ہو جاتا تو کفارہ ساقط نہ ہوتا۔ مبسوط میں یہ موجود ہے اگر اس نے طلاق بائنہ دی یا ارادہ کے بعد وہ مر گیا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ تحقیق یہ ہے کہ ایسے مقامات پر واجب کے لفظ کا استعمال یہ بطور مجاز ہوتا ہے اصول فقہ میں حکم کی تعریف یہ ذکر کی گئی ہے کہ یہ مکلفین کے افعال کے متعلق اللہ تعالیٰ کا خطاب ہوتا ہے۔ اقتضاء کے لئے، تخییر کے لئے یا وضع کے لئے اقتضاء کا خطاب وجوب کے لئے ہوتا ہے یا ندب کے لئے تخییر کا خطاب اباحت کے لئے ہوتا ہے اور وضع کا خطاب کسی شے کو دوسری شے کے لئے شرط بنا دینا، اس کا سبب بنا دینا، اس کا رکن بنا دینا یا اس کا مانع بنا دینا ہوتا ہے۔ وضع کا خطاب اقتضاء کے خطاب سے کم درجہ کا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کفارہ کو اس حرمت کے اٹھانے کا سبب بنایا ہے جو ظہار سے ثابت ہوئی اور وطی کے مباح ہونے کے لئے اسے شرط قرار دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت: إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ میں وضو کو نماز کی اباحت کے لئے شرط اور حدث سے پاکیزگی کے لئے سبب بنایا ہے اور اس آیت کریمہ إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً میں صدقہ کو مناجات کی اباحت کے لئے شرط بنایا ہے۔

ظہار حقیقت میں کفارہ کے وجوب کا سبب نہیں بلکہ یہ وطی کی حرمت کو دور کرنے کا سبب ہے، وطی کا ارادہ اس کا سبب نہیں بلکہ نکاح حقوق زوجیت کے لئے سبب ہے اور حقوق زوجیت میں سے ایک وطی بھی ہے۔ وہ حرمت جو ظہار سے ثابت ہے وہ حقوق زوجیت سے مانع ہے اور جو چیز حقوق واجبہ سے مانع ہو اس کا زائل کرنا واجب ہوتا ہے۔ نکاح جس طرح حقوق زوجیت کے وجوب کا سبب ہے اسی طرح یہ اس چیز کے زائل کرنے کا سبب بھی ہے جو حقوق زوجیت سے مانع ہو۔ کفارہ حرمت کے زائل کرنے کا سبب ہے پس سابقہ نکاح ظہار کے بعد بھی کفارہ کے وجود کا سبب ہوگا جس طرح قسم محلوف علیہ (جس پر قسم اٹھائی گئی) سے روکنے کا سبب ہے جب قسم توڑ دی جائے تو وہی قسم کفارہ کا سبب ہوتی ہے۔ اسی علاقہ کی وجہ سے ظہار کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ کفارہ کا سبب ہے، جس طرح قسم

توڑنے کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کفارہ کا سبب ہے۔ اگر اس عورت سے کوئی اور آدمی شادی کرے، جبکہ پہلے خاوند نے اسے ظہار کے بعد تین طلاقیں دی تھیں دوسرے خاوند کے بعد پھر وہ پہلے خاوند کی طرف لوٹتی ہے یا وہ کسی کی لونڈی تھی اس نے اس لونڈی سے شادی کی اس سے ظہار کیا پھر کسی سبب سے اس کا مالک بن گیا تو جب تک ظہار کا کفارہ ادا نہیں کرے گا اس کے لئے وطی کرنا حلال نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ ظہار کرنے والے پر وطی کے دواعی بھی حرام ہیں جس طرح بوسہ لینا اور چھونا وغیرہ۔ یہ ہمارا (احناف کا) نقطۂ نظر ہے، جبکہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے دو قول ہیں:۔ نیا قول یہ ہے کہ دواعی وطی مباح ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ ان میں سے زیادہ تحریم ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب وطی حرام ہے تو اس کے دواعی بھی حرام ہیں تا کہ وہ وطی کے فعل میں ہی نہ جا پڑے جس طرح کہ استبراء (1) اور احرام میں یہ حرام ہوتے ہیں، جبکہ حائضہ اور روزے دار کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ ان کا وجود کثرت سے ہوتا ہے اگر دواعی وطی کی حرمت کا قول کیا جائے تو خاوند حرج میں مبتلا ہو جائے گا، جبکہ ظہار، استبراء اور احرام کا معاملہ مختلف ہے نیز یہ وجہ بھی ہے کہ وہ حرمت جو ظہار سے ثابت ہو وہ محارم کی حرمت کے مشابہ ہو تو جس طرح محارم میں یہ چیزیں حرام ہیں ظہار میں بھی یہ دواعی حرام ہوں گے۔

مسئلہ:۔ عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ خاوند سے وطی کا مطالبہ کرے اور عورت پر یہ بھی واجب ہے کہ خاوند کو کفارہ ادا کرنے سے پہلے لطف اندوز ہونے سے روک دے۔ قاضی پر یہ لازم ہے کہ وہ اسے کفارہ کی ادائیگی پر مجبور کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے قید کردے تا کہ مارنے کی ضرورت نہ پڑے اگر وہ کفارہ کی ادائیگی سے انکار کرے تو اسے پٹوائے لیکن قرض کے معاملہ میں اسے جسمانی سزا نہیں دے سکتا۔ اگر ظہار کرنے والا یہ کہے میں نے کفارہ ادا کر دیا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی جب تک کہ اس کا جھوٹا ہونا معروف نہ ہو فتح القدیر میں اسی طرح ہے۔

مسئلہ:۔ کافر، مسلمان، مذکر، مؤنث، چھوٹا اور بڑا غلام کفارہ میں آزاد کرنا جائز ہے کیونکہ رقبہ مطلق ہے اس میں کسی قسم کی قید نہیں۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایک روایت میں کہا کافر غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں وہ اس مطلق حکم کو کفارہ قتل کے مقید حکم پر قیاس کرتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں مطلق کو اپنے اطلاق اور مقید کو اپنی تقیید پر رکھا جائے گا ان میں سے ایک کو دوسرے پر محمول کرنا درست نہیں اس پر مفصل گفتگو اصول فقہ کی کتابوں میں ہے۔

مسئلہ:۔ ایسا غلام جو نابینا ہو یا اس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں یا دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں یا ایک ہاتھ پاؤں ایک جانب سے کٹا ہوا ہو یا دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا ہر ہاتھ کے انگوٹھے کے علاوہ تین انگلیاں کٹی ہوئی ہوں تو اسے آزاد کرنا جائز نہیں مگر وہ غلام جس کا ہاتھ پاؤں مختلف سمتوں سے کٹا ہوا ہو اور ایسا بہرہ جسے چیخ کر بلایا جائے تو اسے سنائی دے تو اسے آزاد کرنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس غلام میں مکمل منفعت فوت ہو چکی ہے اسے کفارہ کے طور پر آزاد کرنا جائز نہیں اور جس کی منفعت میں کچھ کمی ہوا سے آزاد کرنا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ کفارات میں مدبر اور ام ولد کو آزاد کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کی غلامی میں اب نقص آ چکا ہے اسی طرح ایسا مکاتب جس نے بعض مال ادا کر دیا ہو مگر ایسا غلام جس نے ابھی تک کچھ مال بھی عطا نہیں کیا اسے کفارہ کے طور پر آزاد کرنا جائز ہوتا ہے، جبکہ امام شافعی

1۔ یہ دیکھنا کہ عورت کے بطن میں کوئی بچہ تو نہیں اس کے لئے عورت کی ماہواری کا انتظار کرنا۔ مترجم

رحمۃ اللہ علیہ نے آخری صورت میں اختلاف کیا ہے۔

مسئلہ:۔ جس نے اپنے والدین کو کفارہ کی ادائیگی کی نیت سے خریدا تو کفارہ ادا ہو جائے گا اسی طرح اگر والدین میں سے کوئی اسے ہبہ کیا گیا تو اس نے قبول کرتے وقت کفارہ کی نیت کر لی تو کفارہ کی ادائیگی ہو جائے گی، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف کیا ہے۔ اگر وہ والدین میں سے کسی کا وارث بنا اور وارث نے مورث کی موت کے وقت کفارہ کی ادائیگی کی نیت کی تو کفارہ کی ادائیگی نہ ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے اگر غلام اس کی کاوش سے اس کی ملکیت میں داخل ہوا اور اس نے کاوش کرتے وقت کفارہ کے لئے غلام آزاد کرنے کی نیت کر لی تھی تو یہ جائز ہوگا ورنہ جائز نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر اس نے غلام کو کہا اگر تو گھر میں داخل ہوا تو تو آزاد ہے اور اس نے کفارہ کی نیت کی اگر اس نے قسم اٹھاتے وقت یہ نیت کی تو یہ جائز ہوگا اور اگر اس نے داخل ہوتے وقت نیت کی تو یہ جائز نہ ہوگا۔

۳؎ تثنیہ کی ضمیر اس چیز کی طرف لوٹ رہی ہے جس پر کلام دلالت کرتی ہے، یعنی ظہار کرنے والا اور جس سے ظہار کیا جا رہا ہے۔ یہاں تماس کا معنی جماع کرنا ہے۔ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ دطی کی حلت کے لئے کفارہ شرط ہے اور ظہار حرمت کو ثابت کرتا ہے اور جماع سے پہلے کفارہ کا حکم تمہیں اس لئے دیا جا رہا ہے تا کہ وہ حرمت زائل کر دی جائے جو ظہار سے ثابت ہے یا اس لئے تا کہ تم دوبارہ ظہار نہ کرو کیونکہ اس میں جدائی کا خوف ہوتا ہے یا اس لئے کہ کفارہ کا وجوب جنایت کے ارتکاب پر دلیل ہے۔ جب کفارہ ظہار سے واجب ہوا تو ظہار کرنے سے نصیحت حاصل کریں۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۚ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۝

"پس جو شخص غلام نہ پائے [1] تو وہ دو ماہ لگا تار روزے رکھے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں [2] اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو وہ کھانا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو [3] یہ اس لئے کہ تم تصدیق کرو اللہ اور اس کے رسول (کے فرمان) کی [4] اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں اور منکرین کے لئے دردناک عذاب ہے [5]"

[1] جو غلام نہ پائے اور نہ ہی خریدنے کی طاقت ہو یا تو اس لئے کہ اس کی قیمت اس کے پاس موجود نہیں یا ایسا غلام ہی نہیں جس کو وہ خریدے یا اس کا مال قرضوں میں مصروف ہے یا اپنے نفقہ اور اپنے گھر والوں کے نفقہ کی وجہ سے اسے مال کی ضرورت ہے تو وہ دو ماہ کے لگا تار روزے رکھے۔ یہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا نقطہ نظر ہے۔

جبکہ امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ان دونوں ائمہ کا یہ نقطہ نظر ہے جو آدمی غلام کی قیمت کا مالک ہو اور اس کے لئے غلام خریدنا ممکن ہو تو اس پر غلام آزاد کرنا لازم ہے اگرچہ اس کی قیمت قرض میں مشغول ہو یا اسے خرچہ کے لئے ضرورت ہو اس کے لئے روزے رکھنے جائز نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب اس کا مال اصل ضرورت میں مصروف ہے تو گویا اس کا مال ہی نہیں۔

مسئلہ:۔ جس کے پاس غلام تو ہو لیکن مالک کو اس کی خدمت کی ضرورت ہو امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے

لئے جائز ہے کہ وہ روزے رکھے۔ آپ اس پانی پر قیاس کرتے ہیں جو پیاس کے لئے رکھا گیا، ایسے پانی کی موجودگی میں تیمم کرنا جائز ہے اسی طرح یہ ائمہ اس مال پر قیاس کرتے ہیں جو قرض میں مشغول ہو۔ ہمارے نزدیک اس صورت میں غلام آزاد کرنا لازم ہے روزے کی طرف منتقل ہونا جائز نہیں۔ دونوں میں فرق ہی ہماری دلیل ہے پانی کو پیاس کی ضرورت کے لئے اپنے پاس رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اس حالت میں پانی کا وضو کے لئے استعمال ممنوع ہے اسی طرح اگر آدمی پر کوئی قرض ہو تو اس کی ادائیگی کا بھی حکم ہے لیکن خادم کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اسے خدمت کے لئے اپنے پاس روکنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

مسئلہ:۔ تنگدستی اور خوشحالی کا اعتبار کفارہ کی ادائیگی کے وقت ہوتا ہے۔ امام مالک کا یہی نقطہ نظر ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب الظواہر نے یہ کہا تنگدستی اور خوشحالی کا اعتبار کفارہ کے واجب ہونے کے وقت ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ان دونوں قولوں کی طرح اقوال ہیں تیسرا قول یہ ہے کہ وجوب اور ادائیگی میں سخت حالت کا اعتبار ہوگا۔

۳؎ یہاں خبر مقدم محذوف ہے، یعنی اس پر دو ماہ کے روزے لازم ہیں جن میں رمضان، یوم فطر، یوم نحر اور ایام تشریق نہ ہوں کیونکہ رمضان کا روزہ ظہار کا روزہ نہیں بن سکتا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے واجب کا ابطال لازم آتا ہے اور ایام منہیہ کے روزے واجب کامل کے نائب نہیں ہو سکتے نیز اللہ تعالیٰ نے ان روزوں کو پے در پے رکھنے کا حکم دیا ہے اگر یہ تتابع عذر کی وجہ سے فوت ہو یا عذر کے بغیر فوت ہو تو یالا جماع نئے سرے سے روزے رکھنے واجب ہوں گے اگر ظہار کرنے والے نے دو ماہ کی راتوں میں جان بوجھ کر یا دن کے وقت بھول کر جماع کیا تو امام شافعی اور امام یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک نئے سرے سے روزے رکھنے واجب نہ ہوں گے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ اس صورت میں پے در پے روزے رکھنے کا عمل تعطل کا شکار نہیں ہوا، جبکہ شرط یہی ہے اگر کفارہ کی ادائیگی جماع کرنے سے پہلے شرط ہے تو نئے سرے سے روزے نہ رکھنے کی صورت میں بعض اس سے پہلے اور بعض اس کے بعد ہوں گے اور اگر نئے سرے سے روزے رکھنے کا حکم ہو تو تمام روزے مؤخر ہوں گے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کی راجح روایت یہ ہے کہ وہ نئے سرے سے روزے رکھے کیونکہ روزے میں شرط یہ ہے کہ وہ جماع سے پہلے رکھے اور وہ جماع سے خالی بھی ہو اس لئے وہ نئے سرے سے روزے رکھے۔

۴؎ جو آدمی، مرض، بڑھاپے یا شہوت کی زیادتی کی وجہ سے جماع نے صبر کی طاقت نہ رکھتا ہو یا اسے مریض ہونے کا خوف ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اہل عراق کے نزدیک یہ دو مد (دو سیر) ہیں۔ یہ کسی جنس سے بھی نصف صاع (دو سیر) ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصف صاع گندم، جو اور کھجور میں سے مکمل صاع، یہی امام شعبی، امام نخعی، سعید بن جبیر، حاکم اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور کرخی نے مجاہد کی طرف منسوب کیا ہے کہ قرآن میں جہاں بھی کفارے کا ذکر ہے وہ گندم کا نصف صاع ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ ایک مد ہے جو دو بغدادی رطل کے برابر ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا گندم اور اس کے آٹے کا ایک مد، جو اور کھجور کے دو مد اور گندم کی روٹی کے دو رطل۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایک مد ہوگا جو حضور ﷺ کا مد ہے یہ ایک 3 1/3 رطل کے برابر ہے۔ شہر میں جو چیز خوراک کے طور پر استعمال ہوتی ہے اس میں سے دیا جائے گا۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے سلیمان بن یسار سے روایت کیا ہے میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ مساکین کو کھانا دیتے وقت ایک ایک مد دیتے تھے۔ یہ

بھی روایت کیا گیا کہ یہ ان کے نزدیک کافی تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ روایت ہے جو سلمہ بن صخر کی حدیث کی صورت میں گزر چکی ہے، اس میں یہ حکم ہے کہ اپنی طرف سے کھجوروں کا ایک وسق (تقریباً چھ من) ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو لیکن جس طرح ہم ذکر کر چکے ہیں یہ حدیث منقطع ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسلمہ کی حدیث سے ذکر کیا ہے کہ سلمہ بن صخر بیاضی نے اپنی بیوی سے رمضان شریف کے اختتام تک ظہار کیا۔ اس میں ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ اس نے عرض کی میرے پاس تو اتنا کھانا نہیں۔ حضور ﷺ نے عروہ بن عمرو سے فرمایا اسے ایک فرق عطا کرو۔ یہ ایک ایسا پیمانہ ہے جس میں پندرہ صاع(ا) آتے ہیں تاکہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اس بارے میں یہ کہنا ممکن ہے کہ یہ وَهُوَ مِكْتَلٌ يَأْخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا أَوْ سِتَّةَ عَشَرَ صَاعًا(1) یہ راوی کا کلام ہو اور مرفوع حدیث کے الفاظ صرف یہ ہوں کہ اسے فرق عطا کرو۔ لغت میں فرق سے مراد زنبیل ہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اوس بن صامت کی حدیث میں ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو تیس صاع دو۔ اس نے عرض کی میرے پاس اتنا کھانا نہیں مگر آپ میری مدد فرمائیں تو میں ایسا کر سکوں گا۔ نبی کریم ﷺ نے پندرہ صاع کے ساتھ مدد فرمائی اور لوگوں نے بھی اس کی مدد کی یہاں تک کہ وہ کل تیس صاع ہو گئے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے خویلہ بنت مالک سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا مجھ سے میرے خاوند اوس بن صامت نے ظہار کیا، میں حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں شکایت لے کر آئی جبکہ حضور ﷺ مجھ سے جھگڑتے رہے، فرماتے اللہ سے ڈر کیونکہ وہ تیرا چچا زاد بھائی ہے میں اسی طرح جھگڑتی رہی یہاں تک کہ قرآن حکیم کا حکم نازل ہوا: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ غلام آزاد کرے۔ میں نے عرض کی اس کے پاس تو کوئی غلام نہیں۔ حضور نے فرمایا وہ دو ماہ کے روزے رکھے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ بوڑھا ہے اس میں روزے رکھنے کی طاقت نہیں۔ فرمایا وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں کھجوروں کے ایک فرق کے ساتھ اس کی مدد کروں گی میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں ایک اور فرق کے ساتھ اس کی مدد کروں گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو نے بہت اچھا کیا جاؤ اور اس کی جانب سے ساٹھ مسکینوں کو دو فرق تقسیم کر دو اور اپنے چچا زاد بھائی کی طرف لوٹ جاؤ(2) کہا فرق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ ایسا پیمانہ ہے جس میں تیس صاع کی گنجائش ہوتی ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دوسرا قول زیادہ صحیح ہے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا زیادہ صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے اگر فرق ساٹھ صاع کا ہوتا تو کفارہ میں ایک اور فرق کی مدد کی ضرورت نہ ہوتی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے ساتھیوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو روزے کے کفارہ کے متعلق ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس نے رمضان شریف کا روزہ توڑا تھا کہا وہ ایک فرق لایا جس کی مقدار پندرہ صاع کے برابر تھی۔ حضور ﷺ نے اسے فرمایا تھا تو اور تیرے گھر والے اسے کھائیں ایک دن روزہ رکھو اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو(3) اسے ابوداؤد نے ہشام بن سعد کے واسطہ سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ ہشام بن سعد کو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اسے ابوداؤد نے اسماعیل کی حدیث سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا تھا میں نے اپنی بیوی سے حقوق زوجیت ادا کیے(4) اس میں پندرہ صاع کا ذکر ہے۔ ابن ابی حفصہ اور مومل کی روایت میں بھی اسی طرح آیا ہے۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 144 (وزارت تعلیم)
2۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 302 (وزارت تعلیم)
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً
(ا) ایک صاع میں تقریباً چار کلو ہوتے ہیں۔ (مترجم)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ منکر الحدیث ہے لیکن امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا محمد بن ابی حفصہ یا سلمہ کو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے ضعیف قرار دیا اور کئی علماء نے اسے قوی بھی قرار دیا۔ حجاج بن ارطاۃ کی روایت جو زہری سے مروی ہے اور دار قطنی کے ہاں موجود ہے اس میں پندرہ صاع کا ذکر ہے۔ اس میں فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ، جبکہ حجاج بن ارطاہ ضعیف اور مدلس ہے۔ عبداللہ بن احمد اپنے باپ سے، وہ یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ حجاج بن ارطاہ نے زہری کو نہیں دیکھا۔ اس حدیث کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور دار قطنی کے ہاں موجود ہے کہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور ہر مسکین کو ایک مد دے، اس میں پندرہ صاع کا ذکر ہے فرمایا کہ یہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ہم کہتے ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس حدیث میں اضطراب ہے۔ بعض روایات میں پندرہ صاع کا ذکر ہے۔ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہران کی سند سے پندرہ صاع اور بیس صاع کا ذکر ہے۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حدیث جو صحیحین میں ہے اس صاع کی مقدار مذکور ہی نہیں۔ اس میں ہے وہ فرق لایا جس میں کھجوریں تھیں اور فرق بڑا پیمانہ ہے۔ سعید بن مسیّب کی مرسل میں ہے کہ پندرہ سے بیس صاع تھے۔ اس سند میں عطاء خراسانی ہے جسے عقیلی نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کی عام احادیث مقلوب ہیں۔ بعض روایات میں یقین کے ساتھ بیس صاع کا ذکر ہے۔ دارمی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سعید بن مسیّب کی مرسل روایت اسی طرح ہے۔ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے وہ ایک فرق لایا جس میں بیس صاع تھے یہ احادیث روزہ کے کفارہ کے بارے میں نازل ہوئیں جن پر آپ نے کفارہ ظہار کو قیاس کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو اپنایا جس میں کھانے کی کم سے کم مقدار کا ذکر ہے ان کا یہ قول بطور احتیاط ہے۔ مگر مسکین کے لئے کھانے کی مقدار میں صحیح ترین روایت کعب بن عجرہ کی حدیث ہے جسے ہم نے سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ اسے شیخین نے صحیحین میں ذکر کیا ہے، اس میں یہ تصریح ہے کہ ایک فرق ساٹھ مسکینوں کو کھلائے یا ایک بکری ذبح کرے یا تین روزے رکھے، فرق تین صاع کے برابر ہوتا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس حدیث میں یہ ہے کہ ہر مسکین کے لئے نصف صاع کھجوروں کا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نصر سے جو روایت نقل کی ہے اس میں نصف صاع کھانے کا ذکر ہے۔ بشر بن عمر نے شعبہ سے جو روایت ذکر کی ہے اس میں نصف صاع گندم کا ذکر ہے۔ حکم کی ابن ابی لیلیٰ سے جو روایت مروی ہے وہ نصف صاع زبیب کا تقاضا کرتی ہے۔ انہوں نے کہا وہ زبیب کا فرق چھ مسکینوں میں تقسیم کرے۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک روایت کو ترجیح دینا ضروری ہے کیونکہ یہ ایک مقام پر ایک ہی قصہ ہے۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا محفوظ روایت شعبہ کی ہے جس میں نصف صاع (تقریباً دو سیر) کھانے کا ذکر ہے۔ اب یہ اختلاف کہ وہ کھجور ہے یا گندم شاید یہ راویوں کے تصرف کی وجہ سے ہے جہاں تک زبیب (کشمش) کا تعلق ہے یہ صرف حکم کی روایت میں ہے۔ اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ اس کی سند میں ابو اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے جو مغازی میں تو معتبر ہیں لیکن احکام میں جب مخالفت کریں تو معتبر نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا محفوظ روایت کھجور والی ہے ابو قلابہ کی سند امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ یقین کے ساتھ واقع ہے۔ ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ پر اس حدیث کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے شعبی کے واسطہ سے کعب سے روایت کیا ہے۔ حافظ نے کہا امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جو بعض نسخوں میں واقع ہوا کہ لکل مسکین صاع یہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کی سند میں تحریف ہے۔ صحیح وہی ہے جو صحیح نسخوں میں ہے لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ۔ جب آیت میں اطعام (کھانا کھلانا) کا حکم مقدار کے بارے

میں مجمل ہے ظہار اور روزے کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، جبکہ وہ مقدار کے بارے میں مضطرب ہیں اس لئے صحیح اور متفق علیہ حدیث پر محمول کرنا صدقہ فطر پر محمول کرنے سے بہتر ہے کیونکہ صدقہ فطر میں ادائیگی کا حکم ہے، اطعام کا حکم نہیں۔ اس وجہ سے اہل عراق کا مذہب زیادہ قوی اور زیادہ محتاط ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ اگر مظاہر نے ساٹھ مسکینوں کو صبح وشام سیر ہو کر گندم کی روٹی کھلائی اگرچہ سالن موجود نہ بھی ہو یا جو کی روٹی کھلائی، جبکہ سالن بھی موجود تھا خواہ وہ صبح اور شام کا کھانا تھا یا دو دن صبح کا کھانا دیا یا دو راتوں کو شام کا کھانا دیا، جبکہ مسکین وہی ساٹھ تھے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر اس نے دن کے وقت ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا اور رات کے وقت دوسرے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اگر کھانا کھلائے جانے والوں میں سے ایسا بچہ ہو جسے ابھی دودھ چھڑایا گیا ہو یا ایسے آدمی کو کھلایا گیا جو پہلے سے سیر تھا تو پھر یہ جائز نہ تھا، انہیں سیر کرنا ضروری ہے خواہ وہ کھانا تھوڑا کھائیں یا زیادہ کھائیں اس میں تملیک شرط نہیں، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا اس میں اختلاف ہے اگر وہ ایک مسکین کو ساٹھ دن کھانا کھلاتا رہا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز ہے، جبکہ جمہور کا اس میں اختلاف ہے یہ مختلف فیہ مسائل اور ان کا استدلال سورۂ مائدہ میں قسم کے کفارہ میں گزر چکے ہیں۔

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ نے کھانا کھلانے میں مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا کی قید ذکر نہیں کی، جبکہ پہلے دونوں احکام میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر ظہار کرنے والے نے کھانا کھلانے کے دوران بیوی سے جماع کر لیا تو اس پر نئے سرے سے کھانا کھلانا واجب نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کھانا کھلانے میں جماع کرنے سے پہلے کی شرط ذکر نہیں کی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کھانا کھلانے میں اس قید کے نہ ہونے کو دیکھتے ہوئے کہا جس نے کھانا کھلانے کے ساتھ کفارہ ادا کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے لئے بیوی کے ساتھ وطی کرنا جائز ہے۔

جبکہ جمہور کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔ کفارہ کی ادائیگی سے قبل وطی کرنا مطلق حرام ہے کیونکہ ظہار حرمت کو ثابت کرتا ہے اور کفارہ حرمت کو زائل کرنے کا سبب ہے۔ جب تک کفارہ نہ پایا جائے اس کے لئے وطی کرنا حلال نہیں خواہ کفارہ کھانا کھلانے کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں کیونکہ حضور ﷺ کا یہ حکم عام ہے تو اس سے کفارہ کی ادائیگی تک اس سے الگ رہ۔ اصحاب سنن اربعہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تو کفارہ کی ادائیگی سے پہلے اس سے وطی کر لی۔ حضور ﷺ نے اس سے دریافت کیا کس چیز نے اسے اس امر پر برانگیختہ کیا؟ اس نے عرض کی میں نے چاندنی کی روشنی میں اس کے پازیب کو دیکھا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اس کی پنڈلی کی سفیدی میں پازیب کو دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کفارہ کی ادائیگی تک تو اس سے دور رہ (1)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح اور غریب ہے۔ منذر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کے راوی ثقہ ہیں، ان میں سے بعض کا بعض سے سماع مشہور ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کھانا کھلانے میں مطلق حکم کو غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے کے مقید حکم پر محمول کیا جائے گا۔ یہ ان کے اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ مطلق حکم کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا کفارہ کے جواز کے لئے شرط نہیں ورنہ یہ لازم آئے گا کہ جس نے ظہار کے بعد کفارہ کی ادائیگی سے قبل جماع کیا اس کے بعد کفارہ ادا کیا تو اس کا کفارہ جائز ہوگا اور اس کی

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 44-43 (وزارت تعلیم)

بیوی بھی اس پر حلال نہ ہوگی بلکہ یہ شرط کفارہ کی ادائیگی سے قبل وطی کی حرمت کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ شائد اللہ تعالیٰ نے کھانا کھلانے والے حکم کے بعد اس شرط کو اس لئے چھوڑ دیا کہ کلام کے لمبا ہونے سے بچا جائے اور سابقہ قید پر ہی اکتفاء کیا جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ پہلی دو صورتوں میں تکرار کیوں ہے تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے اگر پہلے حکم کے ساتھ صرف ذکر ہوتا تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ یہ قید اسی کے ساتھ مختص ہے۔ اگر صرف دوسرے کے ساتھ ذکر ہوتا تو یہ وہم ہوتا کہ یہ قید صرف دوسرے حکم کے ساتھ مختص ہے اس لئے اس کا دو دفعہ کا ذکر اس کے مطلق تکرار پر تنبیہ ہے۔

مسئلہ:۔ اگر ظہار کرنے والے نے کفارہ کی ادائیگی سے پہلے بیوی سے جماع کر لیا تو حرام کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے۔ وہ اس کے بعد کفارہ ادا کرے تا کہ اس کے لئے حلت ثابت ہو اور ظہار کے ساتھ جو حرمت ثابت ہوئی ہے وہ ختم ہو جائے۔ کفارہ کی ادائیگی سے قبل جماع کرنے کی صورت میں دوسرا کفارہ لازم نہیں آتا بعض علماء نے کہا اس پر دو کفارے لازم ہوں گے۔

ہماری دلیل وہ حدیث طیبہ ہے جو سلمہ بن صخر سے مروی ہے کہ جب سلمہ نے کفارہ کی ادائیگی سے پہلے جماع کر لیا تو حضور ﷺ نے اسے ایک کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی طرح ہے۔ امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے سلمہ بن صخر کی حدیث جو وہ حضور ﷺ سے بیان کرتے ہیں ایسے ظہار کرنے والے کے حکم میں بیان کی ہے جو کفارہ کی ادائیگی سے قبل جماع کر بیٹھتا ہے کہ وہ ایک کفارہ ادا کرے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں کہا جو آدمی ظہار کرے پھر کفارہ کی ادائیگی سے پہلے جماع کرلے تو وہ اس سے رک جائے، اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور کفارہ ادا کرے پھر فرمایا میں نے جو روایات اس بارے میں سنی ہیں یہ ان میں سے بہترین ہے۔

سے اسم اشارہ مقدر فعل کی وجہ سے منصوب ہے جو بینا ہے، یعنی ہم نے ان احکام کو بیان فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہاں ایمان کا لفظ ذکر فرمایا مگر مراد احکام لئے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ یہاں ایمان سے مراد نماز ہے۔ آیت کے ان الفاظ کا معنی یہ ہوگا تا کہ تم اسلام کے احکام کو جانو اور دور جاہلیت میں جن راہوں پر تم چل رہے تھے ان کو چھوڑ دو۔

ھ یہ کفارات اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جن کے ذریعے انسان محرمات جیسے ظہار وغیرہ سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے یہ احکام اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، ان سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول نہیں کرتے، محرمات سے نہیں رکتے، اس کی معین کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ ارشاد بھی اسی ارشاد کی طرح ہے: وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

”بے شک جو لوگ مخالفت کر رہے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی انہیں ذلیل کیا جائے گا جس طرح ذلیل کئے گئے وہ (مخالفین) جو ان سے پہلے تھے[1] اور بے شک ہم نے اتاری ہیں روشن آیتیں اور کفار کے لئے رسوا کن عذاب ہے[2]۔“

[1] جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں، ان کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ دونوں تجاوز کرنے والے اپنی حد سے

دوسرے کی حد کی طرف تجاوز کر جاتے ہیں۔اس لئے باب مفاعلہ کا صیغہ ذکر کیا ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی معین کردہ حدود کی بجائے اور حدود معین کرتے ہیں یا اپناتے ہیں تو وہ سابقہ کفار کی طرح ہلاک ہو گئے۔قاموس میں ہے کبتہ یکبتہ اسے پچھاڑ دیا، ذلیل ورسوا کر دیا، اس کو پھیر دیا، اسے توڑ دیا دشمن کو ناکام موڑ دیا۔مکبت یعنی غمگین ہے۔

۲؎ ایسی آیات بینات نازل کیں جو حضور ﷺ کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں۔کفار کے لئے ذلیل ورسوا کرنے والا عذاب جو ان کے تکبر اور غرور کو مٹا دے گا۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

"(یاد کرو) جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا۱؎ پھر انہیں آگاہ کرے گا جو کچھ انہوں نے کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے اور وہ بھلا چکے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے۲؎"

۱؎ یَوْمَ کا لفظ ظرف مستقر کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی یہ کافرین کی ظرف ہے یا مھیین کی ظرف ہے یا اذکر فعل محذوف کی ظرف ہے۔اس صورت میں ظرف مستقر ہے مقصود اس دن کی عظمت بیان کرنا ہے۔جَمِیْعًا یہ یبعثهم میں ضمیر منصوب کی تاکید ہے اس سے حال ہے اور مجتمعین کے معنی میں ہے۔

۲؎ تمام لوگوں کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔مقصود انہیں شرمندہ کرنا اور ان کے عذاب کو ثابت کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے ان کے اعمال میں سے کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے علم سے مخفی نہیں۔لوگ خود اپنے اعمال بھول گئے کیونکہ اعمال بہت زیادہ تھے یا جب انہوں نے ان افعال کا ارتکاب کیا اس وقت انہوں نے لاپرواہی کی کیونکہ انسان جن اعمال کو ذی شان خیال کرتا ہے انہیں ہی یاد رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ کر رہا ہے کوئی بھی چیز اس سے غائب نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے نہ اس سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ ہوں پھر وہ انہیں آگاہ کرے گا جو (کرتوت) وہ کرتے رہے قیامت کے دن بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۱؎"

۱؎ الم استفہام انکاری کے لئے ہے، یعنی آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کلی اور جزئی سب کو جانتا ہے۔ما یکون میں کان تامہ ہے، معنی ہوگا جو بھی تین افراد میں سرگوشی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ چوتھا ہوتا ہے۔ابو جعفر نے یکون کو تکون پڑھا ہے کیونکہ اس کا فاعل نجوی

(۱) حضرت مولف سے تسامح ہوا یا کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اس صورت میں یہ ظرف لغو ہے، مترجم۔

مونث ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے یکون پڑھا ہے کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان من کے ساتھ فاصلہ ہے۔ نجوی اسم مصدر ہے قاموس میں اسی طرح ہے یہ نجوۃ سے مشتق ہے نجوۃ زمین میں سے بلند جگہ کو کہتے ہیں کیونکہ راز ذہن کی طرف بلند ہوتے ہیں ہر کوئی ان تک اطلاع حاصل نہیں کرسکتا۔ معنی یہ ہوگا لوگوں میں جو باہم راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں۔ یہ بھی جائز ہے مضاف مقدر ہو یا یہ متناجین کے معنی میں ہو۔ اس صورت میں یہ ثلاثۃ کی صفت ہوگا۔ الا ھو رابعھم میں استثناء مفرغ ہے ترکیب کلام میں یہ ثلاثۃ سے حال ہے، یعنی کوئی حال بھی ہو اللہ تعالیٰ ان میں چوتھا ہوتا ہے تاہم اس کی معیت کی کوئی کیفیت نہیں جس طرح وہ ایک دوسرے کے راز پر مطلع ہیں اللہ تعالیٰ اس میں شریک ہے۔

یہاں تین اور پانچ کے عدد کی تخصیص یا تو کسی خاص واقعہ کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ آیت منافقین کی راز دارانہ بات کے بارے میں نازل ہوئی یا اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہے اور طاق کو ہی پسند کرتا ہے۔ تین کا عدد پہلا طاق ہے جس میں باہم مشاورت ہو سکتی ہے کیونکہ مشاورت میں عموماً دو افراد آپس میں اختلاف کرتے ہیں اور ایک درمیان میں واسطہ بنتا ہے اور ان جھگڑنے والوں میں سے ایک کی رائے کو راجح قرار دیتا ہے۔ جھگڑا کرنے والوں میں سے یا تو ایک ایک ہوگا تو مجموعہ تین ہوگا اگر دونوں طرف جماعت ہو تو جماعت کا اطلاق کم سے کم دو افراد پر ہوگا تو مجموعہ پانچ بنے گا یہاں دو اعداد کا ذکر کیا اور باقی کی طرف اشارہ کر دیا یعنی وہ مشورہ کرنے والے تین سے کم ہوں جیسے دو یا زیادہ ہوں جس طرح چار، چھ یا اس سے اوپر۔ یعقوب نے اکثر کو مرفوع پڑھا ہے اور اس کا عطف نجوی کے محل پر ہے۔ جب اس پر من حرف جار داخل نہیں تھا یا ادنی کے محل پر عطف ہوگا اگر لا کو جنس کی نفی کے لئے استعمال کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں ان کے ساتھ ہے مگر اس کی معیت کی کیفیت کے ساتھ تکییف نہیں ان کے درمیان جو بھی راز و نیاز ہوتے ہیں وہ ان پر مطلع ہے جو اس کی معیت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم قرب مکانی کی وجہ سے نہیں کہ مکان کے مختلف ہونے کے ساتھ اس کے علم میں تفاوت آ جائے قیامت کے روز انہیں تمام اعمال سے آگاہ بھی کرے گا تا کہ سب کے سامنے ان کی رسوائی ہو اور جس سزا کے وہ مستحق ہیں وہ ثابت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر شے کو جانتی ہے کیونکہ ذات وصفات کا وہی خالق ہے صفات وہ علوم ہوں یا کوئی اور وہی احوال کو پھیرنے والا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے مقاتل بن حبان سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ اور یہودیوں کے درمیان امن کا معاہدہ تھا، کوئی صحابی ان کے پاس سے گزرتا تو وہ آپس میں بیٹھ کر سرگوشیاں شروع کر دیتے مومن یہ گمان کرتا کہ وہ اس کے قتل یا دکھ پہنچانے کے لئے سرگوشیاں کر رہے ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے جب مومن یہودیوں کو سرگوشیاں کرتے ہوئے دیکھتے تو صحابہ کہتے لازماً انہیں ہمارے ان ساتھیوں کے بارے میں قتل، موت یا شکست کی خبر پہنچی ہے جو جہاد پر گئے ہوئے ہیں۔ یہ چیز مسلمانوں کو بڑا دکھ دیتی ہے جب یہ سلسلہ طویل اور زیادہ ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی۔ نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کو اس طرح سرگوشیاں کرنے سے منع کیا لیکن وہ نہ رکے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ ۖ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا ۖ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٨﴾

"کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہیں (اسلام کے خلاف) سرگوشیوں سے روکا گیا پھر دوبارہ وہی کرتے ہیں جس سے انہیں روکا گیا اور وہ سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ، ظلم اور رسول کی نافرمانی کے بارے میں [1] اور جب آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام دیتے ہیں جیسے اللہ نے آپ کو سلام نہیں دیا اور وہ کہا کرتے ہیں آپس میں کہ (اگر یہ سچے رسول ہیں) تو اللہ تعالیٰ ہماری باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا کافی ہے انہیں جہنم اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے [2]"

[1] الم تر میں خطاب حضور ﷺ کو ہے، یعنی اے محمد ﷺ کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ نجوی سے مراد سرگوشی کرنا ثم یعودون میں فعل مضارع فعل ماضی کے معنی میں ہے، یعنی وہ لوٹے اس کا عطف نھوا پر ہے مضارع کا صیغہ اس لئے ذکر کیا تاکہ دوبارہ ایسی سرگوشی کرنے کی شنیع صورت ذہن میں حاضر رہے۔ یتنجون کا عطف یعودون پر ہے۔ حمزہ نے اسے ینتجون پڑھا ہے، یہ نجوی سے یفتعلون کا صیغہ ہے، جبکہ باقی قراء نے یتفاعلون کے وزن پر پڑھا ہے۔ وہ ایسی سرگوشی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ، مومنین پر ظلم اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی پر ایک دوسرے کو تاکید کرتا ہے، جبکہ سرگوشی بذات خود بھی رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ احمد اور بزار رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کو کہتے سام علیکم پھر دل میں کہتے جو کچھ ہم کہتے ہیں (اگر یہ غلط ہے) تو اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

[2] وہ ان کا یہ قول تھا السام علیکم۔ سام کا معنی موت ہے، جبکہ وہ یہ وہم دلاتے کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں السلام علیکم جب وہ حضور ﷺ کے پاس سے اٹھتے تو آپس میں یہ بات کرتے یا اپنے دل میں کہتے جو ہم سلام کرتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ہمیں کیوں عذاب نہیں دیتا۔ یہ نبی نہیں اگر یہ نبی ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ہمیں عذاب دیتا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے لئے جہنم کافی ہے وہ اس میں داخل ہوں گے اور یہ کتنا برا ٹھکانہ ہے۔ یصلونھا یہ حسبھم کی ضمیر سے حال ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ نے فرمایا یہودیوں کی ایک جماعت نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی اور کہا السام علیکم میں نے جواباً کہا بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عائشہ اللہ تعالیٰ رفیق ہے وہ تمام امور میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ میں نے عرض کی کیا آپ نے وہ نہیں سنا جو انہوں نے کہا حضور ﷺ نے فرمایا میں نے وعلیکم کہا ہے (2) ایک روایت میں ہے علیکم اور واؤ کا ذکر نہیں کیا، متفق علیہ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہودی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا السام علیکم۔ حضور ﷺ نے وعلیکم فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عائشہ رہنے دے نرمی کو لازم پکڑو سختی اور ترش کلامی سے بچو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا جو کچھ انہوں نے کہا آپ نے سنا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم نے وہ نہیں سنا جو میں نے کہا میں نے انہیں جواب دے دیا ہے میری بددعا ان کے حق میں قبول ہوگی لیکن ان کی بددعا میرے حق میں قبول نہ ہوگی (3)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے فحش گفتگو نہ کرو کیونکہ

1۔ تفسیر فتح القدیر، جلد 5، صفحہ 187 (دارالمعرفہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 213 (قدیمی) 3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 925 (وزارت تعلیم)

اللہ تعالیٰ فحش گفتگو کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب یہودی تمہیں سلام کرتے ہیں تو وہ تمہیں السام علیکم کہتے ہیں تو اس کے جواب میں تو وعلیک کہہ، متفق علیہ (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اہل کتاب تمہیں سلام کریں تو تم انہیں وعلیکم کہو متفق علیہ (2)۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹

"اے ایمان والو! جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ، زیادتی اور رسول (کریم) کی نافرمانی کے متعلق بلکہ نیکی اور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کی (بارگاہ میں) تمہیں جمع کیا جائے گا[1]"

[1] مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبانوں سے ایمان لائے، دل سے ایمان نہیں لائے تھے، یہ منافق تھے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے گمان کے مطابق ایمان لائے۔ فرمایا جس طرح یہودی کرتے ہیں تم ایسا نہ کرو بلکہ فرائض کی بجا آوری طاعات اور جو چیزیں مومنوں کی بھلائی کا باعث ہیں ان کے بارے میں بات چیت کیا کرو۔ تقویٰ سے مراد رسول اللہ ﷺ کی معیت سے احتراز کرنا ہے۔ تم جو بھی عمل کرتے ہو یا جس عمل کو چھوڑتے ہو اس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ وہی تمہیں بدلہ دینے والا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ منافق آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں جس سے مومن غصے ہوتے اور ان پر منافقین کا یہ عمل ناگوار گزرتا (3) تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰

"(کفار کی) سرگوشیاں تو شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ وہ غمزدہ کردے ایمان والوں کو[1] حالانکہ وہ انہیں کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اللہ کے حکم کے بغیر[2] اور اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے اہل ایمان کو[3]"

[1] وہ سرگوشی جو وہ مسلمانوں کو ناراض کرنے اور پریشان کرنے کے لئے کرتے ہیں وہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ شیطان ہی اسے مزین کرنے والا اور اس امر پر برانگیختہ کرنے والا ہے۔ لیحزن فعل محذوف کے متعلق ہے، تقدیر کلام یوں ہے: يتناجون ليحزن یا تقدیر کلام یہ ہے يُزَيِّنُ الشَّيْطٰنُ النَّجْوٰى لِيَحْزُنَ یا یہ ظرف مستقر کے متعلق ہے، یعنی كَائِنٌ مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ۔

[2] وہ اپنے گمان کے مطابق مومنوں کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں لیکن سرگوشی یا شیطان مومنوں کو معمولی نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قضاء سے نقصان پہنچا سکتا ہے جملہ ظرف مستقر کے فاعل سے حال ہے۔

[3] فَلْيَتَوَكَّلِ میں فاء محذوف اما کے جواب پر ہے تقدیر کلام یوں ہے: واما على الله فليتوكل المومنون ان کی سرگوشی کی مومنوں کو کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم تین افراد ہو تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی سرگوشی

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 213 (قدیمی) 2۔ جامع ترمذی: 3301 (العلمیہ) 3۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 12 (الامیریہ)

نہ کریں ہاں اجازت لے کر رازدارانہ بات کر سکتے ہیں کیونکہ بغیر اجازت کے سرگوشی کرنا اسے غمگین بنا دیتا ہے۔ اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام احمد، شیخین اور امام ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا نیز ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی جب تم تین افراد ہو تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی سرگوشی نہ کریں یہاں تک کہ وہ لوگوں سے گھل مل جائیں کیونکہ اس طرح کا طرز عمل تیسرے آدمی کو غمگین بناتا ہے (1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مقاتل بن حبان نے کہا حضور ﷺ انصار و مہاجرین میں سے بدری صحابہ کی تعظیم فرماتے۔ ان میں سے کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ دوسرے صحابہ پہلے ہی آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ حضور ﷺ کے گرد کھڑے ہو گئے، سلام کیا۔ حضور ﷺ نے انہیں جواب ارشاد فرمایا پھر انہوں نے قوم کو سلام کیا۔ انہوں نے ان صحابہ کو جواب دیا وہ کھڑے رہے، یہ انتظار کر رہے تھے کہ ان کے لئے جگہ بنائی جاتی لیکن لوگوں نے جگہ نہ دی۔ یہ طرز عمل حضور ﷺ پر شاق گزرا جو لوگ حضور ﷺ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے حضور ﷺ نے انہیں فرمایا اے فلاں اٹھ اے فلاں اٹھ حضور ﷺ نے بدری صحابہ کی تعداد کے برابر صحابہ کو اٹھایا جنہیں مجلس سے اٹھایا گیا ان پر یہ شاق گزرا۔ حضور ﷺ نے ناپسندیدگی کے آثار ان کے چہروں سے دیکھ لئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

"اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ (آنے والوں کے لئے) جگہ کشادہ کر دو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو[1] اللہ تمہارے لئے کشادگی فرمائے گا[2] اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو[3] اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا درجات بلند فرما دے گا[4] اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے[5]"

[1] ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت جمعہ کے روز نازل ہوئی۔ کچھ بدری صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر سابقہ روایت کی طرح روایت ذکر کی (2)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی۔ اس کا قصہ سورۂ حجرات میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ ابن جریر نے قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے ذکر کیا ہے جب لوگ آنے والے کو دیکھتے کہ وہ وہاں بیٹھنا چاہتا ہے جہاں وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا ہے (3) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ کھل جاؤ یا ایک دوسرے سے الگ ہو جاؤ۔ اس قول سے مشتق ہے افسح عنی یعنی مجھ سے پرے ہو جا۔ عاصم نے مجالس کو جمع کے صیغہ کی صورت میں پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے واحد کا صیغہ مجلس پڑھا ہے۔ اس صورت میں المجلس سے مراد جنس ہو گی یا رسول اللہ ﷺ کی مجلس ہو گی کیونکہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے قریب بیٹھنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے اور حضور ﷺ کا کلام سننے کی حرص کرتے تھے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 271 (العلمیہ) 2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 271 (العلمیہ) 3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

؎ یفسح جواب امر میں ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ان چیزوں کو وسیع فرما دے گا مکان، رزق اور سینہ میں سے جن چیزوں کی تم وسعت کا ارادہ کرو گے نیز اللہ تعالیٰ تمہارے لئے جنت کو وسیع کر دے گا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ایک آدمی دوسرے کو مجلس میں سے اٹھائے پھر اس کی جگہ بیٹھ جائے بلکہ تم کو کھل جانا چاہئے اور ایک دوسرے کو جگہ دینی چاہئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جمعہ کے روز کوئی آدمی اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے بلکہ یہ کہے کھل جا۔ ابوالعالیہ، قرظی اور حضرت حسن بصری رحہم اللہ تعالیٰ نے کہا یہ حکم جنگ اور قتال کی جگہوں کے بارے میں ہے کوئی آدمی قوم کی صف میں آتا اور کہتا مجھے بھی جگہ دو تو وہ جنگ کے حریص ہونے اور جام شہادت نوش کرنے کی رغبت کی وجہ سے پہلے لوگ جگہ دینے سے انکار کر دیتے تھے (1)۔

؎ نافع، ابن عامر اور عاصم رحہم اللہ تعالیٰ نے ابوبکر سے اس میں شین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور ہمزہ وصل سے ابتدا کرتے ہیں جبکہ باقی قراء نے شین کو کسرہ دیا ہے اور ہمزہ کو کسرہ دیا ہے، معنی یہ ہے اپنی جگہوں سے اوپر اٹھو تا کہ بھائیوں کے لئے جگہ بن جائے۔
امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عکرمہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا جب اذان ہوتی تو لوگ نماز کی ادائیگی میں سستی کرتے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا معنی یہ ہے جب نماز کے لئے اذان کہی جائے تو اس کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر مفسرین نے کہا اس کا معنی یہ ہے جب تمہیں یہ کہا جائے کہ نماز، جہاد، حق اور خیر کی طرف اٹھو تو اس کے لئے اٹھ کھڑے ہو کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو۔

؎ یرفع جواب امر میں ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے درجات بلند کر دے گا مدد کرنے کے ساتھ، اچھے ذکر کے ساتھ لوگوں کی آنکھوں میں رعب پیدا کر کے دنیا میں اسی طرح کے اسباب پیدا کر کے اور آخرت میں جنت کے بالا خانوں میں ٹھکانے عطا فرما کر درجات بلند فرمائے گا خصوصاً علماء کے درجات بلند فرمائے گا۔ یہاں درجات نسبت سے تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر کلام یہ ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے درجات جنت میں بلند فرمائے گا جو ایمان لائے کیونکہ انہوں نے علم اور عمل کو جمع کیا کیونکہ عمل جب اہل علم سے صادر ہو تو اسے دوسروں کی نسبت زیادہ اجر دیا جاتا ہے کیونکہ اس کی اقتداء بھی کی جاتی ہے۔ جاہل کو یہ مقام نصیب نہیں ہوتا عالم کو اپنا اجر بھی ملتا ہے اور جو اس کی اقتداء کرتے ہیں ان کا اجر بھی ملتا ہے، جبکہ اقتداء کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے جس نے اچھا طریقہ شروع کیا تو اسے اپنا اجر ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی اسے ملے گا، جبکہ عمل کرنے والے کے اجروں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی (2) اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے حضور ﷺ کا فرمان ہے عالم کی عبادت گزار پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر فضیلت ہوتی ہے۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے دینار اور درہم وارثت کے طور پر نہیں چھوڑے بلکہ وہ علم کو میراث کے طور پر چھوڑتے ہیں جس نے علم حاصل کیا اس نے انبیاء کی وراثت میں سے وافر حصہ لیا (3) اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سنن نے کثیر بن قیس سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام قیس بن کثیر نقل کیا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ الترغیب والترہیب، جلد 1، صفحہ 90 (الفکر) 3۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 111 (العلمیہ)

حضور ﷺ نے فرمایا عالم کی عابد پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح تم میں سے بلند ترین مرتبہ کے حامل کی تم میں سے ادنیٰ مرتبہ کے حامل پر فضیلت ہے(1) اسے امام ترمذی نے ابوامامہ باہلی رحمہما اللہ تعالیٰ کی حدیث سے نقل کیا جو عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضور ﷺ مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزرے فرمایا دونوں اچھی ہیں تاہم ایک زیادہ اچھی ہے جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر رہے ہیں، اس میں رغبت کا اظہار کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو انہیں عطا فرما دے اگر چاہے تو انکار کر دے مگر یہ لوگ فقہ یا علم سیکھ رہے ہیں اور جاہل کو سکھا رہے ہیں یہ افضل ہیں۔ میں معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں پھر حضور ﷺ انہیں لوگوں میں بیٹھ گئے(2) اسے دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا اے لوگو اس آیت کو سمجھو، علم میں رغبت کرو۔ اللہ تعالیٰ مومن عالم کو جاہل پر کئی درجے بلند فرمائے گا۔ اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اہل بدر اپنے اعمال کی وجہ سے تکریم کے مستحق ہیں حضور ﷺ نے صحیح حکم دیا صحابہ اس حکم کی اطاعت کر کے ثواب کے مستحق بن گئے۔

ۓ اللہ تعالیٰ تمہیں بدلہ عطا فرمائے گا اس میں عمل کرنے والوں کے لئے ترغیب اور جنہوں نے اطاعت نہ کی اور اسے ناپسند کیا ان کے لئے دھمکی ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن ابی طلحہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ مسلمانوں نے حضور ﷺ سے زیادہ سوال کرنا شروع کر دیے یہاں تک کہ آپ کو پریشان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اپنے نبی سے اس بوجھ کو ہلکا کرے تو اس آیت کو نازل فرمایا(3)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

"اے ایمان والو! جب تنہائی میں بات کرنا چاہو رسول (مکرم) سے تو سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا کرو یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے اور (دلوں کو) پاک کرنے والی اور اگر تم (اس کی سکت) نہ پاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۔"

ۓ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت اغنیاء کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور زیادہ دیر تک باتیں کرتے رہتے اور مجالس میں فقراء پر غلبہ پائے رکھتے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے زیادہ دیر تک بیٹھنے اور سرگوشیاں کرنے کو ناپسند کیا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بے شمار لوگوں نے صبر کیا اور سوال کرنے سے رک گئے(4)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا انہوں نے سرگوشیاں کرنا چھوڑ دیں جہاں تک تنگدستوں کا معاملہ تھا ان کے پاس تو کچھ تھا ہی نہیں۔ جہاں تک خوشحال لوگوں کا معاملہ تھا انہوں نے بخل سے کام لیا تو صحابہ کرام پر یہ امر بڑا شاق گزرا تو اس بارے میں رخصت نازل ہوئی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لوگوں کی سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا یہاں تک کہ وہ صدقہ کریں تو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے صرف سرگوشی کی،

1۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 113 (العلمیہ)
2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 272 (العلمیہ)
4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 15 (الامیریہ)

انہوں نے ایک دینار صدقہ کیا اور سرگوشی کی اس کے بعد اس حکم میں رخصت نازل ہوئی۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے قرآن حکیم میں ایک ایسی آیت ہے جس پر نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ کسی نے میرے بعد اس پر عمل کیا یہ مناجات والی آیت ہے (1)۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کتاب اللہ میں ایک آیت ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا (2) میرے پاس ایک دینار تھا میں نے اس کے درہم لئے۔ جب بھی میں حضور ﷺ سے مناجات کرتا تو میں ایک درہم صدقہ کر دیتا۔

مدارک میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے جب میں حضور ﷺ سے مناجات کرتا تو ایک درہم صدقہ کرتا۔ مدارک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے جب میں حضور ﷺ سے سرگوشی کرتا تو میں ایک درہم صدقہ کرتا۔ میں نے حضور ﷺ سے دس سوال دریافت کئے آپ نے مجھے ان کے جواب ارشاد فرمائے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وفاء کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا توحید اور لا الٰہ الا اللّٰہ کی گواہی دینا، میں نے عرض کی فساد کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور شرک کرنا، میں نے عرض کی حق کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا اسلام، قرآن اور ولایت۔ میں نے پوچھا حیلہ کیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا حیلہ ترک کر دینا۔ میں نے عرض کی مجھ پر کیا لازم ہے؟ فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت۔ میں نے پوچھا میں اللہ سے دعا کیسے مانگوں؟ فرمایا صدق اور یقین کے ساتھ۔ میں نے عرض کی میں کیا مانگوں؟ فرمایا عافیت۔ میں نے عرض کی اپنی نجات کے لئے کیا کروں؟ فرمایا حلال کھاؤ اور سچی بات کرو۔ میں نے پوچھا سرور کسے کہتے ہیں؟ فرمایا جنت۔ میں نے عرض کی راحت کسے کہتے ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ سے ملاقات۔ جب میں سوال و جواب سے فارغ ہوا تو اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔ مال کا صدقہ کرنا مال کی محبت سے بہتر ہے اور تمہارے گناہ کو پاک کرنے کا باعث ہے اگر تم فقر کی وجہ سے صدقہ کرنے کی طاقت نہ رکھو کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس حکم میں فقراء کو رخصت عطا فرمائی اور صدقہ کے بغیر بھی انہیں سرگوشی کرنے کی اجازت دی گئی گویا یہ جملہ سابقہ عمومی حکم کے لئے مخصص ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سرگوشی پر صدقہ والی آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے علی بتاؤ صدقہ ایک دینار ہونا چاہئے۔ میں نے عرض کی لوگوں کی اس میں بھی طاقت نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا پھر کتنا صدقہ ہونا چاہئے؟ میں نے عرض کی ایک جو۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم تو بڑے زاہد ہو تو یہ آیت نازل ہوئی (3)۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۚ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

"کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا چاہئے پس جب تم ایسا نہیں کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر نظر کرم فرمائی پس (اب) تم نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور تابعداری کیا کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے رہتے ہو۔"

ءَاَشْفَقْتُمْ استفہام تقریر کے لئے ہے معنی ہے، تم فقر سے ڈرتے ہو یا معنی یہ ہے تم پہلے صدقہ کرنے سے ڈرتے ہو کیونکہ شیطان تمہیں فقر کا

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　　2۔ مستدرک حاکم: 3794 (العلمیہ)　　3۔ جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 11، صفحہ 134 (العلمیہ)

خوف دلاتا ہے کیونکہ مخاطبین کی تعداد زیادہ ہے۔ اس وجہ سے صدقات کو بھی جمع ذکر کیا یا سرگوشیوں کی زیادتی کی وجہ سے جمع کا صیغہ ذکر کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت جو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف کر دی۔ جب تم فقر یا بخل کی وجہ سے صدقہ نہ کر سکو اور اللہ تعالیٰ تم سے درگزر کر دے اور تمہیں سزا نہ دے یا اس کا معنی یہ ہے یا اس حکم کو واپس لے لے اور صدقہ کے حکم کو منسوخ کر دے اور تمہیں اس پر عمل پیرا نہ ہونے کی رخصت دے دے۔ اس میں یہ شعور دلایا کہ تمہارا خوف کھانا گناہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر فرمایا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ تقدیر کلام یہ ہے: فَاِذْلَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ وَتَجَاوَزَ عَنْكُمْ جب تم نے ایسا نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے تم پر نظر کرم کی تو تمہیں معاف کر دیا اور صدقہ کا حکم منسوخ کر دیا۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حکم دس روز تک جاری رہا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ دن کی چند ساعتوں تک باقی رہا (1)۔ فرض نمازیں قائم کرو فرض زکوٰۃ ادا کرو ان کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ کرو، تمام امور میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان پر دوام اختیار کرو کیونکہ ان میں دوام اختیار کرنا صدقہ میں واقع ہونے والی کوتاہی کو زائل کر دیتا ہے۔ تم ظاہر ہو یا مخفی جو کچھ بھی عمل کرتے ہو انہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ تمہیں جزا دے گا۔

امام احمد، بزار، ابن جریر، طبرانی اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ ایک حجرہ میں تشریف فرما تھے ایک روایت میں ہے حجرہ کے سائے میں تشریف فرما تھے، جبکہ سایہ سکڑ رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس ایک جابر آدمی آئے گا۔ ایک روایت میں ہے اس کا دل جبار کا دل ہوگا وہ شیطان کی آنکھ سے دیکھے گا، جب وہ تمہارے پاس آئے تو اس سے کلام نہ کرنا ابھی تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ ایک نیلی آنکھوں والا کانا آدمی آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا حضور ﷺ نے اس سے پوچھا تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو؟ اس نے کہا مجھے مہلت دیجئے میں ابھی آتا ہوں۔ وہ چلا گیا اور اپنے ساتھیوں کو بلا لایا سب نے قسمیں کھائیں کہ ہم نے نہ ایسی بات کہی اور نہ ہی ایسا عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ⑭

''کیا تم نے نہیں دیکھا ان (نادانوں) کی طرف جنہوں نے دوست بنا لیا ایسی قوم کو جن پر خدا کا غضب ہوا نہ یہ لوگ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے یہ جان بوجھ کر جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں لے''

لے استفہام انکار کے لئے ہے اور نفی کا انکار اثبات کا معنی دیتا ہے، یعنی آپ دیکھتے ہیں۔ الذین اسم موصول سے مراد منافق ہیں، وہ عبداللہ بن نجل اور اس کے ساتھی تھے۔ قوم سے مراد یہودی ہیں ان لوگوں نے یہودیوں سے دوستی اختیار کی تھی اور ان کے مخلص ساتھی بن گئے تھے۔ یہ حضور ﷺ کے راز یہودیوں تک پہنچاتے تھے۔ فرمایا یہ منافق دین اور دوستی میں نہ تم سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کا یہودیوں سے کوئی تعلق ہے ماھم منکم جملہ یہ اسم موصول سے حال ہے

یحلفون کا عطف تولوا پر ہے، یعنی وہ مسلمان ہونے کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔

هُمْ يَعْلَمُوْنَ یہ یحلفون کے فاعل سے حال ہے، وہ قسمیں اٹھاتے ہیں اور اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔ ان

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

کی یہ حالت نہیں ہوتی کہ وہ غلطی سے قسم اٹھاتے ہیں اور ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں وہ سچے ہیں۔ سدی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ آیت عبداللہ منافق کے بارے میں نازل ہوئی یہ حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھتا تھا پھر آپ کی باتیں یہودیوں تک پہنچاتا تھا اسی اثناء میں کہ ایک روز حضور ﷺ حجرہ میں تشریف فرما تھے(1) پھر دونوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جیسی روایت ذکر کی۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں اللہ کی قسم اس نے ایسا نہیں کہا وہ اپنے ساتھیوں کو بھی لے آیا ان سب نے یہ قسم اٹھائی کہ انہوں نے حضور ﷺ کو گالی نہیں دی۔

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾

"تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب بلا شبہ یہ لوگ بہت برے کام کرتے تھے ۱؎"

۱؎ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عذاب کی ایک خاص قسم تیار کر رکھی ہے جو کمر توڑ ہے۔ زمانہ ماضی میں جو کچھ وہ عمل کرتے وہ سخت برا تھا اسی برے عمل پر وہ ڈٹے رہے۔

اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٦﴾

"انہوں نے بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال پس وہ (اس طرح) روکتے ہیں اللہ کی راہ سے سو ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے ۱؎"

۱؎ یہ جملہ مستانفہ ہے یا یحلفون کے فاعل سے حال ہے اور اس سے پہلے قد مضمر ہے۔ انہوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو اپنی جانیں اور مال محفوظ کرنے کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ انہوں نے امن کے دور میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس پر ایمان لانے سے روکا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان لوگوں نے مومنوں کو قتل کر کے اور مال چھین کر جہاد سے روکا۔ ان کے لئے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ ان کے عذاب کی دوسری صفت ذکر کی، یہ دوسری وعید ہے یا انہیں دوسرے عذاب کی وعید دی جارہی ہے جو پہلے عذاب سے بڑھ کر ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا پہلا عذاب قبر ہے اور دوسرا عذاب آخرت۔

لَّن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ ۖ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٨﴾

"کچھ نفع نہیں پہنچا ئیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد عذاب الٰہی سے بچانے کے لئے یہ لوگ جہنمی ہیں اور یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ۱؎ جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی مفید چیز پر تکیہ کئے ہوئے ہیں خبردار! یہی وہ جھوٹے لوگ ہیں ۲؎"

۱؎ قیامت کے روز ان کے مال اور اولاد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے۔ یہ جملہ عذاب کی اور ایک صفت ہے، جبکہ رابطہ

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

(۱) ظلوما موصوف اور یومنون اس کی صفت دونوں مل کر ذو الحال ہوں گے۔ دوسری صورت میں یومنون صفت اول، اور یوادون صفت ثانی ہوگی۔

والی ضمیر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے: لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ فِيْ دَفْعِهٖ اَمْوَالُهُمْ یا یہ جملہ مستانفہ ہے۔

ؐ یوم ظرف عَذَابٌ مُّهِيْنٌ کے متعلق ہے، وہ یوں قسمیں اٹھاتے ہیں رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ جس طرح وہ یہ قسمیں اٹھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، اور گمان کرتے ہیں کہ وہ اس حیلہ کے ذریعے نجات حاصل کر لیں گے اور وہ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ جھوٹی قسمیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی طرح کام آ جائیں گی جس طرح دنیا میں تمہارے ہاں کام آ جاتی ہیں اور وہ راحت حاصل کر لیتے ہیں خبردار وہ حد درجہ جھوٹے ہیں کیونکہ وہ عالم الغیب کے سامنے جھوٹ بول رہے ہیں جہاں جھوٹ کوئی نفع نہیں دیتا۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

"تسلط جما لیا ہے ان پر شیطان نے اور اس نے اللہ کا ذکر انہیں فراموش کرا دیا ہے یہ لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں خوب سن لو! شیطان کا ٹولہ ہی یقیناً نقصان اٹھانے والا ہیں لے"

شیطان ان پر غالب آ گیا اور اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دیا اس طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے اور نہ ہی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بدلہ دے گا، جبکہ اللہ تعالیٰ ان کے رازوں کو جانتا ہے یہ شیطان کے لشکر اور پیروکار ہیں خبردار شیطان کے دوست ہی خسارہ پانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے حصہ کو ضائع کر دیا اور جنت کو جہنم سے بدل دیا۔ ایک طویل حدیث میں وارد ہوا ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع انداز میں مروی ہے کہ قبر میں کافر کے لئے جنت کی طرف ایک سوراخ کھولا جائے گا وہ جنت کی تروتازگی کو دیکھے گا۔ اسے کہا جائے گا اس مقام کو دیکھ جس سے تمہیں پھیرا گیا پھر جہنم کی طرف ایک سوراخ کھولا جائے گا وہ اس کی طرف دیکھے گا تو جہنم کا بعض بعض کو کھا رہا ہو گا۔ اسے کہا جائے گا یہ تیرا ٹھکانہ ہے۔ اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے دو ٹھکانے ہیں ایک ٹھکانہ جنت میں ہے اور دوسرا ٹھکانہ جہنم میں ہے جب کوئی فوت ہوتا ہے اور جہنم میں داخل ہوتا ہے تو دوسرے جنتی اس کے ٹھکانے کے وارث بن جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اولٰئک ھم الوارثون کا یہی معنی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾

"بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے لے اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے ؐ"

لے وہ اللہ تعالیٰ کی ذلیل ترین مخلوق ہو گی کوئی ان سے بڑھ کر ذلیل نہیں ہو گا۔

ؐ اللہ تعالیٰ نے قطعی فیصلہ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ نافع اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے رسلی کی یاء کو مفتوح پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے ساکن پڑھا ہے، لا غلبن محذوف قسم کا جواب ہے یا یہ کہا جائے گا کہ جب كَتَبَ لزوم کا فائدہ دیتا ہے جو قسم کے معنی میں ہے تو اس کے جواب میں لام کا ذکر فرمایا۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا رسولوں کے غلبہ کی دو قسمیں ہیں جنہیں

جنگ کے لئے بھیجا گیا وہ جنگ میں غالب رہے اور جنہیں جنگ کے لئے نہیں بھیجا گیا انہیں دلیل کے ساتھ غلبہ عطا کیا گیا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

"تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر (پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں نقش کر دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیض خاص سے اور داخل کرے گا انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان سے اور وہ اس سے راضی ہو گئے یہ (بلند اقبال) اللہ کے گروہ ہیں سن لو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہے[1]"

[1] اگر تجد، تعلم کے معنی میں ہے تو یوادون اس کا مفعول ثانی ہوگا۔ اگر وہ مصادفہ کے معنی میں ہو تو یہ قوما سے حال (1) ہوگا یا اس کی صفت ہوگا۔

یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مومن کا ایمان کافروں کے ساتھ محبت کرنے کی وجہ سے فاسد ہو جاتا ہے مومن کسی کافر سے دوستی نہیں رکھتا اگرچہ کافر اس کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ آیت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اہل مکہ کو خط لکھا تھا۔ یہ واقعہ سورۃ ممتحنہ میں آئے گا ان شاء اللہ۔ ابن منذر نے ابن جریج رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ ہمیں بیان کیا گیا کہ ابو قحافہ نے اسلام لانے سے قبل حضور ﷺ کو برا بھلا کہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو سخت تھپڑ مارا وہ گر گئے۔ یہ بات حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ حضور ﷺ نے دریافت کیا اے ابوبکر کیا تم نے ایسا کیا ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی اگر تلوار میرے قریب ہوتی تو اللہ کی قسم میں اس کی گردن اڑا دیتا تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سودہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ یہ آیت ابو عبیدہ بن جراح کے حق میں نازل ہوئی جب انہوں نے غزوہ بدر میں اپنے باپ کو قتل کیا تھا۔ طبرانی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے مستدرک میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے، غزوہ بدر میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابو عبیدہ کے سامنے آتے اور حضرت ابو عبیدہ ایک طرف ہو جاتے جب ان کے والد کی طرف سے یہ سلسلہ کثرت سے ہوا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کر دیا اور قتل کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ مقاتل بن حبان نے مرہ ہمدانی سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا کہ حضرت ابو عبیدہ نے اپنے باپ عبداللہ بن جراح کو غزوہ اُحد کے روز قتل کر دیا تھا (2)۔ یا ان کے بیٹے ہوں جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے غزوہ بدر میں دعوت

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 274 (العلمیہ)
2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

مبارزت دی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ پہلے دستہ میں شامل ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہمیں اپنے آپ سے لطف اندوز کر(1)۔ یا ان کے بھائی ہوں جیسے مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا یا خاندان کے لوگ ہوں جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خالو عاص بن ہاشم بن مغیرہ کو غزوہ بدر میں قتل کیا۔ حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم نے بدر کے روز عتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے اور ولید بن عتبہ سے جنگ کی اور انہیں قتل کیا۔ جن لوگوں نے کفار سے دوستی نہیں کی انہیں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ثابت کر دیا ہے۔ یہاں ایمان سے مراد تصدیق ہے۔ دل تصدیق اور یقین سے لبریز ہیں ان میں شک داخل نہیں ہو سکتا۔

روح منہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور اس کی مدد ہے ان کی مدد کو روح اس لئے قرار دیا کیونکہ انہیں زندگی اس کی مدد سے ہی نصیب ہوتی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے ایمان مراد ہے۔ ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے قرآن اور اس کے دلائل مراد ہیں(2) ایک قول یہ کیا گیا اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت مراد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت جبرئیل امین کے ذریعے ان کی مدد فرمائی۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ والا جملہ قبلہ کے مقدر ماننے کے ساتھ یدخلھم کے فاعل یا اس کے مفعول سے حال بن رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اطاعت کی وجہ سے ان پر راضی ہوا اور وہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ پر راضی ہوئے یا تو آخرت میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے اعمال کے مطابق ثواب عطا فرمایا یا دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ یہی اللہ کا شکر اور اس کے دین کے مددگار ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کرتے ہیں اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے ان سے وہ رک جاتے ہیں۔ یہی لوگ دنیا و آخرت کی بھلائیوں کو پانے والے ہیں اور ہر خوف سے امن میں ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

سورۃ الحشر

آیاتها ۲۴ — سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ ۵۹ — رکوعاتها ۳

سورۃ الحشر مدنی ہے، اس میں چوبیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

صحیحین میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سورۂ حشر کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اسے سورۂ نضیر کہو(1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں سے روایت نقل کی ہے کہ سورۂ انفال غزوہ بدر کے بارے میں نازل ہوئی اور سورۂ حشر بنی نضیر کے حق میں نازل ہوئی(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۗ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۲

"اللہ ہی کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب، بڑا دانا ہے وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اہل کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی جلاوطنی کے وقت تم نے کبھی یہ خیال بھی نہ کیا تھا کہ نکل جائیں گے اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ انہیں ان کے قلعے بچالیں گے اللہ (کے قہر) سے پس آیا ان پر اللہ (کا قہر) اس جگہ سے جس کا انہیں خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو!۔"

ؔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے مراد بنی نضیر ہیں جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ مِنْ دِيَارِهِمْ سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے بنی نضیر کو مدینہ طیبہ سے اس وقت جلاوطن کیا گیا جب حضور ﷺ غزوہ احد سے واپس تشریف لائے تھے اور بنی قریظہ پر اس وقت فتح حاصل کی جب آپ غزوہ احزاب سے فارغ ہوئے تھے۔ اب دونوں واقعات کے درمیان دو سال کا عرصہ ہے۔

بنی نضیر کے جلاوطن کرنے کا سبب یہ بنا تھا کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو بنی نضیر نے حضور ﷺ سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ ہو کر آپ کے دشمنوں سے لڑیں گے اور نہ ہی آپ کے دشمنوں کے ساتھ مل کر آپ سے لڑیں

1۔ صحیح بخاری، جلد 4، صفحہ 1852 (ابن کثیر)
2۔ ایضاً

گے۔ حضور ﷺ نے اس معاہدہ کو قبول فرمایا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر میں جنگ کی اور مشرکین مکہ پر فتح یاب ہوئے تو بنو نضیر نے کہا اللہ کی قسم یہی وہ نبی ہے جس کی نعت تورات میں مذکور ہے۔ آپ کے جھنڈے کو لوٹایا نہیں جائے گا (آپ کو شکست نہ ہو گی) جب حضور ﷺ نے غزوہ احد میں شرکت کی اور مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو وہ شک میں مبتلا ہو گئے اور حضور ﷺ اور مومنین کے لئے دشمنی کو ظاہر کرنے لگے اور انہوں نے حضور ﷺ سے جو معاہدہ کیا تھا اس کو توڑ دیا۔ بنی نضیر کا سردار کعب بن اشرف چالیس سواروں کے ساتھ مکہ مکرمہ گیا۔ یہ لوگ قریش کے پاس آئے اور انہوں نے آپس میں عہد و پیمان کئے کہ مسلمانوں کے خلاف ہم سب ایک ہیں۔ قریش مکہ کا سردار ابوسفیان قریش کے چالیس افراد کے ساتھ حرم کعبہ میں داخل ہوا اور کعب بن اشرف بھی چالیس ساتھیوں کے ساتھ حرم کعبہ میں داخل ہوا۔ انہوں نے آپس میں کعبہ کے غلاف اور کعبہ مقدسہ کے درمیان معاہدہ کیا پھر کعب اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ واپس آ گیا۔ جبرئیل امین حاضر ہوئے نیز کعب اور ابوسفیان کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کی اطلاع دی اور کعب بن اشرف کو قتل کرنے کو کہا محمد بن مسلمہ نے کعب کو قتل کر دیا۔ اس کے قتل کا قصہ ہم سورۂ آل عمران میں ذکر کر چکے ہیں۔

حضور ﷺ کو ان کی عہد شکنی کی متعدد اطلاعیں مل چکی تھیں(1):۔

1۔ بنی نضیر نے حضور ﷺ کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ آپ اپنے تیس ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائیں۔ ہمارے تیس علماء آئیں گے ہم ایسے مقام پر باہم ملیں گے جو ہماری بستی اور آپ کی بستی کے درمیان ہوگا۔ ہمارے علماء آپ کی باتیں سنیں گے اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کی تو ہم سب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ جب اگلا دن آیا تو حضور ﷺ تیس صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور یہودیوں کے بھی تیس علماء آ گئے۔ جب یہ کھلے میدان میں آ گئے تو یہودیوں نے ایک دوسرے کو کہا تم حضور ﷺ تک کیسے پہنچو گے، جبکہ آپ کے ساتھ تیس جان نثار ہیں ان میں سے ہر ایک آپ پر جان قربان کرنے کو تیار ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا ہم آپ کی بات کیسے سمجھیں گے، جبکہ ہماری تعداد ساٹھ ہوگی۔ آپ اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ تشریف لے آیئے ہمارے بھی تین علماء آئیں گے۔ وہ آپ کی بات سنیں گے اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضور ﷺ تین صحابہ کے ساتھ چل پڑے۔ تین یہودی علماء بھی آ گئے ان کے پاس خنجر تھے۔ انہوں نے دھوکے سے حضور ﷺ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ بنی نضیر کی ایک عورت نے اپنے مسلمان انصاری بھائی کی طرف پیغام بھیجا اور بنو نضیر نے حضور ﷺ کے ساتھ دھوکے کا جو ارادہ کیا تھا اس کے بارے میں آگاہ کیا۔ اس عورت کا بھائی جلدی سے حضور ﷺ کی طرف آگے بڑھا۔ حضور ﷺ تک پہنچا ابھی حضور ﷺ یہودیوں تک نہیں پہنچے تھے کہ ان کے ارادے سے آپ کو خفیہ طریقہ سے آگاہ کر دیا۔ حضور ﷺ یہ اطلاع پا کر واپس تشریف لے آئے(2)۔ اس قصہ کو ابوداؤد، بیہقی، عبد بن حمید اور عبدالرزاق رحمہم اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ان سب نے ایک طویل حدیث ذکر کی ہے۔ اس میں یہ وضاحت بھی ہے کہ بنو نضیر نے اس وقت دھوکہ کرنا چاہا جب قریش نے غزوہ بدر کے بعد انہیں خط لکھا کہ تم لوگ زرہ پوش اور قلعوں والے ہو تمہیں ہمارے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنی ہو گی یا تمہیں یہ کرنا ہوگا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو ذکر کیا اس کے بعد یہ کہا جب اگلا دن آیا حضور ﷺ لشکروں کے ساتھ ان کی طرف چل پڑے اور اکیس دن تک محاصرہ کئے رکھا۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا　　2۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 5، صفحہ 60-359 (المکتب الاسلامی)

2۔ان کی دوسری خیانت یہ تھی کہ جب حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تا کہ ان دو آدمیوں کی دیت کی ادائیگی میں ان سے مدد طلب کریں جنہیں عمرو بن امیہ ضمیری نے قتل کر دیا تھا جب وہ بیئر معونہ سے واپس آرہے تھے تو یہودیوں نے قلعہ کے اوپر سے ایک پتھر آپ پر گرانے کا ارادہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا اور اس واقعہ کی آپ کو خبر کر دی۔ ہم نے اس واقعہ کو سورۂ مائدہ میں ذکر کر دیا ہے۔

ابن حمید نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی اور حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو کنانہ بن صوریا نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ کیوں اٹھ گئے ہیں؟ یہودیوں نے کہا اللہ کی قسم ہمیں تو کچھ علم نہیں اور تو بھی نہیں جانتا۔ اس نے کہا کیوں نہیں تورات کی قسم میں جانتا ہوں تم نے حضور ﷺ کو جو دھوکہ دینا چاہا ہے اس کی آپ کو خبر دے دی گئی ہے۔ اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھو اللہ کی قسم وہ اللہ کا رسول ہے وہ محض اس لئے کھڑے ہوئے کیونکہ جو تم نے برا ارادہ کیا تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دے دی ہے۔ وہ آخری نبی ہیں، جبکہ تم یہ طمع کرتے ہو کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے کوئی نبی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہے نبوت عطا فرمادے۔ ہماری کتابیں اور وہ تورات جس میں تغیر و تبدل نہیں اس میں ہم نے پڑھا ہے کہ آخری نبی کی پیدائش مکہ مکرمہ ہوگی، اس کی ہجرت گاہ یثرب ہوگی۔ آپ کی صفات بعینہ وہ ہیں جو ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم یہاں سے کوچ کر رہے ہو تمہاری اولادیں ضائع ہو رہی ہیں تم اپنے گھربار چھوڑ رہے ہو، یہ تمہارے لئے بہت برا ہے۔ دو باتوں میں میری اطاعت کرو تیسری بات میں کوئی بھلائی نہیں۔ لوگوں نے پوچھا وہ دو باتیں کونسی ہیں؟ کنانہ نے کہا تم مسلمان ہو جاؤ اور حضور ﷺ کے ساتھی بن جاؤ۔ تم اپنے اموال اور اولادوں کے ساتھ امن میں رہو گے جیسے ان کے صحابہ ہیں تم بھی اسی طرح رہو گے تمہارے مال تمہارے ہاتھوں میں رہیں گے اور نہ ہی تم گھروں سے نکلو گے یہودیوں نے کہا ہم تورات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو نہیں چھوڑیں گے تو پھر کنانہ نے دوسری بات کہی وہ تمہاری طرف پیغام بھیجیں گے کہ میرے شہر سے نکل جاؤ تو تم کہنا ٹھیک ہے وہ تمہاری جانوں اور مالوں کو کچھ نہ کہیں گے، تمہارے مال تمہارے پاس رہیں گے۔ چاہو تو انہیں بیچ دینا چاہو تو اپنے پاس رکھنا تو یہودیوں نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ سلام بن مشکم نے کہا جو کچھ تم نے کیا میں اسے ناپسند کرتا تھا۔ وہ ہماری طرف یہ پیغام بھیجنے والے ہیں کہ میرے علاقہ سے نکل جاؤ آپ کے فیصلہ کے نافذ ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا پھر وہ کوچ کرنے کی تیاری میں لگ گیا۔ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو محمد بن مسلمہ کو بلا بھیجا جب وہ حاضر خدمت ہو گئے فرمایا بنی نضیر کے یہودیوں کے پاس جاؤ انہیں کہو کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ میرے علاقہ سے نکل جاؤ۔ جب محمد بن مسلمہ ان کے پاس آئے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک پیغام دے کر بھیجا ہے۔ میں اس پیغام کو تمہارے سامنے ذکر نہیں کروں گا یہاں تک کہ میں اس چیز کو پہچان لوں جسے تم پہچانتے ہو۔ یہودیوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں اس تورات کا واسطہ دیتا ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی کیا تم جانتے ہو کہ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے میں تمہارے پاس آیا تھا، جبکہ تمہارے پاس تورات تھی تم نے یہاں اپنی مجالس میں کہا تھا اے ابن مسلمہ اگر تم چاہو کہ ہم تمہیں عذاب دیں تو ہم تمہیں عذاب دیں گے اگر تم چاہو تو ہم تمہیں یہودی بنالیں تو ہم تمہیں یہودی بنالیتے ہیں۔ میں نے کہا مجھے اذیتیں دے لو مجھے یہودی نہ بناؤ اللہ کی قسم میں کبھی یہودی نہیں بنوں گا تو تم نے مجھے اذیتیں دی تھیں اللہ کی قسم گویا میں ابھی دیکھ رہا ہوں گویا وہ

جذعہ ہے تم نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا ہمارے دین کے قبول کرنے سے تیرے لئے سوائے اس چیز کے کوئی مانع نہیں کہ یہ یہود کا دین ہے، جبکہ تو حنیفہ کا ارادہ کرتا ہے جس کے بارے میں تو سن چکا ہے۔ ابو عامر راہب دین حنیف والا نہیں بلکہ دین حنیف والا مسکرانے والا اقتال کرنے والا ہوگا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی ہوگی وہ یمن کی طرف سے آئے گا وہ اونٹ پر سوار ہوگا چادر زیب تن کرے گا، جسے تقسیم کرے گا، اس کی تلوار اس کے کندھے پر ہوگی حکمت کے ساتھ باتیں کرے گا۔

اللہ کی قسم تمہارے اس شہر میں لوٹ مار ہوگی، قتل و غارت ہوگی اور مثلہ ہوگا۔ انہوں نے کہا ہاں ہم نے یہ کہا تھا اس کو بھولنے والا کوئی بھی نہیں۔ میں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے، فرمایا ہے کہ تم نے میرے وعدہ کو توڑا ہے کیونکہ تم نے مجھے دھوکہ دینے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے جو ارادہ کیا تھا اس بارے میں انہیں بتایا اور عمرو بن حجاش جو چھت پر چڑھا تھا تاکہ آپ پر پتھر گرائے وہ بھی بتایا۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں میرے شہر سے نکل جاؤ میں نے تمہیں دس دن کی مہلت دی ہے اس کے بعد جو یہاں دیکھا گیا اس کی میں گردن اڑا دوں گا۔ وہ چند دن کوچ کرنے کی تیاریاں کرتے رہے، انہوں نے جنگل سے سواریاں منگوالیں وہ اسی طرح تیاریوں میں مصروف تھے کہ ان کے پاس عبداللہ بن ابی کے دو قاصد سوید اور داعش آئے۔ دونوں نے کہا عبداللہ بن ابی کا پیغام ہے اپنے گھر اور مال چھوڑ کر جانے کی ضرورت نہیں، اپنے قلعوں میں ہی رہو میرے پاس میری قوم اور دوسرے عربوں میں سے دو ہزار کی جمعیت ہے وہ تمہارے ساتھ تمہارے قلعوں میں داخل ہو جائیں گے تم تک مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے وہ سب موت قبول کریں گے۔ بنی قریظہ بھی تمہاری مدد کریں گے، وہ تمہیں بے یارو مددگار نہیں چھوڑیں گے۔ بنو غطفان میں سے تمہارے حلیف بھی تمہاری مدد کریں گے۔ ابن ابی نے کعب بن اسد قرظی کی طرف پیغام بھیجا اور کہا کہ وہ اپنے ساتھی مدد کے لئے بھیجے۔ اس نے جواب دیا ہم میں سے کوئی بھی وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔ ابن ابی اخطب بن قریظہ سے مایوس ہو گیا اور اس نے ارادہ کیا کہ بنی نضیر اور حضور ﷺ کے درمیان معاملہ گرم رکھے وہ لگا تار حیی بن اخطب کی طرف پیغام بھیج رہا تھا۔ حیی نے کہا میں محمد ﷺ کی طرف پیغام بھیجنے والا ہوں کہ ہم اپنے گھروں سے نہیں نکلیں گے آپ جو مناسب سمجھتے ہیں ہمارے ساتھ معاملہ کریں۔ حیی کو ابن ابی کے قول میں کچھ امید تھی۔ سلام بن مشکم نے حیی سے کہا اگر مجھے تیری رائے کی بے قدری کا خوف نہ ہوتا تو میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ تم سے الگ ہو جاتا۔ اے حیی! اس امر سے غافل نہ ہو اللہ کی قسم تو اور تیرے ساتھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں، ان کی صفات ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہم نے محض حسد کی وجہ سے آپ کی اتباع نہ کی کیونکہ نبوت حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے نکل چکی ہے جو کچھ انہوں نے ہمیں عطا کیا ہے اسے قبول کرو اور اس کے شہر سے نکل چلو۔ میں جانتا ہوں کہ وعدہ توڑنے میں تو میری رائے کی مخالفت کرے گا جب کھجوروں کا موسم آئے گا تو ہم آجائیں گے یا ہمارا کوئی آدمی آجائے گا یا جو انہیں مناسب لگے گا وہ کریں گے پھر وہ ہماری طرف آئیں گے لیکن حیی نے سلام کی بات نہ مانی اور اپنے بھائی جدی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا کہ آپ کو بتا دے کہ ہم اپنے گھربار نہیں چھوڑیں گے تم جو کچھ کر سکتے ہو کر لو۔ بھائی کو یہ بھی کہا کہ وہ ابن ابی کے پاس جائے اور وہ پیغام بتائے جو حیی نے رسول اللہ ﷺ کو بھیجا ہے اور اسے کہے کہ بنو نضیر کے ساتھ جو اس نے وعدہ کیا تھا اس کو عملی جامہ پہنائے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے جدی بن اخطب کا پیغام سنا، نعرہ تکبیر بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی ساتھ ہی اللہ اکبر کہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہودیوں سے میں جنگ کروں گا پھر جدی، ابن ابی کے پاس گیا، جبکہ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، جبکہ رسول اللہ

ﷺ کی طرف سے منادی کرنے والے نے ندا کی جو لوگوں کو بنی نضیر پر حملہ کرنے کا کہہ رہا تھا۔ ابن ابی کا بیٹا حضرت عبداللہ بن عبداللہ ابن ابی اور اس کے ساتھ جو جماعت تھی جس میں جدی بھی موجود تھا ان پر داخل ہوا، زرہ پہنی، تلوار لی اور باہر نکل گیا۔ جدی، حیی کے پاس آیا۔ حیی نے جدی سے پوچھا کیا خبر ہے؟ جدی نے کہا بری خبر ہے جو پیغام تم نے مجھے دے کر حضرت محمد ﷺ کے پاس بھیجا تھا وہ میں نے انہیں بتایا تو آپ نے نعرہ تکبیر بلند کیا فرمایا اب میں یہودیوں سے جنگ کروں گا پھر میں ابن ابی کے پاس آیا وہاں تو میں نے مدد والی کوئی بات نہیں دیکھی۔ اس نے کہا میں بنی غطفان کے حلیفوں کی طرف پیغام روانہ کرتا ہوں، وہ تمہارے ساتھ قلعوں میں داخل ہو جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ بنی نضیر کی طرف چل پڑے آپ نے مدینہ طیبہ پر عبداللہ بن ام مکتوم کو نائب بنایا اور بنی نضیر کے میدان میں عصر کی نماز پڑھی جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے حملہ کا ارادہ کیا تو یہودی قلعہ کی دیواروں پر کھڑے ہو گئے جو تیر اور پتھر مارتے تھے۔ بنو قریظہ ان سے الگ تھلگ رہے اور بنو نضیر کی کوئی مدد نہ کی۔ جب حضور ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی تو آپ دس صحابہ کے ساتھ گھر واپس آ گئے اور لشکر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نائب بنایا۔ ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا۔ مسلمانوں نے ساری رات بنو نضیر کا محاصرہ کئے رکھا جب صبح ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی تو حضور ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف لائے اور لوگوں کو بنی حطمہ کے میدان میں نماز پڑھائی۔ اب حیی نے حضور ﷺ کو پیغام بھجوایا جو آپ مانگیں گے ہم دے دیں گے اور آپ کے شہر سے نکل جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج میں یہ قبول نہیں کروں گا لیکن تم نکل جاؤ اور اونٹ جو اٹھا سکتا ہے اسے لے جاؤ مگر اسلحہ نہیں لے جا سکتے۔ سلام بن مشکم نے کہا تو ہلاک ہو اس بات کو مان لے ورنہ اس سے سخت شرط ماننا ہوگی۔ حیی نے کہا اس سے بری کیا بات ہوگی۔ سلام نے کہا بچوں کو قیدی بنا لیا جائے گا اور نوجوانوں کو اموال کے ساتھ قتل کر دیا جائے گا، جبکہ مال کی قربانی ہمارے لئے آسان ہے۔ حیی نے ایک یا دو دن تک اس رائے کو قبول نہ کیا۔ جب یامین بن عمیر اور ابو سعید بن وہب نے یہ دیکھا تو ایک نے دوسرے سے کہا اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو اسلام قبول کرنے سے کیوں انتظار کر رہے ہیں؟ ہم اسلام قبول کر کے اپنی جانیں اور مال محفوظ کر سکتے ہیں وہ رات کے وقت قلعہ سے نیچے آئے اسلام قبول کیا اور اپنے مال اور جانوں کو محفوظ کر لیا۔ محمد بن عمرو، ابن سعد، بلاذری، ابو معشر اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق حضور ﷺ نے بنو نضیر کا پندرہ دن محاصرہ کیا۔ ابن اسحاق اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے چھ روز، سلیمان تیمی نے تقریباً بیس روز ابن اطلاع نے تیئیس روز، محاصرہ کا ذکر کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ پچیس روز محاصرہ کیا وہ لوگ محاصرہ میں بند تھے جو گھر ان کے قریب تھے وہ اپنے ہاتھوں سے انہیں تباہ کر رہے تھے اور جو گھر مسلمانوں کے قریب تھے وہ انہیں گرا رہے تھے اور جلا رہے تھے یہاں تک کہ صلح ہو گئی۔ یہودی اس شرط پر قلعہ سے نیچے اتر آئے ان کے لئے وہ سامان لے جانے کی اجازت ہو گی جو وہ اونٹوں پر لے جا سکتے ہیں لیکن زرہیں اور تلواریں وغیرہ اسلحہ نہیں لے جا سکتے۔ قیس کے آدمیوں کے درمیان دس درہم معین فرمائے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ کھجور کے پانچ وسق معین کئے گئے۔ عمرو بن جحاش کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس خبر سے خوش ہوئے۔ بنو نضیر نے کہا ہمارے لوگوں پر قرضے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا جلدی جلدی وصول کر لو۔ ابو رافع کا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ پر ایک سو بیس دینار قرض تھا جو ایک سال کے بعد دینا تھا تو ابو رافع نے اسی دینار پر مصالحت کر لی۔ بنو نضیر نکل گئے، انہوں نے عورتوں، بچوں اور جو سامان اونٹوں پر لاد سکتے تھے اونٹوں پر لادا اور یہاں سے نکل گئے۔ یہودی اپنے گھر کو گرا کر اس کی چوکھٹیں بھی

اکھاڑ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اموال اور اسلحہ پر قبضہ کر لیا آپ نے پچاس زر ہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں پائیں(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ تین گھر والے ایک اونٹ پر جو لاد کر لے جاسکتے ہیں، لے جائیں باقی ماندہ نبی کریم ﷺ کے لئے ہوگا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور ﷺ نے تین افراد کو ایک اونٹ پر سامان لادنے کا حکم دیا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا وہ مدینہ سے شام کے علاقوں اذرعات اور اریحا کی طرف چلے گئے مگر اہل بیتین، ال حقیق اور ال حیی بن اخطب خیبر چلے گئے۔ ان میں سے ایک جماعت حیرہ چلی گئی انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ھُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِہِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ(2) میں لام وقت کے لئے ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے قَدَّمۡتُ لِحَیَاتِیۡ۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ایسا خاندان تھا جنہیں پہلے جلاوطنی کی مصیبت نہیں آئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جلاوطنی کو لکھ دیا تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں عذاب دیتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس کو شام میں محشر برپا ہونے کے بارے میں شک ہو وہ اس آیت کو پڑھے پہلا حشر شام کی طرف ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا نکل جاؤ۔ انہوں نے پوچھا کہاں جائیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا محشر کی سرزمین کی طرف پھر قیامت کے روز مخلوقات کو شام کے علاقہ میں جمع کیا جائے گا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اول الحشر اس لئے کہا کیونکہ اہل کتاب میں سے یہ پہلے لوگ تھے جنہیں جزیرہ عرب سے جلاوطن کیا گیا۔ ان کی آخری جماعت کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جلاوطن کیا۔ مرہ ہمدانی نے کہا اول حشر مدینہ سے ہوا اور دوسرا حشر خیبر اور تمام جزیرہ عرب سے شام کے اذرعات اور اریحا کی طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ہوا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ پہلا حشر تھا اور دوسرے حشر سے مراد وہ حشر ہے جس میں آگ مشرق سے انہیں مغرب کی طرف جمع کرے گی جہاں وہ لوگ رات گزاریں گے وہ آگ بھی ساتھ ہوگی۔ جہاں یہ قیلولہ کریں گے آگ بھی ساتھ ہی قیلولہ کرے گی(3)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی یہ ہے کہ ایک آگ لوگوں کو مشرق سے مغرب میں جمع کرے گی(4) اس میں آیت کا ذکر نہیں۔ حشر کا معنی ایک جماعت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف نکالنا ہے۔ اے مومنو تمہیں تو یہ گمان بھی نہ تھا کہ وہ گھروں سے نکل جائیں گے کیونکہ وہ بڑے طاقتور اور محفوظ تھے۔ یہ جملہ اخرج کے فاعل سے حال بن رہا ہے۔ ظنوا کا عطف ما ظننتم پر ہے اور ظنوا کا فاعل بنو نضیر ہیں۔ بنو نضیر کا گمان تھا کہ ان کے قلعے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور غلبہ سے محفوظ رکھیں گے۔ ترکیب کلام میں حصونهم مبتدا ہے اور ما نعتهم خبر مقدم ہے اور جملہ ان کی خبر ہے۔ نظم کو تبدیل کرنا، خبر کو مقدم کرنا اور جملہ کو ضمیر کی طرف منسوب کرنا اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ انہیں اپنے قلعوں پر کامل اعتماد تھا اور ان کا گمان یہ تھا کہ وہ ان قلعوں کی وجہ سے غالب اور محفوظ ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ مانعتهم دوسری قسم (1) کا مبتدا ہو اور حصونهم اس کا فاعل خبر ہو اور مکمل جملہ ان کی خبر ہو۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا امر اور عذاب آپہنچا جو جلاوطنی کی مجبوری کی صورت میں ظاہر ہوا، جبکہ انہیں گمان تک نہ تھا۔ اس کی صورت یہ بنی کہ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا۔ الرعب کا معنی فزع اور خوف ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے(5) یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں میں ایسا خوف ڈالا جس نے ان کے دلوں کو بھر دیا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ قاموس میں ہے رَعَبَہ مَنَعَہ کے وزن پر ہے جس کا معنی ہے اس نے اسے بھر دیا۔ یہ فاتٰهم کا عطف تفسیری ہے اور عذاب لانے کی جہت کو بیان کر رہا ہے۔

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4، صفحہ 24-318 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 3۔ ایضاً

4۔ صحیح بخاری: 3115، 3، صفحہ 1211 (ابن کثیر) 5۔ القاموس المحیط، جلد 1، صفحہ 168 (التراث العربی)

(1) شبہ فعل مبتداء کے قائم مقام ہوتا ہے جو مسند الیہ نہیں ہوتا اور شبہ فعل کا فاعل اس کی خبر ہوتا ہے، مترجم

یُخْرِبُوْنَ مضارع کا صیغہ فعل ماضی کے معنی میں ہے۔ مضارع کا صیغہ اس لئے لایا گیا تا کہ وہ صورت ذہن میں حاضر رہے:
ایدی المومنین کا عطف بِاَیْدِیْهِمْ پر ہے کیونکہ مومنوں کی طرف سے مکانات تباہ کرنے کا عمل ان کے بغض اور وعدہ توڑنے کی وجہ سے تھا گویا یہودیوں نے خود مومنوں سے کام لیا۔ یہ جملہ اخرج کے مفعول اسم موصول سے حال ہے۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ یا یہ جملہ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ سے بدل اشتمال ہے گویا یہ اس کی تفسیر ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے اور جو کچھ انہوں نے کہا تھا اس کا جواب ہے۔ ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے اسے یخربون راء کی تشدید کے ساتھ باب تفعیل سے پڑھا ہے۔ یہ زیادہ بلیغ ہے کیونکہ باب تفعیل میں کثرت کا معنی پایا جاتا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے باب افعال سے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اخراب کا معنی معطل کرنا اور کسی شے کو ناکارہ کر کے چھوڑ دینا ہے۔ تخریب یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے صلح کی تھی جو اونٹ اٹھا سکتے ہیں وہ انہیں لاد کر لے جانے کی اجازت ہے۔ وہ اپنے گھروں میں لکڑیاں دیکھتے، وہ گھروں کو گرا دیتے اور لکڑیاں نکال لیتے اور جنہیں بہتر خیال کرتے انہیں اپنے اونٹوں پر لاد دیتے، مومن ان کے باقی ماندہ گھروں کو گرا دیتے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بنونضیر ستونوں کو اکھاڑتے، چھتوں کو توڑ دیتے دیواروں میں سوراخ کرتے لکڑیاں اکھیڑ لیتے یہاں تک کہ میخیں بھی نکال لیتے اور مکانات اس لئے گرا دیتے تا کہ مومن اس میں نہ رہ سکیں۔ یہ سب کچھ بغض اور حسد کی وجہ سے کرتے تھے (1)۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مسلمان اپنے قریب مکانات کو گرا دیتے اور یہودی قلعہ کے اندر مکانات کو گرا رہے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مسلمان جب بھی ان کے کسی گھر پر قابض ہوتے تو اس گھر کو گرا دیتے تا کہ ان کے لئے میدان جنگ وسیع ہو جائے اور یہودی پچھلی جانب سے اپنے گھروں میں سوراخ کرتے اور دوسرے گھر کی طرف نکل جاتے۔ اس میں قلعہ بند ہو جاتے اور ساتھ والے مکانات کو توڑتے اور جس گھر سے نکلے ہوتے اس میں موجود رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر پتھر برساتے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ کا یہی معنی ہے (2)۔ اے دانشمندو! عبرت حاصل کرو جو مصیبت بنی نضیر پر نازل ہوئی اسے دیکھو اور اس سے نصیحت حاصل کرو جس طرح انہوں نے کفر و فسوق کیا ہے اس طرح کا کفر و فسوق تم نہ کرو تا کہ تم پر بھی وہی عذاب نازل نہ ہو جیسا ان پر عذاب نازل ہوا۔ اس آیت سے قیاس کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں عبرت حاصل کرنے اور اصل سے فرع کی طرف نکلنے کا حکم دیا ہے کیونکہ دونوں وصف میں شریک ہیں جو وصف اس حکم کا سبب بن سکتا ہے۔

محمد بن یوسف صالحی رحمۃ اللہ علیہ نے سبیل الرشاد میں کہا کہ محمد بن عمر نے کہا مجھے ابراہیم بن جعفر نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ جب بنونضیر گھروں سے نکل گئے تو عمرو بن سعد یہودی آیا بنونضیر کے گھروں کے گرد چکر لگایا اس نے مکانات کو تباہ حالت میں دیکھا اس نے غور و فکر کیا پھر وہ بنی قریظہ کی طرف گیا اس نے ان سے کہا میں نے آج عبرتناک منظر دیکھا ہے میں نے اپنے دینی بھائیوں کے گھر خالی دیکھے ہیں، جبکہ پہلے انہیں وہاں عزت، شرف، قوت، عمدہ رائے اور قوی عقل میسر تھی۔ انہوں نے اپنے اموال کو چھوڑ دیا دوسرے لوگ ان کے مالوں کے مالک بن گئے اور وہ ذلت و رسوائی کے ساتھ یہاں سے چلے گئے۔ اس سے قبل کعب بن اشرف کو گھر میں قتل کر دیا گیا۔ ابن سنینہ جو یہودیوں کا سردار تھا اس کے ساتھ جو واقعہ ہوا وہ بڑا ابہادر اور معزز ترین شخص تھا پھر بنی قینقاع کے ساتھ جو کچھ ہوا انہیں جلاوطن کر دیا گیا، جبکہ وہ یہودیوں کے معزز ترین لوگ تھے ان کے پاس اسلحہ اور سامان وافر تھا مسلمانوں نے ان کا محاصرہ

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

کیا کوئی انسان اپنا سر تک باہر نہ نکال سکا یہاں تک کہ مسلمانوں نے ان سب کو قید کر لیا پھر انہیں اس شرط پر چھوڑا کہ وہ مدینہ طیبہ کے علاقہ سے چلے جائیں گے۔ اے میری قوم تم نے سب کچھ دیکھ لیا ہے اب میری اطاعت کرو آؤ ہم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اتباع کریں اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ وہ نبی ہیں۔ ہمارے علماء نے ان کے بارے میں ہمیں بشارتیں دی تھیں ان علماء میں سے آخری ابن سیان ابوعمیر اور ابن حواس تھے وہ یہودیوں میں سے سب سے بڑے عالم تھے دونوں بیت المقدس سے آئے تھے وہ اس نبی محترم کا انتظار کر رہے تھے انہیں آپ کی تابعداری کا حکم دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ ان دونوں کا سلام اس نبی تک پہنچایا جائے پھر دونوں اس کے دین پر فوت ہوئے اور یہاں ہی مدفون ہوئے۔ قوم خاموش رہی ان میں سے کسی نے کوئی گفتگو نہ کی اس نے پھر پہلی جیسی گفتگو کی اور انہیں جنگ، قید اور جلاوطنی سے ڈرایا۔ زبیر بن باطا نے کہا میں نے باطا کی کتاب میں اس کی صفات پڑھی ہیں وہ کتاب وہ تورات تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی وہ تورات نہیں تھی جو ہم نے بعد میں گھڑ لی ہے۔ کعب بن سعد نے اسے کہا اے ابوعبدالرحمٰن تو پھر کونسی چیز تمہیں ان کی اتباع سے روکتی ہے تو اس نے جواب دیا تو ہمیں روکتا ہے۔ کعب نے کہا یہ کیسے تورات کی قسم میں نے تو تیرے اور اس کے درمیان کبھی رکاوٹ پیدا نہیں کی۔ زبیر نے کہا تو ہی ہمارے عہد و پیمان کرنے والا ہے اگر تو ان کی اتباع کرے تو ہم تیری اتباع کریں گے اگر تو انکار کر دے تو ہم بھی انکار کر دیں گے۔ عمرو بن سعدی کعب کی طرف متوجہ ہوا، اس نے کہا قسم ہے اس تورات کی جو طور سینا کے روز حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی یہ دنیا میں عزت اور شرف پانے والے ہیں، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے راستہ پر چلنے والے ہیں کل قیامت کے روز ان کی امت ان کے ساتھ جنت میں ہوگی۔ کعب نے کہا ہم اپنے عہد و پیمان پر قائم رہیں گے اور ہم دیکھیں گے کہ حیی کیا کرتا ہے کیونکہ اسے ذلت و رسوائی کے ساتھ نکالا گیا ہے۔ میرا خیال ہے وہ حضور ﷺ سے جنگ کرے گا اگر وہ حضور ﷺ پر جنگ میں کامیاب ہو گیا تو ہم بھی یہی چاہتے ہیں تو اس صورت میں ہم اپنے دین پر قائم رہیں گے اگر حضور ﷺ حیی پر غالب آ گئے تو ہمیں ان کے پڑوس میں رہنے میں کوئی بھلائی نہیں۔ عمرو بن سعدی نے کہا تو پھر اس معاملہ کو کیوں طول دے رہے ہو یہ تو معاملہ آ چکا۔ کعب نے کہا یہ امر ہمارے ہاتھ سے نکلا نہیں، میں حضرت محمد ﷺ سے جب اس چیز کا ارادہ کروں گا وہ میری بات مان لیں گے۔ عمرو نے کہا کیوں نہیں تورات کی قسم اس کی صفات میں یہ بھی ہے جب وہ ہماری طرف چلے گا وہ ہمیں ہمارے قلعوں میں بند کر دے گا یہاں تک کہ ہم اس کا فیصلہ مانیں گے وہ ہماری گردنیں اڑا دے گا۔ کعب بن اسد نے کہا میرے پاس تو وہی بات ہے جو میں نے تم سے کہہ دی ہے میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میں ایک تابع ہوں اور وہ میرے بارے میں یہ کہیے یہ اسرائیلی ہے اور میرے لئے نبوت کی کوئی فضیلت نہ جانے اور نہ ہی میرے اعمال کی قدر کرے۔ عمرو بن سعدی نے کہا مجھے اپنی زندگی کی قسم وہ ضرور تیرے مقام کو پہچانیں گے وہ اسی طرح باتیں کر رہے تھے اور کسی کو احساس بھی نہ ہوا کہ حضور ﷺ ان کے میدان میں پہنچ چکے ہیں تو کعب نے کہا یہی وہ بات تھی جو میں نے تم سے کہی تھی (1)۔

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③

"اور اگر نہ لکھ دی ہوتی اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی تو انہیں عذاب دے دیتا اس دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4، صفحہ 27-326 (العلمیہ)

تو آگ کا عذاب ہے ہی [1]۔"

[1] لوح محفوظ میں ان کے بارے میں جلاوطنی کا حکم نہ لکھا ہوتا تو انہیں بھی دنیا میں بنی قریظہ کی طرح قتل اور گرفتار کرنے کا عذاب دیتا جس طرح بنی قریظہ کے ساتھ ہوا۔ ان کے لئے آخرت میں جہنم کا عذاب ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے، یعنی اگر وہ دنیا کے عذاب سے نجات پا گئے تو وہ آخرت میں کسی طرح بھی جہنم کے عذاب سے نجات نہیں پائیں گے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④

"یہ سزا اس لئے دی گئی کہ انہوں نے مخالفت کی تھی اللہ اور اس کے رسول کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ عذاب دینے میں بہت سخت ہے [1]۔"

[1] ذلک سے مراد وہ عذاب ہے جو انہیں دنیا میں پہنچا اور وہ عذاب بھی ہے جس کے وہ آخرت میں مستحق ہیں۔ اس کی وجہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب دیتا ہے کیونکہ وہ شدید عتاب والا ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن رومان سے نقل کیا ہے کہ جب حضور ﷺ بنو نضیر پر حملہ آور ہوئے تو بنو نضیر قلعہ بند ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کے درخت کاٹنے اور انہیں اندر ہی جلانے کا حکم دیا (1)۔ محمد بن یوسف صالحی نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ابو لیلیٰ مازنی اور عبداللہ بن سلام کو درخت کاٹنے کی ذمہ داری دی تھی۔ ابو لیلیٰ عجوہ کھجوریں کاٹنے لگے اور عبداللہ بن سلام لینہ کھجوریں کاٹنے لگے ان سے ان دونوں کے بارے میں پوچھا گیا ابو لیلیٰ نے کہا عجوہ کھجوروں کے درخت میں یہودیوں کے لئے جلا رہا ہوں۔ عبداللہ بن سلام نے کہا میں جان چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عجوہ کی صورت میں مال غنیمت عطا کرے گا جو ان کے بہترین مال ہیں جب عجوہ کھجوریں کاٹی گئیں تو عورتوں نے اپنے گریبان پھاڑ ڈالے، منہ پر طمانچے مارے اور ہلاکت ہلاکت پکارنے لگیں۔ سلام بن مشکم نے حیی سے کہا یہ کھجوریں کاٹی جارہی ہیں اب تیس سال تک ایک گھوڑے کے عوض بھی عجوہ کھجور کا گچھا کھانے کو نہیں ملے گا۔ حیی نے رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا آپ تو فساد سے روکتے تھے تو پھر کیوں کھجوریں کاٹنے کا حکم دیا۔ بعض لوگوں نے ان کی بات کا اپنے دلوں میں اثر پایا اور ڈرنے لگے کہ کہیں یہ بھی فساد کے ضمن میں نہ آتا ہو۔ بعض صحابہ نے کہا انہیں نہ کاٹو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ہمیں مال غنیمت کے طور پر دیئے ہیں۔ بعض نے کہا ہم انہیں غصہ دلانے کے لئے کاٹیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (2)۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤

"جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے رہیں اپنی جڑوں پر تو یہ (دونوں باتیں) اللہ کے اذن سے تھیں تا کہ وہ رسوا کرے فاسقوں کو [1]۔"

[1] اس میں ما شرطیہ ہے اور مفعول ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اور مِّنْ لِّيْنَةٍ، ما کا بیان ہے، یعنی تم نے جس چیز کو کاٹا اس حال میں کہ وہ لینہ تھے۔ یہ لون سے مشتق ہے اور اس کی جمع الوان آتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ لین سے مشتق ہے۔ صحاح میں اسی طرح ذکر کیا گیا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لینہ کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے ایک قوم نے کہا کھجور کے تمام درختوں کو لینہ کہتے ہیں اور عجوہ بھی اسی میں داخل ہے۔ یہ عکرمہ اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ زاذان کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔ 2۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4، صفحہ 323 (العلمیہ)

روایت یہی ہے۔ زہری نے کہا عجوہ اور برینہ کے علاوہ کھجور کے تمام درختوں کو لینہ کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے عجوہ کے علاوہ تمام درخت کاٹنے کا حکم دیا۔ اہل مدینہ عجوہ کے علاوہ تمام درختوں کو لینہ کہتے۔ الوان کی واحد لین یا لینہ ہے۔ مجاہد اور عطیہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا کھجور کے تمام درختوں کو لینہ کہتے ہیں۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے لینہ سے مراد کھجور کا درخت ہے۔ سفیان نے کہا اس سے مراد عمدہ کھجوریں ہیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ کھجور کی ایک قسم ہے، جس کے پھل کو لون کہتے ہیں۔ یہ انتہائی زرد ہوتی ہے، جس کی گٹھلی باہر سے دیکھی جاسکتی ہے۔ اس گٹھلی میں داڑھ داخل ہو جاتی ہے۔ یہ کھجور عربوں کے ہاں سب سے عمدہ اور پسندیدہ ہوتی ہے۔ اس قسم میں سے ایک درخت کی قیمت رصیف کے برابر ہوتی ہے اور یہ رصیف سے بھی زیادہ انہیں محبوب ہوتی ہے(1) تم نے لینہ کو کاٹا۔ جس طرح ابو یعلیٰ نے یا نہ کاٹا جس طرح عبداللہ بن سلام نے کہا یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ فباذن اللّٰه ترکیب کلام میں مبتدا کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی قطعه او ترکه باذن اللّٰه اس میں کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے بنی نضیر کے جن درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا تھا وہ بویرہ تھے(2) اصحاب کتب نے اسی طرح روایت کیا۔ ابو یعلیٰ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں مہلت دی پھر درخت کاٹنے کا حکم دیا پھر مزید سختی کی۔ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم نے جو درخت کاٹے یا ان کو چھوڑا کیا ہم اس بارے میں گناہ گار ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی(3) اللہ تعالیٰ نے درخت کاٹنے کا حکم اس لئے دیا تھا تا کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ذلیل و رسوا کرے۔ لیخزی کا عطف باذن اللّٰه پر ہے، یہ محذوف فعل کی علت ہے اس جملہ کا عطف جملہ پر ہے اس کی وضاحت یوں ہے فَعَلْتُمْ اَوْ اُذِنَ لَكُمْ لِيُخْزِيَ تم نے ایسا کیا یا تمہیں اجازت دی گئی۔ مقصود یہ تھا کہ فاسقوں کو ایسی چیز کے ساتھ رسوا کیا جائے جو انہیں غضبناک کر دے۔

مسئلہ:۔ اسی واقعہ اور آیت سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استدلال کیا ہے جب امام کفار کے قلعہ کا محاصرہ کرے تو اس کے لئے جائز ہے کہ ان کے درخت کاٹ دے، ان کی کھیتوں کو تباہ و برباد کرے، ان کے گھر گرا دے اور انہیں جلا دے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ اس وقت جائز ہے جب انہیں غلبہ ظن حاصل نہ ہو کہ اس کے بغیر بھی وہ ان پر غلبہ پالیں گے۔ اگر گمان غالب یہ ہو کہ کفار اس کے بغیر بھی مغلوب ہو جائیں گے اور لازماً فتح حاصل ہو جائے گی تو پھر ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ فتنہ و فساد کے ضمن میں آئے گا، جبکہ اس کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی اور نہ ہی اس کی اجازت دی گئی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دو شرطوں میں سے ایک شرط کی صورت میں درخت کاٹنا جائز ہیں اگر وہ ہمارے درخت کاٹیں تو پھر ہمارے لئے بھی جائز ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ہمیں یہ درخت کاٹنے کی ضرورت ہو تا کہ ہم ان سے جنگ کرسکیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کے گھر اور درخت برباد کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ ان کے ساتھ جنگ کرنے اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے اس کی ضرورت ہو اسی طرح اگر اس کے بغیر کامیابی حاصل کرنے کی امید نہ ہو تب بھی ایسا کرنا جائز ہے اگر امید ہو تو پھر ترک کرنا مستحب ہے۔ درخت کاٹنے کے جواز پر دلیل یہ آیت اور مذکورہ حدیثیں ہیں اسی طرح وہ روایت جو اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ صبح کے وقت ان پر حملہ کرتا پھر ان کے درخت جلا دیتا(4)۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مذہب کے حق میں دلیل ذکر کرتے ہوئے کہا

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ صحیح بخاری: 3808، جلد 4، صفحہ 1497 (ابن کثیر) 3۔ مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 122 (قدسی)
4۔ سنن ابن ماجہ، جلد 3، صفحہ 386 (العلمیہ)

کہ ہمارے اصحاب نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کوئی لشکر روانہ کرتے تو فرماتے کسی چشمے کو برباد نہ کرنا، کسی درخت کو نہ کاٹنا مگر ایسا درخت جو جنگ کرنے سے تمہیں روکے (1) حضرات ابن عمر اور اسامہ بن زید کی حدیثیں اسی معنی پر محمول کی جائیں گی جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ذکر کیا ہے وہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ بنی نضیر نے کبھی بھی مدینہ طیبہ کے درخت نہیں کاٹے تھے اور نہ ہی اس میں ایسی کوئی دلیل ہے کہ یہ درخت اس لئے کاٹے گئے تھے کہ یہ درخت کاٹنے کی ضرورت تھی بلکہ آیت اس امر میں صریح ہے کہ درخت کاٹنے کا حکم فاسقوں کو ذلیل ورسوا کرنے، اللہ کے دشمنوں کو عاجز کرنے اور ان کی شان و شوکت کو ختم کرنے کے لئے تھا کسی اور غرض کی وجہ سے نہ تھا لیکن ظاہر یہی ہے کہ جب حضور ﷺ نے درخت کاٹنے کا حکم ارشاد فرمایا اس وقت فتح کا امکان غالب نہیں تھا جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے ما ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب نے جو روایت کی ہے وہ درخت نہ کاٹنے پر حجت ہے اگر یہ صحیح بھی ہو تب بھی یہ کتاب اللہ کے اس حکم کے معارض نہیں ہوسکتی جس میں جواز کا حکم ملتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب بنو نضیر اپنے گھر اور جاگیریں چھوڑ کر چلے گئے تو مسلمانوں نے ان کی تقسیم کا مطالبہ کیا جس طرح خیبر کی غنیمت (۱) تقسیم کی گئی۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

"اور جو مال پلٹا دیئے اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان سے لے کر تو نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، بلکہ اللہ تعالیٰ تسلط بخشتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے[1]"

[1] فئی کا معنی رجوع ہے اور افاء کا معنی ہے لوٹانا۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا پسندیدہ حالت کی طرف لوٹنے کو فئی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا۔ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ جب رجوع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسکی ملکیت پہلے بھی کسی موقع پر رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہو، جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں تو امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے افاء کا معنی مجازاً صیّر کیا ہے یا اس کا معنی ردہ علیہ ہے یعنی آپ کی طرف اسے پھیر دیا کیونکہ حقیقت میں یہ حضور ﷺ کے لئے ہے کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لئے پیدا فرمایا باقی جو کچھ پیدا فرمایا وہ ان کے لئے پیدا فرمایا تاکہ وہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ذریعہ بنا دیں تو اس لئے مناسب یہی ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں۔

منھم میں ھم ضمیر سے مراد بنو نضیر ہیں۔ او جفتم یہ وجیف سے مشتق ہے جس کا معنی تیز چلنا ہے، یعنی جس کو حاصل کرنے کے لئے تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ رکاب سے مراد اونٹ ہیں یہ غلبہ استعمال کی بناء پر پہلے نام دیا گیا ہے جس طرح اونٹ پر سواری کرنے والے کو غلبہ استعمال کی وجہ سے راکب کہتے ہیں۔ معنی اس کا یہ ہے کہ مومنوں کو بنی نضیر کے مال حاصل کرنے کے لئے اونٹ اور گھوڑے دوڑانے کی مشقت نہیں اٹھانا پڑی اگر ایسا ہوتا تو ان اموال کے مومن مستحق ہوتے۔ مگر اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا

1۔ سنن کبریٰ از بیہقی، جلد 9، صفحہ 91-90 (الفکر)

(۱) تعجب ہے کہ یہ استدلال کیا گیا، جبکہ خیبر کی فتح صلح حدیبیہ کے بعد ہوئی اور یہ واقعہ غزوہ احزاب کے بعد ہوا۔ مترجم۔

ہے اس کے دل میں رعب ڈال کر اپنے رسول کو مسلط کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے کبھی وہ ظاہری ذرائع استعمال کرتا ہے اور کبھی ان ذرائع کو استعمال نہیں کرتا۔

یہ آیت اور احادیث صحیحہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ بنو نضیر کے مال صرف حضور ﷺ کے لئے تھے پھر حضور ﷺ نے جہاں چاہا انہیں صرف کیا۔ شیخین نے صحیحین میں مالک بن اوس بن حدثان نضیری سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس مال فئی کو حضور ﷺ کے لئے خاص کر دیا کسی اور کو کچھ بھی عطا نہ کیا پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا یہ مال حضور ﷺ کے لئے خاص تھا۔ آپ اس مال میں سے اپنی ذات کے لئے خرچ کرتے اور سال بھر کا نفقہ گھر والوں پر خرچ کرتے پھر جو باقی بچتا اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے(1)۔ صحیحین میں آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حاجب یرفا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم اجازت چاہتے ہیں کیا اجازت ہے؟ فرمایا ہاں انہیں اندر آنے دو۔ وہ تھوڑی دیر رکا تھا کہ پھر اندر آیا اور کہا حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ فرمایا ہاں اجازت ہے۔ جب دونوں اندر آ گئے حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اے امیر المومنین میرے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ وہ دونوں اس مال فئی میں جھگڑ رہے تھے جو اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کے اموال میں سے اپنے رسول کو عطا فرمایا تھا۔ دوسرے احباب نے بھی فرمایا ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور ایک کو دوسرے سے راحت عطا کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ میں تمہیں اس اللہ کا واسطہ دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہے کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ یہاں حضور ﷺ نے اپنی ذات مراد لی تھی اگرچہ صیغہ جمع کا تھا۔ سب نے کہا حضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمر، حضرت علی شیر خدا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا دونوں نے کہا ہاں حضور نے یہ فرمایا تھا۔ فرمایا اب میں تمہارے اس مسئلہ کے بارے میں بات کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس مال فئی کو حضور ﷺ کے لئے خاص فرمایا کسی اور کو کچھ بھی نہ دیا فرمایا وَمَا افاء اللہ..... قدیر یہ مال حضور ﷺ کے لئے خاص تھا پھر اللہ کی قسم تمہارے سوا کسی کو ترجیح نہ دی آپ نے تمہیں ہی یہ مال عطا کیا اور تمہارے درمیان تقسیم کیا یہاں تک کہ اس میں سے باقی ماندہ مال میں سے آپ سال بھر کے اخراجات گھر والوں پر خرچ کرتے پھر جو کچھ باقی بچتا وہ لے لیتے اور اسے اللہ کا مال قرار دے دیتے۔ حضور ﷺ نے اپنی حیات ظاہری میں اسی طرح کیا پھر آپ نے اس جہان فانی سے پردہ فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میں حضور ﷺ کے معاملات کا ذمہ دار ہوں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان اموال کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور اسی طرح معاملات چلاتے رہے جس طرح رسول اللہ ﷺ چلاتے رہے تھے تم سب اس وقت موجود تھے آپ نے فرمایا میرے پاس حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما آئے اور انہوں نے ذکر کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی طرح کرتے تھے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس میں سچے نیک اور ہدایت پر تھے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو میں نے کہا میں حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے معاملات کا ذمہ دار ہوں۔ میں نے اپنی امارت کے دو سالوں میں ان اموال

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 2، صفحہ 421 (الفکر)

کو اپنے قبضے میں رکھا اور اسی طرح عمل کیا جس طرح حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر نے عمل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے میں اس میں سچا، نیک اور ہدایت پر تھا اور حق کا پیروکار تھا پھر تم دونوں میرے پاس آئے تم دونوں نے ایک ہی بات کہی میں نے تم دونوں سے کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ۔ جب مجھے مناسب لگا کہ مال تمہارے حوالے کردوں میں نے تم سے کہا تھا اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہ مال اس شرط پر دیتا ہوں کہ تم پر اللہ کا وعدہ ہوگا کہ تم بھی اس مال میں اسی طرح عمل کرو گے جس طرح اس میں حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمل کیا اور جب سے میں ولی ہوا میں نے عمل کیا بصورت دیگر تم مجھ سے اس بارے میں بات نہیں کرو گے تم دونوں نے یہ کہا ہمیں یہ مال اس شرط پر دے دو تو میں نے تمہیں مال دے دیا۔ کیا تم مجھ سے اس کے علاوہ فیصلہ چاہتے ہو تو اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہے میں تو اس کے علاوہ کوئی فیصلہ نہیں کروں گا یہاں تک کہ قیامت آ جائے۔ اگر تم اس کا نظام چلانے سے عاجز آ چکے ہو تو مجھے واپس کر دو میں تمہاری طرف سے اس کے معاملات کا ذمہ دار ہوں گا (1)۔ صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بنو نضیر کے اموال ان اموال میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمائے، جن پر مسلمانوں نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے یہ اموال حضور ﷺ کے لئے خاص تھے جنہیں آپ سال بھر کے لئے گھر والوں پر خرچ کرتے پھر جو مال باقی بچتا اسے جہاد کی تیاری میں اسلحہ پر خرچ کرتے (2)۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

"جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ اللہ کا ہے، اس کے رسول کا ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تا کہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرما دیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے ۱"

۱۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ یہ پہلے مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ کا بیان ہے، مراد بستیوں کے اموال ای وجہ سے درمیان میں حرف عطف کا ذکر نہیں کیا لیکن یہ پہلے اموال کو بھی عام ہے، یعنی یہ حکم بنو نضیر اور دوسرے اموال کو شامل ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ پہلے کا بیان ہے تو بنو نضیر کے اموال میں بھی انصار کا حق ہونا چاہئے، جبکہ حضور ﷺ نے بنو نضیر کے اموال میں سے کوئی بھی چیز انصار کو نہ دی، صرف تین انصاریوں کو آپ نے مال عطا فرمایا تھا۔ ہم اس کا جواب دیں گے انصار کا بھی اس میں حق تھا لیکن انہوں نے مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دی تھی اور انہوں نے اپنا حق بھی مہاجرین کو دے دیا تھا جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل قری کی وضاحت قریظہ، بنی نضیر، فدک، خیبر اور عرینہ کی بستیوں سے کی ہے (3)۔ جلال الدین محلی نے کہا اس سے مراد صفراء، وادی قری اور ینبع کی بستیاں ہیں۔ میں کہتا ہوں صحیح یہ ہے کہ خیبر بزور بازو فتح ہوا تھا اور مال غنیمت کے اٹھارہ حصے بنائے گئے اور صلح حدیبیہ میں شریک

1۔ صحیح بخاری، 2927، جلد 3، صفحہ 1126 (ابن کثیر) 2۔ صحیح مسلم: 1757، جلد 12، صفحہ 61 (العلمیہ)
3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

مسلمانوں میں اسے تقسیم کیا گیا تھا جس طرح سورۂ فتح میں گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اسم پاک تبرک کے لئے ہے۔ اس مال کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی یہ محض مال کی شرافت کی وجہ سے ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ کوئی ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کیونکہ دنیا اور آخرت سب اللہ کے لئے ہے۔ یہی حضرت حسن بصری، قتادہ، عطاء، ابراہیم، شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ عام فقہاء اور عام مفسرین کا قول ہے۔ بعض علماء نے کہا اللہ تعالیٰ کے حصہ کو بیت اللہ شریف اور مساجد کی تعمیر پر خرچ کیا جائے گا۔

ذی القربیٰ سے مراد حضور ﷺ کے رشتہ دار ہیں، وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں کیونکہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب حضور ﷺ نے ذوی القربیٰ کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب میں تقسیم کیا تو میں اور عثمان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ بنی ہاشم ہمارے بھائی ہیں، ہم ان کے مقام کا انکار نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی ہاشم میں پیدا کیا۔ بنی مطلب سے جو ہمارے بھائی ہیں انہیں آپ نے عطا کیا اور ہمیں چھوڑ دیا، جبکہ ہماری اور ان کی قرابت ایک جیسی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنو ہاشم اور بنو مطلب اس طرح ایک چیز ہیں آپ نے اپنی انگلیوں کا جال بنایا(1) اسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح ایک روایت کی ہے اس میں یہ ہے ہم اور بنو مطلب دور جاہلیت میں نہ الگ تھے اور نہ دور اسلام میں الگ ہیں اور وہ ایک چیز ہیں آپ نے انگلیوں کا جال بنایا۔

یتیم ایسے چھوٹے بچے جن کے باپ نہ ہوں۔ ابن سبیل سے مراد مسافر ہے جو اپنے مال سے دور ہو۔ سابقہ آیت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مال فئی صرف حضور ﷺ کے لئے خاص ہے، جبکہ یہاں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مذکورہ اقسام کو بھی ملا دیا گیا ہے تاکہ یہ شعور دلایا جائے کہ رسول اللہ ﷺ اس مال کو کہاں خرچ کریں گے جب مال فئی میں معین افراد کا حصہ نہیں جس طرح مال غنیمت میں صرف مجاہدین کا حصہ تھا بلکہ اس کی تقسیم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے سپرد ہے۔ ان کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ ان اقسام میں سے چند اشخاص کو مختص فرمائیں، جبکہ وہ مال جو حضور ﷺ کے لئے مختص ہے وہ حکم میں اس کے منافی ہے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً یہ ظرف مستقر کے متعلق ہے۔ ظرف مستقر سے مراد وہ فعل یا شبہ ہے جس کے فللّٰه وللرسول متعلق ہے۔ ہشام نے تکون پڑھا ہے اور دولة کو فاعل ہونے کی حیثیت میں مرفوع پڑھا ہے۔ اس صورت میں کان تامہ ہوگا، جبکہ باقی قراء نے یاء کے ساتھ مذکر کا صیغہ پڑھا ہے کہ فاعل کی ضمیر اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے اور دولة کان ناقصہ کی خبر ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اغنیاء کے ہاتھوں میں ہی گردش کناں رہے۔ فقراء کو کوئی چیز نہ ملے جس طرح دور جاہلیت میں ہوتا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس مال کو حضور ﷺ کے لئے خاص کر دیا تاکہ آپ جہاں مصلحت دیکھیں اسے صرف کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ مال فئی میں سے جو آپ کو عطا فرمائیں آپ اسے لے لیں اور زیادہ میں لالچ نہ کریں جس سے تمہارے دل خوش ہوں اور خیانت وغیرہ جن چیزوں سے آپ منع کریں ان سے رک جاؤ۔ اس جملہ کو بطور جملہ معترضہ ذکر کیا ہے تاکہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے اس چیز کی طمع نہ کریں جسے آپ پسند نہیں کرتے۔ یہ آیت مال فئی کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ الفاظ کے اعتبار سے عام ہے اور جن چیزوں کا حضور ﷺ نے حکم دیا یا جن سے منع کیا ان سب کو شامل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 61-60 (وزارت تعلیم)

تعالیٰ نے لعنت کی ہے گودنے والیوں پر، گدوانے والیوں پر، سفید بال نوچنے والیوں پر اور دانتوں میں جھریاں بنانے والیوں پر اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے والوں پر یہ بات بنی اسد کی ایک عورت تک پہنچی جسے ام یعقوب کہتے، وہ آئی اس نے کہا مجھے خبر پہنچی ہے تم نے ایسی ایسی عورتوں پر لعنت کی ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا میں ایسی عورتوں پر کیوں لعنت نہ کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور جس کا حکم کتاب اللہ میں ہے عورت نے کہا میں نے مکمل قرآن پڑھا ہے میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں پائی جو تم کہہ رہے ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا اگر تم نے قرآن پڑھا ہوتا تو تو اسے ضرور پالیتی کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہیں پڑھا: مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا تو اس عورت نے کہا ہاں اسے پڑھا ہے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے (1)۔

واتقوا اللہ یہ ایک اور جملہ معترضہ ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے بچو اور جو بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہے۔ یہ سابقہ کلام کی علت ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۟

"(نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لئے ہے[1] جنہیں (جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے[2] (یہ نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی یہی راستباز لوگ ہیں[3]"

[1] یہ لذی القرباء کا بدل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو فقیر نہیں کہا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فقراء سے اس آیت کے ساتھ نکال (ا) دیا ہے۔ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ایک قول یہ کیا گیا یہ بدل کل ہے اور فقراء میں لام عہد خارجی کا ہے اور اس سے مراد بھی مذکورہ افراد ہی ہیں، یعنی ذو القربیٰ، یتامی اور مساکین اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلے جن لوگوں کا ذکر ہوا ہے وہ اس کا مصرف نہیں کیونکہ وہ مبدل منہ ہے اور نسبت میں بدل مقصود ہوتا ہے۔ میرے نزدیک فقراء مہاجرین اور جو اس کا معطوف ہے سابقہ مذکور اسماء سے اعم مطلق ہے کیونکہ یہ تا قیامت مومنوں کو شامل ہے غنی ہوں یا فقیر ہوں جس کا ہم ذکر کریں گے یہ بعض سے بدل کل ہے جو بدل اشتمال کی قسم میں سے ہے۔ دونوں تقدیروں کی صورت میں سابقہ آیت میں جو ذوی القربیٰ اور اس کے معطوف کا ذکر آیا ہے اگرچہ لفظاً نسبت میں مقصود نہیں لیکن وہ مقصود میں داخل ہے خواہ اس سے بدل بنائیں یا وہی افراد لئے جائیں۔

[2] کفار مکہ نے انہیں گھروں سے نکال دیا تھا اور ان کے اموال چھین لئے تھے۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مکہ کے کفار مہاجروں کے ان اموال کے مالک بن گئے تھے جنہیں چھوڑ کر وہ ہجرت کر گئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فقراء کہا ہے۔ فقیر اسے کہتے ہیں جو کسی شے کا مالک نہ ہو جو مال کا مالک تو ہو لیکن ایسی جگہ ہو جہاں سے وہ مال تک نہ پہنچ سکتا ہو تو اسے فقیر نہیں کہہ سکتے بلکہ اسے ابن سبیل

1۔ صحیح بخاری، جلد 4، صفحہ 1853 (ابن کثیر)

(ا) ینصرون کا فاعل فقراء مہاجرین ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اگر رسول کو بھی فقراء میں داخل کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ رسول اپنی مدد کرتے ہیں، مترجم۔

کہتے ہیں۔اسی وجہ سے صدقہ والی آیت میں ابن سبیل کو اس پر عطف کیا ہے۔

اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب کافر مسلمانوں کے اموال پر غلبہ پالیں تو وہ ان اموال کے مالک ہو جاتے ہیں شرط یہ ہے کہ وہ ان اموال کو دار الحرب لے جائیں۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے، جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر یہ ہے صرف غلبہ پانے کے ساتھ ہی مالک بن جاتے ہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے وہ اس کے مالک نہیں بنیں گے۔ ابن ہمام نے امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ سے دو قول نقل کیے ہیں ایک قول میں آپ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور دوسرے قول میں آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں، جبکہ ابن جوزی نے امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا صرف وہ قول ذکر کیا ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ہے کوئی اور قول ذکر نہیں کیا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تائید وہ احادیث کرتی ہیں جنہیں ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے تمیم بن طرفہ سے اپنی مراسیل میں ذکر کیا ہے۔ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے پاس اپنی اونٹنی پائی دونوں نے اپنا مسئلہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔مدعی نے گواہیاں پیش کر دیں کہ اونٹنی اس کی ہے، جبکہ دوسرے نے یہ گواہیاں پیش کر دیں اس نے دشمن سے خریدی ہے۔رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا اگر تم اس قیمت کے ساتھ اونٹنی لینا چاہو جس کے ساتھ اس نے اسے خریدا ہے تو تم اس اونٹنی کے لینے کے زیادہ حقدار ہو ورنہ اونٹنی اس کے پاس رہنے دو(1) یہ ہمارے نزدیک اور اکثر علماء کے نزدیک حجت ہے۔طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مسند روایت میں تمیم بن طرفہ سے، انہوں نے جابر بن سمرہ سے نقل کیا ہے۔اس کی سند میں یاسین زیات ہے جسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔دار قطنی اور پھر بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے رسول اللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ وہ مال جنہیں دشمن اپنے علاقہ میں لے گیا ہو بعد میں مسلمانوں نے ان سے مال لے لیا اگر مالک تقسیم سے پہلے تلاش کر لے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے اگر اس نے اس وقت تلاش کیا جب مال تقسیم ہو چکا تھا اگر چاہے تو قیمت دے کر لے لے۔اس سند میں حسن بن عمارہ ہے۔دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ متروک ہے۔دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے میں نے رسول اللہ علیہ السلام کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جو اپنا مال مال فی میں پائے، جبکہ مال ابھی تقسیم نہ کیا گیا ہو تو وہ مال اس کا ہوگا اور اگر مال تقسیم ہونے کے بعد اسے پائے تو اس کے لئے کوئی چیز نہیں(2) اس سند میں اسحٰق بن عبداللہ بن فروہ ہے جو ضعیف ہے۔دوسری سند میں رشدین ضعیف ہے۔طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے جس نے تقسیم سے پہلے مال فئی میں اپنا مال تلاش کر لیا تو وہ مال اس کا ہوگا اگر تقسیم کے بعد اس نے مال پایا تو وہ قیمت دے کر اپنے مال کا مستحق ہوگا(3) اس سند میں یاسین راوی ضعیف ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔انہوں نے ان روایات سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے تقسیم سے پہلے وہ مال پا لیا جسے دشمن لے گیا تھا تو وہ مالک کا ہوگا اور جو مال تقسیم کیا جا چکا تھا تو قیمت کے بغیر اس کا کوئی حق نہ ہوگا۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اسی طرح رجا بن حیوہ سے روایت کیا گیا ہے، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت کرتے ہیں، جبکہ ان دونوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں کی۔امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ قبیصہ بن ذویب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس مال کے

1۔مراسیل ابی داؤد، صفحہ 15 (وزارت تعلیم) 2۔کنز العمال، جلد 4، صفحہ 375 (التراث الاسلامی) 3۔مجمع الزوائد، جلد 5، صفحہ 618 (الفکر)

بارے میں فرمایا جسے مشرک چھین کر لے گئے پھر مسلمانوں نے اس مال کو حاصل کر لیا اس مال کو اس کے مالک نے پہچان لیا، یعنی تقسیم سے پہلے اسے پالیا تو وہ مال اس مالک کا ہوگا اگر اس میں حصے جاری ہو چکے ہوں تو اس کو کوئی چیز نہیں ملے گی (1) اس سلسلہ میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل روایت کیا گیا ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی اپنی سند کے ساتھ سلیمان بن یسار سے، انہوں زید بن ثابت سے اسی کی مثل روایت کی ہے۔ آپ نے اپنی سند سے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے، وہ جلاس سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا دشمن جس مال کو اپنے ملک لے گئے تھے جو آدمی مسلمانوں کا مال ان سے خرید لایا وہ اس کے لئے جائز ہے۔ ان احادیث میں سے اگرچہ بعض ضعیف ہیں اور بعض مرسل ہیں لیکن ان میں سے بعض بعض کی وجہ سے قوی ہوگئی ہیں اور حجت بن گئی ہیں۔ ان احادیث پر عمل کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مال دار الحرب لے جانے کی شرط لگائی ہے آپ نے فرمایا اگر مسلمان اس پر غلبہ پالیں اور مالک تقسیم سے پہلے اپنے مال پالیں تو یہ مال ان مالکوں کے ہو جائیں گے اگر تقسیم کے بعد ان اموال کو پائیں تو اگر پسند کریں تو قیمت دے کر لے لیں۔ اسی طرح اگر کوئی تاجر دار الحرب میں داخل ہوا اس مال کو خرید لے اسے دار الاسلام لے آئے تو پہلے مالک کو اختیار ہوگا چاہے وہ قیمت دے کر اسے لے لے جس قیمت کے ساتھ تاجر خرید کر لایا ہے چاہے تو اسے چھوڑ دے اسی طرح اگر وہ (دشمن) کسی مسلمان کو مال ہبہ کریں تو مالک قیمت دے کر لے سکتا ہے بعض احناف نے صحیحین میں موجود حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب فتح مکہ کے روز حضور ﷺ سے یہ استفسار کیا گیا کل آپ مکہ مکرمہ میں کہاں فروکش ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا ہے؟ اس حدیث سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ عقیل نے ان گھروں پر اس وقت قبضہ کر لیا تھا جب وہ ابھی کافر تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا کیونکہ عقیل نے اپنے باپ ابوطالب کے وارث کے طور پر ان مکانات پہ قبضہ کیا تھا کیونکہ جب ابوطالب فوت ہوئے تو دو بیٹے حضرت علی اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما مسلمان چھوڑے، عقیل اور طالب کو کافر چھوڑا۔ یہ دونوں ابوطالب کے وارث ہوئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے امام احمد اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ عضباء اونٹنی بنی عقیل کے ایک آدمی کی تھی، یہ حاجیوں کی سواریوں پر سبقت لے جاتی تھی۔ آدمی گرفتار ہوا اور اونٹنی بھی اس کے ساتھ پکڑ لی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی کو روک لیا پھر مشرکوں نے اونٹ کی چراگاہ پر حملہ کیا، ان میں عضباء اونٹنی بھی تھی۔ ان مشرکوں نے ساتھ ہی ایک عورت کو بھی گرفتار کر لیا۔ وہ مشرک جہاں کہیں پڑاؤ ڈالتے تو اونٹوں کو اپنے حصار میں رکھتے ایک رات وہ عورت اٹھی، جبکہ وہ ڈاکو سب سوئے ہوئے تھے وہ عورت جس اونٹ پر بھی ہاتھ رکھتی تو وہ بلبلانے لگتا یہاں تک کہ وہ عضباء تک پہنچی جو بڑی مطیع و فرمانبردار تھی وہ عورت اس اونٹنی پر سوار ہوگئی پھر اس نے نذر مانی اگر اللہ تعالیٰ نے اسے کفار سے نجات دی تو شکرانہ کے طور پر اس اونٹنی کو ذبح کرے گی جب وہ مدینہ طیبہ پہنچی تو اس کی اونٹنی کو پہچان لیا گیا۔ لوگ اونٹنی کو حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ عورت نے اپنی نذر کا ذکر کیا۔ حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کیا تو اسے ہی قربان کرے گی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس اونٹنی پر تجھے نجات عطا فرمائی ہے تاکہ تو اسے ذبح کر دے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والی نذر کی وفاء لازم نہیں اور نہ ہی اس کی وفاء لازم ہے جس کا انسان مالک نہ ہو (2)۔

1۔ کنز العمال، جلد 4، صفحہ 540 (التراث الاسلامی) 2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 430 (صادر)

اس سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ اگر مشرک اس اونٹنی کے مالک ہو جاتے تو رسول اللہ ﷺ اس اونٹنی کو نہ لیتے اور نہ ہی اس عورت کی نذر باطل ہوتی۔ ایک حدیث جسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کا ایک گھوڑا بھاگ گیا تو کفار نے اسے پکڑ لیا مسلمان ان کافروں پر غالب آ گئے تو گھوڑا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا گیا یہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ہوا آپ کا ایک غلام بھاگ گیا اور روم چلا گیا مسلمانوں نے اس غلام کو پکڑ لیا۔ حضرت خالد بن ولید نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد وہ غلام حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا (1)۔ پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ کفار ابھی تک اونٹنی کو اپنے علاقے تک نہیں لے گئے تھے کیونکہ اس روایت میں ہے: وَكَانُوْا إِذَا نَزَلُوْا يُرِيْحُوْنَ اَهْلَهُمْ فِيْ اَفْنِيَتِهِمْ دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے مفہوم کے مطابق ہم یہ کہتے ہیں کہ مشرک جب ہمارے اموال پر غالب آ جائیں تو وہ مالک بن جاتے ہیں پھر مسلمان اس پر غالب آ ئیں اور کوئی آدمی اپنی مملوکہ چیز تقسیم سے پہلے پالے تو بغیر کسی معاوضہ کے وہ اموال ان کو دے دیئے جائیں گے اور تقسیم کے بعد وہ مال قیمت کی ادائیگی کی صورت میں دیئے جائیں گے۔ اگر کوئی غلام بھاگ کر کفار کے علاقہ میں چلا جائے کفار اسے پکڑ لیں تو وہ اس کے مالک نہ بنیں گے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے پھر جب مسلمان ان اموال پر غالب آ جائیں تو پرانا مالک بغیر کسی چیز کے اسے لے لے گا خواہ وہ غلام کسی کو ہبہ کیا گیا تھا یا اسے خرید ا گیا تھا تقسیم سے پہلے پتہ چلا یا بعد میں پتہ چلا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ع۔ فضلا سے مراد وہ ثواب ہے جو ان کے اعمال کی مقدار سے زائد ہے، اس میں اضافہ کیا گیا ہے۔ یبتغون والا جملہ اخرجوا کی ضمیر سے حال مقیدہ ہے جو ان کی عظمت کو ثابت کرتا ہے۔ ینصرون والے جملہ کا یبتغون والے جملے پر عطف ہے۔ یہ خوش نصیب لوگ اپنے ایمان کے دعویٰ میں سچے ہیں اور ان کا حال ان کے دعویٰ کی سچائی پر دلیل ہے۔ رافضیوں میں سے جن بدبختوں نے یہ کہا کہ وہ منافق تھے اور ایمان کے دعویٰ میں جھوٹے تھے تو اس نے کفر کا ارتکاب کیا کیونکہ ان کا یہ قول اس آیت کے انکار کو مستلزم ہے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ مہاجر جنہوں نے اپنے گھر، مال اور خاندان چھوڑے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی وجہ سے گھروں سے نکل پڑے، انہوں نے اسلام کو اپنایا، جبکہ اس میں انہیں بے شمار مصائب کو برداشت کرنا پڑتا تھا یہاں تک کہ یہ بھی ذکر کیا گیا کہ ایک آدمی اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تاکہ اس کی کمر سیدھی رہے اور بعض لوگ سردی سے بچنے کے لئے زمین میں گڑھا کھودتے کیونکہ ان کے پاس کوئی چادر وغیرہ نہیں ہوتی تھی۔ میں کہتا ہوں وہ اللہ کی راہ میں شہید ہونا پسند کرتے تھے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم اور شرح سنہ میں امیہ بن خالد بن عبداللہ سے، وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ مہاجر فقراء کے حوالے سے رزق کی فراوانی کی دعا کرتے تھے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہاجر فقراء اغنیاء کی بنسبت چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے (2)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سعید خدری سے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اے مہاجر فقراء تمہیں قیامت کے روز مکمل نور کی بشارت ہو، تم اغنیاء کی بنسبت جنت میں نصف دن پہلے داخل ہو گے جو پانچ سو سال کے برابر ہے (3)۔ میں کہتا ہوں وہ اغنیاء مہاجروں کے مقابلہ میں چالیس سال پہلے اور دوسرے

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 12 (وزارت تعلیم)
2۔ مشکوۃ المصابیح: 5235، جلد 3، صفحہ 118 (الفکر)
3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن اصم سے نقل کیا ہے کہ انصار نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان ہماری مملوکہ زمین کو دو حصوں میں بانٹ دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تم ان کی کفالت کرو گے اور پھلوں میں حصہ دو گے، جبکہ زمین تمہاری ہی رہے گی تو انصار نے عرض کی ہم اس فیصلہ پر راضی ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَ لَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﳴ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۟

"اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں [1] مہاجرین (کی آمد) سے پہلے محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں [2] اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش [3] اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں (انہیں) اپنے آپ [4] پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو [5] اور جس کو بچالیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں [6]"

[1] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان کھجوریں تقسیم کر دیجئے فرمایا نہیں تم ہماری ضروریات کو پورا کرو گے اور ہم تمہارے ساتھ پھل میں شریک ہوں گے تو انصار نے کہا ہم نے آپ کا حکم سنا اور اطاعت کی (2) اس آیت کے شان نزول کا ذکر صحیح نہیں۔ معنی اس کا یہ ہے انہوں نے دار ہجرت کو اپنا گھر بنایا اور ایمان میں مستحکم ہو گئے، یہ انصار تھے۔ ایمان کو قرارگاہ کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ وہ ہمیشہ اس پر ثابت قدم رہے اور تبوء الدار کو استعارہ تخییلیہ کے طور پر ثابت کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ایمان فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہو گی و اخلصوا الایمان یہ اسی طرح ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَّمَاءً بَارِدًا یہ اصل میں تھا سَقَیْتُهَا مَاءً بَارِدًا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے انہوں نے دار ہجرت اور دار ایمان کو اپنا ٹھکانہ بنایا۔ دار ایمان سے مراد مدینہ طیبہ ہے دوسرے اہم سے مضاف کو حذف کر دیا اور پہلے سے مضاف الیہ کو حذف کر دیا اور اس کے عوض میں الف لام لگا دیا۔ مدینہ کو دار ایمان اس لئے نام دیا کیونکہ یہ ایمان کا مظہر ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کا نام طابہ رکھا ہے (3) اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ایک حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک مدینہ طیبہ بھٹی کی طرح ہے جو میل کچیل کو دور کر دیتا ہے اور عمدہ چیز کو نکھار دیتا ہے، یہ روایت متفق علیہ ہے (4)۔ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی معنی میں روایت کیا ہے (5)۔

[2] مہاجرین کی ہجرت سے پہلے ایک قول یہ کیا گیا، اس کی تقدیر یہ ہے وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُ الدَّارَ مِنْ قَبْلِهِمُ الْاِیْمَانَ۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 288 (العلمیہ) 2۔ صحیح بخاری: 2200، جلد 2، صفحہ 819 (ابن کثیر)

3۔ مشکوٰۃ المصابیح: 2838، جلد 2، صفحہ 125 (الفکر) 4۔ ایضاً: 2839 5۔ ایضاً: 2840

ہے جس چیز کی انسان کو ضرورت ہو اس کو حاجت کہتے ہیں۔ معنی اس کا ہے ان میں حاجت کی طلب نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حاجت سے مراد طلب، حسد اور غصہ ہے۔

ہے انصار کو چھوڑ کر مہاجرین کو جو مال فئی میں سے عطا کیا گیا اس کی وجہ یہ بنی کہ نبی کریم ﷺ نے بنی نضیر کے اموال کو مہاجرین میں تقسیم کیا۔ انصار میں صرف تین اشخاص کو اس مال میں سے حصہ دیا گیا اس سے انصار کے دل خوش ہوئے۔

محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب بنی عوف بن عمر سے مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لے گئے مہاجر آپ کے ارد گرد حلقہ بنائے ہوتے تھے۔ انصار نے مقابلہ کیا کہ حضور ﷺ آپ کے ہاں قیام فرمائیں، انہوں نے تیروں کے ذریعے قرعہ اندازی کی۔ جب بھی کوئی مہاجر آتا تو انصار آپس میں قرعہ اندازی کرتے۔ مہاجر انصار کے گھروں میں رہتے اور انہیں کے مالوں سے فائدہ اٹھاتے جب حضور ﷺ کو بنونضیر کے اموال غنیمت حاصل ہوئے آپ نے ثابت بن قیس بن شماس کو بلایا آپ نے فرمایا اپنی قوم کو میرے پاس بلا لاؤ۔ ثابت نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا صرف خزرج کو بلا لاؤں؟ فرمایا تمام انصار کو بلا لاؤ۔ وہ اوس و خزرج سب کو بلا لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کلام کی، اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق اس کی تعریف کی پھر انصار کا ذکر فرمایا جنہوں نے مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کیا، انہیں اپنے گھروں میں جگہ دی، اپنے مال دیئے اور اپنے آپ پر مہاجرین کو ترجیح دی پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم پسند کرو تو میں بنونضیر کے اموال تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دوں اور مہاجر اسی طرح تمہارے گھروں میں رہیں اور تمہارے اموال سے فائدہ اٹھائیں اگر تم پسند کرو تو میں بنونضیر کے اموال مہاجرین کو دے دوں اور وہ تمہارے گھروں سے نکل جائیں۔ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے گفتگو کی، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ وہ سارے اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیجئے اور جس طرح پہلے وہ ہمارے گھروں میں رہ رہے ہیں اسی طرح بعد میں بھی ہمارے گھروں میں ہی رہیں۔ انصار نے عرض کیا اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے ہم اس پر راضی ہیں اور ہم اپنے سرداروں کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ انصار پر رحم فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے مال فئی مہاجرین میں تقسیم کر دیا اس مال میں سے انصار کو کچھ عطا نہ کیا۔ صرف دو انصاری صحابہ کو عطا فرمایا جو محتاج تھے ایک سہل بن حنیف اور دوسرے ابو دجانہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم کو ابن ابی الحقیق کی تلوار عطا فرمائی اس تلوار کی صحابہ کے ہاں بڑی شہرت تھی۔ بلاذری نے فتوح البلدان میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار سے کہا تمہارے مہاجر بھائیوں کے پاس کوئی اموال نہیں اگر تم چاہو تو مال فئی اور تمہارے اموال کو تمہارے اور ان کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دوں اگر تم چاہو تو تمہارے اموال تمہارے پاس رہیں اور مال فئی مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دوں۔ انصار نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ مال بھی مہاجرین کو دے دیجئے اور ہمارے اموال بھی ان میں تقسیم کر دیجئے تو یہ آیت نازل ہوئی(1)۔

ہے وہ مہاجرین کو اپنے اموال اور اپنے گھروں میں اپنی ذاتوں پر ترجیح دیتے ہیں یہاں تک کہ جس کی دو بیویاں تھیں اس نے ایک کو طلاق دے دی اور اپنے مہاجر بھائی سے شادی کر دی اگرچہ انصار کو اس چیز کی اشد ضرورت ہو۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم نضیر کو انصار سے فرمایا اس کے بعد وہی واقعہ ذکر کیا جو بلاذری نے

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4، صفحہ 325 (العلمیہ)

ذکر کیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے تنگدستی نے آلیا ہے آپ نے اپنے گھر والوں کی طرف پیغام بھیجا ان کے پاس کوئی بھی چیز نہ تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا کوئی آدمی ایسا ہے جو اس رات اس آدمی کی مہمان نوازی کرے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے ایک انصاری اٹھا عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں ضیافت کروں گا وہ اپنے گھر گیا اپنی بیوی سے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہے کوئی چیز بچا کر نہ رکھنا۔ بیوی نے عرض کی میرے پاس تو صرف بچوں کا کھانا موجود ہے تو خاوند نے کہا جب بچے رات کا کھانا چاہیں تو انہیں سلا دینا خود آنا اور چراغ کو گل کر دینا ہم آج کی رات بھوکے گزارہ کر لیں گے اس عورت نے ایسا ہی کیا۔

ایک اور روایت میں ہے اس عورت نے کھانا تیار کیا، اپنے بچوں کو سلا دیا پھر اٹھی گویا وہ چراغ درست کرنا چاہتی ہے اس نے چراغ کو گل کر دیا۔ وہ مہمان کو یوں ظاہر کر رہے تھے گویا کھانا کھا رہے ہیں ان دونوں نے بھوکے ہی رات گزار دی پھر وہ صحابی صبح کے وقت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، فرمایا اللہ تعالیٰ فلاں مرد اور فلاں عورت سے بہت خوش ہوا یا فلاں مرد اور فلاں عورت کے عمل سے مسکرایا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (1) مسدد نے اپنی مسند میں اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو متوکل ناجی سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے ایسا کیا پھر اس کی مثل روایت ذکر کی اس میں یہ وضاحت ہے کہ جس آدمی نے یہ ضیافت کی تھی وہ ثابت بن قیس بن شماس تھا۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ واحدی رحمۃ اللہ علیہ نے محارب بن دثار سے، اس نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک صحابی کو بکری کا سر تحفہ کے طور پر پیش کیا گیا اس نے کہا میرا فلاں بھائی اور اس کے گھر والے میری بنسبت اس کے زیادہ مستحق ہیں اس نے وہ سر دوسرے آدمی کے گھر بھیج دیا وہ سر لگاتار ایک گھر سے دوسرے گھر بھیجا جاتا رہا یہاں تک کہ وہ سات گھروں میں پھرا۔ آخر کار وہ سر پہلے گھر واپس آ گیا تو یہ آیت نازل ہوئی: وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (2)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے انصار کو بلایا تا کہ بحرین کا علاقہ انہیں عطا فرمائیں۔ انصار نے عرض کی صرف ہمیں عطا نہ فرمائیں بلکہ ہماری مثل ہمارے مہاجر بھائیوں کو عطا فرمائیں، حضور ﷺ نے فرمایا صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ ملو کیونکہ میرے بعد تمہیں اس کا اثر پہنچے گا (3)۔ بلاذری نے فتوح البلدان میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اے انصار کی جماعت اللہ کی قسم ہماری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے غنوی نے کہا جَزَى اللّٰهُ عَنَّا جَعْفَرًا حِيْنَ اُزْلِقَتْ بِنَا نَعْلُنَا فِي الْوَطْئِيْنِ فَزَلَّتْ اَبَوْا اَنْ يَّمَلُّوْنَا وَلَوْ اَنَّ اُمَّنَا تَلْقٰى الَّذِيْ يَلْقَوْنَ مِنَّا لَمَلَّتِ (اے جعفر اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے تمہیں جزاء دے جب تو نے ہمیں خوب سیر کیا تو نے ہمیں دو دفعہ پانی پلایا تو اس وقت اترا جب انہوں نے ہمارے پاس اترنے سے انکار کر دیا اس وقت تو اترا اگر ہم امن میں ہوتے تو بھی ہم سے وہی پاتا جو وہ ہم سے پاتے ہیں تو طویل زندگی پائے) اجری نے کتاب الشریعۃ میں قیس بن ابی حازم سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

لے جسے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا یہاں تک کہ اس نے نفس کی ان معاملات میں مخالفت کی جن میں نفس انسان پر عموماً غالب ہوتا ہے جیسے مال کی محبت اور مال خرچ کرنے میں بغض کرنا تو وہ فلاح پانے والے ہیں۔ شح کا معنی بخل اور حرص ہے۔ قاموس میں اسی طرح

1۔ صحیح بخاری: 4607، جلد 4، صفحہ 1854 (ابن کثیر)
2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 289 (العلمیہ)
3۔ صحیح بخاری: 3583، جلد 3، صفحہ 1381 (ابن کثیر)

ہے(1) صحاح میں اس کا معنی بخل اور حرص ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا علماء نے بخل اور شح میں فرق کیا ہے۔ روایت بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا مجھے خوف رہتا ہے کہ میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ کہا میں اللہ تعالیٰ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنتا ہوں: وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ جبکہ میں ایک بخیل آدمی ہوں میرے ہاتھ سے کوئی چیز نہیں نکلتی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ وہ شح نہیں ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے بلکہ شح اسے کہتے ہیں کہ تو ظلماً اپنے بھائی کا مال کھالے لیکن وہ بخل ہے اور بخل بھی کتنی بری چیز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بخل یہ نہیں کہ ایک آدمی اپنا مال روک لے۔ شح یہ ہے کہ آدمی کی آنکھ اس شے کی طمع کرے جو اس کی نہ ہو۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شح کا معنی ہے کسی حرام چیز کو لینا اور زکوٰۃ ادا نہ کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا شح سے مراد وہ تحت لالچ ہے جو حرام چیز کے ارتکاب پر انسان کو ابھارتا ہے۔ ابن زید نے کہا جو آدمی اس چیز کو نہیں لیتا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہو اور جس چیز کو لینے کا حکم دیا اسے نہیں چھوڑتا اسے نفس کے شح سے بچا لیا گیا(2)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے روز تاریکیاں ہوں گی۔ شح سے بچو کیونکہ شح نے تم سے قبل لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ اس نے لوگوں کو برانگیختہ کیا وہ اپنے خون بہائیں اور محارم کو حلال جانیں(3) اسے امام مسلم اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کسی بندے کے پیٹ میں جہاد فی سبیل اللہ کا غبار اور دھواں اکٹھے نہیں ہوں گے۔ کسی بندے کے دل میں شح اور ایمان جمع نہیں ہوں گے۔ اسے بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اسی طرح امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰

"اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لئے اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا رؤف و رحیم ہے[1]۔"

[1] بعدھم میں ھم ضمیر سے مراد مہاجر و انصار ہیں اور اسم موصول سے مراد وہ صحابہ ہیں جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے اور ان دونوں جماعتوں کے بعد تا قیامت آنے والے مومن بھی اس میں شامل ہیں۔ یقولون یہ جاء و اکے فاعل سے حال ہے۔ اخواننا سے مراد دینی بھائی ہیں۔ جو صحابہ ان سے ایمان میں سبقت لے گئے ان کا بعد میں آنے والے لوگوں پر حق ہے کہ بعد والے پہلوؤں کے لئے دعا کریں کیونکہ بعد والوں نے پہلے آنے والوں کے واسطہ سے ہی ایمان اور شریعت کی طرف ہدایت پائی جس طرح سابقین نے نبی کریم ﷺ کے توسط سے ہدایت پائی تھی۔

غل کا معنی کینہ، حسد اور بغض ہے الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد پہلے مہاجر و انصار ہیں۔ جس کے دل میں کسی صحابی کے بارے میں بھی کینہ یا حسد ہو اور وہ سب کے بارے میں رحم کی دعا نہ کرے وہ اس آیت کے مصداق لوگوں میں سے نہیں۔

1۔ القاموس المحیط، جلد 1، صفحہ 342 (التراث العربی) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔ 3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 323 (صادر)

ابن ابی لیلیٰ نے کہا لوگوں کے تین درجے ہیں (1) فقراء مہاجرین، (2) انصار، (3) جو ان کے بعد ہوئے جو اپنے سابقین کے بارے میں مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اس لئے کوشش کر کہ ان میں سے خارج نہ ہو (1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرمایا تمہیں صحابہ کے استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ میں نے تمہارے نبی کی زبان سے یہ ارشاد سنا کہ یہ امت ختم نہیں ہوگی جب تک اس کے بعد والے لوگ پہلے لوگوں پر لعنت نہیں کریں گے۔ اثنا عشریہ میں سے ایک عالم صاحب فصول نے امام جعفر محمد بن علی باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے ایک ایسی جماعت کے بارے میں فرمایا جو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازیبا باتیں کر رہے تھے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اس جماعت سے خارج ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔

صحیفہ کاملہ میں امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی دعا منقول ہے اے اللہ حضور ﷺ کے صحابہ پر خصوصی رحمتیں نازل فرما جنہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ اچھی دوستی کی، آپ کی مدد کرنے میں آزمائش میں پورے اترے، ہر مشکل میں ساتھ ساتھ رہے، آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے میں جلدی کی، آپ کی دعوت کی طرف سبقت لے گئے اور جب آپ کی رسالت کے دلائل کو سنا تو فوراً قبول کیا۔ دین کے غلبہ کے لئے بیوی بچوں کو چھوڑا۔ آپ کی نبوت کے لئے والدین اور اولاد سے جنگ کی، آپ کے ذریعے فتح یاب ہوئے وہ آپ کی محبت میں منہمک تھے۔ وہ آپ کی محبت میں ایسی تجارت کی امید رکھتے تھے جو کبھی ہلاک نہ ہوگی۔ جب انہوں نے عروہ وثقی سے رشتہ جوڑا تو ان کے خاندان انہیں چھوڑ گئے۔ رشتہ داریاں منقطع ہوگئیں۔ حضور ﷺ کی قرابت میں سکونت پذیر ہو گئے اے اللہ تیرے لئے اور تیری محبت میں انہوں نے جو کچھ چھوڑا ان کو بھلا نہ دینا اپنی رضا سے انہیں راضی کرنا اور اس وجہ سے بھی کہ انہوں نے لوگوں کو تیرے دین پر جمع کیا وہ تیرے رسول کے ساتھ مل کر تیرے لئے تیری طرف دعوت دینے والے تھے۔ تیری محبت میں انہوں نے جو اپنے گھر بار چھوڑے، خوشحالی سے تنگدستی کو اپنایا اس پر ان کو بدلہ عطا فرما اور جنہوں نے احسان کے ساتھ ان صحابہ کی اتباع کی ان پر بھی رحمتیں نازل فرما جو یہ دعا کرتے ہیں اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا۔ مالک بن معول نے کہا عامر بن شرحبیل شعبی نے کہا اے مالک یہود و نصاریٰ رافضیوں پر ایک خصلت میں فضیلت لے گئے ہیں یہودیوں سے پوچھا جائے تمہاری ملت میں سب سے بہترین کون لوگ ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابہ۔ نصاریٰ سے پوچھا جائے تمہاری ملت میں سے بہترین کون لوگ ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری۔ رافضیوں سے اگر پوچھا جائے تمہاری ملت میں سے سب سے برے کون لوگ ہیں تو وہ کہتے ہیں حضور ﷺ کے صحابہ۔ ان کو حکم دیا گیا کہ صحابہ کے لئے استغفار کرو تو انہوں نے صحابہ کو گالیاں دیں تا قیامت ان پر تلوار سونتی رہے گی، ان کا جھنڈا بلند نہیں ہوگا، ان کے قدم نہیں جم سکیں گے اور نہ ہی یہ ایک بات پر جمع ہو سکیں گے جب بھی وہ جنگ کی آگ بھڑکائیں گے اللہ تعالیٰ ان کے خون بہانے، جمعیت کو بکھیر کر اور جہنم میں داخل کر کے اس آگ کو بجھا دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تم کو گمراہ کرنے والی خواہش نفس سے محفوظ رکھے (2)۔ امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے بغض رکھتا ہو یا صحابہ کے بارے میں اس کے دل میں کوئی میل ہو تو مسلمانوں کے لئے غنیمت کے اموال میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں (3)۔ اکثر مفسرین نے کہا تین جماعتیں جن کا اوپر والی آیات میں ذکر آیا ہے مال فی میں ان کے مستحق ہونے کے لئے

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

فقیر ہونا شرط ہے، جبکہ میرے نزدیک الذین تبوؤ ا کا عطف الفقراء پر ہے۔ ان کے مستحق ہونے کے لئے فقر کا وصف شرط نہیں یہ شرط کیسے ہو سکتی ہے، جبکہ مسافر بالاتفاق اس کا مصرف ہیں حالانکہ مسافر کو فقیر نہیں کہا جا سکتا۔ مہاجرین کے لئے فقر کا وصف ذکر کیا گیا کیونکہ اکثر مہاجر فقیر تھے یہ وصف کسی کو حکم سے خارج کرنے کے لئے نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ ان کا زیر پرورش ہونا یہ قید احترازی نہیں بلکہ اس کا ذکر عادت کے طور پر ہے کیونکہ غالباً اسی طرح ہوتا ہے۔ میں نے یہ بات اس لئے کہی کیونکہ اس امر پر اجماع ہے کہ مال فئی تمام مسلمانوں کے لئے ہے وہ غنی ہو یا فقیر ہو۔ مال ان کے مصالح میں خرچ کیا جاتا ہے مسلمانوں کے قاضیوں، ان کے عمال اور علماء پر خرچ کیا جاتا ہے اگرچہ وہ غنی ہوں۔ اسی طرح مجاہدین پر اسے صرف کیا جاتا ہے خواہ وہ غنی ہوں یا فقیر۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غنیمت کا مال برابر تقسیم کرتے تھے، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فضیلت کا اعتبار کرتے تھے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں فرمایا مجھے ابن ابی نجیح نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس مال غنیمت آیا آپ نے فرمایا جس کے ساتھ حضور ﷺ کا کوئی وعدہ ہو وہ آئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ آئے عرض کی حضور ﷺ نے مجھے فرمایا تھا اگر بحرین کا مال آیا تو میں اتنا اتنا تجھے دوں گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ لے لیں۔ انہوں نے ہتھیلیوں سے مال لیا بھرا سے گنا تو اسے پانچ سو درہم پایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہزار درہم اور لے لو تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ہزار درہم لے لیے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہر اس شخص کو مال عطا فرمایا جس کے ساتھ حضور ﷺ نے وعدہ کر رکھا تھا۔ کچھ مال باقی بچ گیا آپ نے چھوٹے بڑے آزاد غلام اور مرد عورت سب پر برابر تقسیم کر دیا تو ہر انسان کو 3/1 9 درہم حصہ میں آئے۔ جب اگلا سال آیا تو پہلے سے زیادہ مال آیا۔ آپ نے مال لوگوں میں تقسیم کیا تو ہر انسان کو بیس درہم ملے۔ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی اے مسلمانوں کے خلیفہ آپ نے اس مال کو تقسیم کیا اور لوگوں میں برابری کی، جبکہ لوگوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت سبقت اور تقدم حاصل ہے کاش آپ سبقت رکھنے والوں اور فضیلت رکھنے والوں کو فضیلت دیتے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے جس سبقت اور تقدم کا ذکر کیا ہے مجھے تو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے یہ تو زندگی ہے اس میں برابری ترجیح سے بہتر ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور مال غنیمت آیا تو آپ نے فضیلت کو ملحوظ خاطر رکھا، فرمایا میں اس شخص کو جو رسول اللہ کے مقابل لڑا اس شخص کے درجہ میں نہیں رکھوں گا جس نے رسول اللہ ﷺ کی غلامی میں اللہ کے دشمنوں سے جہاد کیا تھا۔ آپ نے مہاجرین وانصار میں سے سابقین کے لئے جو غزوہ بدر میں شریک ہوتے تھے پانچ ہزار حصہ مقرر فرمایا جن صحابہ کا اسلام بدریوں جیسا تھا مگر وہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے تو آپ نے انہیں ان کے مقام کے مطابق حصہ عطا فرمایا (1)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے ابو معشر نے بتایا انہوں نے کہا مجھے عفرہ کے غلام عمر اور دوسرے لوگوں نے بتایا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں فتوحات شروع ہو گئیں اور مال کثرت سے آنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ان اموال کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک رائے تھی اور اس ضمن میں میری ایک اور رائے ہے۔ جس نے حضور ﷺ کے مقابلہ میں جنگ کی میں اسے اس آدمی کے مقابلہ میں نہیں رکھوں گا جس نے حضور ﷺ کی قیادت میں جنگ کی۔ آپ نے مہاجرین وانصار میں سے بدری

1۔ کتاب الخراج، صفحہ 99-100

صحابہ کے لئے چار چار ہزار معین فرمائے۔ حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ باقی ازواج مطہرات کے لئے بارہ بارہ ہزار درہم معین فرمائے۔ ان دونوں کے لئے آپ نے چھ چھ ہزار معین فرمائے۔ ان دونوں نے یہ وظیفہ لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا میں نے دوسری ازواج کے لئے اس لئے زیادہ معین کیا ہے کیونکہ انہوں نے ہجرت کی تھی۔ دونوں بیبیوں نے کہا نہیں بلکہ آپ نے رسول اللہ کے ہاں ان کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے یہ حصہ معین کیا ہے، جبکہ ہمارا مقام بھی وہی ہے جو ان کا مقام تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے استدلال کو تسلیم کر لیا اور ان دونوں کے لئے بھی بارہ بارہ ہزار درہم معین کر دیئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما جو حضور ﷺ کے چچا تھے ان کے لئے آپ نے بارہ ہزار درہم معین فرمائے۔ عمرو بن ابی سلمہ سامنے سے گزرے تو آپ نے فرمایا اس کے لئے ہزار کا اضافہ کر دو تو محمد بن عبدالرحمن بن جحش نے عرض کی ابو سلمہ کو ایسی کوئی فضیلت حاصل نہ تھی جو ہمارے آباء کو حاصل نہ ہو اور انہیں ہماری بنسبت کوئی فضیلت حاصل نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا میں نے اس کے باپ کی وجہ سے دو ہزار درہم معین کئے اور اس کی والدہ کی وجہ سے ایک ہزار معین کیا اگر تیری ماں بھی ام سلمہ جیسی ہے تو تیرے حق میں بھی ایک ہزار کا اضافہ کر دیتا ہوں۔ باقی کے لئے آپ نے آٹھ آٹھ سو درہم معین فرما دیئے۔ طلحہ بن عبیداللہ اپنے بھائی کو لایا آپ نے اس کے لئے آٹھ سو درہم معین فرمائے۔ نضر بن انس آپ کے سامنے سے گزرا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کے لئے دو ہزار معین کر دو۔ فرمایا اس کے والد نے غزوہ احد کے روز بے مثال کارنامہ سرانجام دیا اس کے والد نے پوچھا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تو میں نے کہا میرا گمان ہے آپ کو شہید کر دیا گیا ہے تو اس کے والد نے تلوار سونتی، نیام کو توڑ دیا اور کہا اگر رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا گیا ہے تو کیا ہوا اللہ تو زندہ ہے وہ تو فوت نہیں ہوا پھر اس وقت تک جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کو شہید کر دیا گیا، جبکہ یہ فلاں جگہ بکریاں چرا رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اس طرح مال تقسیم کئے(1)۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے محمد بن اسحاق نے ابو جعفر رحمہما اللہ تعالیٰ سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ارادہ کیا کہ آپ لوگوں کے لئے وظیفہ معین فرمائیں۔ آپ کی رائے دوسروں سے مختلف تھی۔ صحابہ نے کہا اپنے آپ سے وظیفہ کا تعین شروع کریں۔ آپ نے فرمایا نہیں میں رسول اللہ ﷺ کے سب سے قریبی رشتہ دار سے وظیفہ کا تعین شروع کروں گا۔ آپ نے سب سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہما پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ یہاں تک کہ عدی بن کعب تک وظائف متعین فرمائے(2)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ نے کہا ہمیں خالد بن سعید نے بیان کیا انہوں نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے اس راوی سے بیان کیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر تھا کہا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر فارس اور روم کو فتح کیا تو آپ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو جمع فرمایا اور کہا تمہاری کیا رائے ہے؟ میرا خیال ہے کہ میں ہر سال کے لئے لوگوں کے وظائف معین کر دوں اور سال بھر کے لئے مال جمع کرتا رہوں کیونکہ اس میں زیادہ برکت ہے۔ صحابہ نے کہا جیسی آپ کی رائے ہے اسی طرح کر دیں ان شاء اللہ آپ کو اللہ تعالیٰ اس امر کی توفیق دے گا۔ آپ نے عطیات معین فرما دیئے۔ آپ نے پوچھا کس سے وظیفہ معین کرنے کا عمل شروع کروں تو عبد بن عوف نے فرمایا اپنے آپ سے شروع کریں تو آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں بلکہ میں وظائف کے تعین کا کام بنی ہاشم سے کروں گا جو حضور ﷺ کا قبیلہ ہے تو آپ نے بنی ہاشم کے آزاد اور غلام کے لئے پانچ پانچ ہزار معین فرمائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لئے بارہ

1۔ کتاب الخراج، صفحہ 101-100 2۔ ایضاً، صفحہ 102

ہزار معین فرمائے پھر اس کے بعد بنی عبد شمس میں سے جو غزوہ بدر میں شریک ہوا تھا اس کے لئے پھر اسی طرح جو بنی ہاشم کا زیادہ قریبی تھا اس مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے معین فرمایا۔ تمام بدری صحابہ کے لئے خواہ وہ عرب تھے یا ان کے غلام تھے پانچ ہزار درہم معین فرمایا۔ انصار کے لئے چار چار ہزار معین فرمایا سب سے پہلے جس انصاری کا وظیفہ معین ہوا وہ محمد بن مسلمہ تھا۔ نبی کریم ﷺ کی ازواجات مطہرات کے لئے دس دس ہزار معین فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے بارہ ہزار درہم معین فرمائے۔ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کے لئے چار چار ہزار معین فرمائے۔ عمر بن ابی سلمہ کے لئے چار ہزار معین فرمائے۔ اس میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شرف کا اعتبار کیا۔ محمد بن عبداللہ بن جحش نے عرض کیا آپ عمر بن ابی سلمہ کو ہم پر کیوں فضیلت دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ واقعہ ذکر کیا جو سابقہ حدیث میں گزر چکا ہے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے لئے پانچ پانچ ہزار معین فرمائے کیونکہ انہیں حضور ﷺ سے خاص نسبت حاصل ہے پھر آپ نے لوگوں کے لئے تین سو درہم اور چار سو درہم معین فرمائے۔ اس میں عربی اور غلام کو پیش نظر رکھا مہاجرین وانصار کی عورتوں کے لئے چھ سو چار سو تین سو اور دو سو درہم معین فرمائے۔ مہاجر مردوں کے لئے دو دو ہزار معین فرمائے۔ ہرقیل جب مسلمان ہوا تو اس کے لئے دو ہزار معین کئے۔ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا میری زمین میرے پاس رہنے دیجئے میں اسے آباد کروں گا اور زمین کا خراج دوں گا جس طرح میں پہلے خراج دیتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی(1)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا محمد بن عمرو بن علقمہ نے مجھے بیان کیا ہے وہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے نقل کرتے ہیں، وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں پھر اس میں حدیث ذکر کی۔ اس میں یہ ذکر ہے مہاجرین کے لئے پانچ پانچ ہزار، انصار کے لئے تین تین ہزار، نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے بارہ بارہ ہزار معین فرمایا۔ جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ان کا مال پہنچا تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو معاف فرمائے میری ساتھی عورتوں (دوسری ازواج مطہرات) میں سے ایسی تھیں جو مجھ سے بہتر اس مال کو تقسیم کر سکتی تھیں تو آپ سے عرض کیا گیا یہ سب مال آپ کا ہے جس کے ساتھ آپ کی مدد کی گئی ہے۔ اس مال کو آپ کے سامنے انڈیل دیا گیا آپ نے اسے کپڑے سے ڈھانپ دیا پھر اس عورت سے فرمایا جو آپ کے پاس موجود تھی اپنا ہاتھ اس میں داخل کر اور فلاں فلاں کو دیتی جا پھر وہ لگاتار دیتی رہی یہاں تک کہ وہ عورت جو ہاتھ داخل کر کے مال تقسیم کر رہی تھی اس نے کہا میرا خیال ہے آپ مجھے تو بھول ہی گئیں حالانکہ میرا بھی آپ پر حق ہے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہے وہ سب تیرا ہے تو اس کے نیچے پچاسی درہم تھے پھر آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی اے اللہ اس سال کے بعد مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عطیہ نہ پہنچے۔ ازواج مطہرات میں یہ سب سے پہلی تھیں جنہوں نے حضور ﷺ کے بعد وصال فرمایا ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ آپ ازواج مطہرات میں سے سب سے زیادہ سخی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار کے عطیات پر زید بن ثابت کو مقرر فرمایا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اہل عوالی سے عطیات کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے بنو اشہل کو عطیات دیئے پھر اوس کو کیونکہ ان کے گھر دور تھے پھر خزرج کو عطا فرمایا یہاں تک کہ خود سب سے آخر میں رہے کیونکہ آپ کا خاندان بنو مالک بن نجار سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ مسجد نبوی کے ارد گرد رہتے تھے(2)۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مجھے مدینہ کے ایک شیخ نے بتایا وہ اسماعیل بن سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے باپ سے روایت کرتے

1۔ کتاب الخراج، صفحہ 4-102   2۔ ایضاً، صفحہ 5-104

ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا قسم ہے اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہر کسی کا اس مال میں حق ہے میں اسے عطا کروں یا عطا نہ کروں۔ مملوک غلام کے علاوہ کوئی کسی سے زیادہ حق نہیں رکھتا اس مال میں میں بھی تمہارے جیسا حق رکھتا ہوں لیکن کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی نسبت کے اعتبار سے ان کے مقامات مختلف ہیں۔ ایک آدمی کی ولادت اسلام آنے کی صورت میں ہوئی ایک آدمی کو اسلام میں تقدم حاصل ہے، ایک آدمی مسلمان ہے اور غنی ہے دوسرا آدمی مسلمان ہے اور محتاج ہے اللہ کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صنعاء کے پہاڑ میں بکریاں چرانے والے کے لئے بھی حصہ پہنچے گا، جبکہ وہ اپنی جگہ میں ہی ہوگا اور حصہ کی طلب میں اس کا چہرہ سرخ نہیں ہوگا حمیر کا دیوان علیحدہ تھا۔ لشکروں کے امیر کے لئے عطیہ کی مقدار نو ہزار سے لے کر سات ہزار کے درمیان تھی جس کے ساتھ ان کے کھانے پینے اور دوسری ضروریات کی کفالت ہوتی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچے کی ولادت کے ساتھ ہی وظیفہ معین فرما دیتے جب وہ بڑا ہو جاتا تو اس کا حصہ دو سو درہم تک پہنچ جاتا۔ جب بالغ ہوتا تو اس میں اور اضافہ کر دیا جاتا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا کہ اس کا مال زیادہ ہو گیا ہے فرمایا اگر میں اگلے سال اس دن تک زندہ رہا تو میں دوسرے لوگوں کو بھی ان کی اولادوں کے ساتھ ملا دوں گا یہاں تک کہ عطیہ میں سب برابر ہو جائیں گے۔ راوی نے کہا آپ کا وصال اس دن سے پہلے ہو گیا(1)۔

مسئلہ: علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے جو مال جنگ کے بغیر حاصل ہو جیسے جزیہ، تاجروں سے ٹیکس، غیر مسلم خوف کی وجہ سے مال چھوڑ گئے ہوں یا مصالحت کی وجہ سے مال ملا ہو کسی مرتد کا مال جسے قتل کر دیا گیا ہو یا وہ مرتد مر گیا ہو کسی ذمی کا مال جو وارث کے بغیر مر گیا ہو، بنی تغلب کی زکوٰۃ، اہل حرب نے جو امام وقت کو ہدیہ دیا ہو اسی طرح زمین کا خراج کیا اس میں سے خمس لیا جائے گا؟ یا نہیں۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے دو قولوں میں سے قوی قول یہی ہے کہ اس مال میں سے خمس نہیں لیا جائے گا بلکہ تمام مال مسلمانوں کے مصالح کے لئے صرف کیا جائے گا جس طرح سرحدوں کی حفاظت، چھوٹے بڑے پل بنانا، مسلمان قاضیوں، محتسبوں، عمال اور علماء کی ضروریات پر خرچ کیا جائے گا۔ اسی سے جہاد کرنے والوں اور ان کی اولادوں کی ضروریات پوری کی جائیں گی۔

تجنیس میں ہے مدرسین اور طالب علموں کو دیا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیمی قول یہ تھا ان اموال سے خمس نہیں لیا جائے گا ہاں اس مال سے خمس لیا جائے گا جسے کفار خوف کی وجہ سے چھوڑ گئے ہوں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جدید قول یہ ہے ان تمام اموال سے خمس لیا جائے گا پھر خمس کے پانچ حصے کئے جائیں گے۔ ان میں سے ایک حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کا ہوگا جن میں غنی اور فقیر شامل ہوں گے تاہم مرد کو عورت کے مقابلہ میں دگنا ملے گا ایک حصہ یتیموں کا ہوگا۔ یتیم اسے کہتے ہیں جو بالغ نہ ہو اور اس کا باپ فوت ہو چکا ہو۔ اس میں مشہور قول یہ ہے کہ وہ فقیر بھی ہو ایک حصہ مساکین کا ہے، ایک حصہ مسافروں کا ہے۔ یہ مال ان چاروں قسموں کو دینا ضروری ہے، جبکہ ایک قول یہ ہے کہ جہاں سے یہ مال حاصل ہوا وہاں ان اقسام میں سے جس قسم کے لوگ ہیں انہیں دیا جائے گا۔ ایک حصہ مسلمانوں کی ضروریات کے لئے ہوگا جس طرح سرحدوں کی حفاظت، قاضیوں اور علماء کی کفالت تاہم جو زیادہ اہم ہو اسے مقدم کیا جائے گا۔ جہاں تک باقی چار حصوں کا تعلق ہے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ مال ان پر خرچ کیا جائے گا جن کی تنخواہیں معین ہیں وہ وہ لوگ ہیں جنہیں جہاد کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ امام ان کے لئے ایک دیوان قائم کرے گا اور ہر ایک کو اتنا مال دے گا جو اس کی

1۔ کتاب الخراج، صفحہ 7-106

ضروریات کے لئے کافی ہوان عطیات میں قریشی کو مقدم رکھا جائے گا۔ قریش میں سے بنی ہاشم، بنی مطلب پھر عبد شمس پھر بنی نوفل پھر عبدالعزیٰ پھر دوسرے قبائل کو مقام دیا جائے گا۔ سب میں یہی ملحوظ خاطر ہوگا کہ کوئی رسول اللہ ﷺ سے کتنا قریبی ہے پھر انصار پھر تمام عرب پھر عجمی دیوان میں نابینا، اپاہج اور ایسے شخص کا نام نہیں ہوگا جو جہاد کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اگر یہ چار حصے ملازمین کی ضروریات سے بچ جائیں تو ان کی خدمات کے حساب سے اس مال کو انہیں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ بعض مال کو سرحدوں کی حفاظت اور گھوڑوں کی خریداری پر صرف کیا جائے یہ حکم تو منقولہ مال کے بارے میں ہے۔

جہاں تک زمین کا تعلق ہے اس میں یہ طریقہ ہے کہ اس زمین کو وقف کر دیا جائے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کو اسی طرح صرف کیا جائے منہاج میں اسی طرح ہے۔ ان اموال میں خمس نہ لینے کا جو نقطۂ نظر جمہور کا ہے اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں بنو نضیر کے اموال کے بارے میں کہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جو اموال آپ کو حاصل ہوتے ہیں کیا آپ ان میں پانچ حصے نہیں کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مال کو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے حصے سے الگ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ما افاء میں اسے اس مال کی شکل کیسے دے سکتا ہوں جس میں سہام (حصے) جاری ہوتے ہیں (1)۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ جزیہ میں خمس کا قاعدہ جاری کرنے کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اجماع کے خلاف ہے۔ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ قول اس سے قبل کسی نے کیا ہے، نہ آپ کے بعد کسی نے کیا ہے اور نہ ہی آپ کے زمانے میں کسی نے کیا ہے۔ آپ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے جزیہ کے مال کو مال غنیمت پر قیاس کیا ہے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں، نجران کے عیسائیوں سے جزیہ وصول کیا۔ اہل یمن پر جزیہ لازم کیا لیکن آپ سے خمس کی وصولی کا قول منقول نہیں اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی۔ ابوداؤد نے ایک روایت نقل کی ہے جس کی سند میں ضعف ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عمال کی طرف خط لکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کیا مومنین نے اسے انصاف پر مبنی اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے موافق دیکھا (2)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑪

"کیا آپ نے منافقوں کی طرف نہیں دیکھا جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے کہ اگر تمہیں (یہاں سے) نکالا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی بات ہرگز نہیں مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔"

الَّذِيْنَ نَافَقُوْا سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی ہیں۔ اخوانهم سے مراد کفر، دوستی یا موالات میں ان کے بھائی ہیں۔ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ سے مراد جنہوں نے اعلانیہ کفر کیا جیسے بنی نضیر اور بنی قریظہ کے یہودی۔ ہم عبداللہ بن ابی کا قصہ

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 4، صفحہ 324 (العلمیہ) 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 411 (کارخانہ تجارت کتب کراچی)

پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس نے بنونضیر کی طرف دو قاصد بھیجے تھے اور کہا تھا تم گھروں سے نہ نکلنا میرے دو ہزار حمایتی ہیں جو تمہارے ساتھ قلعہ میں داخل ہو جائیں گے۔ ابن ابی حاتم نے سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ بنوقریظہ کے کچھ لوگ مسلمان ہوئے تھے ان میں سے منافق بھی تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس صورت میں اخوة سے مراد نسبی بھائی ہوں گے۔ یہ منافق بنونضیر کو کہتے تھے اگر تمہیں مدینہ طیبہ سے نکالا گیا ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے (1) اور تمہارے ساتھ جنگ کرنے یا تمہیں ذلیل ورسوا کرنے میں کسی کی بھی اطاعت نہیں کریں گے۔ آیت میں اعدا سے مراد رسول اللہ ﷺ اور مومن ہیں اگر رسول اللہ اور مومن تم سے جنگ کریں تو ان کے خلاف ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں یہ جملہ (واللہ یشھد) یقولون کے فاعل سے حال ہے۔ انھم میں ھم ضمیر سے مراد منافق ہیں کیونکہ قول مضمر ہے اس لئے انّ پڑھا نیز خبر پر لام مفتوح بھی ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے وَاللّٰهُ يَشْهَدُ وَيَقُوْلُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ یا یہ یشھد کے متعلق ہے اور یشھد اپنے ضمن میں قول کا معنی لئے ہوئے ہے پھر بعد والی آیت میں ان کے جھوٹ کی وضاحت ہے۔

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ⑫

"(سن لو!) اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ نہیں نکلیں گے ان کے ساتھ اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر (جی کڑا کر کے) انہوں نے ان کی مدد کی تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ 1 "

1 اُخْرِجُوْا میں واؤ ضمیر سے مراد یہودی ہیں۔ لَا يَخْرُجُوْنَ میں واؤ ضمیر سے مراد منافق ہیں یہ لفظاً جواب قسم ہے اور معنا شرط کی جزاء ہے۔ یہی صورتحال لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ میں ہے۔ اس آیت میں حضور ﷺ کا معجزہ بھی ہے کیونکہ جس طرح خبر دی گئی تھی مستقبل میں واقعہ اسی طرح وقوع پذیر ہوا تھا کیونکہ بنونضیر کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا تھا، جبکہ عبداللہ بن ابی اور بنوقریظہ کے منافق ان کے ساتھ جلاوطن نہیں ہوئے تھے۔ بعد میں بنوقریظہ کے ساتھ جنگ کی گئی اور انہیں قتل کیا گیا اور مدینہ طیبہ کے منافقوں نے ان کی کوئی مدد نہ کی اگر بالفرض وہ مدد کرتے بھی۔ زجاج نے کہا اس کا معنی ہے اگر وہ مدد کا قصد کرتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے تو پھر یہودیوں کی مدد نہ کی جاتی (2) یعنی جب مددگار ہی شکست کھا جائیں تو پھر ان کی مدد کیسے ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے کہ لَا يُنْصَرُوْنَ کی ضمیر منافقین کی طرف لوٹ رہی ہو۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑬

"اے فرزندان اسلام! ان (یہودیوں) کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے یہ اس لئے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں۔ 1 "

1 اے مسلمانو تم ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی بہ نسبت بھی زیادہ رعب ڈالے ہو کیونکہ وہ لوگوں کے ڈر کی وجہ سے زبان سے ایمان لاتے ہیں، دل سے ایمان نہیں لاتے، جبکہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہے۔ وہ تم سے خوف زدہ ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی عظمت کو نہیں پہچانتے جبکہ اللہ تعالیٰ ہی نفع ونقصان دینے والا ہے بندے کے افعال سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ وہ اس شان کا حامل ہے کہ اسی سے ڈرا جائے نہ کہ کسی اور سے ڈرا جائے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 295 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِن وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُم بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ﴿١٤﴾

"(یہ بڑے بزدل ہیں) کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تم سے جنگ نہیں کریں گے جنگ کریں گے تو قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ لے کر ان کا اختلاف آپس میں بہت سخت ہے تم انہیں متحد خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں یہ اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں [1]"

[1] واؤ ضمیر سے مراد کفار اور منافق ہیں، یعنی کفار اور منافق سب عزم اور ہمت کے ساتھ تمہارے خلاف جنگ نہیں کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا ہے مگر قلعوں اور خندقوں میں چھپ کر تم سے جنگ کریں گے تمہارے خوف کی وجہ سے جنگ کے لئے باہر نہیں نکلیں گے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے واحد کا صیغہ جدار پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ جب وہ آپس میں جنگ کرتے ہیں تو ان کا صبر اور شجاعت بڑی زیادہ ہوتی ہے وہ تم سے جو خوف زدہ ہیں وہ ان کے ضعف اور بزدلی کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا ہے۔ یہ رسول اللہ کے معجزہ اور اپنے دین کے غلبہ کے لئے کہا ہے کیونکہ جب بہادر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتا ہے تو وہ بزدل ہو جاتا ہے اور غالب ذلیل ہو جاتا ہے۔ اے محمد ﷺ آپ تو یہ گمان کریں گے کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے میں متفق ہیں، جب کہ ان کے دل اللہ کی طرف سے رعب ڈالنے کی وجہ سے بکھرے ہوئے ہیں کیونکہ جب خوف سخت ہو تو انسان کا دل صحیح حالت پر نہیں رہتا کبھی وہ دنیاوی مصالح کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے جنگ کا ارادہ کرتا ہے اور کبھی رعب اور خوف کے غلبہ کی وجہ سے فرار کا ارادہ کرتا ہے۔ یہ دلوں کی پراگندگی اس وجہ سے ہے کہ وہ حق اور باطل میں امتیاز نہیں کر سکتے، وہ غور و فکر نہیں کرتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ رعب ان کے کفر کی وجہ سے اور رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کی وجہ سے غالب آیا ہے۔

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ۖ ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٥﴾

"یہ ان لوگوں کی مانند ہیں جو ان سے پہلے ابھی ابھی اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے [1]"

[1] بنی نضیر کی مثل تھوڑا پہلے مشرکین مکہ نے بدر میں اپنے کفر اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت کا انجام چکھ لیا تھا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ معنی کیا ہے، جبکہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اس سے مراد مشرکین مکہ نہیں بلکہ بنو قینقاع ہیں (1) جو حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی قوم تھے۔ یہ عبد اللہ بن ابی بن سلول یا عبادہ بن صامت یا ان کی قوموں کے دوسرے افراد کے حلیف تھے۔ یہ یہودیوں میں سے بہت ہی بہادر لوگ تھے اور سونے کا کام کرتے تھے۔

اس کی وجہ یہ بنی جب حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو تمام یہودیوں کو دعوت دی، اپنے اور ان کے درمیان معاہدہ لکھا، ہر قوم کو ان کے حلیفوں کے ساتھ شامل کر دیا۔ اپنے اور ان کے درمیان امان قائم کی، اس معاہدہ میں چند شرطیں رکھیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف دشمن کی مدد نہ کریں گے۔ جب غزوہ بدر ہوا تو بنو قینقاع پہلے یہودی تھے جنہوں نے وعدہ

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

توڑا۔ سرکشی اور دشمنی کو ظاہر کیا۔ اسی اثناء میں ایک عرب عورت آئی، اس کے پاس دودھ تھا۔ اس نے بنی قینقاع کے بازار میں بیچا اور ایک سنار کے پاس زیور کے لئے بیٹھ گئی۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ چہرہ کھول دے مگر عورت نے ایسا نہ کیا۔ سنار نے پچھلی جانب سے اس کے کپڑے کو کسی کانٹے سے اڑک دیا، جبکہ عورت کو کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ جب وہ عورت اٹھی تو ستر کھل گیا۔ لوگ ہنسنے لگے۔ عورت نے چیخ ماری مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے سنار پر حملہ کر دیا۔ اور اسے قتل کر دیا سنار یہودی تھا، یہودیوں نے مسلمان پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کر دیا اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو توڑ دیا۔ مسلمان کے رشتہ داروں نے یہودیوں کے خلاف مسلمانوں کو مدد کے لئے پکارا۔ مسلمان غضبناک ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں اور بنو قینقاع کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت: وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ نازل فرمائی۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے بنو قینقاع کی وعدہ خلافی کا خدشہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ بنو قینقاع کی طرف چل پڑے۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا۔ مدینہ طیبہ پر ابولبابہ کو نائب بنایا، بنو قینقاع قلعہ بند ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کا سخت محاصرہ کیا پندرہ دن تک یہی صورتحال رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ حضور ﷺ کے فیصلہ پر قلعہ سے نیچے اتر آئے اور یہ گزارش کی کہ ان کے مال رسول اللہ ﷺ کے لئے ہوں، ان کی بیویاں اور بچے یہودیوں کے پاس ہی رہیں ان کے ہاتھ باندھنے کا حکم ہوا یہ ذمہ داری منذر بن قدامہ کے ذمہ لگی۔ عبادہ بن صامت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا کی نیت کرتا ہوں اور ان کفار کے ساتھ کئے گئے معاہدہ سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ عبداللہ بن ابی حضور ﷺ کی خدمت میں کھڑا ہو گیا اور عرض کی اے محمد ﷺ میرے حلیفوں کے بارے میں مجھ پر احسان کرو اور حضور نے اس سے منہ پھیر لیا۔ یہ بات اس نے اس وقت کی جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بنو قینقاع پر غلبہ دے دیا تھا۔ بعد میں عبداللہ بن ابی نے اپنا ہاتھ پچھلی جانب سے زرہ کے نیچے گریبان میں ڈال دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا تو ہلاک ہو مجھے چھوڑ دے۔ حضور ﷺ سخت ناراض ہوئے یہاں تک کہ غصے کے آثار آپ کے چہرے سے عیاں ہوئے۔ آپ نے فرمایا تو ہلاک ہو مجھے چھوڑ دے اس نے کہا اللہ کی قسم میں اس وقت تک آپ کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ میرے حلیفوں کے بارے میں مجھ پر احسان نہیں کریں گے۔ چار سو غیر مسلح ہیں۔ اور تین سو مسلح ہیں احمر و اسود کے ہاں میں ذلیل ہو جاؤں گا آپ کل صبح سب کو ایک ہی بار قتل کر دیں گے اللہ کی قسم مجھے حادثات زمانہ کا خوف رہتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو، اللہ ان پر لعنت کرے اور ان کے حمایتیوں پر بھی لعنت کرے اور انہیں قتل کرنے کا حکم نہ دیا بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ وہ مدینہ طیبہ سے نکل جائیں وہ تین دن کے بعد یہاں سے نکل گئے ان کو جلاوطن کرنے کی ذمہ داری حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ محمد بن مسلمہ نے کہا انہیں اذرعات کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ حضور ﷺ نے ان کے اسلحہ سے تین بھالے، دو زرہیں اور تین تلواریں لیں۔ حضور ﷺ نے ان کے گھروں میں بڑا اسلحہ اور زیورات بنانے کا سامان پایا۔ حضور ﷺ نے خمس وصول کیا، باقی چار حصے صحابہ پر تقسیم کر دیئے۔ بدر کے بعد یہ پہلا خمس تھا یہ واقعہ نصف شوال دو ہجری ہفتہ کے روز ہوا، جبکہ آپ کو ہجرت کئے بیس ماہ ہو چکے تھے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی کے حق میں یہ آیات نازل ہوئیں: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ اس کی تفصیل سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے۔ دنیا میں جو انہیں مصیبت پہنچ چکی ہے آخرت میں ان کے عذاب میں کمی نہیں کی جائے گی۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ

اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

"منافقین اور یہود کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے انکار کر دے اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب العالمین ہے۔[1]"

[1] عبداللہ بن ابی اور اس جیسے منافقین کی مثال شیطان جیسی ہے۔ انہوں نے یہودیوں کو جنگ پر ابھارا جس طرح شیطان نے انسان سے کہا کفر کر۔ جب اس نے کفر کیا تو شیطان نے کہا میں تجھ سے بری ہوں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عطاء رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ فترہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ تک کا زمانہ) کے دور میں ایک راہب تھا جس کا نام برصیصا تھا، وہ ستر سال تک اپنی عبادت گاہ میں عبادت کرتا رہا، اس نے ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی۔ اس کو گمراہ کرنے کے لئے حیلوں نے شیطان کو تھکا دیا تھا۔ ایک روز ابلیس نے سرکش جنوں کو جمع کیا اور کہا کیا تم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو برصیصا کے معاملہ میں کافی ہو۔ ابیض نے کہا یہی انبیاء کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا تھا یہی شیطان جبرئیل امین کی صورت میں حضور ﷺ کے پاس آیا اور وحی کی صورت میں وسوسہ اندازی کی کوشش کی۔ جبرئیل امین نے اسے دھکا دے کر ہندوستان کے دور دراز علاقے کی طرف دھکیل دیا ابیض نے ابلیس سے کہا میں تیری طرف سے کافی ہوں۔ ابیض چل پڑا، راہبوں جیسا لباس زیب تن کیا، سر کے درمیان سے بال منڈائے اور برصیصا کی عبادت گاہ میں آیا۔ اسے بلایا، برصیصا نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دس دنوں میں صرف ایک دفعہ عبادت چھوڑ کر کسی اور کام کی طرف متوجہ ہوتا اسی طرح وہ دس دنوں میں ایک دفعہ روزہ افطار کرتا۔ جب ابیض نے یہ دیکھا کہ برصیصا اسے کوئی جواب نہیں دیتا تو ابیض برصیصا کے عبادت خانہ کے نچلے حصہ میں عبادت میں مشغول ہو گیا۔ جب برصیصا نے نماز ختم کی تو اس نے عبادت کی جگہ سے نیچے جھکا تو اس نے ابیض کو دیکھا کہ راہبوں کی بہترین حالت میں وہ عبادت میں مصروف ہے۔ جب برصیصا نے ابیض کی یہ حالت دیکھی تو جواب نہ دینے پر دل میں ہی شرمندہ ہوا اور پوچھا تو نے مجھے بلایا تھا اور میں تیری طرف متوجہ نہ ہوا تیرا کیا کام ہے؟ ابیض نے کہا میرا کام یہ ہے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ تیرے پاس رہوں تیری معیت میں رہ کر توبہ استغفار کروں، تیرے علم اور عمل سے فیض یاب ہوں۔ ہم اکٹھی عبادت کریں تو میرے لئے دعا کرے میں تیرے لئے دعا کروں۔ برصیصا نے جواب دیا میں تجھ سے بے نیاز ہوں اگر تو مومن ہے تو میں مومنوں کے لئے جو دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ تیرے لئے بھی اس میں سے حصہ بنا دے گا اگر اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر لی پھر وہ نماز کی طرف متوجہ ہو گیا اور ابیض کو چھوڑ دیا۔ ابیض پھر نماز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ برصیصا چالیس روز تک اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ جب وہ چلہ سے فارغ ہوا تو اس نے ابیض کو عبادت کرتے ہوئے دیکھا۔ جب برصیصا نے عبادت میں اس کی مشقت کو دیکھا تو پوچھا تیرا کیا کام ہے؟ ابیض نے کہا میرا یہ کام ہے کہ تو مجھے اپنے پاس آنے کی اجازت دے۔ برصیصا نے ابیض کو اجازت دے دی۔ ابیض اس کی عبادت گاہ میں اوپر چلا گیا۔ ایک سال تک عبادت کرتے ہوئے گزار دیا۔ ہر چالیس روز میں ایک دن روزہ نہ رکھتا اور ہر چالیس روز میں ایک دفعہ عبادت چھوڑتا۔ بعض اوقات یہ سلسلہ چالیس روز تک لمبا کر دیتا۔ جب برصیصا نے اس کی جدوجہد کو دیکھا تو اپنے آپ کو حقیر جاننے لگا اور ابیض کی شان اسے عجیب لگی جب سال پورا ہو گیا تو ابیض نے برصیصا سے کہا میں جا رہا ہوں کیونکہ تیرے علاوہ بھی میرا ایک دوست ہے۔ میرا خیال تھا جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس سے زیادہ مشقت کرنے والا ہے جو کچھ میں نے دیکھا ہے مجھے اس کے برعکس خبر پہنچی تھی۔ برصیصا کو

یہ بات سن کر سخت پریشانی ہوئی۔ ابیض کی جو مشقت اس نے دیکھی تھی اس وجہ سے اس کی جدائی بڑی شاق گزری۔ جب ابیض جانے لگے تو ابیض نے برصیصا سے کہا میرے پاس کچھ دعائیں ہیں وہ میں تجھے سکھا دیتا ہوں تم یہ دعائیں کرنا تو جس مقام پر اب ہو اس سے بہتر مقام کو حاصل کر لو گے۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کے صدقے بیمار کو شفا دے گا اور مجنون کو تندرست کر دے گا۔ برصیصا نے کہا میں اسے ناپسند کرتا ہوں کیونکہ مجھے اور مصروفیات ہیں مجھے ڈر ہے اگر لوگوں کو ان دعاؤں کے بارے میں پتہ چل گیا تو وہ مجھے عبادت نہیں کرنے دیں گے۔ ابیض لگاتار اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ برصیصا کو یہ دعائیں سکھا دیں پھر وہاں سے چلا گیا یہاں تک کہ ابلیس کے پاس آیا اور کہا اللہ کی قسم میں نے اس آدمی کو ہلاک کر دیا۔ ابیض چلا ایک آدمی سے ملا اور اس کا گلا دبا دیا پھر ایک طبیب کی صورت میں ظاہر ہوا اور گھر والوں سے کہا تمہارے اس آدمی کو جنون ہے کیا میں اس کا علاج کروں تو گھر والوں نے کہا ضرور علاج کیجئے پھر کہنے لگا میں اس کی چڑیل پر کوئی قابو نہیں رکھتا لیکن میں تمہاری راہنمائی ایسے آدمی کی طرف کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے تندرست کر دے گا۔ تم برصیصا کے پاس جاؤ، اس کے پاس اسم اعظم ہے جس کے وسیلہ سے وہ دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرمائے گا۔ لوگ برصیصا کے پاس گئے اس کے بارے میں سوال کیا برصیصا نے ان کلمات کے ساتھ دعا کی تو شیطان اس آدمی سے نکل گیا۔ ابیض لوگوں کے ساتھ یہی طریقہ اپناتا پھر انہیں برصیصا کی طرف بھیجتا لوگ تندرست ہو جاتے۔ ابیض بنی اسرائیل کے بادشاہوں کی ایک لڑکی کے پاس گیا جس کے تین بھائی تھے ان کا باپ بادشاہ تھا وہ خود فوت ہو گیا اس نے اپنے بھائی کو اپنا خلیفہ نامزد کیا ان کا چچا اب بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا۔ ابیض اس لڑکی کے پاس آیا، اسے سخت تکلیف دی اور اس کا گلا دبایا پھر ان کے پاس ایک طبیب کی صورت میں آیا، ان سے کہا کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ میں اس کا علاج کروں۔ بھائیوں نے کہا ہاں پھر کہا جو جن اس پر حاوی ہوا ہے وہ بہت سرکش ہے، وہ میرے علاج سے نہیں جائے گا لیکن میں تمہاری راہنمائی ایسے آدمی کی طرف کرتا ہوں جس پر تم اعتماد کرتے ہو۔ تم اسے اس کے پاس چھوڑ آنا جب اس کا شیطان آئے گا وہ آدمی اس بچی کے لئے دعا کرے گا یہاں تک کہ تمہیں پتہ چل جائے کہ یہ صحت مند ہو چکی ہے تو اسے واپس لے آنا۔ بھائیوں نے پوچھا وہ کون ہے؟ ابیض نے کہا وہ برصیصا ہے۔ بھائیوں نے کہا وہ ہماری یہ بات کیسے مانے گا، جبکہ وہ تو اس سے بڑی شان رکھنے والا ہے تو ابیض نے کہا اس کی عبادت گاہ کے پہلو میں ایک اور عبادت گاہ بنا دینا یہاں تک کہ تم اس کو دکھا سکو اگر تو وہ اس بچی کو قبول کرے تو بہت بہتر ورنہ تم عبادت خانہ میں اسے رکھ دینا پھر اسے کہنا یہ تیرے پاس امانت ہے اس کا خیال رکھنا اس کے بھائی برصیصا کے پاس گئے اس سے یہ بات کہی اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ ابیض نے جس طرح انہیں کہا تھا اسی طرح عبادت خانہ بنایا اور لڑکی کو اس عبادت خانہ میں چھوڑ آئے۔ برصیصا سے کہا یہ ہماری بہن ہے، یہ امانت ہے، ثواب کی نیت سے اس کا خیال رکھنا پھر چلے گئے۔ جب برصیصا نماز سے فارغ ہوا تو اس کی نظر لڑکی اور اس کے حسن و جمال پر پڑی۔ لڑکی اس کے دل میں گھر کر گئی اور برصیصا پر بڑی مصیبت آ گئی۔ شیطان آیا اس نے بچی کا گلا دبایا۔ برصیصا نے وہی دعائیں کیں تو شیطان چلا گیا پھر وہ عبادت میں مشغول ہو گیا پھر شیطان آیا اس نے لڑکی کا گلا دبایا اسی حالت میں لڑکی اپنا ستر بھی کھولنے لگی۔ شیطان اس کے پاس آیا اور کہا اس لڑکی سے جماع کرو بعد میں توبہ کر لینا اللہ تعالیٰ گناہ بخشنے والا ہے تم جو ارادہ رکھتے ہو اسے پا لو گے۔ شیطان لگاتار اس کے دل میں وسوسہ اندازی کرتا رہا یہاں تک کہ اس راہب نے اس لڑکی سے بدکاری کی پھر راہب لگاتار اسی طرح کرتا رہا یہاں تک وہ لڑکی حاملہ ہو گئی اور اس کا حمل ظاہر ہو گیا۔ شیطان نے اسے کہا صد افسوس اے برصیصا تو رسوا ہو گیا کاش تو اسے قتل کر دیتا اور بعد میں توبہ کر لیتا اگر اس کے بھائی تجھ سے پوچھیں تو انہیں کہنا اس کا شیطان اسے لے گیا،

جبکہ میں اس پر قادر نہ تھا۔ برصیصا نے لڑکی کو قتل کر دیا پھر اس کی لاش لے گیا اور پہاڑ کی ایک جانب اسے دفن کر دیا۔ گورا شیطان آیا، جبکہ راہب لڑکی کی لاش دفن کر رہا تھا، اس کے تہہ بند کی ایک طرف پکڑ لی اس طرح کپڑے کی یہ طرف مٹی سے باہر رہ گئی پھر برصیصا اپنی عبادت گاہ کی طرف آ گیا اور عبادت میں مشغول ہو گیا۔ لڑکی کے بھائی آئے تا کہ اپنی بہن کی خبر گیری کریں وہ کچھ دنوں کے بعد آتے تھے، بہن کے بارے میں پوچھتے اور اس کے بارے میں مطمئن تھے۔ انہوں نے پوچھا اے برصیصا ہماری بہن کا کیا بنا۔ برصیصا نے جواب دیا اس کا شیطان آیا اور اسے لے گیا۔ میں اسے قابو کرنے کی طاقت نہ رکھ سکا۔ سب بھائیوں نے اس کی تصدیق کی اور واپس چلے گئے۔ جب رات ہوئی، جبکہ وہ غمزدہ تھے تو نیند کے عالم میں گورا شیطان بڑے بھائی کے پاس آیا کہا تجھ پر افسوس برصیصا نے تو تیری بہن کے ساتھ یہ یہ کیا ہے اور فلاں جگہ اسے دفن کر دیا ہے۔ بھائی نے دل میں کہا یہ خواب پریشان ہے اور شیطان کا عمل ہے کیونکہ برصیصا اس سے بہت بہتر ہے۔ تین راتیں شیطان کئی دفعہ اسے خواب میں آیا لیکن اس نے کوئی توجہ نہ کی پھر شیطان نے درمیان والے بھائی کو خواب میں اسی طرح بتایا درمیان والے بھائی نے بھی بڑے بھائی کی طرح کہا کسی اور کو کچھ نہ بتایا پھر شیطان سب سے چھوٹے کے خواب میں آیا اور اسے سب کچھ بتایا چھوٹے نے دونوں بھائیوں کو کہا اللہ کی قسم میں نے یہ یہ خواب دیکھا ہے، درمیانے نے کہا اللہ کی قسم میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے۔ وہ تینوں برصیصا کے پاس گئے اور کہا اے برصیصا ہماری بہن کا کیا ہوا تو اس نے جواب دیا کہا میں نے تمہیں بتا دیا تھا گویا تم مجھ پر بہتان باندھ رہے ہو تو انہوں نے جواب دیا اللہ کی قسم ہم آپ پر کوئی بہتان نہیں لگاتے انہیں بڑی حیاء آئی اور واپس چلے گئے۔ شیطان ان کے پاس آیا کہا تم پر افسوس ہو وہ فلاں جگہ دفن ہے اور اس کے تہہ بند کی ایک طرف مٹی سے باہر ہے۔ وہ سب چل پڑے تو انہوں نے اپنی بہن کو اسی حالت میں پایا جس طرح انہوں نے خواب میں دیکھا تھا۔ وہ اپنے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ چل پڑے، جبکہ ان کے پاس کیاں اور کدالیں تھیں۔ انہوں نے عبادت خانے کو گرا دیا۔ برصیصا کو نیچے اتارا اس کی مشکیں باندھیں اور بادشاہ کے پاس لے گئے۔ برصیصا نے اقرار کر لیا اس کی وجہ یہ بنی کہ شیطان اس کے پاس آیا کہا ایک تو قتل کرتا ہے پھر اس کا انکار کرتا ہے تو تم پر دو گناہ جمع ہو جائیں گے۔ ایک قتل اور دوسرا انکار قتل جب اس نے جرم کا اعتراف کر لیا تو بادشاہ نے اس کے قتل اور سولی پر لٹکانے کا حکم دیا جب اسے سولی پر لٹکایا جانے لگا تو گورا شیطان آیا اس نے کہا اے برصیصا کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ برصیصا نے کہا میں تجھے نہیں پہچانتا تو شیطان نے کہا میں وہی ہوں جس نے تجھے دعائیں سکھائی تھیں جو تیری دعائیں مقبول ہوئیں تجھ پر افسوس تو امانت کی حفاظت میں اللہ سے نہیں ڈرا تو نے امانت والوں سے خیانت کی تو نے یہ گمان کیا کہ تو بنی اسرائیل میں سے زیادہ عبادت گزار ہے کیا تجھے شرم نہیں آئی۔ وہ برصیصا کو لگا تار شرمندہ کرتا رہا پھر آخر میں کہا جو تو نے کرتوت کیا تھا وہی کافی نہ تھا یہاں تک کہ گناہ کا اعتراف بھی کر لیا، اپنے آپ کو ذلیل کیا اور اپنے جیسے دوسرے لوگوں کو بھی ذلیل و رسوا کیا۔ اگر تو اسی حالت پر مر گیا تو تیرے جیسا کوئی بھی کامیاب نہ ہوگا۔ برصیصا نے کہا میں کیا کروں شیطان نے کہا میری ایک بات مان لے تو میں تجھے اس مصیبت سے بچا لوں گا۔ میں لوگوں کی آنکھیں بلند کر لوں گا۔ اور تجھے یہاں سے نکال لوں گا برصیصا نے کہا وہ کیا بات ہے؟ شیطان نے کہا تو مجھے سجدہ کر تو برصیصا نے اسے سجدہ کر لیا تو شیطان نے کہا اے برصیصا میں تجھ سے یہی چاہتا تھا تیرا انجام یہ ہوا کہ تو نے اپنے رب کا انکار کر دیا میں تجھ سے بری ہوں(1)۔

میں رب العالمین سے ڈرتا ہوں یہ بات اس نے ریاکاری کے طور پر کہی تھی ورنہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ شیطان کی خصلت نہیں۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 53-350 (الفکر)

ایک قول یہ کیا گیا کہ انسان سے مراد جنس ہے۔ شیطان کا یہ کہنا اکفر یہ کفر پر برانگیختہ کرنے کے لئے ہے جس طرح حکم دینے والا مامور کو برانگیختہ کرتا ہے اور اس کا یہ قول انی بری ہوں یا اس خوف کی وجہ سے ہوتا ہے کہ آخرت میں اسے بھی عذاب میں شریک نہ کرلیا جائے اس کی مثل دوسری آیات بھی ہیں: وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں انسان سے مراد ابوجہل ہے۔ بدر کے روز ابلیس نے اس سے یہ کہا تھا: لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ۔

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

"پھر ان دونوں (شیطان اور اس کے چیلے) کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے اور یہی ظالموں کی سزا ہے"

[1] عَاقِبَتَهُمَآ میں ھما ضمیر سے مراد انسان اور شیطان ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

"اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لئے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے جو تم کرتے رہتے ہو"

نَفْسٌ عام ہے، یعنی کسی بھی نفس نے جو بھی عمل کیا ہے وہ عمل صالح ہو جو نجات دیتا ہے یا برا عمل ہو جو ہلاک کر دیتا ہے پس اسے ایسا عمل چھوڑ دینا چاہئے اور اس پر مغفرت کرنی چاہئے۔ غد سے مراد یوم قیامت ہے یوم قیامت کو غد اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ قریب ہی واقع ہونے والا ہے یا دنیا ایک دن کی مانند ہے اور آخرت آنے والا دن ہے حدیث میں ہے دنیا ایک دن ہے اور ہمارا اس میں روزہ ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ کو اس جملہ کی تاکید کے لئے مکرر ذکر کیا ہے یا پہلا جملہ فرائض کی ادائیگی کے لئے ہے اور دوسرا محارم کو چھوڑنے کی وجہ سے ہے کیونکہ اس کے بعد یہ کلام ہے کہ تم جو کچھ عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے یہ ارشاد نافرمانیوں پر وعید کی طرح ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾

"اور ان (نادانوں) کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے بھلا دیا اللہ تعالیٰ کو پس اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا یہی نافرمان لوگ ہیں [1]"

[1] جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تھا وہ منہیات کو کرنے اور فرائض کو ترک کرنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے منافع انہیں بھلا دیے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے لئے کچھ بھی آگے نہ بھیجا۔ یا اس کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انہیں ایسی ہولناکی دکھائے گا جو انہیں اپنا آپ بھلا دے گی یہی کامل فاسق ہیں۔

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾

"یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت، اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں [1]"

لے جن لوگوں نے اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کیا اور جہنم کے مستحق بنے اور جنہوں نے اپنے نفوس کو مکمل کیا اور جنت کے مستحق بن گئے وہ برابر نہیں ہیں۔ شوافع نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ مسلمان کو قصاص میں کافر کے مقابلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا لیکن یہ تاویل کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ عدم مساوات کا حکم آخرت کے بارے میں ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

"اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ دیکھتے کہ وہ جھک جاتا (اور) پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لئے تاکہ وہ غور و فکر کریں لے"

لے ایک یہ قول کیا گیا کہ یہ تشبیہ ہے، یعنی اگر پہاڑ میں عقل و شعور ہوتا اور قرآن حکیم اس پر نازل کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے خشوع کا اظہار کرتا اور پھٹ جاتا، جبکہ پہاڑ بہت ہی مضبوط اور وزنی ہے۔ پہاڑ کی یہ کیفیت اس خوف کی وجہ سے ہو گی کہ وہ قرآن کی تعظیم بجا لانے میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کر سکے گا۔ کافر قرآن میں موجود عبرتوں اور نصیحتوں کو سمجھتا ہے لیکن وہ ان کی طرف دھیان نہیں دیتا۔

یہ کہنا بھی جائز ہے کہ جمادات اگرچہ ظاہر میں تو عقل و شعور نہیں رکھتے لیکن خالق کی نسبت کے اعتبار سے شعور بھی رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا خوف بھی رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کو آواز دیتا ہے اے فلاں پہاڑ کیا تیرے اوپر کسی ایسے آدمی کا گزر بھی ہوا ہے جو اللہ کا ذکر کر رہا ہو۔ جب دوسرا پہاڑ یہ کہے ہاں مجھ پر ایک ایسے آدمی کا گزر ہوا ہے تو وہ اسے خوشخبری اور بشارت دیتا ہے۔ جو انسان جو غور و فکر نہ کرے اور دل کی سختی کی وجہ سے قرآن حکیم کی تلاوت کے وقت خشوع و خضوع کا اظہار نہ کرے تو ایسے لوگوں کے لئے آیت میں توبیخ موجود ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾

"اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جاننے والا ہر چھپی ہوئی اور ظاہر چیز کا وہی، بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے لے اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں سب کا بادشاہ، نہایت مقدس، سلامت رکھنے والا، امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ہے، پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں ۲ے"

لے ہم سورۂ جن میں غیب اور شہادت کے بارے میں تفسیر اللہ تعالیٰ کے فرمان فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ میں بیان کر دی ہے۔

۲ے قدوس سے مراد ہر عیب سے پاک اور جو چیز مناسب ہو اس سے حد درجہ بالا ہے۔ السلام سے مراد ہر نقص اور آفت سے محفوظ ہے۔ یہ مصدر ہے مبالغہ کے لئے اس کے ساتھ صفت ذکر کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مومن سے مراد جو لوگوں کو ظلم سے امان دیتا ہے اور جو ایمان لاتا ہے اسے عذاب سے

امن دیتا ہے۔ یہ امان سے مشتق ہے جو تخویف (ڈرانے) کی ضد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ معجزات ظاہر کرنے کے ساتھ اپنے رسولوں کی تصدیق کرتا ہے(1)۔

مھیمن جو اپنے بندوں کے اعمال کو دیکھنے والا ہے(2) ھمن یھمن اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی آدمی کسی چیز پر نگہبان ہو۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ، سدی اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ قاموس میں ہے جب یہ جملہ بولا جائے ھمن علی کذا تو اس کا مطلب ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کا نگہبان اور محافظ ہے۔ خلیل نے بھی یہی کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کی اصل مُاٰمِن ہے جو امن سے مشتق ہے، دوسرے ہمزہ کو یاء سے بدلا تو مؤیمن بن گیا پہلے کو ھاء سے بدل دیا تو مھیمن بن گیا اس کا معنی مومن ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ اس کا معنی تصدیق کرنے والا ہے۔ سعید بن مسیب، ضحاک، ابن کیسان رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جبار کا معنی عظیم کیا ہے۔ جبروت اللّٰہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ جبر سے مشتق ہے جس کا معنی درست کرنا ہے۔ کہتے ہیں جَبَرْتُ الْاَمْرَ وَ جَبَرْتُ الْعَظْمَ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو معاملے کو درست کر دے اور ہڈی ٹوٹنے کے بعد اسے صحیح کر دے۔ اللہ تعالیٰ فقیر کو غنی کر دیتا ہے، ٹوٹی ہوئی چیز کو درست کر دیتا ہے۔ حدیث میں ہے وہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو درست کرتا ہے۔ سدی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ وہ لوگوں پر غالب ہے اور جو ارادہ کرے اس کو پورا کرنے والا ہے۔ بعض علماء سے جبار کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا اس کا معنی قہار ہے جب وہ کسی امر کا ارادہ کرے تو اسے کر گزرے(3) کوئی اسے روکنے پر قادر نہیں۔ متکبر یہ باب تفعّل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، مبالغہ کے اظہار کے لئے اس باب سے ذکر کیا ہے۔ کبر اور کبریاء کا معنی محفوظ ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر ایسی چیز سے محفوظ ہے جو حاجت اور نقص کو ثابت کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا متکبر کا معنی عظیم ہونا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ذو الکبریاء یعنی وہ بادشاہ ہے۔ وہ ہر شریک سے پاک ہے کیونکہ کوئی بھی کسی حوالے سے اس کے ساتھ شریک نہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

"وہی اللہ سب کا خالق، سب کو پیدا کرنے والا، (سب کی مناسب) صورت بنانے والا۔ سارے خوبصورت نام اسی کے ہیں، اس کی تسبیح کر رہے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی عزت والا، حکمت والا ہے لہ"

لہ الْخَالِقُ یعنی اشیاء کا اندازہ لگانے والا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ۔ قاموس میں خالق کا معنی کسی شے کو ابتداءً بنانے والے بغیر سابقہ مثال کے پیدا کرنے والا(4) البارئ اشیاء کو پیدا کرنے والا جو نقص سے پاک ہو۔ قاموس میں ہے برء اللّٰہ الخلق اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا(5)۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے مصدر کا معنی یہ بیان کیا کہ مخلوقات کو ایسی علامات بنانے والا ہے جس سے مخلوقات ایک دوسرے سے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 356 (الفکر) 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً
4۔ القاموس المحیط، جلد 2، صفحہ 1170 (التراث العربی) 5۔ ایضاً، صفحہ 96

ممتاز ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں ھذہ صورۃ الامر، یعنی یہ اس کی مثال ہے ابتداءً اللہ تعالیٰ نے اندازہ لگایا پھر عدم سے وجود عطا کیا پھر صورتیں عطا کیں(1) صحاح میں تصویر کا معنی یہ کہا ہے کسی عینی چیز کو ایسے نقش عطا کرنا جن کے ذریعے وہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہو جائے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک محسوس جسے خاص اور عام سب ادراک کر لیتے ہیں بلکہ تمام انسان اور اکثر حیوان بھی ادراک کر لیتے ہیں جیسے انسان، گھوڑے اور جمادات کی صورت جب انہیں دیکھا جائے۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد وہ نقش ہیں جن سے زید عمرو سے ممتاز ہوتا ہے۔ اس کی دوسری قسم معقول ہے جسے خاص لوگ تو جان لیتے ہیں عام لوگ نہیں جان سکتے جس طرح افعال اور معانی میں سے جو انسان کے ساتھ مختص ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں ان دونوں قسم کی صورتوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے ان ارشادات میں فرمایا: خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ، خلقکم فاحسن صورکم، فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ، هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ یہاں صورت سے مراد انسان کی خصوصیات ہیں جیسے وہ شکل وصورت، بصر اور بصیرت سے ادراک کیا جاسکتا ہے جس کی وجہ سے ہی اسے بے شمار مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف صورت کی نسبت بطور ملک ہے کیونکہ وہ سب کا مالک ہے۔ جزئیت اور تشبیہ کے طریقہ پر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے ماوراء ہے بلکہ یہ نسبت عظمت اور شرافت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے جس طرح یہاں یہ اضافت ہے: بیت اللہ ناقۃ اللہ۔

میں کہتا ہوں یہ معنی مراد لینا بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفات علم، ارادہ اور قدرت وغیرہ پر پیدا کیا جن کی وجہ سے اسے خلافت کی خلعت عطا فرمائی اور انسان دوسروں سے ممتاز ہوا اور اس نے امانت کا بوجھ اٹھایا۔ یہ بھی جائز ہے کہ صورۃ کی ضمیر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف لوٹے، یعنی حضرت آدم کو ایسی صورت پر پیدا کیا جو کسی اور کو عطا نہ فرمائی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى یعنی جو صفات اور معانی کے محاسن پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ وہ ہر قسم کے نقص سے پاک ہے اسی لئے زمین وآسمان میں رہنے والی ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی ہے اور وہ تمام کمالات کو جامع ہے کیونکہ تمام کمالات علم اور قدرت کی طرف راجع ہیں۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے صبح کے وقت تین دفعہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھا پھر سورۂ حشر کی آخری تین آیات پڑھیں اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے اس کے لئے معین کر دیتا ہے جو اس کے لئے شام تک دعا کرتے رہتے ہیں اگر وہ اس دن میں فوت ہو جاتا ہے تو شہید ہوتا ہے، اگر وہ رات کو اسی طرح پڑھتا ہے تو وہ اسی مقام پر فائز ہوگا(2) اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جس نے رات یا دن کے وقت سورۂ حشر کی آخری آیات پڑھیں پھر اسی دن یا رات میں اس کی روح قبض کر لی گئی اس کے لئے جنت ثابت ہو چکی ہے(3) اسے ابن عدی اور بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 357 (الفکر)

2۔ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، جلد 8، صفحہ 201 (الفکر)

3۔ شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 492 (العلمیہ)

سورۃ الممتحنۃ

آیاتہا ۱۳ | سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۶۰ | رکوعاتہا ۲

سورۃ الممتحنہ مدنی ہے، اس میں تیرہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے ذکر کیا ہے کہ ابو عمرو بن صفی بن ہاشم کی ایک لونڈی جس کا نام سارہ تھا مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آئی، جبکہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے لئے تیاریاں کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کیا مسلمان ہو کر آئی ہے؟ اس نے عرض کی نہیں۔ کیا مہاجر ہو کر آئی ہے؟ اس نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا کس مقصد کے لئے آئی ہے؟ اس نے عرض کی آپ ہی میرے گھر والے خاندان اور آقا تھے، آقا چلے گئے تو سخت مصیبت نے آ لیا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ تم مجھے مال عطا کرو، لباس دو اور مجھے سواری دو۔ آپ نے پوچھا وہ مکہ کے جوان کہاں گئے؟ یہ لونڈی مغنیہ اور نائحہ (نوحہ کرنے والی) تھی اس نے کہا انہوں نے بدر کے واقعہ کے بعد مجھ سے کسی چیز کا سوال نہیں کیا۔ حضور ﷺ نے بنی مطلب اور بنی عبدالمطلب کو ترغیب دی کہ اسے عطیات دیں۔ انہوں نے اس لونڈی کو خرچہ دیا، لباس عطا کیا اور سواری کے لئے جانور دیا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اس کے پاس آئے جو بنی اسد بن عبدالعزیٰ کے حلیف تھے۔ اہل مکہ کے نام خط لکھا اور اس کے حوالے کیا، اسے دس دینار دیئے اور ایک چادر عطا کی۔ شرط یہ لگائی کہ یہ خط مکہ مکرمہ کے لوگوں تک پہنچا دے۔ اس خط میں یہ لکھا تھا یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے اہل مکہ کے نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے محتاط رہو۔ سارہ مدینہ طیبہ سے نکلی۔ حضرت جبریل نازل ہوئے اور حضرت حاطب نے جو کچھ کیا تھا اس کی آپ کو خبر دی۔ حضور ﷺ نے حضرت علی، حضرت عمار، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم اور ابو مرثد کو گھوڑوں پر روانہ کیا انہیں فرمایا جاؤ تم روضہ خاخ پر پہنچو گے وہاں ایک عورت ہوگی اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط ہے جو انہوں نے مشرکین مکہ کو لکھا ہے۔ خط اس سے لے لینا اور اسے جانے دینا اگر خط تمہیں نہ دے تو اسے قتل کر دینا۔ یہ صحابہ چل پڑے جس مقام کا حضور ﷺ نے ذکر کیا تھا اسی جگہ عورت کو پالیا۔ صحابہ نے پوچھا خط کہاں ہے؟ اس نے اللہ کے نام کی قسم اٹھا دی کہ اس کے پاس کوئی خط نہیں۔ صحابہ نے اس کی تلاشی لی اور سامان دیکھا لیکن اس کے پاس خط نہ پایا۔ انہوں نے لوٹنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا نہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ بولا ہے۔ تلوار نکال لی فرمایا خط نکال دے ورنہ میں تیرے کپڑے اتار دوں گا۔ اور تیری گردن اڑا دوں گا جب اس نے یہ صورتحال دیکھی تو خط اپنی مینڈیوں سے نکال دیا جو اس نے اپنے بالوں میں چھپا رکھا تھا پھر اسے جانے دیا۔ اس سے اور اس کے مال سے کچھ تعرض نہ کیا۔ صحابہ خط حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں لے آئے حضور ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو بلا بھیجا وہ حاضر خدمت ہوئے آپ نے پوچھا کیا تم اس خط کو پہچانتے ہو تو حضرت حاطب نے کہا میں پہچانتا ہوں پوچھا جو کچھ تو نے کیا ہے کس چیز نے تجھے اس پر برانگیختہ کیا؟ عرض کی اللہ کی قسم جب سے میں مسلمان ہوا میں نے کفر اختیار نہیں کیا، جب سے آپ کا مخلص ہوا میں نے کبھی دغا نہیں کیا، جب سے میں نے

انہیں چھوڑا ہے ان سے محبت نہیں کی لیکن وجہ یہ ہوئی کہ جتنے بھی مہاجرین ہیں ان کے مکہ مکرمہ میں رشتہ دار ہیں جو ان کے خاندان کی حفاظت کرتے ہیں، جبکہ میں ان کے درمیان اجنبی تھا میرے گھر والے ان کے درمیان بس رہے ہیں مجھے اپنے گھر والوں کے بارے میں ڈر ہوا میں نے ارادہ کیا کہ میں ان پر ایک احسان کردوں، جبکہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ انہیں آکر رہے گی۔ میرا خط اللہ کی پکڑ سے انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصدیق کی اور ان کا عذر قبول کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، عرض کی مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن کاٹ دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے اعمال پر مطلع ہے اس نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ(1)۔

صحیحین میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے، حضرت زبیر اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم کو بھیجا فرمایا جاؤ جب تم روضہ خاخ پہنچو گے وہاں ایک عورت ہوگی جس کے پاس خط ہے خط لے لینا اور مجھے آکر دینا۔ ہم نکل پڑے یہاں تک کہ روضہ خاخ پہنچے تو ہم نے اس عورت کو دیکھ لیا، ہم نے اس سے کہا خط نکال دو۔ اس نے جواب دیا میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے اسے کہا خط نکال دے ورنہ ہم تیرے کپڑے اتار دیں گے تو اس نے اپنے جوڑے سے خط نکال دیا۔ ہم خط لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ وہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے اہل مکہ کے نام تھا جس میں حضور ﷺ کے معاملات کی انہیں خبر دی گئی تھی۔ حضور ﷺ نے حضرت حاطب سے پوچھا اے حاطب یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر جلدی نہ کیجئے میں قریش کا حلیف ہوں میں ان کے خاندان سے تعلق نہیں رکھتا۔ آپ کے پاس جتنے بھی مہاجر ہیں سب کے مکہ مکرمہ میں رشتہ دار ہیں جو ان کے گھر والوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے اس چیز کو پسند کیا جب میری نسبی رشتہ داری ان کے ساتھ رشتہ نہیں تو میں ان پر ایسا احسان کروں جس کے باعث وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں۔ میں نے یہ کام کفر اور دین سے ارتداد کی وجہ سے نہیں کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا تو نے سچ کہا(2) تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

"اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اپنے (جگری) دوست تم تو اظہار محبت کرتے ہو ان سے حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں (اس دین) حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے انہوں نے نکالا ہے رسول (مکرم) کو اور تمہیں بھی (مکہ سے) محض اس لئے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے اگر تم جہاد کرنے نکلے ہو میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لئے (تو انہیں دوست مت بناؤ) تم بڑی رازداری سے ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے اور جو تم نے ظاہر کیا ہے اور جو ایسا کرے تم میں سے تو وہ بھٹک گیا راہ راست سے۔"

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 359 (الفکر) 2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 302 (قدیمی)

ایک قول یہ کیا گیا کہ بالمودۃ میں باء زائدہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ معنی یہ ہے تم خط و کتابت کے ذریعے انہیں محبت کے پیغام بھیجتے ہو۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے تم حضور ﷺ کی خبریں ان تک پہنچاتے ہو اس محبت کی وجہ سے جو تمہارے اور ان کے درمیان ہے(1) یہ جملہ (تلقون الیھم بالمودۃ) یا تو لا تتخذوا کے فاعل سے حال ہے یا اولیاء کی صفت ہے لیکن غیر حقیقی ہے اس وجہ سے ایسی ضمیر کو ظاہر کرنا ضروری نہیں جو موصوف کے مطابق ہو کیونکہ یہ شرط اسم میں ہے، فعل میں نہیں۔

من الحق میں حق سے مراد قرآن ہے۔ وقد کفروا والا جملہ دونوں فعلوں کے ایک فاعل سے حال ہے۔ وہ رسول اللہ اور تمہیں مکہ مکرمہ سے نکالتے ہیں۔ یخرجون والا جملہ یہ کفروا کے فاعل سے حال ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے مقصود اس کی وضاحت کرنا ہے۔
ان تومنوا میں مخاطب کو غلبہ دیا گیا ہے اور کلام کو غائب کے صیغہ سے مخاطب کے صیغہ کی طرف پھیر دیا ہے۔

اگر تم اپنے وطنوں سے جہاد کے لئے نکلے ہو اور میری رضا کو چاہتے ہوئے نکلے ہو۔ ابتغاء مرضاتی یہ خرجتم کا مفعول لہ ہے اور شرط کا انحصار اسی پر ہے، یعنی نکلو تو میری رضا کی خاطر نکلو یا یہ جملہ خرجتم کے فاعل سے حال ہے، یعنی جہاد کرتے ہوئے نکلو یا وقت کے لفظ کو مقدر مانتے ہوئے یہ ظرف ہے، یعنی خَرَجْتُمْ فِیْ وَقْتِ الْجِهَادِ۔ یا یہ مفعول مطلق ہے جس طرح ضَرَبْتُهٗ سَوْطًا میں سوطا مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی خَرَجْتُمْ خُرُوْجَ جِهَادٍ اس کا جواب شرط محذوف ہے جس جواب پر لا تتخذوا دلالت کرتا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے بالمودۃ کا معنی بالنصیحۃ کیا ہے(2) تسرون الیھم یہ کلام تلقون سے بدل ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے، باء اس میں زائدہ ہے۔ یا سببیہ ہے معنی یہ ہوگا خفیہ محبت اور محبت کی وجہ سے خفیہ طریقہ سے ان تک خبریں پہنچانے میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں۔

اَعْلَمُ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ فعل مضارع ہے اسم تفضیل کا صیغہ نہیں۔ بما میں باء زائدہ ہے، ما موصولہ ہے یا مصدریہ ہے۔ جس نے بھی ان سے دوستی کی وہ گمراہ ہو گیا۔

اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ یَبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَؕ۝۲

”اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور بڑھائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم (ان کی طرح) کافر بن جاؤ۔“

اگر وہ تمہیں پکڑ لیں اور تمہارے اوپر کامیابی پالیں۔ قاموس میں ہے ثقفہ یہ منعہ کے وزن پر ہے۔ اس کا معنی اسے ملایا، اسے پکڑ لیا، اس پر کامیاب ہو گیا، اسے پالیا۔ یعنی اگر وہ تمہیں پکڑ لیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجنا انہیں کوئی نفع نہ دے گا اور وہ تمہیں قتل کرنے، مارنے اور گالی دینے کے لئے تیار ہوں گے اور خواہش کریں گے کاش تم کافر ہو جاؤ یہاں لو تمنی کے لئے ہے۔ جملہ ودادکا بیان ہے ان شرطیہ کے جواب میں ماضی کا صیغہ اگرچہ زمانہ مستقبل کا معنی دیتا ہے لیکن پھر بھی ماضی کا صیغہ اس بات کا شعور دلاتا ہے کہ وہ سب چیزوں سے پہلے اس کی خواہش کرتے ہیں اور ان کی محبت بالفعل حاصل ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 381 (الفکر) 2۔ ایضاً

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

''نہ نفع پہنچا ئیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد روز قیامت اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے گا تمہارے درمیان اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے[1]''

[1] قیامت کے روز تمہاری یہ رشتہ داریاں اور تمہاری اولادیں جو مشرک ہیں یا جن کی وجہ سے تم مشرکوں سے دوستی رکھتے ہو کوئی فائدہ نہ دیں گی۔ اس آیت میں اس عذر کا رد ہے جو حضرت حاطب بن بلتعہ نے پیش کیا تھا اسی طرح ہر اس آدمی کا بھی رد ہے جو اس طرح کا عذر پیش کرتا ہے۔

عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے یفصل کو مجرد سے معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ نافع، ابن کثیر اور ابوعمرو رحمہم اللہ تعالیٰ نے باب تفعیل سے معروف کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے جب تم میں سے بعض ہولناکی کی شدت سے بھاگ جائیں گے اور اس روز دوست دشمن بن جائیں گے مگر متقین کا معاملہ الگ ہے یا اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا، یعنی مومنوں کو جنت میں داخل کر دے گا اور مشرکوں کو آگ میں ڈال دے گا تو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم آج ان سے دوستی کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حق کو چھوڑتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے اس لئے وہ تمہیں جزاء عطا فرمائے گا۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④

''بے شک تمہارے لئے خوب صورت نمونہ ہے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی) میں جب انہوں نے (برملا) کہہ دیا اپنی قوم سے کہ ہم بیزار ہیں تم سے اور ان معبودوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا ہم تمہارا انکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا ہے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ ایک اللہ پر مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا اس سے مستثنیٰ ہے کہ میں ضرور مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے اور میں مالک نہیں ہوں تمہارے لئے اللہ کے سامنے کسی نفع کا (پھر کہا) اے ہمارے رب ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری طرف ہی رجوع کیا اور تیری طرف ہی ہمیں پلٹ کر آنا ہے[1]''

[1] لکم میں کم کی ضمیر مومنوں کے لئے ہے، یعنی اے مومنو تمہارے لئے حضرت ابراہیم اور ان پر ایمان لانے والوں میں اقتداء کا بہترین نمونہ ہے۔ لکم جار مجرور ظرف مستقر کے متعلق ہے جو خبر ہے یا اسوة کی دوسری صفت ہے۔ اذ قالوا یہ کان کی خبر ہے یا

کان کی خبر کی ظرف ہے۔قوم سے مراد کفار ہیں۔برآء یہ بری کی جمع ہے جیسے ظریف کی جمع ظرفاء آتی ہے۔من دون اللہ سے مراد بت ہیں۔

کفر حقیقت میں ایمان کی ضد ہے کیونکہ اس کا معنی حق اور نعمت کو چھپانا ہے لیکن برأت کے اظہار کے لئے استعمال ہوا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ اگر تم ایمان لے آ ؤ تو دشمنی اور بغض الفت اور محبت میں بدل سکتے ہیں۔

الا قول ابراھیم کے متعلق ہے امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ اسوۃ حسنہ سے استثناء ہے(1) اس میں اشکال ہے کیونکہ اسوۃ نکرہ ہے مستثنیٰ کا دخول اس میں یقینی نہیں اگر یقینی ہوتا تو مستثنیٰ متصل ہوتا اور نہ ہی عدم دخول یقینی ہے اگر عدم دخول یقینی ہوتا تو یہ مستثنیٰ منقطع ہوتا۔اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا زیادہ مناسب یہ قول ہے کہ یہ کلام محذوف سے مستثنیٰ ہے، اس کی تقدیر یوں ہے اِتَّبِعُوْا اَقْوَالَ اِبْرٰهِیْمَ اِلَّا قَوْلَهٗ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ۔ صاحب البحر المواج نے اسی طرح کہا۔میرے نزدیک یہ فی ابراھیم سے مستثنیٰ ہے، جبکہ مضاف مقدر ہے تقدیر کلام یہ ہے قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْ قَوْلِ اِبْرٰهِیْمَ اِلَّا قَوْلَهٗ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ شائد امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی مراد ہو کیونکہ کافر باپ کے لئے استغفار ایسا امر نہیں جس کی اقتداء کی جائے آپ نے جو استغفار کی تھی وہ نہی سے پہلے تھی کیونکہ آپ نے اس کا وعدہ کیا تھا۔

وما املک...... من شیء یہ بھی مستثنیٰ کا حصہ اور تتمہ ہے۔مجموعی چیز کی استثناء سے ہر خبر کی استثناء لازم نہیں آتی۔یہاں من زائدہ ہے۔شیء محل نصب میں ہے اور املک کا مفعول بہ ہے۔

ربنا علیک توکلنا سے پہلے قول محذوف ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی قال ابراھیم ومن معہ اس کا تعلق استثناء سے قبل کلام کے ساتھ ہے کیونکہ یہ مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر ہے جو اس وصیت کی تکمیل کے لئے ہے جو کفار کے ساتھ تعلقات ختم کرنے کے لئے تھی، تقدیر کلام یوں ہوگی قُوْلُوْا رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَتَرَكْنَا مُوَالَاةَ الْكُفَّارِ وَالْاِسْتِنْصَارَ بِهِمْ یہ کہو اے ہمارے رب ہم نے تم پر توکل کیا کفار کے ساتھ دوستی اور ان سے مدد لینا چھوڑ دیا۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

"اے ہمارے رب! ہمیں نہ بنا دے فتنہ کافروں کے لئے اور ہمیں بخش دے اے ہمارے رب! بے شک تو ہی عزت والا (اور) حکمت والا ہے ؏"

؏ مناجات اور طلب شفقت کی تاکید کے لئے ندا کو مکرر ذکر کیا، یعنی اے ہمارے رب کافروں کو ہم پر مسلط نہ کر کہ وہ ہمیں اذیتیں دیں اور ہمارا مواخذہ کریں پھر بھی چیز ان کے عذاب کا سبب بن جائے۔زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے تو انہیں ہم پر غالب نہ کر کہ وہ یہ گمان کرنے لگیں کہ وہ حق پر ہیں۔مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تو ہمیں ان کے ہاتھوں سے عذاب نہ دے اور نہ ہی اپنی طرف سے عذاب دے کہ وہ یہ کہنا شروع کر دیں اگر یہ حق پر ہوتے تو انہیں یہ عذاب نہ پہنچتا(2) اور ہم سے جو غلطیاں ہوئی ہیں انہیں بخش دے کیونکہ نافرمانیاں بعض اوقات کفار کو مسلمانوں پر غلبہ دینے کا سبب بن جاتی ہیں۔

عزیز یعنی غالب ہے جسے اللہ تعالیٰ پناہ دے اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے کوئی اسے تکلیف پہنچانے پر قادر نہیں۔وہ حکیم ہے،

1۔تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کازرونی، جلد، صفحہ 327 (الفکر)
2۔تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 362 (الفکر)

یعنی حاکم ہے، عالم ہے اور دعا قبول کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۞

"بے شک تمہارے لئے ان میں خوبصورت نمونہ ہے [1] اس کے لئے جو اللہ اور روز قیامت کا امیدوار ہے [2] اور جو روگردانی کرے (اس سے) تو بلاشبہ اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں کا سراہا ہے [3]"

[1] لکم میں کم ضمیر سے مراد مومن اور فیهم میں هم ضمیر سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ پر ایمان لانے والے ہیں۔ اس کلام کو مکرر ذکر کیا ہے تا کہ ان کی اتباع پر مومنوں کو برانگیختہ کیا جائے۔

[2] یعنی وہ افراد جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کے ثواب کی امید رکھتے ہیں۔ اور قیامت کے دن کی امید رکھتے ہیں لمن کان یہ لکم سے بدل ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایمان آپ کی اتباع کا تقاضا کرتا ہے اور اس کا ترک عقیدہ کے برا ہونے کے بارے میں آگاہ کرتا ہے اسی وجہ سے اس کے پیچھے یہ ارشاد فرمایا۔

[3] جو انبیاء کی اتباع سے اعراض کرتا ہے اور کفار سے دوستی اختیار کرتا ہے تو جان لو اللہ تعالیٰ لوگوں کی عبادت، رسولوں کی پیروی اور ہر چیز سے غنی ہے کیونکہ جو لوگ انبیاء کی اتباع کرتے ہیں اس کا فائدہ انبیاء کو ہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں اور اطاعت گزاروں کی تعریف فرماتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ وہ کافروں سے دشمنی کریں اور مومنوں نے اپنے رشتہ داروں سے دشمنی کی اور ان کے لئے دشمنی اور لاتعلقی کا اظہار کیا تو اس وجہ سے مومنوں کو جو شدید دکھ ہوا اللہ تعالیٰ نے اسے جانا تو ان کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی (1)۔

عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞

"یقیناً اللہ پیدا فرما دے گا تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تم (اس کی رضا کے لئے) دشمنی رکھتے ہو محبت اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے [1]"

[1] منهم میں هم ضمیر سے مراد کفار مکہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو جلد ہی پورا کر دیا کیونکہ یہ آیت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور فتح مکہ کے بعد جو بھی مکہ مکرمہ میں مقیم تھا سب مسلمان ہو گئے تو سب آپس میں دوست بن گئے سوائے ان لوگوں کے جنہیں فتح مکہ کے روز قتل کر دیا گیا جیسے حویرث بن نفیل وغیرہ ان لوگوں کا ذکر ہم نے سورۂ نصر میں کیا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے الذین عادیتم عام ہے جو سب کی دوستی کا تقاضا کرتا ہے، جبکہ انہیں میں سے بعض کو قتل کر دیا گیا۔ ہم جواب دیں گے بعض اوقات عام بولا جاتا ہے اور مجازاً خاص مراد لیا جاتا ہے کیا آپ نے اصولیوں کا یہ قاعدہ (ا) نہیں سنا؟ مَا مِنْ عَامٍّ إِلَّا وَقَدْ خُصَّ عَنْهُ الْبَعْضُ، یعنی ہر عام سے بعض افراد کو خاص کر دیا جاتا ہے تو بعض اوقات فعل کی نسبت تمام افراد کی طرف کر دی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 352 (الفکر)

(ا) یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے، جبکہ احناف کے نزدیک ہر عام سے افراد کا خاص ہونا ضروری نہیں۔

جاتی ہے کیونکہ مسند الیہ تمام میں داخل ہوتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں قتل کی نسبت سب کی طرف کی ہے: فَقَتَلُوْهُ فَعَقَرُوْهَا۔ اللہ تعالیٰ اس محبت کو پیدا کرنے اور ہر چیز پر قادر ہے اور نبی آنے سے پہلے جو ان سے کوتاہی ہوئی اور ان کے دلوں میں رشتہ داروں کے بارے میں جو میلان تھا اس کو بخش دینے والا اور ان پر رحم فرمانے والا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے میری ماں محبت سے میرے پاس آئی۔ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کیا میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں تو حضور ﷺ نے فرمایا ہاں تم صلہ رحمی کرو۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑧

"اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا[1] کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو[2]۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے[3]۔"

[1] امام احمد، بزار اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا کہ قتیلہ بنت عبدالعزیٰ اپنی بیٹی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے دور جاہلیت میں طلاق دے دی تھی۔ اس نے اپنی بیٹی کو تحائف پیش کیے، اسماء نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا یا اسے گھر میں داخل ہونے سے روک دیا پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھ کر بتایا کہ اس کے تحائف قبول کرے اور گھر میں داخل ہونے دے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1)۔

[2] وہ تمہاری عزت کرتے ہیں اور تم پر قولاً اور فعلاً احسان کرتے ہیں۔ ان تبروا یہ الذین سے بدل اشتمال ہے۔ معنی یہ ہوگا تمہیں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا۔

[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے صلح کی تھی کہ وہ حضور ﷺ سے جنگ نہیں کریں گے اور نہ ہی آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نیکی کرنے کی رخصت عطا فرمائی(2) اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نفلی صدقات ذمی کو دینا جائز ہوتا ہے یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے اسی وجہ سے حضور ﷺ نے سارہ لونڈی کو عطیات دینے کا حکم دیا تھا جس کا ذکر ہم سورت کے آغاز میں کر آئے ہیں، واللہ اعلم۔

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑨

"اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے

1۔ الدر المنثور، جلد 8، صفحہ 305 (العلمیہ) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5 صفحہ 363 (الفکر)

نکالا یا مدد کی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ۔ اور جو انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی (اپنے آپ پر) ظلم توڑتے ہیں۔[1]''

1۔ الذین سے مراد مکہ مکرمہ کے مشرک ہیں جن میں سے بعض نے مومنوں کو مکہ مکرمہ سے نکالنے کی کوشش کی اور بعض نے نکالنے والوں کی مدد کی۔ ان تولوھم یہ اسم موصول سے بدل اشتمال ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس چیز سے منع کیا جارہا ہے وہ جنگ کرنے والوں سے دوستی ہے ان کے ساتھ بھلائی کرنے سے منع نہیں کیا جارہا، جبکہ شرط یہ ہے کہ ان کی مدد مسلمانوں کو نقصان نہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً بغیر عوض کے کوئی چیز دینا یہ بھی ایک طرح کی نیکی ہے۔ اس وجہ سے حربیوں کو نفلی صدقات دینا جائز ہیں؟ جب اس وجہ سے ان کی جنگ کرنے کی قوت میں اضافہ نہ ہو، جبکہ حضور ﷺ نے فرمایا پیاسے کو پانی پلانے میں اجر ہے(1) اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں صحیح سند کے ساتھ سراقہ بن مالک سے روایت کیا ہے انہیں سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ حَرِیٍّ اَجْرٌ(2) مفہوم وہی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

کفار کو زکوۃ ادا کرنا جائز نہیں اس پر اجماع ہے۔ اجماع کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان پر زکوۃ فرض ہے جو ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور ان کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔

2۔ جو حربیوں سے دوستی کرے پس وہی ظالم ہے اگر یہاں ھم ضمیر میں حربیوں کی تخصیص نہ ہو تو ذمی بھی اس میں شامل ہوں گے کیونکہ یہ ارشادات عام ہیں لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ اور حضور ﷺ کا فرمان لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ اور حضور ﷺ کا فرمان ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ(3) وَاللّٰهُ تَعَالٰی اعلم۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ بن زبیر سے، انہوں نے مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے روایت کیا یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے بیان کرتے ہیں کہ سہیل بن عمر نے نبی کریم ﷺ پر یہ شرط پیش کی تھی کہ اگر قریش میں سے کوئی مسلمان ہوکر آپ کے پاس آئے گا تو آپ اسے واپس کریں گے(4) ہمارے اور اس کے درمیان رکاوٹ نہ بنیں گے۔ مومنوں نے اس کو سخت ناپسند کیا، جبکہ سہیل نے ان کے بغیر معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ حضور ﷺ نے اسے یہ معاہدہ تحریر کر دیا۔ اسی روز حضور ﷺ نے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو سہیل بن عمر کے ساتھ واپس کر دیا۔ جو مرد بھی اس مدت میں مسلمان ہوکر آئے حضور ﷺ نے انہیں واپس کر دیا۔ کچھ مومن عورتوں نے بھی مسلمان ہوکر ہجرت کی۔ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بھی ان عورتوں میں سے تھیں جو مدینہ طیبہ حضور ﷺ کے پاس ہجرت کے لئے آئی تھیں۔ ان کا نام عاتق تھا اس کے گھر والے آئے تاکہ اسے واپس لے جانے کی بات کریں۔ حضور ﷺ نے اسے واپس نہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ حکم نازل فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ

1۔ شعب الایمان، جلد3، صفحہ 219 (العلمیہ)
2۔ مسند احمد، جلد3، صفحہ 222 (صادر)
3۔ جامع ترمذی، جلد2، صفحہ 61 (وزارت تعلیم)
4۔ صحیح بخاری، جلد1، صفحہ 380 (وزارت تعلیم)

وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۖ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ۖ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۖ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ۖ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

"اے ایمان والو! جب آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کر لو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں [1] تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو نہ وہ حلال ہیں کفار کے لئے اور نہ وہ (کفار) حلال ہیں مومنات کے لئے [2] اور دے دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کئے [3] اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ان عورتوں سے نکاح کر لو جب تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو [4] اور (اسی طرح) تم بھی نہ روکے رکھو (اپنے نکاح میں) کافر عورتوں کو [5] اور مانگ لو جو تم نے (ان پر) خرچ کیا اور کفار بھی مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا یہ اللہ کا فیصلہ ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا بڑا دانا ہے [6]"

1۔ فامتحنوھن، یعنی تم چھان بین کر لو اگر تمہارا ظن غالب یہ ہو کہ ایمان میں ان کے دل زبان کے موافق ہیں کیونکہ ایمان دل کی صفت ہے اور دل میں جو کچھ ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اگر تمہیں ایسا علم حاصل ہو جائے جو تمہارے لئے ممکن ہے وہ اخلاق اور علامات کے ظاہر ہونے کی صورت میں ظن غالب کا حصول ہے ظن غالب کو علم کا نام اس لئے دیا کیونکہ عمل کے واجب ہونے میں ظن غالب علم کی طرح ہے۔

2۔ ان عورتوں کو کافر خاوندوں کی طرف نہ لوٹاؤ کیونکہ یہ عورتیں ان مردوں کے لئے حلال نہیں اور نہ یہ کافر مرد مومن عورتوں کے لئے حلال ہیں کیونکہ کافر اور مسلمان میں جدائی ثابت ہو چکی ہے۔ اس کی وضاحت سورۂ نساء کی آیت وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ میں گزر چکی ہے کہ مسلمان عورت دار حرب سے جونہی ہجرت کرتی ہے تو دار حرب سے نکلنے کے ساتھ ہی وہ خاوند سے جدا ہو جاتی ہے۔ یہ امام اعظم کا نقطہ نظر ہے کیونکہ دونوں کے دار مختلف ہو چکے ہیں، جبکہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک جب وہ اسلام قبول کرتی ہے اس کے بعد جب اسے تین حیض آجاتے ہیں تو وہ خاوند سے جدا ہو جاتی ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ خاوند نے اس سے دخول کیا ہوا ہو۔ اگر دخول نہ کیا ہوا ہو تو جونہی اسلام قبول کر لیتی ہے وہ خاوند سے جدا ہو جاتی ہے اور تجدید نکاح سے وہ ایک دوسرے کے لئے حلال نہیں ہوتے کیونکہ کافر کا مسلمان عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ تکرار تاکید کے لئے ہو۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے سابقہ حدیث میں کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے خبر دی کہ حضور ﷺ ان کی چھان بین اس آیت میں يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ میں مذکور باتوں میں کرتے تھے۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ان عورتوں میں سے جو اس شرط کا اقرار کرتی تو حضور ﷺ اسے فرماتے ہم نے اس آیت میں مذکور باتوں پر تم سے بیعت لی اللہ کی قسم حضور ﷺ نے بیعت لیتے وقت عورتوں کو نہیں چھوا آپ ہمیشہ ان سے زبانی بیعت لیتے تھے (1)۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لائے جب آپ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے آپ سے اس شرط پر صلح کی کہ اہل مکہ میں سے جو مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ آئے گا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 364 (الفکر)

آپ اسے واپس کر دیں گے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو بھاگ کر مکہ مکرمہ آ گیا اہل مکہ اسے واپس نہیں کریں گے۔ اس معاہدہ کو انہوں نے لکھ دیا، اس پر مہر لگا دی۔ جب معاہدہ کی تحریر سے فارغ ہوئے تو سبیعہ بنت حارث اسلمیہ مسلمان ہو کر آ گئی، ان کا خاوند جو بنی مخزوم سے تعلق رکھتا تھا آیا۔ بعض نے کہا وہ صیفی بن راہب تھا، وہ کافر تھا۔ اس نے کہا اے محمد ﷺ میری بیوی مجھے واپس کر دو کیونکہ آپ نے یہ شرط تسلیم کی ہے کہ ہم میں سے جو بھی تیرے پاس آئے گا آپ اسے واپس کریں گے۔ ابھی معاہدہ کی مٹی خشک نہیں ہوئی تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان کا امتحان یہ ہوتا تھا کہ ہم قسم اٹھاتی ہیں کہ میں خاوند سے ناراض ہو کر نہیں آئی، کسی مسلمان مرد کے عشق میں مبتلا ہو کر نہیں آئی، ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی محبت کی وجہ سے نہیں آئی، نہ کسی جرم کی وجہ سے بھاگی ہوں، نہ دنیا کی طلب میں آئی ہوں۔ میں محض اسلام، اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں گھر بار چھوڑ کر آئی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے اس پر قسم لی۔ اس نے قسم اٹھا دی۔ اسے واپس نہ کیا اور اس کے خاوند کو مہر اور جو اس نے اس پر خرچ کیا تھا وہ عطا فرما دیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے شادی کر لی۔ مردوں میں سے جو بھی آتا آپ اسے واپس کر دیتے اور جو عورت ہجرت کر کے آتی اس کا امتحان لینے کے بعد روک لیتے ان کے خاوندوں کو مہر عطا فرما دیتے(2)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن ابی احمد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صلح کے دور میں حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید تلاش میں نکلے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بارے میں بات کی کہ اسے واپس کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ اور مشرکین مکہ کے درمیان عورتوں کے بارے میں معاہدہ منسوخ کر دیا اور انہیں مشرکوں کے پاس لوٹانے سے منع کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے چھان بین والی آیت نازل فرمائی(3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن ابی حبیب سے نقل کیا ہے کہ انہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ آیت امیمہ بنت بشر یا ابی حسان بن دحداحہ کی بیوی کے حق میں نازل ہوئی۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ایک عورت جسے سعیدہ کہتے تھے وہ صیفی بن راہب کی بیوی تھی جو مشرک تھا، وہ صلح کے زمانہ میں ہجرت کر کے آئی۔ مشرکوں نے کہا اسے واپس کرو۔ ابن جریر نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ یہ عورت آپ کی خدمت میں اس وقت آئی جب آپ ﷺ اسفل حدیبیہ میں تشریف فرما تھے۔ حضور ﷺ نے ان سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ان میں سے جو بھی مسلمانوں کے پاس بھاگ کر آئے گا اسے مشرکوں کے پاس واپس بھیج دیا جائے گا۔ جب عورتیں آئیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

؎ ھم ضمیر کفار کے لئے ہے۔ یہاں مراد ان عورتوں کے خاوند ہیں یعنی وہ مہر جو ان کفار نے عورتوں کو دے رکھے ہیں وہ انہیں واپس کر دو۔ اس کی وجہ یہ تھی صلح تو اس شرط پر ہوئی تھی کہ سب کو واپس کیا جائے گا لیکن جب نہی آئی تو ان کا لوٹانا ناممکن نہ رہا تو ان کا مہر واپس کرنا لازم ہو گیا۔ اگر امام صلح میں مصلحت دیکھے جس طرح کی صلح حضور ﷺ نے حدیبیہ میں کی تھی اگر ایسی صلح میں کوئی عورت کفار کی جانب سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے علاقہ میں آ جائے تو اس کا مہر واپس کرنا واجب ہے۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اگر ایسی صلح یا معاہدہ نہ ہو جیسی صلح حضور ﷺ اور قریش کے درمیان تھی تو امام عورتوں کو روک لے اور مہر بھی واپس نہ کرے اسی طرح اگر معاہدہ سے پہلے جو عورتیں آ جائیں ان کا بھی یہی حکم ہے(4)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

؎ کم ضمیر سے مراد مومن ہیں، یعنی اے مومنو جب تم ان کے مشرک خاوندوں کو مہر دے چکو تو ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 364 (الفکر)　2۔ ایضاً　3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 306 (العلمیہ)　4۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 366 (الفکر)

حرج نہیں اگر چہ دارالحرب میں ان کے خاوند کیوں نہ ہوں کیونکہ اب خاوندوں اور بیویوں کے درمیان جدائی واقع ہو چکی ہے۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عدت کے گزرنے کی یہاں شرط نہیں جس طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، جبکہ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔

اجور سے مراد مہر ہیں۔ ان عورتوں سے نکاح کی صورت میں مہر کی ادائیگی کی شرط یہ بتاتی ہے کہ جو مال ان عورتوں کے کافر خاوندوں کو دیا گیا ہے وہ ان عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی صورت میں مہر کے قائم مقام نہ ہوگا۔ ابن ابی منیع نے کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے، انہوں نے ابوصالح سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، جبکہ آپ کی بیوی مشرکوں میں رہ گئی تو اللہ تعالیٰ نے آیت کے مابعد حصے کو نازل فرمایا۔

۵ ابو عمرو اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ نے باب تفعیل سے تشدید کے ساتھ تُمَسِّکُوا پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے باب افعال سے پڑھا ہے۔ عصم، عصمۃ کی جمع ہے مضبوط بندھن جیسے وثیق کا معاہدہ یا عقد نکاح وغیرہ۔ کوافر، کافرہ کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح قائم رکھنے سے منع کیا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی دو بیویوں کو طلاق دے دی جو دونوں مشرک تھیں اور مکہ مکرمہ میں رہتی تھیں۔ ایک قریبہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ بعد میں اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شادی کی، جبکہ یہ ابھی دونوں مکہ میں تھے، مسلمان نہ ہوئے تھے۔ دوسری ام کلثوم بنت عمرو بن خرول خزاعی جو حضرت عبیداللہ کی والدہ تھیں۔ اس ام کلثوم سے بعد میں ابوجہم بن حذافہ نے شادی کی، یہ بھی دونوں مشرک تھے۔ اروی بنت ربیعہ بن حارث بن مطلب جو طلحہ بن عبیداللہ کی بیوی تھی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی، جبکہ اروی اپنی قوم کے دین پر تھیں۔ اسلام نے ان دونوں میں تفریق کر دی، بعد میں حالت اسلام میں خالد بن سعد بن عاص نے ان سے شادی کی۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں آپ ابوالعاص بن ربیع کے عقد میں تھیں آپ نے اسلام قبول کر لیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں، جبکہ ابوالعاص مشرک کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں ہی مقیم رہے پھر مدینہ طیبہ آئے اور اسلام قبول کیا حضور ﷺ نے اپنی لخت جگر انہیں لوٹا دی (1)۔

۶ اے مسلمانو! جو مہر تم نے اپنی ان بیویوں کو دیا جو مرتد ہو کر مشرکوں کے پاس چلی گئی ہیں اور کسی نے اس سے شادی کر کے اسے روک لیا وہ تم مطالبہ کر سکتے ہو۔ اسی طرح کفار نے جو مومن مہاجر عورت کو دے رکھا ہے وہ بھی واپسی کا مطالبہ کر لیں یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اس کا فیصلہ کرتا ہے یحکم بینکم والا جملہ مستانفہ ہے یا حکم اللہ سے حال ہے، جبکہ ذوالحال کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے یا حکم کو ہی مبالغہ کے طور پر حاکم بنا دیا گیا اور یحکم میں ھو ضمیر حکم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ وہ تمہیں ایسی باتوں کا ہی حکم دیتا ہے جس میں تمہارے لئے بھلائی دیکھتا ہے یا حکمت جس کا تقاضا کرتی ہے وہی حکم دیتا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی مومنوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کیا اور مشرکوں نے اپنی عورتوں کو جو مہر دیئے تھے ان کو ادا کر دیا۔ مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مہر ادا نہ کئے (2) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 366 (الفکر)
2۔ ایضاً زیر آیت ہذا

وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُم مِّثْلَ مَا أَنفَقُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾

"اور اگر بھاگ جائے تم سے کوئی عورت تمہاری بیبیوں سے کفار کی طرف [1] پھر تمہاری باری آجائے (کہ کوئی کافرہ تمہارے قبضہ میں آجائے) تو جن کی بیبیاں ان کے قبضہ سے نکل گئیں جتنا انہوں نے خرچ کیا اتنا انہیں دے دو [2] اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو [3]"

[1] اگر تمہارے ہاتھ سے تمہاری کوئی بیوی نکل جائے اور مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلی جائے۔ یہاں آیت میں احد کی جگہ شیء کا لفظ ذکر کیا ہے مقصود حقارت بیان کرنا اور عمومیت کے اظہار میں مبالغہ کرنا ہے یا اس کا معنی ہے کہ تمہارا مہر کافروں کے ہاتھ لگ جائے اور وہ تمہیں واپس نہ کریں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے یہ آیت ام حکم بنت ابی سفیان کے حق میں نازل ہوئی جو مرتد ہو گئی تھی اور بعد میں اس سے ایک ثقفی مرد نے شادی کی تھی اس کے علاوہ قریش کی کوئی عورت مرتد نہ ہوئی تھی۔

[2] امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مفسرین نے کہا اس کا معنی ہے تمہیں مال غنیمت ملا۔ عقبیٰ کا معنی غنیمت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا معنی ہے تم کامیاب ہو گئے اور عاقبت تمہارے لئے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا تم جنگ میں عقوبت کے ساتھ جمع ہوئے یہاں تک کہ تم نے غنیمت حاصل کی تو تم میں سے وہ لوگ جن کی بیویاں مرتد ہو کر کافروں سے جا ملی تھیں انہوں نے بیویوں کو جو مہر دیئے تھے اتنا مال انہیں غنیمت سے دے دو۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے چھ عورتیں مرتد ہو کر کفار سے جا ملیں تھیں پھر یہ مسلمان ہو گئی تھیں۔ حضور ﷺ نے مال غنیمت میں سے انہیں مہر دیئے تھے۔ ام حکم بنت ابی سفیان جو عیاض بن شداد فہری کے عقد میں تھیں فاطمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ جو ام سلمہ کی بہن تھی، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اس نے ساتھ ہجرت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ بروع بنت عقبہ یہ شماس بن عثمان کی بیوی تھی عزی بنت عبدالعزیٰ اس سے عمرو بن عبدود نے شادی کی۔ ہندہ بنت ابی جہل یہ ہشام بن عاص بن وائل کی بیوی تھی۔ ام کلثوم بنت عمرو بن جرول جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا جب مہر ادا کرنے میں تمہاری باری آئے کبھی ان کی عورتوں کے مہر مسلمانوں کو ادا کرتے کے حکم اور کبھی مسلمانوں کی عورتوں کے مہر کفار کو ادا کرنے کے حکم کو ایسے امر سے تشبیہ دی جسے وہ یکے بعد دیگرے سرانجام دیتے ہیں جس طرح سواری پر اپنی باری باری پر سوار ہوتے ہیں۔ معنی یہ ہوگا جن مسلمانوں کی بیویاں چلی گئی ہیں اور انہوں نے عورتوں کو مہر دیئے تھے تم اتنا ہی مال غنیمت کے مال سے دے دو اور اس کے کافر خاوند کو تم کچھ نہ دو۔

میں کہتا ہوں پہلی تفسیر صحیح ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ جن کفار کی بیویاں مسلمان ہو گئیں کیا ان کفار کو مہر ادا کرنا واجب ہے یا مستحب ہے۔ اس میں اصل یہ ہے کہ کیا صلح میں عورتوں کو واپس کرنے کی شرط تھی، یا نہیں تھی اس میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ صلح میں مرد اور عورت دونوں شامل تھے اور دونوں کو واپس کرنا ضروری تھا کیونکہ روایت میں یہ ہے کہ ہم میں سے جو بھی تیرے پاس آئے گا تم اسے واپس کرو گے پھر عورتوں کو واپس کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فلا ترجعوھن الی الکفار۔ اس صورت میں کافر خاوند کو اس کی بیوی کا مہر دینا واجب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صلح میں عورتیں واپس

کرنے کی شرط نہ تھی کیونکہ یہ روایت موجود ہے ہم میں سے جو مرد بھی آپ کے پاس آئے گا اگرچہ وہ تیرے دین پر ہو تم اسے واپس کر دو گے کیونکہ واپس لوٹانے میں جتنا خوف عورت کے بارے میں ہوتا وہ مرد کے بارے میں نہیں ہوتا کیونکہ عورت کے بارے میں یہ اطمینان نہیں ہوتا کہ جب اسے خوفزدہ کیا جائے گا اور اسے مجبور کیا جائے گا تو وہ مرتد نہ ہوگی کیونکہ عورت دل کی کمزور ہوتی ہے اور اس میں یہ امکان کم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے کلمہ کفر کہے اور دل میں ایمان پر ثابت قدم رہے، اس بناء پر مہر لوٹانا مستحب ہوگا۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ صلح مرد اور عورت دونوں کو واپس کرنے پر ہوئی تھی جب عورتوں نے ہجرت کی تو اسی وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی لا ترجعوهن إلى الكفار اگر پہلے معاہدہ میں شامل نہ ہوتیں تو انہیں کفار کے حوالے کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور نہ ہی نئے حکم کے نازل ہونے کی ضرورت تھی اور مہر کا واپس کرنا واجب ہے جس پر امر کا صیغہ دلالت کرتا ہے نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان: ذلكم حكم الله اور اسی طرح آیت کا آخری حصہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

سے ایمان تو اس امر کا تقاضا کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے اس کو بجالایا جائے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس طرح وعدہ خلافی لازم آتی ہے، جبکہ وعدہ خلافی حرام ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیں گے وعدہ خلافی کی حرمت ایک مخصوص حالت میں منسوخ کی گئی ہے، اس کا ناسخ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے لا ترجعوهن إلى الكفار یا ہم یہ کہیں گے کہ یہ برابری پیدا کرنے کے لئے حکم دیا گیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا علماء کا اس میں اختلاف ہے مہر واپس کرنے کے حکم پر آج بھی عمل کرنا واجب ہے۔ جب کفار کے ساتھ یہ معاہدہ کیا گیا تھا کہ عورتیں بھی واپس کی جائیں گی۔ ایک قوم کا یہ قول ہے یہ واجب نہیں۔ انہوں نے یہ گمان کیا کہ آیت منسوخ ہے۔ یہی عطاء، حماد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں اس قول کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ منسوخ ہونے کے لئے اسی جیسا قوی حکم ہونا ضروری ہے جو پہلے حکم کے لئے ناسخ بنے۔ ایک قوم کا یہ نقطہ نظر ہے یہ حکم منسوخ نہیں اور ان کا مہر واپس کرنا واجب ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِٱللَّهِ شَيْـًٔا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَٰنٍ يَفْتَرِينَهُۥ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُنَّ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

"اے نبی (مکرم) جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مومن عورتیں تاکہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی [1] اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی [2] اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان [3] اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیک کام میں [4] تو (اے میرے محبوب) انہیں بیعت فرما لیا کرو اور اللہ سے ان کے لئے مغفرت مانگا کرو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے [5]"

[1] یبایعنک ترکیب کلام میں المومنات سے حال ہے۔

[2] جاہلیت کی عادت کے مطابق اولاد کو قتل نہیں کریں گی کیونکہ وہ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔

[3] ایسا جھوٹا بہتان نہیں لگائیں گی جس کو سن کر سننے والا مبہوت ہو جائے، جبکہ اس بہتان کو اپنی طرف سے گھڑا ہوگا۔ بین ایدیهن

وراز جھلن کی قید اس لئے ذکر کی ہے تاکہ اسے شرمندہ کیا جائے اور اسے خوف دلایا جائے کیونکہ زبان سے جو گناہ دنیا میں سرزد ہوئے قیامت کے روز ہاتھ اور پاؤں اس کے بارے میں گواہی دیں گے۔ اس وجہ سے وہ گواہوں کی موجودگی میں جھوٹا بہتان نہ باندھیں۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ عورت کسی کا بچہ اٹھالائے اور خاوند سے یہ کہے یہ تجھ سے میرا بچہ پیدا ہوا ہے یہ ایسا بہتان ہے جو ہاتھ اور پاؤں کے درمیان ہوتا ہے کیونکہ بچے کو ماں اپنے پیٹ میں اٹھاتی ہے پیٹ ہاتھوں کے درمیان ہوتا ہے اور شرمگاہ سے جنتی ہے جو ٹانگوں کے درمیان ہے یہاں بچے کے حقیقی وصف کے ساتھ اس کی صفت ذکر کی لیکن یہ تمام بہتانوں کو عام ہے۔

یعنی نیکی بجالانے اور برائی سے رکنے میں تیری نافرمانی نہ کریں گی۔ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ نیکی کا حکم دیتے پھر یہاں معروف کی قید اس لئے لگائی کہ خالق کی نافرمانی کر کے کسی مخلوق کی اطاعت بھی جائز نہیں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں معروف کا معنی ہے کہ عورت مردوں کے ساتھ خلوت نہ کرے۔ سعید بن مسیب، کلبی اور عبدالرحمٰن بن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اس کا معنی ہے وہ نوحہ بددعا نہ کرے، کپڑے نہ پھاڑے، بال نہ منڈائے، نہ ان کو نوچے اور مصیبت کے وقت چہرہ نہ نوچے عورت محرم کے علاوہ کسی سے بات نہ کرے۔ ذی محرم کے علاوہ کسی مرد سے خلوت نہ کرے اور ذی محرم کے علاوہ کسی کے ساتھ سفر نہ کرے۔ ابن جریر اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے نقل کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے نیز ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ معروف کا معنی نوحہ نہ کرنا ہے (1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس امر پر بیعت کی حضور ﷺ نے پڑھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ گی اور آپ نے ہمیں نوحہ سے منع کیا۔ ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا فلاں عورت نے نوحہ میں میری مدد کی ہوئی ہے میں اسے بدلہ دینے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ حضور ﷺ نے اسے کچھ نہ کہا وہ عورت گئی پھر واپس آئی اور حضور ﷺ کی بیعت کی (2)۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو مالک اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میری امت کی چار چیزیں دور جاہلیت کی ہیں جنہیں لوگ نہیں چھوڑیں گے اپنے نسب پر فخر کرنا، دوسرے کے نسب میں طعن کرنا، ستاروں سے بارش کو طلب کرنا اور نوحہ کرنا۔ فرمایا نوحہ کرنے والی عورت اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے روز اسے یوں اٹھایا جائے گا کہ اس پر تارکول کی قمیص اور خارش کا دوپٹہ ہوگا (3)۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں جس نے منہ پیٹا، گریبان چاک کیا، جاہلیت جیسی بددعائیں کیں۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی پر لعنت کی ہے (4)۔

ﮒ فبایعھن یہ اذا جاءک المومنات کا جواب ہے جو عورت ان شرطوں کو پورا کرے آپ انہیں ثواب کی ضمانت دیں اور بیعت لیں جو غلطیاں ان سے پہلے ہو چکی ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کے سابقہ گناہ مٹانے والا اور آنے والے وقت اچھے اعمال کی توفیق دینے والا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ زبانی یہ آیت پڑھ کر عورتوں سے بیعت لیتے تھے فرمایا حضور ﷺ کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کرتا تھا مگر وہ عورت جس کے آپ مالک ہوں۔ امام بغوی

1۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 114 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 726 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 303 (قدیمی)
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 90 (وزارت تعلیم)

رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن منکدر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے امیمہ بنت رقیقہ سے سنا وہ کہہ رہی تھی میں نے چند عورتوں کے ساتھ مل کر حضور ﷺ کی۔ بیعت کی اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جتنی تم طاقت رکھو ان پر عمل کرو۔ میں نے کہا حضور ﷺ ہم پر ہماری ذاتوں سے بھی زیادہ رحیم ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم سے مصافحہ کیجئے آپ نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا میرا ایک عورت کے لئے وہی قول ہے جو سو عورتوں کے لئے ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئی لیکن بات اس طرح نہیں جس کی وضاحت ہم آیت امتحان میں کر آئے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ اس آیت کے ذریعے ان عورتوں سے بات چیت کرتے اور حقیقت حال کی تحقیق کرتے۔ امتحان والی آیت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی لیکن فتح مکہ کے روز جب آپ صفا پہاڑ پر مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو عورتوں سے بیعت لی، جبکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ سے نیچے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق عورتوں سے بیعت لے رہے تھے اور حضور ﷺ کی طرف سے انہیں تبلیغ کر رہے تھے۔ ہند بن عتبہ جو ابوسفیان کی بیوی تھی اس نے نقاب اوڑھ رکھا تھا اور اجنبی بنی ہوئی تھی کیونکہ اسے خوف تھا کہ رسول اللہ ﷺ اسے پہچان نہ لیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں تم سے ان امور پر بیعت لے رہا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گی۔ ہند نے اپنا سر اٹھایا، عرض کی آپ ہم سے ایسی باتوں کی بیعت لے رہے ہیں جو ان باتوں سے مختلف ہیں جن پر آپ نے مردوں سے بیعت لی تھی۔ اس موقع پر مردوں سے صرف اسلام اور جہاد کی بیعت لی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم چوری نہیں کرو گی۔ ہند نے کہا ابوسفیان کنجوس آدمی ہے میں وقتاً فوقتاً اس کا مال لیتی رہتی ہوں مجھے نہیں معلوم وہ میرے لئے حلال ہے یا نہیں۔ حضرت ابوسفیان نے کہا پہلے تو نے جو مال لیا اور بعد میں جو مال لے گی سب تیرے لئے حلال ہے۔ رسول اللہ ﷺ مسکرائے فرمایا تو ہند ہے؟ اس نے عرض کی میں ہند ہوں۔ جو گزر چکا آپ معاف فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا بدکاری نہ کرنا ہند نے کہا کیا آزاد عورت بھی بدکاری کرتی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا تم اپنی اولادوں کو قتل نہ کرو گی۔ ہند نے کہا ہم نے انہیں چھوٹی عمر میں پالا جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے انہیں قتل کیا تم اور وہ خوب جانتے ہیں۔ ہند کا بیٹا حنظلہ بن ابی سفیان غزوہ بدر میں مارا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی بات سے اتنے ہنسے کہ پشت زمین سے جا لگی۔ حضور ﷺ نے بھی تبسم فرمایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم اپنی طرف سے گھڑ کر بہتان نہیں باندھو گی۔ ہند نے کہا اللہ کی قسم بہتان بہت بری چیز ہے۔ آپ ہمیں ہدایت اور اچھے اخلاق کا حکم دے رہے ہیں اور فرمایا تم اچھے کاموں میں میری نافرمانی نہ کرو گی۔ ہند نے کہا ہمارے دلوں میں آپ کی نافرمانی کی بات ہوتی تو ہم اس مجلس میں کیوں آتیں۔ حضور ﷺ نے ان سے جن امور کی بیعت لی عورتوں نے ان کا اقرار کیا عورتوں سے تفصیل کے ساتھ بیعت لی گئی، جبکہ مردوں سے صرف اسلام پر بیعت لی گئی کہ حضور ﷺ جن باتوں کا حکم دیں گے سب اس کی اطاعت کریں گے۔ عورتوں سے تفصیل کے ساتھ بیعت لینے کی وجہ یہ تھی کہ ان کی عقلیں کمزور ہوتی ہیں، ان کی سمجھ بوجھ میں کمی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے وہ اجمال سے تفصیل کا استنباط نہیں کر سکتیں نیز عورتوں سے یہ امر کثرت سے واقع ہوتے ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مسلمان عورتیں ایسا اعتقاد رکھتی ہیں جو شرک کو مستلزم ہوتا ہے، وہ خاوندوں کے مال اکثر چوری کر لیتی ہیں، وہ زندہ درگور کرنے کے ساتھ اولاد کو قتل کرتی ہیں۔ عورتوں سے بدکاری کا صادر ہونا یہ مردوں سے اس فعل کے صادر ہونے سے زیادہ قبیح ہے کیونکہ عورتیں یہ عمل کر کے اللہ تعالیٰ اور خاوند کے حق کو پامال کرتی ہیں۔ غیر مردوں کی اولاد کو اپنے

خاوندوں کی طرف منسوب کرتی ہیں۔ اس طرح وہ خاوندوں کے مال کا انہیں وارث بنا دیتی ہیں، وہ بہت زیادہ بہتان تراشی کرتی ہیں اکثر جھوٹ بولتی ہیں، کثرت سے لعن طعن کرتی ہیں، خاوند کی ناشکری کرتی ہیں، نوحہ، بددعا، منہ پیٹنا اور گریبان پھاڑنے وغیرہ کے اعمال کثرت سے کرتی ہیں جنہیں مرد اکثر نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے ان شروط کے ساتھ عورتوں کی بیعت کو خاص کیا جس طرح مردوں سے بیعت لیتے وقت جہاد کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ جہاد مردوں کے ساتھ خاص ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے محمد سے، انہوں نے عکرمہ یا سعید سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کچھ یہودیوں سے دوستی رکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ﴿١٣﴾

"اے ایمان والو! نہ بناؤ دوست ان لوگوں کو غضب فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے جن پر [1] یہ آخرت (کے ثواب سے) مایوس ہو گئے ہیں [2] جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں [3]"

[1] قوماً سے مراد یہودی ہیں جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ مسلمان فقراء میں سے کچھ لوگ یہودیوں کو مسلمانوں کی خبریں دیتے تھے جس سے ان کے ساتھ تعلقات قائم کرتے اور ان کے پھلوں سے کچھ لے لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس امر سے منع کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہاں قوم سے مراد عام کافر ہیں۔

[2] اگر اس سے مراد یہودی ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ نبی برحق ہیں معجزات کے ساتھ ان کی تائید کی گئی ہے۔ تورات میں آپ کے اوصاف لکھے ہوئے ہیں، انہوں نے عناد اور حسد کی وجہ سے حضور ﷺ کا انکار کیا کیونکہ شیطان نے ان پر تسلط جمایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن کے بارے میں شقاوت کو لکھ دیا ہے وہ آخرت کی نعمتوں سے مایوس ہو چکے ہیں اور یقیناً اس چیز کو جانتے ہیں کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں، جبکہ وہ آخرت اور اس کی نعمتوں پر ایمان رکھتے ہیں وہ جہنم کی آگ پر کتنے ہی صابر ہیں۔ میں جہنم کی آگ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اگر اس سے مراد کافر ہیں تو وہ اس لئے مایوس ہیں کہ وہ غیب، ثواب اور عذاب پر ایمان نہیں رکھتے۔

[3] جس طرح کفار قبر والوں سے مایوس ہیں کہ انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا، انہیں بدلہ دیا جائے گا یا انہیں کوئی بھلائی پہنچے گی اگر قوم سے مراد کفار ہوں تو اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا ہے۔ مقصود یہ دلالت کرنا ہے کہ کفر نے ہی انہیں مایوس کیا ہے اس صورت میں جار مجرور ظرف لغو ہوگی اور یہ یئس کے متعلق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ ظرف مستقر ہے، یہ کفار کا بیان ہے کہ جبکہ جار مجرور اس سے حال ہے معنی یہ ہوگا جس طرح وہ کافر مایوس ہیں جو قبروں میں چلے گئے کہ ان کے لئے آخرت میں کوئی ثواب ہے اسی طرح یہودی دنیا میں زندہ ہو کر آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں۔ مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے(1)۔

1۔ تفسیر بغوی، زیر آیت ہذا

سورۃ الصّف

آیاتہا ۱۴ سُورَۃُ الصَّفِّ مَدَنِیَّۃٌ ۶۱ رکوعاتہا ۲

سورۃ الصف مدنی ہے اس میں 14 آیتیں اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

امام ترمذی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے کہ ہم صحابہ کی ایک جماعت میں اکٹھے بیٹھے، ہم نے آپس میں بات چیت کی اور کہا اگر ہم جانتے کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے تو ہم اس پر عمل کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا (1)۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝

''اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب، بڑا دانا ہے۔ اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کو پڑھا یہاں تک کہ سورت کو ختم کیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے مفسرین کا قول ذکر کیا ہے کہ مومنوں نے یہ کہا کہ اگر ہمیں علم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل زیادہ محبوب ہے تو ہم اس کو سرانجام دیتے اور اس میں ہم اپنے مال اور جانیں قربان کر دیتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا غزوہ احد میں انہیں آزمایا گیا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ نے کہا اگر ہم جانتے ہوتے کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے تو ہم اس پر عمل کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ۔ صحابہ نے جہاد کو پسند نہ کیا تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے علی کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ کے واسطہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جریر نے ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ اس آدمی کے بارے میں نازل ہوئی جو جنگ میں تلوار اور نیزہ استعمال کرتا ہے اور نہ ہی کسی کو قتل کرتا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت غزوہ احد میں ان کے قول کے بارے میں نازل ہوئی۔ محمد بن کعب نے کہا جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بدر کے شہداء کے بارے میں ثواب کے متعلق آگاہ کیا صحابہ

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 164 (وزارت تعلیم)

نے کہا اگر اس کے بعد ہمیں جہاد کا موقع ملا تو ہم اپنی تمام کوششیں اس میں صرف کر دیں گے لیکن غزوہ احد کے موقع پر وہ بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس آیت کے ساتھ شرم دلائی۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی وہ مومنوں سے مدد کا وعدہ کرتے تھے۔ جبکہ وہ اپنے قول میں جھوٹے تھے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

"بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔ ۱؎ بے شک اللہ تعالیٰ بہت محبت کرتا ہے ان (مجاہدوں) سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پرا باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں ۲؎"

۱؎ مقت کا معنی سخت غصہ۔ مقتا ترکیب کلام میں یہ نسبت سے تمیز ہے جو نسبت کبر کی اپنے فاعل کی طرف ہے اس میں یہ دلالت ہے کہ ان کا یہ قول اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت ناراضگی کا باعث ہے اور بہت بڑا قول ہے اس کے مقابلہ میں ہر بڑی چیز حقیر ہے۔ اس سے مقصود روکنے میں مبالغہ کرنا ہے کہ جس عمل کو وہ کرنا چاہتے ہیں اسے جھوٹ کے طور پر کہہ دیں یا وہ کسی چیز کا وعدہ کریں اور پھر اسے پورا نہ کریں۔

۲؎ صفا مصدر ہے یہاں اسم فاعل کے معنی میں ہے یا مبالغہ کے اظہار کے لئے مصدر کے ساتھ صفت ذکر کی گئی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ صفا محذوف فعل کا مفعول مطلق ہو پھر یہ جملہ یقاتلون کے فاعل سے حال ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی يَصِفُّوْنَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ صَفًّا لَا يَزَالُوْنَ فِي الْقِتَالِ عَنْ اَمَاكِنِهِمْ وہ صف بندی کرتے ہیں اور جنگ میں اپنی جگہ سے نہیں ہلتے ان کے درمیان کوئی خالی جگہ نہیں اور نہ ہی بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں پہلے حال (صفا) میں موجود ضمیر سے یہ جملہ حال ہے اس کا معنی عمارت کے ایک حصہ کا دوسرے حصہ کے ساتھ ملنا اور اس کا مضبوط ہونا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

"اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں ۱؎ پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۲؎"

۱؎ قوم سے مراد بنی اسرائیل ہیں تم میری نافرمانی کر کے اور ادرہ (خصیتین کا پھولنا) مرض کی کیوں تہمت لگاتے ہو، جبکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں کیونکہ میں تمہارے پاس معجزات لایا ہوں میں نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات عطا فرمائی ہے جو تمہیں بڑا سخت عذاب دیتے تھے۔ تمہیں سمندر سے پار لگالا جب نبوت کا علم ہو تو یہ تعظیم کو واجب کرتا ہے اور اذیت دینے سے منع کرتا ہے۔

۲؎ جب انہوں نے حق سے اعراض کیا اور اذیتیں دینے سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو حق قبول کرنے اور صحیح بات کی

طرف مائل ہوتے سے پھیر دیا۔ اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ایسی ہدایت سے نہیں نوازتا جو حق کی معرفت یا جنت تک پہنچانے والی ہو۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی علم ہوا سے ہدایت عطا نہیں فرماتا۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُولٍ يَأْتِى مِنۢ بَعْدِى ٱسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَآءَهُم بِٱلْبَيِّنَٰتِ قَالُوا۟ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝

"اور یاد کرو جب فرمایا عیسیٰ فرزند مریم نے اے بنی اسرائیل[1]! میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد[2] اس کا نام (نامی) احمد ہوگا[3] پس جب وہ (احمد) آیا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر[4] تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے[5]"

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یا قومی کے الفاظ کے ساتھ خطاب نہیں کیا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا بلکہ یٰبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ کہہ کر خطاب کیا کیونکہ قوم میں آپ کا کوئی نسب نہ تھا۔

[2] ابن عامر، حفص، حمزہ اور کسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بعدی کی یاء کو ساکن کیا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے۔ مُّصَدِّقًا اور مُبَشِّرًا دونوں اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ کی ضمیر سے حال ہیں۔ ان دونوں میں عامل ارسال کا معنی ہے جو موجود ہے جار مجرور عامل نہیں کیونکہ یہ ظرف لغو ہے اور رسول کا صلہ ہے اس لئے ظرف عامل نہیں۔

[3] یہ حضور ﷺ کے دو ذاتی ناموں میں سے ایک ہے۔ یہ حمد سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے، یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں۔ تمام انبیاء حمد کرنے والے ہیں اور تمام مخلوقات سے زیادہ ان کی حمد کی جاتی ہے۔ تمام انبیاء محمود ہیں اور اچھی صفات سے متصف ہیں تاہم حضور ﷺ کی ذات مناقب میں سب سے بڑھ کر اور فضائل و محاسن میں سب سے جامع ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں کی بنسبت حمد کی زیادہ مستحق ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا حضور ﷺ کے اسم پاک احمد کا منشاء روحانیت کے ساتھ خصوصی تعلق ہے۔ اسی وجہ سے عنصر جسمانیہ کی پیدائش سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کو اس نام سے یاد کیا۔ حضور ﷺ کا ایک نام محمد ہے جسے جسمانی پیدائش کے ساتھ خصوصی تعلق ہے۔ حضور ﷺ کو دو ولایتیں حاصل ہیں ولایت محمد یہ یہ ولادیت محبوبیہ ہے جو محبت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ دوسری ولایت احمد یہ یہ محبوبیت خالصہ ہے۔ اس وجہ سے اولیٰ یہ ہے کہ اسے محمودیت سے مشتق مانا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ ذکر کیا کہ وہ انبیاء کی تصدیق کرنے والے ہیں یہاں تک کہ یہی چیز ان کی رسالت کے دعویٰ کی صداقت پر دلیل بن گئی کیونکہ حق حق کے مطابق ہوتا ہے۔ انبیاء ایک دوسرے کے شاہد ہوتے ہیں۔ تورات پہلی مشہور کتاب ہے جس کے مطابق انبیاء حکم دیتے رہے وہ نبی جو خاتم النبیین ہیں اس کی شہادت تمام انبیاء، تورات اور دوسری کتابیں دیتی رہیں۔

[4] جاء کا فاعل حضرت عیسیٰ ہیں یا حضور ﷺ ہیں۔ بینات سے مراد ظاہر معجزات ہیں جیسے مردے زندہ کرنا، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دینا اور قرآن جو معجزہ ہے اور زمانے گزرنے کے بعد بھی باقی ہے اسی طرح چاند کو ٹکڑے کرنا اسی طرح کے

دوسرے معجزات جو شمار سے باہر ہیں۔

ھے بنی اسرائیل کے کفار یا قریش اور دوسرے قبائل کے کفار نے کہا حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے ساحر پڑھا ہے۔ اشارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضور ﷺ کی طرف ہوگا، جبکہ باقی قراء نے اسے سحر پڑھا ہے اشارہ معجزات کی طرف ہوگا، یعنی جب حضرت عیسیٰ یا حضور ﷺ معجزات لائے تو کفار نے کہا یہ واضح جادو ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٧﴾

"اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھتا ہے[1] حالانکہ اسے بلایا جارہا ہے اسلام کی طرف[2] اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا[3]"

[1] جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف شریک کی نسبت کی یا بچے کی اس کی طرف نسبت کی یا یہ کہا اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر بھی کوئی چیز نازل نہیں کی یا یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائے آئیں یہاں تک کہ وہ ایسی قربانی لے آئے جسے آگ کھا جائے یا یہ کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت قیامت تک جاری رہنے والی ہے اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے۔

[2] جبکہ اسے اسلام کی طرف دعوت دی جارہی تھی جس امر کی اسے دعوت دی جارہی تھی وہ دونوں جہانوں سے بہتر تھی وہ اس دعوت کو قبول کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتا ہے اس کے رسولوں کو جھٹلاتا ہے اس کی آیات کو جادو کہتا ہے یہ جملہ افتری کے فاعل سے حال ہے۔

[3] اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں جو ظالم ہے اللہ تعالیٰ اس کی حق کی طرف راہنمائی نہیں کرتا اور نہ ہی ایسی چیز کی طرف راہنمائی کرتا ہے جس میں اس کے لئے فلاح ہو۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٨﴾

"یہ (نادان) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے[1] لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا[2] خواہ سخت ناپسند کریں اس کو کافر[3]"

[1] یہ جملہ القوم الظالمین سے حال ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور اس سوال کا جواب ہے ماشانهم لیطفئوا میں لام زائدہ ہے کیونکہ اس میں ارادہ کا معنی پایا جارہا ہے جس طرح لا ابالک میں لام زائدہ ہے کیونکہ اس مثال میں لام میں اضافت کا معنی پایا جاتا ہے یا یہاں لام تعلیلیہ ہے اس کا مفعول بہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی یریدون الا فتراء لیطفئوا نور اللّٰه سے مراد اللہ کا دین ہے وہ اپنی جھوٹی باتوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں جس طرح ایک انسان سورج اور چاند کے نور کو بجھانا چاہتا ہے اس میں لطیف تشبیہ کی طرف اشارہ ہے۔

[2] اللہ تعالیٰ اپنے دین کو پھیلانے اور بلند کرنے میں انتہا تک پہنچانے والا ہے۔ ابن کثیر، حمزہ، کسائی اور حفص رحمہم اللہ تعالیٰ نے مُتِمُّ نُوْرِهٖ کو اضافت کی صورت میں پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے تنوین اور نصب کی صورت میں پڑھا ہے جیسے مُتِمٌّ نُوْرَهٗ۔

سے لو کا کلمہ تسویہ کے لئے متصل ہے۔ یہ جملہ حال ہے مشرکین کی ناپسندیدگی اور پسندیدگی اللہ تعالیٰ کے لئے برابر ہے اپنے دین کو سربلند کرنے کے لئے مشرکوں کی ناپسندیدگی کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

"وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ وہ غالب کردے اسے سب دینوں پر خواہ سخت ناپسند کریں اس کو مشرک۔ [1]"

[1] رسولہ سے مراد حضور ﷺ ہیں۔ ھدی سے مراد ہر ایسی چیز جس کے ساتھ آپ ﷺ نے لوگوں کو حق کی طرف ہدایت دی جیسے قرآن اور واضح معجزات۔ دِيْنِ الْحَقِّ سے مراد اللہ کا دین ہے یہی ملت حنیفہ بیضاء ہے، یعنی روشن دین حنیف ہے یہ شانیں حضور ﷺ کو اس لئے عطا فرمائیں تاکہ تلوار اور دلیل کے ساتھ تمام ادیان پر غالب آجائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

"اے ایمان والو! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ایسی تجارت پر جو بچالے تمہیں دردناک عذاب سے [1]"

[1] ابن عامر رحمۃ اللہ علیہ نے تُنَجِّيْكُمْ کو باب تفعیل سے پڑھا ہے تاکہ کثرت پر دلالت کرے، جبکہ باقی قراء نے اسے باب افعال سے پڑھا ہے۔ یہ تجارت تمہیں عَذَابٍ اَلِيْمٍ سے نجات دے گی جس طرح دنیا کی تجارت تمہیں فقر، بھوک اور اس جیسے عذابوں سے نجات دیتی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ ...... تو صحابہ نے کہا اگر ہمیں اس تجارت کا علم ہو جائے تو اس میں ہم اپنے مال اور اولاد میں خرچ کردیں گے (1) تو بعد والی آیت نازل ہوئی۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

"(وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے [1] یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو [2]"

[1] یہ اس تجارت کا بیان ہے ایمان اور مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے کو تجارت کہا گیا کیونکہ اس میں بھی مال و جان کا آخرت کی نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ تبادلہ ہوتا ہے اور عقائد باطلہ کا حقیقی علوم کے ساتھ تبادلہ ہوتا ہے جن حقیقی علوم کو ایمان کہتے ہیں اس میں صراحۃً نفع ہے خبر ذکر کی گئی، جبکہ مراد امر ہے اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ایسی چیز نہیں جسے چھوڑا جائے اور صحابہ کی مدح کا بھی شعور دلاتا ہے کیونکہ وہ اس صفت کے حامل ہیں، یعنی ایمان بھی رکھتے ہیں اور جان و مال سے جہاد بھی کرتے ہیں۔

[2] ایمان لانا اور جان و مال سے جہاد کرنا یہ خواہشات اور مال و جان سے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ ان کنتم مومنین شرط ہے جو

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

سابقہ کلام کی وجہ سے جزاء سے مستغنی ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ كَوْنَهٗ خَيْرًا فَاْتُوْا بِهٖ وَلَا تَتْرُكُوْهُ معنی یہ ہوگا اگر تم یہ جانتے ہو کہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے تو اس وقت یہ تمہارے لئے بہتر ہوگی کیونکہ تم ایمان اور جہاد کو پسند کرتے ہو۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

"اللہ تعالیٰ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو اور داخل کرے گا تمہیں باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں ¹ اور پاکیزہ نہریں اور پاکیزہ مکانوں میں جو سدا بہار باغوں میں ہیں ² یہی بڑی کامیابی ہے ³"

¹ یہ اس امر کا جواب ہے جس امر پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے تومنون و تجاهدون، تقدیر کلام یوں ہوگی اِنْ تُؤْمِنُوْا وَتُجَاهِدُوْا يَغْفِرْ لَكُمْ یا اس استفہام کا جواب ہوگا جس پر مذکورہ استفہام کے ساتھ دلالت کی گئی ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی هَلْ تَقْبَلُوْنَ اَنْ اَدُلَّكُمْ اِنْ تَقْبَلُوْا يَغْفِرْ لَكُمْ اسے هل ادلكم کا جواب بنانا جائز نہیں کیونکہ صرف راہنمائی مغفرت کو ثابت نہیں کرتی ہاں یہ کہا جائے تو درست ہے کہ راہنمائی عمل کا سبب ہے اور عمل مغفرت کا موجب ہے مسبب (۱) کو سبب کے سبب پر مرتب کیا گیا ہے مقصود یہ بتانا ہے کہ حضور ﷺ کی ہدایت اور راہنمائی کسی انسان کی ہدایت پانے کے لئے قوی سبب ہے کیونکہ حضور ﷺ کی ذات میں بہت تاثیر ہے اور آپ معاملہ کو خوب واضح فرما دیتے ہیں اس کے بعد صرف انتہائی بدبخت ہی گمراہ ہو سکتا ہے۔

² مساکن طيبة کا جنات پر عطف جزء کے کل پر عطف کی طرح ہے۔ عدن کا معنی استقرار و ثبات ہے کہتے ہیں عدن بمكان كذا یعنی وہ اس مکان میں ٹھہرا اسی سے ایک لفظ معدن جواہر کی کان کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا جنتیں سات ہیں: (1) دارالحلال، (2) دارالسلام، (3) دارالخلد، (4) جنة عدن، (5) جنة الماوی، (6) جنة نعيم، (7) جنة الفردوس۔ ایک قول یہ کیا گیا جنتیں چار ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ۔ صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو جنتیں ایسی ہیں جن کی عمارات اور ان کا سامان سب چاندی کا ہے دو جنتیں ایسی ہیں جن کی عمارات اور ان کا سامان سونے کا ہے۔ جنت عدن میں جنتیوں اور ان کے رب کے دیدار کے درمیان صرف کبریائی کی چادر ہوگی جو اس کے چہرہ اقدس پر ہوگی (1) ان چاروں جنتوں کو ماوی، خلد، عدن اور سلام کہتے ہیں اسی کو حکیم ترمذی نے پسند کیا ہے۔

ابو الشیخ نے کتاب العظمۃ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے چار چیزیں تخلیق فرمائی ہیں عرش، عدن، قلم اور حضرت آدم علیہ السلام پھر ہر چیز کے بارے میں فرمایا کن تو وہ چیز ہوگئی۔ ابن مبارک، طبرانی، ابو الشیخ اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے عمران بن حصین اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے آیت مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا یہ لؤ لؤ (موتی) کا محل ہے، اس محل میں سرخ یاقوت کا گھر ہے، ہر گھر میں ستر سبز زمرد کے کمرے ہیں، ہر کمرے میں ایک پلنگ ہے اور ہر پلنگ پر ستر قسم کے کھانے ہیں، ہر کمرے میں ستر خادم اور خادمائیں ہیں، ہر صبح تمام کمروں میں مومن کو اسی طرح کا کھانا پیش کیا جائے گا (2)۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 100 (قدیمی) ۔ 2۔ تفسیر قرطبی زیر آیت ہذا

(۱) مسبب مغفرت، سبب عمل، سبب کا سبب راہنمائی۔

سے گناہوں کی بخشش اور جنت میں داخلہ ایسی بڑی کامیابی ہے کہ اس کے مقابلہ میں ہر کامیابی حقیر ہے۔

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑬

"اور ایک اور چیز جو تمہیں بڑی پسند ہے لے (وہ بھی ملے گی) یعنی اللہ کی جانب سے نصرت اور فتح جو بالکل قریب ہے ٢

اور (اے حبیب) مؤمنوں کو (یہ) بشارت سنا دیجئے ٣"

لے اُخرىٰ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یا یعطیکم فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے یا تحبون کی وجہ سے منصوب ہے یا یہ مجرور ہے اور اس کا عطف تجارۃ پر ہے معنی یہ ہوگا کیا میں تمہیں ایسی تجارت پر راہنمائی نہ کروں جو تمہیں نجات دے اور ایک دوسری تجارت پر آگاہ نہ کروں۔ تُحِبُّوْنَهَا یہ اخرىٰ کی صفت ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لوگ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔

٢ قریب کا معنی جلدی جیسے قریش کے خلاف اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ فتح سے مراد فتح مکہ یا فتح خیبر ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس فتح سے مراد ایران اور روم کی فتح ہے۔

میں کہتا ہوں اس نصر اور فتح سے مراد ان کی جنس ہے کیونکہ یہ دونوں انسانوں کی کوشش اور مجاہدہ کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ولینصرن اللہ من ینصرہ اگر اخرىٰ مبتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہو اور اس کی خبر محذوف ہو تو اللہ تعالیٰ کا فرمان نصر اور فتح بدل یا بیان ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اخرىٰ مبتدا ہو اور نصر اور فتح اس کی خبر ہو۔ جب اخرىٰ محل نصب میں ہو تو یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوں گے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ھی نصر و فتح اور یہ جملہ اخرىٰ کی صفت ہوگا یا جملہ مستانفہ ہوگا۔

٣ اے رسول ﷺ آپ مومنوں کو ان چیزوں کی بشارت دیجئے جن کا اللہ تعالیٰ نے ان سے دنیا میں وعدہ کیا ہے۔ بشر کا عطف فعل محذوف پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی قُلْ یَا مُحَمَّدُ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّکُمْ وَبَشِّرْ یا اس کا عطف تومنون پر ہے اگرچہ تومنون جملہ خبریہ ہے مگر امر کے معنی میں ہے گویا کلام یوں کی گئی اٰمِنُوْا وَ جَاهِدُوْا اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ وَبَشِّرْهُمْ اَیُّهَا الرَّسُوْلُ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ⑭

"اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جس طرح کہا تھا عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف بلانے میں لے؟ حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں ٢ پس ایمان لے آیا ایک گروہ بنی اسرائیل سے اور کفر کیا دوسرے گروہ نے پھر ہم نے مدد کی جو ایمان لائے دشمنوں کے مقابلے میں بالآخر وہی غالب رہے ٣"

لے اَنْصَارَ اللّٰهِ، یعنی اللہ کے دین کے مددگار۔ کوفیون اور ابن عامر نے اَنْصَارَ اللّٰهِ کو مضاف مضاف الیہ کر کے پڑھا ہے۔ جبکہ حجازی قراء اور ابو عمرو نے انصار کو تنوین کے ساتھ اور لِلّٰهِ پڑھا ہے، معنی یہ ہوگا تم اللہ تعالیٰ کے بعض مددگار بن جاؤ کَمَا قَالَ میں معنی کے

اعتبار سے تشبیہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اے محمد ﷺ آپ کہیں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى یا یہ مراد ہوگی کہ كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا كَانَ الْحَوَارِيُّونَ حِينَ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ یعنی اے مومنو تم اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا یا اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ جس طرح حواری مددگار ہوئے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا حواری کی تحقیق سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ انصاری کی یاء کو نافع نے مفتوح پڑھا ہے۔

2۔ حواریوں نے کہا یہ وہ لوگ تھے جو سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ یہ کل بارہ تھے جن کا ذکر سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ انصار کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اضافت اسی طرح ہے جس طرح دو آدمی کسی کام میں شریک ہوں تو ان کی ایک دوسرے کی طرف اضافت کر دی جائے کیونکہ ان میں باہم اختصاص پایا جاتا ہے، جبکہ انصار کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت فاعل کی مفعول کی طرف اضافت کی طرح ہے۔

3۔ بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لانے میں سبقت لے گئی یہ حواری ہی تھے اور ایک جماعت نے آپ کا انکار کیا جو ایمان لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد دلیل یا جنگ میں تائید کی پس وہ غالب ہو گئے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا لیا گیا آپ کی قوم تین فرقوں میں بٹ گئی۔ ایک نے کہا وہ اللہ تھا اس لئے آسمانوں کی طرف بلند ہو گیا۔ دوسرے نے کہا وہ اللہ کا بیٹا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے آسمانوں پر اٹھا لیا۔ ایک فرقہ نے کہا وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔ ہر فرقہ کی لوگوں نے اتباع کی۔ انہوں نے آپس میں جنگیں کیں۔ دونوں کافر فرقے مومنوں پر غالب رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا تو مومن جماعت کافروں پر غالب آ گئی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا کا یہی معنی ہے۔ مغیرہ نے ابراہیم رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے حضور ﷺ کی اس تصدیق کے بعد کہ حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں ان کی حجت غالب ہو گئی (1)۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کے فرمان فَآمَنَت اور اللہ تعالیٰ کے فرمان فَأَيَّدْنَا اور فَأَصْبَحُوا کا عطف قال الحواريون پر فاء کے ساتھ تعقیب کے لئے آیا ہے۔ اس میں تراخی نہیں یہ عطف اس پر دلالت ہے کہ بعض لوگ آپ پر ایمان لائے اور بعض نے انکار کر دیا۔ حواریوں کے قول کے بعد اللہ تعالیٰ نے مہلت کے بغیر مدد کی اور کفار پر انہیں غلبہ دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم تمت۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

سورۃ الجمعہ

ایاتھا ۱۱ سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۶۲ رکوعاتھا ۲

سورۃ الجمعہ مدنی ہے، اس میں 11 آیتیں اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ①

"اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے جو بادشاہ ہے نہایت مقدس ہے زبردست ہے حکمت والا ہے۔[1]"

[1] قدوس، یعنی ہر ناز یبا چیز سے پاک ہے اور وہ اپنی بادشاہت اور صنعت میں عزیز و حکیم ہے کیونکہ ہر شے اس کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور جو اس کی شان کے مناسب نہیں اس کی پاکی بیان کرتی ہے نیز ہر چیز خواہ وہ جمادات میں سے ہی کیوں نہ ہو اس میں زندگی اور شعور کی کوئی صورت ہوتی ہے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتی ہے اور اس کی پاکی بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍۙ ②

"وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔[1]"

[1] امی سے مراد عرب ہیں کیونکہ ان کی اکثریت لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی۔ منھم، یعنی انہیں کی قوم سے اور انہیں کی طرح امی ہیں اس کے باوجود ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھتے ہیں، جبکہ ان کا پڑھنا اور کسی سے سیکھنا معروف نہیں۔ آپ لوگوں کو شرک اور معاصی سے پاک کرتے ہیں اور لوگوں کو اس کتاب کی تعلیم دیتے ہیں جو معجز اور بلیغ ہے۔ اگر سب انسان اور جن بھی اس کی مثل لانے پر اتفاق کر لیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں تب بھی وہ اس کی مثل نہ لا سکیں گے۔ حکمت سے مراد محکم شریعت ہے جو اصول میں سابقہ انبیاء کی شریعتوں کے مطابق ہے۔ کتب سماویہ میں ان کی قبولیت کی شہادت دی گئی ہے اگرچہ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل عرب واضح گمراہی میں تھے کیونکہ وہ پتھروں کی پوجا کرتے تھے۔ مردار کھاتے تھے، ایسی باتیں کرتے اور اعتقاد رکھتے تھے جنہیں عقل (۱) اور نقل دونوں قبول نہیں کرتے۔

وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ③

(۱) عقلی دلیل جیسے قیاس و اجتہاد نقلی دلیل جیسے سابقہ جلیل القدر ہستیوں کے ارشادات، مترجم۔

"اور دوسرے لوگوں کا بھی ان میں سے ؎۱ (تزکیہ کرتا ہے تعلیم دیتا ہے) جو ابھی ان سے آ کر نہیں ملے ؎۲ اور وہی سب پر غالب، حکمت والا ہے ؎۳"

؎۱ اخرین کا عطف یعلمھم کی ضمیر منصوب ھم پر ہے، یعنی دوسرے لوگ پہلے لوگوں کی جنس سے ہیں کیونکہ یہ ان کے دین پر ہیں اور انہیں کی راہ پر چلتے ہیں۔ عکرمہ اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا اخرین سے مراد تابعی ہیں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس سے قیامت تک اسلام میں داخل ہونے والے لوگ ہیں۔ یہی ابن نجیح کی مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت ہے۔ عمرو بن سعید اور لیث نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد عجمی ہیں کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ہم اس وقت حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے جب آپ ﷺ پر سورۂ جمعہ نازل ہوئی۔ جب آپ نے اس آیت کو پڑھا تو ایک آدمی نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ اس نے دو دفعہ یا تین دفعہ سوال دہرایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے آپ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر رکھا پھر فرمایا اگر ایمان ثریا پر ہو تو اُن کی قوم کے لوگ اسے پالیں گے (1) متفق علیہ۔ آپ سے ہی ایک روایت مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر دین ثریا کے پاس ہوا تو اس دین تک آدمی پہنچ جائے گا یا فرمایا فارس کے لوگ جائیں گے اور اسے حاصل کر لیں گے۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث عجمیوں کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ وہ بھی انہیں میں سے ہیں جو اس آیت میں مراد ہیں۔ آیت کا عموم جن افراد پر دلالت کرتا ہے ان میں سے ان کے افضل ہونے کی نفی پر کوئی دلیل نہیں (اگرچہ آیت عام ہے تاہم اس کا مصداق مخصوص افراد ہو سکتے ہیں)۔

حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مصداق شائید وہ فارسی لوگ ہوں جو نقشبندی سلسلہ کے اکابر ہیں کیونکہ وہ بخارا، سمرقند اور ان علاقوں کے رہنے والے تھے، وہ طریقت کے سلسلہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب تھے کیونکہ ان کا سلسلہ حضرت امام جعفر صادق، حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہم سے ہوتا ہوا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جا کر ملتا ہے اور آخر میں حضور ﷺ تک پہنچتا ہے۔

؎۲ انہوں نے صحابہ سے ابھی ملاقات نہیں کی لیکن بعد میں وہ پیدا ہوں گے۔ ایک یہ معنی کیا گیا وہ فضیلت اور ثواب میں صحابہ کے درجہ کو نہیں پہنچیں گے کیونکہ تابعین اور بعد کے لوگ صحابہ کی فضیلت کو نہیں پا سکتے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے تم صحابہ کو گالی نہ دو اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ دے وہ صحابہ کے ایک یا نصف مد (سیر) صدقہ کے برابر نہیں پہنچ سکتا، یہ حدیث متفق علیہ ہے (2) اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر ان الفاظ کا یہ معنی ہوتا تو یہاں مضارع کا صیغہ ہوتا لا یلحقوا بھم ماضی کا صیغہ نہ ہوتا کیونکہ لما کا لفظ زمانہ ماضی میں لاحق ہونے کی نفی اور مستقبل میں توقع کا تقاضا کرتا ہے۔ ہاں اگر یہ تعبیر کی جائے تو کلام درست ہو سکتی ہے کہ ماضی کا صیغہ اس لئے ذکر کیا کیونکہ ان کا پایا جانا یقینی ہے۔ لما کے ساتھ نفی اس لئے کی کیونکہ اکثریت ان کے مقام تک نہ پہنچ سکے جبکہ بعد میں آنے والوں میں سے بعض کی وہاں تک پہنچنے کی امید تھی اگرچہ وہ ہزار سال کے بعد ہی کیوں نہ ہوں تو پھر اس سے اشارہ

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا　　2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 518 (وزارت تعلیم)

حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خلفاء کاملین کی طرف ہو جو حضور ﷺ کی کمال اتباع تیز تبعاً اور طفیلاً و آپ کے وارث ہونے کے باعث آپ کے انتہائی کمالات تک پہنچ گئے اور انہوں نے نبوت ورسالت، اولوالعزم، خلت، محبت اور محبوبیت کے ان کمالات کو حاصل کر لیا جن پر صدر اول (صحابہ) کے بعد کوئی نہیں پہنچا تھا اس وجہ سے یہ ہستیاں صحابہ کے مشابہ ہو گئیں تو اس امت مرحومہ کی مثال اس بارش کی طرح ہوگی جس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ اس کا پہلا حصہ بہترین ہے یا آخری حصہ بہترین ہے جس طرح رسول ﷺ کا فرمان ہے میری امت کی مثال بارش جیسی ہے جس کے بارے میں یہ نہیں جانا جا سکتا کہ اس کا اول حصہ زیادہ بھلائی والا تھا یا آخری حصہ زیادہ بھلائی والا تھا یا اس باغ کی مانند ہے جس کا ایک حصہ ایک سال پھل لایا اور دوسرا حصہ دوسرے سال پھل لایا شائید دوسرے سال پھل لانے والا حصہ پہلے حصہ سے زیادہ وسیع وعریض اور زیادہ خوبصورت ہوا، سے رزین نے روایت کیا۔

سے وہ امی آدمی کو اس عظیم کام پر قدرت دینے والا ہے جو عادت کے خلاف ہے۔ اس کی تائید صفت حکیم ذکر کر کے کی، یعنی تمام لوگوں میں سے اسے منتخب کرنے اور علم عطا کرنے میں وہ حکیم ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

"یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے عطا فرماتا ہے اسے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے [1]"

[1] حضور ﷺ کی بعثت، آپ کو علم عطا کرنا اور گمراہوں کا تزکیہ یہ حضور ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے لئے چن لیا ہے اور آپ کو ہادی بنایا ہے اسی طرح لوگوں پر بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کیونکہ حضور ﷺ کے وسیلہ سے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی اور لوگوں کو پاک کیا وہ جسے چاہتا ہے اور جس کے بارے میں اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے اسے اپنے فضل سے نوازتا ہے وہ فضل عظیم والا ہے کیونکہ اس کے فضل کے مقابلہ میں ہر نعمت حقیر ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

"ان کی مثال جنہیں تورات کا حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں [1] (اس سے بھی زیادہ) بری حالت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو [2] اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا [3]"

[1] جنہیں تورات کا علم دیا گیا اور انہیں اس پر عمل کرنے کا مکلف بنایا گیا پھر انہوں نے اس میں موجود احکام پر عمل نہ کیا اور اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا تو ان کی مثال اس گدھے جیسی ہے جو علم کی کتابیں اٹھاتا ہے ان کے بوجھ کی وجہ سے تھکتا ہے لیکن ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتا۔ يَحْمِلُ اَسْفَارًا والا جملہ حمار سے حال ہے اس میں عامل مثل کا معنی ہے یا یہ حمار کی صفت ہوگا اس صورت میں حمار سے معین گدھا مراد نہ ہوگا، یعنی الحمار نکرہ کے حکم میں ہوگا معرف باللام کے نکرہ ہونے کی مثال یہ ہے وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَى اللَّئِيْمِ يَسُبُّنِيْ ہر ایسا عالم جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا اس کی مثال بھی اسی طرح ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے اے اللہ میں ایسے علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو نفع نہ دے۔

۲۔ قوم سے مراد یہودی ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کی تکذیب کی اور تورات کی ان آیات کو جھٹلایا جو حضور ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں یہاں مخصوص بالذم محذوف ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الْمُكَذِّبِيْنَ مثلهم یا مخصوص بالذم اسم موصول ہے اور اس سے پہلے مضاف محذوف ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ مِثْلِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا۔

۳۔ جب وہ لوگ ظلم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس وقت انہیں ہدایت نہیں دیتا یا جو اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں ظالم ہیں انہیں ہدایت نہیں دیتا۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾

"آپ فرمائیے اے یہودیو! ۱؎ اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ صرف تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ (دوست) نہیں ہیں تو ذرا مرنے کی آرزو تو کرو اگر تم سچے ہو ۲؎"

۱؎ هادوا، یعنی جنہوں نے یہودیت اختیار کی وہ کہتے ہم اللہ کے دوست اور اس کے محبوب ہیں۔ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ، یعنی حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ۔

۲؎ اگر اس دعویٰ میں تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو تا کہ تم اس دنیا (جو آزمائش کا گھر ہے) سے آخرت (جو عزت اور کرامت کی جگہ ہے) کی طرف منتقل ہو سکو کیونکہ موت ایک پل ہے جو محبوب کو محبوب سے ملا دیتی ہے۔ موت طلب کرنے کے جائز ہونے یا ناجائز کا مسئلہ ہم نے سورۂ بقرہ میں ذکر کر دیا ہے۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۷﴾

"اور (اے حبیب!) وہ اس کی تمنا کبھی نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو وہ اپنے ہاتھوں پہلے بھیج چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو ۱؎"

وہ علم یقینی کے ساتھ جانتے ہیں کہ کفر، نافرمانی اور تورات کی وہ آیات جن میں حضور ﷺ کی بعثت کا ذکر تھا میں تحریف کرنے کی وجہ سے جہنم کے مستحق بن چکے ہیں۔ اس لئے وہ موت کی تمنا کیسے کریں جو انہیں جہنم تک پہنچانے والی ہے، وہ تو زندگی پر سب لوگوں سے حریص ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے کاش اس کی عمر ہزار سالہ ہوتی وہ موت سے بہت زیادہ خوفزدہ اور بھاگنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو جانتا ہے اس لئے جو کچھ انہوں نے اعمال آگے بھیجے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جزا دے گا۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾

"آپ (انہیں) فرمائیے یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں مل کر رہے گی پھر لوٹا دیا جائے گا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپے اور ظاہر کو ۱؎ پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان (اعمال) سے جو تم کیا کرتے تھے ۲؎"

۱؎ اے محمد ﷺ ان یہودیوں سے فرما دیں جس موت سے تم بہت زیادہ ڈرتے ہو کہ کہیں تمہیں آ ہی نہ جائے اور تمہارے اعمال کا مواخذہ نہ ہو اور تمہاری آرزو یہ ہے کہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ نہ دیا جائے وہ تمہیں ہر صورت پہنچے گی، اس سے فرار تمہیں کوئی نفع نہ

دے گا۔ فانه ملقیکم یہ جملہ ان کی خبر ہے اللہ تعالیٰ نے جملہ میں ان متوکدہ کو مکرر ذکر کیا ہے تا کہ کمال تاکید کا فائدہ دے کیونکہ وہ کفر اور معاصی میں اصرار کرتے تھے جو اس امر کی دلیل ہے وہ موت کا شدت سے انکار کرتے ہیں۔ خبر پر فاء اس لئے آئی ہے کیونکہ مبتدا اپنے ضمن میں شرط کا معنی لئے ہوئے ہے کیونکہ لفظ موت جو ان کا اسم ہے اس کی صفت اسم موصول ہے جس میں شرط کا معنی ہوتا ہے گویا موت سے ان کا فرار انہیں جلد موت کو لاحق کرنیوالا ہے گویا موت سے ان کا فرار موت کے لاحق ہونے کا سبب بن گیا۔ موت سے فرار موت سے غفلت کرنے کا سبب ہوتا ہے۔ غفلت کی صورت میں دنیا میں زیادہ عرصہ زندہ رہنے کا پتہ ہی نہیں چلتا بلکہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے موت جلد آ گئی ہے جو موت کا مشتاق ہو دنیا میں اس کا رہنا مشکل ہوتا ہے وہ ہر وقت موت کا انتظار کرتا ہے۔ اس وجہ سے اسے زندگی طویل محسوس ہوتی ہے اور موت کے اشتیاق کی وجہ سے اسے موت دور محسوس ہوتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان کی خبر محذوف ہو اور جملہ پر فاء تعلیل کے لئے ہو، تقدیر کلام یہ ہوگی اِنَّ الْمَوْتَ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ لَا يَنْفَعُكُمُ الْفِرَارُ مِنْهُ لِاَنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ اَلْبَتَّةَ اس تاویل کی صورت میں ایک ہی حکم پر ان کا تکرار نہ ہوگا یہ بھی جائز ہے الذی تفرون یہ انّ کی خبر ہو کیونکہ فانه میں فاء عاطفہ ہے۔ عطف جملہ پر ہوگا یا خبر پر ہوگا۔

۲؎ جو کچھ تم کرتے رہے ہو اس کے بارے میں تمہیں آگاہ کرے اور تمہیں اعمال کی جزا دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨

''اے ایمان والو! جب (تمہیں) بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف ۱؎ اور (فوراً) چھوڑ دو خرید و فروخت ۲؎ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو ۳؎''

۱؎ نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ یعنی نماز جمعہ کی اذان دی جائے مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ یہ اِذَا نُوْدِيَ کا بیان ہے ایک قول یہ کیا گیا کہ یہاں من فی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس دن کا نام جمعہ کیسے پڑا، جبکہ دور جاہلیت میں اس دن کو عروبہ کہتے تھے جس کا معنی واضح اور عظیم دن ہے یہ اعوب سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس نے واضح کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ سب سے پہلے اس دن کو کعب بن لوی نے جمعہ کہا اور کعب بن لوی ہی پہلا شخص ہے جس نے اما بعد کے الفاظ کہے۔ اس روز قریش اس کے پاس جمع ہوتے، وہ قریش کو خطاب کرتا، ان کے سامنے حضور ﷺ کی بعثت کے بارے میں ذکر کرتا اور یہ بتاتا کہ وہ ان کی اولاد میں سے ہوں گے۔ وہ قریش کو حضور ﷺ کی اتباع کرنے اور آپ پر ایمان لانے کا حکم دیتا اور آپ کی شان میں اشعار پڑھتا ان میں ایک شعر یہ ہے

يَا لَيْتَنِيْ شَاهِدًا نَجْوَاءَ دَعْوَتِهٖ	اِذَا قُرَيْشٌ تَبْغِي الْحَقَّ خِذْلَانًا
ہائے کاش میں اس کی دعوت کے وقت حاضر ہوتا	جب قریش حق کو رسوا کرنا چاہتے ہوں گے

بنو اسماعیل پہلے بیت اللہ شریف کی تعمیر سے تاریخ کا ذکر کرتے۔ جب کعب بن لوی کی وفات ہوئی تو قریش نے ان کی موت سے تاریخ کا ذکر کرنا شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ عام الفیل تک چلتا رہا۔ یہی حضور ﷺ کی ولادت کا سال ہے تو لوگ ہجرت تک عام الفیل کے حوالے سے تاریخ ذکر کرتے۔ کعب بن لوی اور حضور ﷺ کی پیدائش کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال کا عرصہ ہے۔ شرح خلاصہ سیر

میں اسی طرح منقول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اسے جمعہ اس لئے کہا گیا کیونکہ اس میں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ ابوحذیفہ بخاری نے مبتدا میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح ذکر کیا ہے، اس کی سند ضعیف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس روز حضرت آدم علیہ السلام کے مادہ تخلیق کو جمع کیا گیا۔ امام احمد، امام نسائی، ابن خزیمہ اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو جانتا ہے یوم جمعہ کیا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ سوال تین دفعہ دہرایا۔ تیسری دفعہ آپ نے خود یہ ارشاد فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں تمہارے باپ کے عناصر کو جمع کیا گیا (1) اس کی ایک شاہد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے قوی سند کے ساتھ موقوف روایت کیا ہے، جبکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ موقوف ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ زیادہ صحیح ہے۔

اسی سے متصل وہ روایت ہے جسے عبدالرزاق نے ابن سیرین رحمہما اللہ تعالیٰ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انصار اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے۔ وہ یوم عروبہ کو یوم جمعہ کہتے، وہ انصار کو نماز پڑھاتے اور انہیں وعظ و نصیحت کرتے۔ انہوں نے اسے جمعہ کا نام دیا۔ یہ سلسلہ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ حضور ﷺ کی اجازت سے ہوا جس طرح دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ مسلمان اس روز جمع ہوں۔ آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا دیکھو جس روز یہودی بلند آواز سے زبور پڑھتے ہیں اس روز تم اپنی عورتوں اور بچوں کو جمع کرو جب جمعہ کے روز سورج ڈھل جائے تو دو رکعت نماز ادا کرو۔ راوی نے کہا سب سے پہلے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی یہاں تک کہ حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے (2) اس سند میں احمد بن محمد بن غالب باہلی ہے۔ اس پر وضع کی تہمت لگائی جاتی ہے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس متن میں معروف سند ارسال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے صحابہ نے اپنے اجتہاد سے یہ عمل کیا تھا۔ عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اہل مدینہ نے حضور ﷺ کی آمد اور جمعہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے جمعہ کے روز نماز پڑھی۔ انصار نے کہا یہودیوں کا ایک مخصوص دن ہے جس میں ہفتہ کے اندر جمع ہوتے ہیں نصاریٰ نے بھی اسی طرح ایک دن مقرر کر رکھا ہے آؤ ہم بھی ایک دن معین کر لیں جس میں ہم جمع ہوں اللہ کا ذکر کریں، نماز ادا کریں اور اللہ کا شکر کریں۔ انہوں نے اس کام کے لئے یوم عروبہ کو مختص کیا۔ تمام لوگ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے۔ انہوں نے لوگوں کو اس روز نماز پڑھائی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ (3)۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگرچہ یہ روایت مرسل ہے تاہم حسن سند کے ساتھ اس کی ایک شاہد بھی ہے جسے ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو کئی لوگوں نے ان سے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے کہا حضور ﷺ کی آمد سے پہلے ہمیں اسعد بن زرارہ نے نماز جمعہ پڑھائی (4)۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ جب جمعہ کی اذان سنتے تو حضرت اسعد بن زرارہ کے لئے دعا کرتے۔ عبدالرحمٰن بن کعب نے کہا میں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا اس روز تم کتنے افراد تھے، انہوں نے جواب دیا ہم چالیس افراد تھے۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی مرسل دلالت کرتی ہے کہ

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 771 (وزارت تعلیم)

ان صحابہ نے یوم جمعہ کا انتخاب اجتہاد سے کیا تھا، ان کا یہ اجتہاد اس امر کے مانع نہیں کہ حضور ﷺ کو وحی کے ذریعے بتا دیا گیا ہو۔ جبکہ آپ مکہ مکرمہ میں ہی ہوں لیکن مکہ مکرمہ میں جمعہ کی ادائیگی ممکن نہ تھی جس طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ اس کے بعد مرسل روایت میں بھی آیا ہے شائید اسی وجہ سے آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے خود صحابہ کو پہلا جمعہ پڑھایا۔

حضور ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری اور پہلا جمعہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ مدینہ طیبہ کے مسلمانوں نے جب یہ سنا کہ حضور ﷺ مکہ مکرمہ سے نکل آئے ہیں جب صبح ہوتی تو گھروں سے نکل پڑتے اور حرہ پر پہنچ کر انتظار کرتے یہاں تک کہ سورج سایوں کو ختم کر دیتا اور انہیں اذیت دینے لگتا، یعنی گرم ہوا شدید ہو جاتی، یہ سخت گرمی کے دن تھے جس دن حضور ﷺ تشریف لائے۔ اس روز صحابہ گھروں میں واپس آ چکے تھے کہ ایک یہودی اپنی مڑھی پر کسی کام سے چڑھا ہوا تھا اور اس راستہ کی طرف نظر تھی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا بلند آواز سے کہا اے انصار یہ تمہارے صاحب تشریف لے آئے جن کا تم انتظار کر رہے تھے۔ مسلمان دوڑ پڑے اور حضور ﷺ کا استقبال کیا یہ پیر کا دن تھا اور ربیع الاول کی پہلی تاریخ تھی۔ جریر بن حازم کی روایت جو ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ربیع الاول کی دوسری تاریخ تھی۔ ابراہیم نے ابن اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی۔ ان اقوال میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری آخری رات میں ہوئی اور مدینہ طیبہ کی بستی میں آپ ﷺ دن کے وقت داخل ہوئے۔ حضور ﷺ ان کے پاس قبا میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں کلثوم بن ہدم اور ابو بکر بن اساف جو بنی حارث سے تعلق رکھتے تھے کے گھر فروکش ہوئے۔ کلثوم نے اپنے غلام کو یا نجیح کہہ کر پکارا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر میں کامیاب ہو گیا۔ کلثوم بن ہدم کی قبا میں کھجوریں خشک کرنے کی جگہ تھی۔ حضور ﷺ نے اسے لیا اور اسے مسجد بنا دیا۔

صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنی عمرو بن عوف میں ٹھہرے اور اس مسجد کی بنیاد رکھی جس مسجد کو قرآن میں یوں یاد کیا گیا وہ مسجد جسے تقویٰ پر بنایا گیا۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے بنی عوف کی مسجد بنائی۔ صحیح میں ہے کہ حضور ﷺ اس بستی میں دس سے زیادہ دن ٹھہرے۔ صحیح میں ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ وہاں چودہ دن ٹھہرے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آپ پانچ دن وہاں ٹھہرے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آپ وہاں منگل، بدھ اور جمعرات کے روز ٹھہرے اور جمعہ کے روز وہاں سے روانہ ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عقبہ نے کہا تین دن وہاں ٹھہرے گویا ان دونوں نے روانگی اور داخل ہونے کے دن کو شمار نہیں کیا۔ بنی عمرو بن عوف کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ آپ ﷺ بائیس دن ٹھہرے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے، سعد بن منصور نے ابن زبیر سے، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے عویمر بن ساعدہ سے اور دوسرے علماء نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے بنی نجار کی طرف پیغام بھیجا وہ آپ کے ماموں لگتے تھے کیونکہ عبدالمطلب کی والدہ بنی نجار کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، وہ تلواریں گلوں میں لٹکائے حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سے عرض کی آپ سوار ہو جائیں اس حال میں کہ آپ امن میں ہیں اور آپ کی اطاعت کی جائے گی، یہ جمعہ کا روز تھا۔ حضور ﷺ اپنی قصویٰ اونٹنی پر سوار ہو گئے، جبکہ لوگ آپ کے دائیں بائیں پیچھے تھے، کوئی سوار تھا اور کوئی پیدل تھا۔ بنو عمرو

بن عوف جمع ہو گئے، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ سے زیادہ تعداد والے قبیلہ کے پاس جانا چاہتے ہیں یا آپ ہمارے گھر سے بہتر گھر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ایسی بستی میں جانے کا حکم ہوا ہے جو تمام بستیوں کو کھا جائے گی۔ اونٹنی کو چھوڑ دو کیونکہ اسے حکم دیا جا چکا ہے۔ حضور ﷺ مدینہ طیبہ کے ارادہ سے قباء سے چل پڑے۔ لوگوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا وہ کہہ رہے تھے اللہ اکبر۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے عورتیں، بچیاں اور بچے یہ کہہ رہے تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا، مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ، وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا، مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ، أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ.

چودہویں کا چاند ہم پر وداع کی پہاڑیوں سے طلوع ہوا جب تک کوئی دعا کرنے والا ہے ہم پر شکر کرنا واجب ہے اے ہم میں مبعوث ہونے والے آپ اطاعت کیے گئے امر کے ساتھ تشریف لائے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کی آمد کی خوشی میں حبشیوں نے اپنے جنگی کرتب دکھائے(1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہا میں نے اہل مدینہ کو کسی وجہ سے اتنا خوش نہیں دیکھا جتنا خوش انہیں رسول اللہ ﷺ کی آمد پر دیکھا۔ حضور ﷺ انصاری کے کسی گھر کے پاس سے نہیں گزرتے تھے مگر وہ یہ عرض کرتے یا رسول اللہ ﷺ تشریف لائیے حفاظت بھی ہے، خدمت کے لئے مال بھی ہے۔ حضور ﷺ ان کے لئے دعائے خیر فرماتے اور ارشاد فرماتے اونٹنی کو حکم دیا جا چکا ہے اس کا راستہ چھوڑ دو۔ آپ ﷺ بنی سالم کے پاس سے گزرے تو عتبان بن مالک اور نوفل بن عبد اللہ آگے کھڑے ہو گئے، جبکہ نوفل حضور ﷺ کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہاں قیام فرمائیے ہماری تعداد زیادہ، سامان وافر اور اسلحہ بھی ہے۔ ہم لشکروں والے، باغوں والے اور سامان والے ہیں۔ عربوں میں سے کوئی بھی جب خوفزدہ ہو کر یہاں داخل ہوتا تو وہ ہمارے پاس ہی پناہ لیتا۔ رسول اللہ ﷺ مسکرانے لگے اور فرمایا اس کا راستہ چھوڑ دو اس کو حکم دیا جا چکا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن صامت اور عباس بن فضلہ رضی اللہ عنہم اٹھے۔ دونوں عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے اسے حکم دیا جا چکا ہے۔ جب آپ ﷺ بنی سالم کی مسجد کی جگہ آئے یہ وہ مسجد ہے جو وادی الونا میں ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بنی سالم بن عمرو بن عوف کی وادی میں نماز جمعہ کا وقت ہو گیا آج وہاں مسجد بنا دی گئی ہے آپ ﷺ نے وہاں نماز ادا کی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضور ﷺ مسجد قباء میں ابن سعد کے ہاں نماز ادا فرماتے۔ جب حضور ﷺ نے جمعہ کی نماز ادا فرمائی تو آپ کے ساتھ سو افراد نے نماز ادا فرمائی پھر حضور ﷺ دائیں طرف مڑ گئے اور بنی سعد کے پاس سے گزرے تو حضرت سعد بن عبادہ، منذر بن عمرو اور ابو دجانہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ تشریف لائیے یہاں عزت ہے، مال ہے، قوت ہے، بہادری ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عرض کر رہے تھے یا رسول اللہ ﷺ میری قوم سے بڑھ کر کسی کی تعداد نہیں اور ہمارا کنواں ہے، دولت ہے، بہادری ہے، تعداد ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے ابو ثابت اس کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ اسے حکم دیا جا چکا ہے۔ آپ ﷺ آگے چلے گئے تو سعد بن ربیع، عبد اللہ بن رواحہ اور بشیر بن سعد سامنے آئے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمیں چھوڑ کر آگے نہ جائیں پھر زیاد بن لبید اور فروہ بن عمر

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 161 (صادر)

سامنے آئے وہ بھی اسی طرح عرض کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کا راستہ چھوڑ دو پھر آپ بنی عدی نجاری کے پاس سے گزرے، یہ آپ کے ماموں لگتے تھے، ابوسلیط اور صرفہ بن ابی انس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کے ماموں لگتے ہیں تشریف لائیے ہمارے پاس تعداد ہے، طاقت ہے اور رشتہ داری ہے یا رسول اللہ ﷺ ہمیں چھوڑ کر کسی اور کے پاس نہ جائیے ہماری رشتہ داری کی وجہ سے کوئی اور اس شرف کا ہم سے زیادہ حقدار نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ اسے حکم دیا جا چکا ہے۔ اونٹنی چلی یہاں تک کہ بنی عدی بن نجار کے گھر کے سامنے آگئی اس کے سردار بھی آپ کے لئے سراپا یاس ہوئے پھر آپ ﷺ چلے یہاں تک کہ مسجد نبوی (ا) کے دروازہ پر آکر رک گئے۔ جبار بن صخر اسے جھڑکنے لگے اس امید پر کہ اونٹنی اٹھ کھڑی ہوگی لیکن اونٹنی نہ اٹھی۔ حضور ﷺ نیچے اترے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کس کا گھر زیادہ قریب ہے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی یہ گھر ہے ان شاء اللہ۔ رسول اللہ ﷺ اس میں فروکش ہوئے اور دعا مانگی اے اللہ ہمیں مبارک گھر میں اتار تو ہی بہترین اتارنے والا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ کلمات چار دفعہ ادا کیے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں فروکش ہوتے ہیں۔ آپ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ٹھہرتے ہیں۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے مبتداء، اور ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے تیجان میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا وہ گھر جس میں حضور ﷺ نے رہائش اختیار کی وہ مدینہ طیبہ کے ابتدائی حصہ میں تھا جسے تبع اول نے تعمیر کیا تھا۔ اس کے ساتھ چار سو علماء تھے، انہوں نے قسمیں اٹھالیں کہ وہ اس شہر سے نہیں جائیں گے۔ تبع نے اس کا راز پوچھا تو علماء نے کہا ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں کہ ایک نبی محترم جن کا نام محمد ﷺ ہوگا یہ جگہ ان کی ہجرت کی جگہ ہے۔ ہم یہاں ہی ٹھہریں گے شائد ہماری ان سے ملاقات ہو جائے۔ تبع نے بھی ان کے ساتھ رہنے کا ارادہ کیا پھر اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا اس نے تمام علماء کے گھر بنوائے ہر ایک کے لئے ایک لونڈی خریدی اور عالم کی اس لونڈی سے شادی کر دی اور ہر عالم کو بہت بڑا مال عطا کیا اور ایک خط تحریر کیا جس میں اس نے اپنے مسلمان ہونے کا ذکر کیا اس میں گواہی دی کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اگر میری عمر نے وفا کی تو میں ان کا مددگار رہوں گا اور اس پر سونے کی مہر لگائی اور خط بڑے عالم کو دیا اور اس سے عرض کی کہا اگر اس کی ملاقات ہو تو خط نبی کریم ﷺ کو پیش کرے ورنہ اولاد میں سے بیٹا پوتا وغیرہ جو ملے وہ پیش کرے۔ حضور ﷺ کے لئے بھی ایک گھر تعمیر کیا تا کہ جب آپ تشریف لائیں تو اس میں رہائش رکھیں وہ گھر چلتا چلتا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی اسی عالم کی اولاد میں سے تھے اور مدینہ طیبہ کے لوگ جو حضور ﷺ کے انصار بنے وہ بھی ان علماء کی اولاد تھے۔ ایک قول یہ بھی کہا جاتا ہے جس خط میں اشعار تھے وہ ابو یوسف کے پاس تھا اس نے یہ خط حضور ﷺ کو پیش کیا تھا حضور ﷺ کے اسی گھر میں رہائش رکھنے والی روایت غریب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس آیت میں موجود اذان سے مراد وہ اذان ہے جو خطبہ کے لئے دی جاتی ہے جب امام منبر پر بیٹھ جائے کیونکہ ابن زید کی حدیث ہے کہ جمعہ کے روز پہلی اذان وہی ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا۔ یہ حضور ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے دور میں رہا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو تیسری اذان دی جانے لگی جو زوراء کے مقام پر دی جاتی، اسے تیسری اذان اس لئے کہا گیا کیونکہ اقامت کو دوسری اذان تصور کیا

(ا) جہاں بعد میں مسجد نبوی تعمیر کی گئی اور اس کا دروازہ رکھا گیا۔ مترجم۔

گیا۔ اس وجہ سے یہ کہا جائے گا کہ جمعہ کی طرف سعی، بیع کا ترک کرنا اور اسی طرح کے دوسرے لوازمات یہ دوسری اذان کے وقت واجب ہوں گے، جبکہ صحیح یہ ہے کہ سعی، خرید وفروخت کو چھوڑنا یہ پہلی اذان کے وقت ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم عام ہے اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ نیز یہ حکم پہلی اذان پر بھی صادق آتا ہے۔

2۔ چل پڑو۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس میں فامضوا کی قرأت کرتے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی یہی قرأت ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے خبردار اللہ کی قسم یہاں سعی سے مراد دوڑنا نہیں کیونکہ نماز کے لئے آنے میں تو اس کی ممانعت ہے۔ اس کے بارے میں تو یہ حکم ہے کہ وہ سکون اور وقار کے ساتھ آئیں ہاں انہیں حضور قلب، خلوص نیت اور خشوع کے ساتھ آنا لازم ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ منقول ہے کہ سعی کا مطلب یہ ہے کہ تم حضور قلب اور تیز قدموں کے ساتھ جمعہ کے لئے آؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ تو یہاں پاؤں سے چلنا مراد ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ ایک اور ارشاد ہے اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى حضور ﷺ نے دوڑنے سے منع کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم دوڑتے ہوئے نہ آؤ چلتے ہوئے آؤ، جبکہ تم پر سکون اور باوقار ہو جو نماز پالو اسے (امام کے ساتھ) پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اسے مکمل کر لو (1) اسے ائمہ ستہ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یوں روایت کی ہے وما فاتکم فاقضوا۔

اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ سے مراد نماز ہے) حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے امام کا خطبہ مراد ہے۔ یہاں بیع سے مراد ہر ایسا عمل ہے جو نماز اور خطبہ سے غافل کر دے۔ بیع کا خصوصاً ذکر اس لئے کیا کیونکہ لوگ سورج ڈھلنے کے بعد عموماً خرید وفروخت میں مشغول ہوتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی راستے میں خرید وفروخت کرے، جبکہ وہ مسجد کی طرف جا رہا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ نماز کی طرف سعی کرنا اور خرید وفروخت وغیرہ کو چھوڑنا یہ خرید وفروخت سے بہتر ہیں اگر تم اپنی مصلحتوں کا علم رکھتے ہو، یہ شرط ہے اور سابقہ کلام کی وجہ سے جزاء سے مستغنی ہے۔

مسئلہ:۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت کرنا حرام ہے کیونکہ یہ گناہ کو لازم ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ خرید وفروخت منعقد بھی ہوتی ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا نقطہ نظر ہے وہ بیع منعقد ہی نہیں ہوتی، جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ بیع منعقد ہو جاتی ہے۔ یہ مسئلہ ایک اصولی مسئلہ پر مبنی ہے کیونکہ افعال شرعیہ (۱) سے جو نہی ہوتی ہے جیسے مغصوب زمین میں نماز ادا کرنے کے بارے میں نہی ہے اسی طرح خرید وفروخت میں جب فاسد شرط لگائی جاتی تو یہ قبح لغیرہ کو ثابت کرتی ہے اور قبح لغیرہ عقد کے صحیح ہونے کا تقاضا کرتا ہے یہاں تک کہ اس سے حکم ثابت ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے خصوصاً وہ بیع جو جمعہ کی اذان کے وقت کی جائے اس میں یہی حکم ہوگا کیونکہ یہاں قباحت نفس عقد میں نہیں بلکہ ایک ایسے امر کی وجہ سے ہے جو نفس عقد کا غیر ہے تاہم عقد کے ساتھ ملا ہوا ہے اس لئے وہ بیع باطل نہ ہوگی جس طرح شروط فاسدہ کے ساتھ بیع باطل نہیں ہوتی۔

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 124 (وزارت تعلیم)

(۱) جس کی پہچان شرع پر منحصر ہو اس سے قبل فعل کا وہ تصور نہ تھا جو شرع نے متعین کیا جیسے صلوٰۃ لغت میں اس کا معنی دعا ہے لیکن اب مخصوص عمل کو صلوٰۃ کہتے ہیں، مترجم۔

جبکہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ بیع قبح لعینہ کو ثابت کرے گی جس طرح افعال حسیہ (ب) سے نہی قبح لعینہ کو ثابت کو کرتی ہے جس طرح زنا اور سرقہ (چوری) کے بارے میں نہی بالاتفاق قبح لعینہ کو ثابت کرتی ہے کیونکہ اس میں منهی عنه اس کی ذات ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے موافقت کی ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ بیع صحیح ہوگی کیونکہ اس میں نہی اس کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ ایسے امر کی وجہ سے ہے جو بیع کے ساتھ ملا ہوا ہے وہ نماز سے غافل ہونا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل

جمعہ محکم فریضہ ہے جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ اس کے منکر کو کافر کہا جائے گا۔ جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے وہ یہ آیت ہے جس میں اس کے لئے سعی کرنے کا حکم ہے۔ نماز کے لئے دی جانے والی اذان کے اوپر ذکر کے لئے سعی کے حکم کو مرتب کیا۔ ظاہر یہ ہے کہ ذکر سے مراد نماز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ذکر سے خطبہ مراد لیا جائے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس سے خطبہ اور نماز دونوں مراد لئے جائیں کیونکہ اس کا صدق دونوں پر ہوتا ہے۔ جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم بعثت کے اعتبار سے آخر میں ہیں قیامت کے روز سب سے آگے ہوں گے سوائے اس کے انہیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں ان کے بعد کتاب دی گئی پھر اس دن (جمعہ) ان پر عبادت فرض کی گئی تھی۔ انہوں نے اس میں اختلاف کیا پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت عطا فرمائی۔ ہمارے لوگ اس دن میں محکم ہیں، جبکہ یہودی اگلے دن جا پڑے اور عیسائی اس سے اگلے دن جا پڑے، متفق علیہ (1)۔ حضرت ابو عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے دونوں نے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر ارشاد فرماتے ہوئے سنا جو لوگ نماز جمعہ ادا نہیں کرتے انہیں اس سے باز آنا چاہئے ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ غافل ہو جائیں گے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو جمعہ کی نماز ادا نہیں کرتے تھے میں نے ارادہ کیا ہے کہ کسی آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز جمعہ پڑھائے پھر میں ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو جمعہ کی نماز ادا کرنے کی بجائے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ طارق بن شہاب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مسلمان پر جمعہ فرض ہے مگر چار آدمی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں غلام، عورت، بچہ، مریض (4) اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ طارق بن شہاب نے حضور ﷺ کی زیارت تو کی تھی لیکن آپ سے سنا نہیں۔ میں کہوں گا یہ حدیث صحابی کی مرسل ہے جو بالاتفاق حجت ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے تمیم داری سے روایت کیا ہے کہ جمعہ فرض ہے مگر بچے، غلام اور مسافر پر فرض نہیں۔ اسے طبرانی نے حاکم اور ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ اس میں عورت اور مریض کا اضافہ کیا۔ ابی جعد ضمیری سے مروی ہے انہیں حضور ﷺ کا صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا کہا جس نے سستی کرتے ہوئے تین جمعے چھوڑ دیئے اللہ تعالیٰ اس

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 282 (قدیمی) 2۔ ایضاً، صفحہ 284 3۔ ایضاً، صفحہ 232

4۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 153 (وزارت تعلیم)

(۱) جس کی پہچان شرع پر منحصر نہیں بلکہ شرع سے پہلے بھی اس کا معنی اور مفہوم معروف تھا، مترجم۔

کے دل پر مہر لگا دیتا ہے(1) اسے امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیحوں میں انہیں حسن قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں جس نے بغیر عذر کے جمعہ کی نماز چھوڑ دی کتاب میں اسے منافق لکھ دیا جاتا ہے جسے نہ مٹایا جائے گا اور نہ جسے بدلا جائے گا۔ بعض روایات میں تین جمعوں کا ذکر ہے۔ اسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے جس نے تین پے در پے جمعے چھوڑ دیے اس نے اسلام کو پشت کے پیچھے پھینک دیا۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ فرض ہے مگر مریض، مسافر، عورت، بچے اور غلام پر فرض نہیں جو کھیل یا تجارت کی وجہ سے جمعہ سے مستغنی ہوا اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے(2) اسے دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جمعہ فرض عین ہے جس نے اسے فرض کفایہ کہا اس نے غلطی کی۔

مسئلہ:۔ مسافر پر جمعہ فرض نہیں، اس پر اجماع ہے۔ امام زہری اور امام نخعی رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ جب مسافر جمعہ کی اذان سنے تو اس پر جمعہ ادا کرنا فرض ہے۔ اسی طرح غلام اور عورت پر جمعہ فرض نہیں تاہم امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت مروی ہے کہ غلام پر جمعہ کی نماز فرض ہے۔ داؤد ظاہری نے کہا واجب ہے مکاتب، عبد ماذون اور وہ غلام جو اپنے آقا کے ساتھ مسجد کے دروازے تک آیا تاکہ سواری کی حفاظت کرے، جبکہ نماز جمعہ کی ادائیگی سواری کی حفاظت میں مخل نہ ہو تو اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے جو علماء یہ فرماتے ہیں کہ غلام پر جمعہ کی نماز واجب نہیں وہ ان مطلق احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں غلام کی استثناء ہے۔

مسئلہ:۔ نابینا پر جمعہ کی نماز واجب نہیں جب اس کے پاس ایسا آدمی نہ ہو جو مسجد تک لے جائے اس پر علماء کا اتفاق ہے اگر کوئی ایسا آدمی ہو تو اس پر جمعہ کی نماز واجب ہوگی۔ یہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس پر جمعہ واجب نہیں ہوتا۔ جمہور نے سابقہ احادیث سے استدلال کیا ہے کیونکہ ان میں نابینا کی استثناء نہیں۔ ہم یہ جواب دیتے وہ نابینا مریض میں داخل ہے مریض، جسے کوئی عذر ہو یا خوف ہو تو اس پر بالاجماع جمعہ کی نماز واجب نہیں اسی طرح انتہائی بوڑھا شخص اور جو دائمی مریض ہو ان پر جمعہ کی نماز فرض نہیں۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے جب نابینا ایسا آدمی پائے جو اسے مسجد تک لے جا سکتا ہو تو وہ آنکھ والے کی طرح قادر ہوگا ہم اس کے بارے میں کہتے ہیں وہ بذات خود قادر نہیں غیر کے واسطے سے اس کی قدرت کا کوئی اعتبار نہیں جس طرح ایک آدمی اگر اپاہج ہو اگر اس کے پاس ایسا آدمی ہو جو اسے اٹھا کر مسجد تک لے جائے تو اس پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہوتی۔

مسئلہ:۔ بارش اور کیچڑ کی وجہ سے جمعہ ترک کرنا جائز ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بارش کے دن موذن سے فرمایا جب تو اذان میں یہ کہے اشهد ان محمد رسول الله تو اس وقت حی علی الصلوة نہ کہنا بلکہ یہ کہنا اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھو لوگوں نے اسے ناپسند کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا مجھ سے بہتر نے یہ عمل کیا تھا بے شک جمعہ کی نماز فرض ہے۔ میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں تمہیں گھروں سے نکالوں اور تم مٹی پانی میں چل کر آؤ(3)۔

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 151 (وزارت تعلیم)　2۔ سنن الدار قطنی، جلد 2، صفحہ 3 (المحاسن)　3۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 123 (وزارت)

مسئلہ:۔ جب غلام، مسافر، عورت یا مریض جمعہ کی نماز میں حاضر ہو تو اس کا جمعہ صحیح ہو جاتا ہے اور بالاتفاق اس سے ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے۔

مسئلہ:۔ جمعہ غلاموں اور مسافروں کے ساتھ بھی منعقد ہو جاتا ہے، جبکہ وہاں آزاد مقیم لوگ نہ ہوں، جبکہ انہوں نے جمعہ شہر میں ادا کیا ہو۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ عورتوں اور بچوں سے جمعہ منعقد نہیں ہوگا اس پر اجماع ہے، جبکہ دوسرے تینوں ائمہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ غلاموں اور مسافروں کے ساتھ جمعہ نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کے ساتھ تعداد پوری کی جائے گی بلکہ جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے چالیس مقیم یا پچاس مقیم یا تین مقیم افراد کا ہونا ضروری ہے۔ یہ علماء کے تین مختلف قول ہیں جو مرض، خوف، بارش، اندھا پن اور اپاہج ہونے کی وجہ سے معذور ہیں ان کے ساتھ بالاتفاق عدد پورا کیا جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جمعہ کی نماز تمام مردوں پر فرض ہے عورتوں پر فرض نہیں۔ اس کے بارے میں اجماع ہے اسی طرح بچوں پر بھی واجب نہیں کیونکہ وہ مکلف نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ لیکن مردوں میں سے غلاموں، مسافروں اور معذوروں کو ان سے رخصت دی گئی ان مذکورہ افراد میں سے جو جمعہ کی نماز ادا کرتا ہے تو وہ عزیمت کا کام کرتا ہے اس کا جمعہ صحیح ہوگا جس طرح مسافر جب وہ رمضان کا روزہ رکھے تو اس کے روزے سے فرض روزہ ادا ہو جاتا ہے۔

مسئلہ:۔ معذور اور قیدی جب شہر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کی نماز مکروہ ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ نہیں بلکہ یہ تو سنت ہے جس کی نماز جمعہ عذر کے بغیر فوت ہو جائے اس کا بھی یہی حکم ہے، واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ جمعہ کے لئے خطبہ شرط ہے۔ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ اس ذکر سے مراد خطبہ ہے اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا اگر امام نے خطبہ میں صرف تسبیح یا تحمید پر اکتفا کیا تو یہ بھی کافی ہو جائے گا کیونکہ ذکر اللہ طویل اور مختصر دونوں خطبوں کو عام ہے اس میں کوئی اجمال نہیں۔ یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ ذکر اللہ سے مراد نماز بھی ہو سکتی ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ خطبہ کے شرط ہونے پر اجماع کی دلیل حضور ﷺ کی مواظبت ہے جو متواتر انداز میں ہم تک پہنچی ہے۔ آپ کی مواظبت طویل ذکر کا تقاضا کرتی ہے جسے عرب خطبہ کہتے ہیں۔ امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی نقطہ نظر ہے کیونکہ ذکر اللہ سے مراد اگر خطبہ ہو تو اس کی اضافت عہد کے لئے ہوگی۔ معنی یہ ہوگا اس ذکر اللہ کی طرف چلو جسے نبی کریم ﷺ سرانجام دیتے تھے اس حوالے سے بھی یہ شرط ہے کہ ذکر طویل ہونا چاہئے۔

جو یہ روایت کی گئی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو پہلے جمعہ کے موقع پر الحمد للہ کے الفاظ کہے تو آپ پر خوف طاری ہو گیا کہا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم جمعہ کے خطبہ کے لئے طویل مقالات تیار کرتے تھے تمہیں زیادہ گفتگو کرنے والے امام کی بہ نسبت زیادہ عمل کرنے والے امام کی ضرورت ہے بعد میں تمہیں بڑی بڑی گفتگوئیں سننے کو ملیں گی میں اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ سے بخشش کی دعا کرتا ہوں۔ آپ نے لوگوں کو نماز جمعہ پڑھا دی کسی نے ان کے اس عمل پر اعتراض نہ کیا تاہم علماء حدیث اس روایت سے آگاہ نہیں، واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک خطبہ کھڑے ہو کر دینا واجب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

درمیان میں بیٹھنا بھی واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا نقطہ نظر یہ ہے خطبہ میں کھڑے ہونا اور درمیان میں بیٹھنا واجب نہیں۔ اس کے واجب ہونے کی دلیل مشہور حدیث ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا پھر آپ بیٹھ گئے پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا جو تجھے یہ بتائے کہ آپ بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ اس نے جھوٹ بولا اللہ کی قسم میں نے آپ کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ نمازیں ادا کی ہیں (1)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے روز دو خطبے ارشاد فرماتے اور درمیان میں بیٹھتے تھے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے نبی کریم ﷺ کے دو خطبے ہوتے تھے آپ ان کے درمیان بیٹھتے تھے آپ خطبوں کے دوران قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے روز دو دفعہ خطبہ ارشاد فرماتے، درمیان میں بیٹھتے تھے (3) یہ روایت متفق علیہ ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کعب بن عجرہ سے روایت کیا ہے کہ وہ جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوئے، جبکہ ابن ام حکم بیٹھ کر خطبہ دے رہے تھے۔ کعب بن عجرہ نے کہا اس خبیث کو دیکھو بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب وہ تجارت یا لہو و لعب دیکھتے ہیں اس کی طرف نکل جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں (4)۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ قیام کرنا واجب نہیں کیونکہ کعب اور کسی دوسرے نے ابن حکم کی نماز کے فاسد ہونے کا قول نہیں کیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کھڑا ہونا شرط نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ خطبہ کا پانچ چیزوں پر مشتمل ہونا سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد، حضور ﷺ پر درود و سلام، تقویٰ کی وصیت، قرآن حکیم کی تلاوت، مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے دعا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سب چیزیں واجب ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں خطبوں میں طہارت شرط ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک طہارت شرط نہیں۔

مسئلہ:۔ جب امام خطبہ دے رہا ہو تو کم از کم ایک آدمی کا موجود ہونا ضروری ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے تا کہ خطاب متحقق ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک جب تک اجتماع نہ ہو جائے خطبہ دینا جائز نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجتماع کے لئے چالیس افراد یا پچاس افراد یا تین افراد ہونا ضروری ہیں اگر نماز شروع ہونے سے پہلے ان میں سے ایک آدمی بھی بھاگ جائے تو نماز جمعہ شروع کرنا صحیح نہ ہوگا بلکہ امام ظہر کی نماز پڑھائے گا اگر خطبہ کے درمیان سے جانے والے افراد واپس آ گئے، جبکہ انقطاع طویل نہیں ہوا تھا تو پہلے خطبہ کو ہی مکمل کرے اور اگر انقطاع طویل ہو گیا تھا تو یہ نئے سرے سے خطبہ دے۔

مسئلہ:۔ جو آدمی خطبہ میں موجود ہو اس کے لئے گفتگو کرنا حرام ہے وہ خطبہ سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو (امام کی آواز پہنچے یا نہ پہنچے) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو خطبہ سن رہا ہو اس پر گفتگو کرنا حرام ہے اور جسے خطبہ سنائی نہ دے اس پر گفتگو کرنا حرام نہیں تاہم کسی کو خاموش کرانا مستحب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو آواز سنتا ہو اس کے لئے بھی گفتگو کرنا حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے کیا خطیب پر گفتگو حرام ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حرام ہے ہاں اگر وہ اچھی بات کا حکم دے رہا ہو تو جائز ہے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ کے ساتھ واقعہ (1) ہوا۔ ابن ہمام نے اسی طرح کہا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیمی قول یہی ہے۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 283 (قدیمی) 2۔ ایضاً 3۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 35 (صادر) 4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 284 (قدیمی)

(1) یک دفعہ حضرت عثمان دیر سے آئے، جبکہ حضرت عمر جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو حضرت عمر نے آپ کو تنبیہ کی تھی، مترجم۔ (رضوان علیہم اجمعین)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خطیب کے لئے ایسی گفتگو جائز ہے جس میں نماز کی مصلحت ہے۔جس طرح کوئی آدمی لوگوں کی گردنیں پھلانگ رہا ہوتو خطیب اسے منع کرے اگر خطیب کسی معین شخص کو خطاب کرے تو اس آدمی کے لئے جواب دینا جائز ہے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ کے دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی جس کا ذکر ہم غسل جمعہ میں کریں گے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خطیب کے لئے مطلق کلام جائز ہے۔

صحیحین میں موجود احادیث میں باہم تعارض ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب امام خطبہ دے رہا ہو اور تو کسی ساتھی کو یہ کہے خاموش ہو جا تو تو نے لغو کلام کیا(1)۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جمعہ کے روز اس وقت گفتگو کی جب امام خطبہ دے رہا ہو تو اس کی مثال اس گدھے کی مانند ہے جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں(2) یہ دونوں حدیثیں گفتگو کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔وہ روایات جو گفتگو کے مباح ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عبد الرحمن بن کعب کی سند سے روایت کیا ہے کہ وہ جماعت جسے حضور ﷺ نے ابن ابی الحقیق کی طرف خیبر بھیجا تھا تا کہ وہ اسے قتل کر دیں وہ اس وقت واپس آئے جب آپ جمعہ کے روز منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔جب حضور ﷺ نے انہیں دیکھا تو فرمایا تم کامیاب ہو۔انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ بھی کامیاب ہوں۔پوچھا کیا تم نے اسے قتل کر دیا؟ انہوں نے ہاں میں جواب دیا آپ ﷺ نے وہ تلوار منگوائی جس سے ابن ابی الحقیق کو قتل کیا گیا تھا، جبکہ آپ ﷺ ابھی منبر پر تشریف فرما تھے آپ نے اسے سونتا فرمایا اس تلوار کی دھار میں اس کا کھانا ہے۔امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت مرسل اور جید ہے۔عروہ سے بھی اسی کی مثل روایت کیا گیا۔امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو رفاعہ عدوی کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، جبکہ آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔میں نے عرض کی ایک اجنبی آدمی دین کے بارے میں پوچھنے آیا ہے فرمایا میرے پاس آجاؤ آپ نے خطبہ چھوڑ دیا آپ مجھے تعلیم دینے لگے پھر آپ نے خطبہ مکمل فرمایا(3)۔چاروں سنن کے مصنفین، ابن خزیمہ اور امام حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے بریدہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم تشریف لائے، جبکہ انہوں نے سرخ قمیصیں پہن رکھی تھیں وہ لڑکھڑاتے ہوئے چل رہے تھے۔حضور ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے انہیں اٹھالیا اور اپنے سامنے بٹھالیا پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تمہارے مال اور تمہاری اولادیں فتنہ ہیں۔میں نے ان دو بچوں کو لڑکھڑا کر چلتے ہوئے دیکھا میں صبر نہ کر سکا میں نے اپنی بات ختم کی اور انہیں اٹھالیا(4)۔ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے جابر سے روایت کیا۔جب حضور ﷺ جمعہ کے روز منبر پر جلوہ افروز ہو گئے فرمایا بیٹھ جاؤ۔حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو مسجد کے دروازے میں ہی بیٹھ گئے۔رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس حالت میں دیکھا فرمایا اے عبد اللہ آگے آجاؤ(5)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، جبکہ حضور ﷺ جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اس نے پوچھا قیامت کب ہوگی؟ لوگوں نے اشارے سے اسے خاموش رہنے کو کہا وہ خاموش نہ رہا اور دوبارہ سوال عرض کیا۔نبی

1۔صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 281 (قدیمی) 2۔الدر المنثور زیر آیت ہذا 3۔صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 287 (قدیمی)

4۔مستدرک حاکم، جلد 1، صفحہ 424 (العلمیہ) 5۔سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 156 (وزارت تعلیم)

کریم ﷺ نے اس سے پوچھا تو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے تو اس نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت۔ حضور ﷺ نے فرمایا تیرا انجام انہیں کے ساتھ ہوگا جن کے ساتھ تو محبت کرتا ہے(1) اسے امام احمد، امام نسائی، ابن خزیمہ اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اسی اثناء میں کہ حضور ﷺ جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرما رہے تھے ایک بدو کھڑا ہو گیا عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مال ہلاک ہو گئے(2) پھر بارش طلب کرنے والی حدیث ذکر کی، یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا احادیث کا تعارض سننے والے کے لئے گفتگو کرنے کے بارے میں کراہت کو ثابت کرتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اخبار آحاد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فاستمعوا لہ وانصتوا کے معارض نہیں ہو سکتیں خصوصاً جب احادیث میں بذات خود تعارض ہو اس وجہ سے آپ نے حرمت کا قول کیا ہے یہ زیادہ محتاط ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آیت اور احادیث مخاطب کے لئے کلام کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ خطبہ سے پہلے اور خطبہ کے بعد کلام میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے روز منبر سے نیچے اترتے کوئی آدمی آپ سے ضرورت کے بارے میں بات کرتا تو آپ اس سے گفتگو کرتے تھے پھر آپ ﷺ مصلی کی طرف بڑھ جاتے۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آثار سے استدلال کرتے ہوئے کراہت کا قول کرتے ہیں۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے جب امام باہر آ جاتا تو یہ نماز اور کلام کو مکروہ جانتے تھے۔

مسئلہ:۔ جب کوئی آدمی نماز جمعہ پڑھنے کے لئے آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھے اور انہیں مختصر کرے یہ جمہور کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ وہ یہ دو رکعت نماز ادا نہ کرے۔ دلیل وہی آثار ہیں جو حضرت علی، حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں جن کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جو عروہ اور زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہیں نیز حضور ﷺ کا فرمان ہے اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِکَ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ(3) جب تو نے اپنے ساتھی سے کہا خاموش ہو جا، جبکہ وہ خطبہ دے رہا تھا تو تو نے لغو بات کی۔ آپ نے فرمایا یہ حدیث دلالۃ النص کے ذریعے نماز اور تحیۃ المسجد کے نوافل سے روکتی ہے کیونکہ اس حدیث میں امر بالمعروف سے روکا گیا ہے، جبکہ امر بالمعروف کا درجہ جمعہ کی سنتوں اور تحیۃ المسجد کے نوافل سے بلند ہے تو اس حدیث کے ذریعے ان دونوں سے بدرجہ اولیٰ روک دیا گیا۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے اگر معروف واجب ہو تو وہ امر بالمعروف تو سنت سے بلند ہوگا اگر وہ معروف مستحب ہو تو وہ سنت سے درجہ میں کیسے بلند ہوگا؟ خطبہ سنتے وقت خاموش رہنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب نہیں تو دلالت النص سے اس پر کیسے دلیل قائم کی جا سکتی ہے۔ جمہور کی دلیل حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں کوئی جمعہ کے روز آئے، جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعتیں پڑھے اور ان میں اختصار کرے، یہ حدیث متفق علیہ ہے(4)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں سلیک غطفانی جمعہ کے روز آئے، جبکہ نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، وہ بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا اے سلیک اٹھو دو رکعت نماز ادا کرو اور ان میں اختصار کرو(5) اس بات میں ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے

1۔ مسند امام، جلد 3، صفحہ 227 (صادر) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 127 (وزارت تعلیم) 3۔ ایضاً، صفحہ 128
4۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 287 (قدیمی) 5۔ ایضاً

ابو سعید سے روایت نقل کی ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوذر سے روایت نقل کی ہے کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کیا تو نے دو رکعت نماز ادا کی ہے؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا اٹھ اور دو رکعت نماز ادا کر۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہا ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، جبکہ حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا اٹھ اور دو رکعت نماز ادا کر۔ آپ ﷺ نے اس وقت تک خطبہ روکے رکھا یہاں تک کہ وہ اپنی نماز سے فارغ ہو گیا(1) پھر کہا عبید بن محمد عبدی نے ان کے قول کو مسند ذکر کیا ہے۔ اس میں ہے پھر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا انہوں نے فرمایا ہمیں معتمر نے اپنے باپ سے روایت کیا اس میں کہا ایک آدمی آیا پھر حدیث ذکر کی۔ اس میں یہ بھی ہے پھر سب لوگ انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے نماز مکمل کر لی۔ کہا یہ مرسل ہے، یہی درست ہے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے۔ میں کہتا ہوں اگر مرسل حجت بھی ہو یہ تو ایک واقعہ کا بیان ہے یہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کے معارض نہیں اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ الحدیث، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام کے باہر آ جانے کے بعد مطلق نماز جائز نہیں اگرچہ امام خطبہ سے فارغ ہی کیوں نہ ہو۔ چکا ہو اس کی نماز کے دوران حضور ﷺ کا خاموش رہنا یہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ صحراء میں نماز جمعہ جائز نہیں ہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شہر کے فناء میں بھی نماز جمعہ جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ فناء کا حکم وہی ہے جو شہر کا ہے۔ جمعہ کی نماز کے لئے جماعت شرط ہے یہ شرط لفظ جمعہ سے ماخوذ ہے تاہم علماء کا جگہ اور تعداد میں اختلاف ہے۔

امام شافعی، امام احمد اور امام اسحق رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ہر وہ جگہ جہاں چالیس آزاد، عاقل اور بالغ افراد نے سکونت اختیار کر لی ہو وہ موسم سرما یا موسم گرما میں یہاں سے کوچ نہیں کر جاتے ہاں وہ کسی ضرورت کی بناء پر وہاں سے کوچ کرتے ہیں تو ان پر جمعہ کی نماز واجب ہوگی۔ اس صورت میں جمعہ کی نماز چالیس سے کم افراد کے ساتھ نہیں پڑھی جا سکے گی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایسا گاؤں جس کے گھر آپس میں ملے ہوں اس گاؤں میں مسجد ہو، بازار ہو تو اس میں جمعہ کی نماز واجب ہوگی۔ جمعہ کے انعقاد کے لئے اتنے افراد کا ہونا ضروری ہے عرف میں جتنی تعداد گاؤں کے لئے مناسب سمجھی جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جمعہ کی نماز بڑے شہر میں ہی ادا کی جا سکتی ہے۔ مصر ہر اس شہر کو کہتے ہیں جس میں گلیاں ہوں، بازار ہوں، والی ہو جو مظلوم کو ظالم سے انصاف دلا سکے۔ یعنی انصاف دلانے پر قادر ہو اگرچہ والی خود ظالم ہو یا وہاں عالم ہو حوادثات میں جس کی طرف لوگ رجوع کرتے ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا جس کی بڑی مسجد میں وہاں کے لوگ نہ سما سکیں۔ مصر کے شرط ہونے پر دلیل وہ موقوف روایت ہے جو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جمعہ، تشریق، عید الفطر، عید الاضحیٰ مصر جامع یا مدینہ عظیمہ میں ہو سکتی ہیں۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح قرار دیا، جبکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ مصر کا شرط ہونا اور دیہاتوں میں نماز جمعہ کے جائز نہ ہونے پر اس چیز سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ بالائی بستیوں کے لوگ حضور ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھتے تھے اسی طرح قباء بستی والے بھی

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 66 (وزارت تعلیم)

حضور ﷺ کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ ابن ماجہ اور ابن خزیمہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل قباء کے ایک رہائشی کے واسطہ سے نقل کیا ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم قباء والے جمعہ میں حاضر ہوں(1)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ذی الحلیفہ پر سکونت رکھنے والے مدینہ طیبہ جمعہ پڑھتے تھے۔ صحابہ کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ جب انہوں نے مختلف شہر فتح کئے، مساجد بنا کر منبر نصب کئے نماز جمعہ کا اہتمام کیا گیا تو انہوں نے شہروں کے علاوہ دیہاتوں میں نماز جمعہ پڑھی ہو اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو ضرور منقول ہوتی۔ حضور ﷺ کا پہلا جمعہ بنی عمرو میں ادا کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ جمعہ کی نماز ایسی بستی میں جائز ہے جو شہر کے بالکل قریب ہو جس طرح یہ بھی جائز ہے کہ شہر کے کسی کونے میں بھی نماز جمعہ ادا کی جاسکتی ہے اسی طرح مصر کی فناء(ا) میں نماز جمعہ ادا کی جاسکتی ہے، واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ مطلق نہیں کیونکہ جنگلوں اور ہر دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں بلکہ بعض دیہاتوں میں جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ نے اس کے لئے تعداد معین کی ہے یا اس کے لئے مخصوص دیہات مراد ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لئے مصر کی قید ذکر کی ہے مصر دیہاتوں سے خاص ہے۔ جس کسی آدمی نے شہر میں نماز جمعہ ادا کی تو اس کا جمعہ صحیح ہوگا اور بالاتفاق آدمی کے ذمہ سے ظہر کی نماز ساقط ہو جائے گی، جب کسی نے جمعہ کی نماز دیہات میں پڑھی تو جمعہ کے صحیح ہونے، اس کے واجب ہونے اور ظہر کی نماز کے ساقط ہونے کے بارے میں شک واقع ہوگا۔ جمعہ شک کے ساتھ واجب نہیں ہوتا ظہر کی نماز جو یقین کے ساتھ واجب ہوئی تھی وہ شک کے ساتھ ساقط نہیں ہوئی ہوگی، واللہ اعلم۔

امام طبرانی اور ابن عدی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے یہ روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جمعہ کی نماز ہر اس دیہات میں واجب ہوگی جس میں امام رہتا ہو اگرچہ اس میں کل چار افراد ہوں۔ ایک روایت میں ہے تین افراد ہوں۔ اس سے استدلال کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ حکم بن عبداللہ اور ولید بن محمد کی روایت ہے۔ دونوں زہری رحمۃ اللہ علیہ سے، وہ ام عبداللہ دوسیہ سے روایت کرتے ہیں دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا زہری سے یہ روایت صحیح نہیں جس نے بھی اس سے روایت کی ہے وہ متروک ہے۔ ولید اور حکم دونوں متروک ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حکم کی تمام روایات موضوع ہیں۔ حکم کی سند میں مسلمہ بن علی ہے۔ یحییٰ نے کہا وہ کچھ بھی نہیں۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ متروک ہے۔ اسی طرح جابر بن عبداللہ کی حدیث ہے طریق یہی آرہا ہے کہ ہر چالیس افراد اور جو اس سے اوپر ہیں ان میں نماز جمعہ، عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر ہے۔ اس کی سند میں عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں اس کی احادیث بیان کرنے والے کو مارتا تھا کیونکہ وہ سب جھوٹ ہیں یا فرمایا وہ موضوع ہیں۔ اسی طرح ابوامامہ کی حدیث جس میں پچاس افراد پر جمعہ لازم ہے اور پچاس سے کم افراد پر جمعہ کی نماز لازم نہیں۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ اس کی سند میں جعفر بن زبیر ہے وہ متروک ہے اور ھیاج ہے وہ بھی متروک ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا اس کی سند میں نحاش ہے وہ بھی کمزور ہے۔ جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا تعلق ہے جس میں آپ نے فرمایا مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ جواثا کے مقام پر پڑھا گیا جو بحرین میں ایک دیہات تھا(1) اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا یہ اس امر

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 122 (وزارت تعلیم)

(ا) ایسا میدان یا کھلی جگہ جو شہر کے لوگوں کی ضروریات کے لئے چھوڑی گئی ہو، مترجم۔

پر دلالت نہیں کرتا کہ ہر بستی میں جمعہ کی نماز جائز ہے کیونکہ قریہ کا لفظ مصر پر بھی بولا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یہاں قریتین سے مراد مکہ مکرمہ اور طائف ہیں اس میں تو کوئی شک نہیں کہ مکہ مکرمہ مصر ہے۔ صحاح میں ہے جواثا بحرین میں ایک قلعہ تھا تو وہ لازماً مصر ہوا کیونکہ کوئی بھی قلعہ حاکم کے بغیر نہیں ہوتا اس میں عالم بھی ضرور ہوتا ہے۔ مبسوط میں ہے وہ بحرین کا ایک شہر ہے۔ جب استدلال کے لائق کسی حدیث میں ایسی معین تعداد کا ذکر نہیں جو جمعہ کے لئے شرط ہو تو حضرت حسن بصری اور ابو ثور رحمۃ اللہ علیہما نے یہ کہا جمعہ کی نماز دو افراد کے ساتھ بھی ہو جاتی ہے کیونکہ دو اور اس سے اوپر افراد جماعت ہے۔ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ کہا جمعہ کی نماز تین افراد کے ساتھ ہو جاتی ہے، جبکہ ان میں والی موجود ہو۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا چار افراد کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فاسعوا کم از کم تین افراد کا تقاضا کرتا ہے اور ذکر اللہ کا لفظ ذکر کرنے والے کا تقاضا کرتا ہے جو چوتھا فرد ہونا چاہئے۔ میں کہتا ہوں یہ استدلال درست نہیں جمع کا صیغہ تو اس لئے ہے کیونکہ خطاب عام ہے۔ یہ صیغہ جماعت کی تعداد کو بیان کرنے کے لئے نہیں ہے ورنہ تمام احکام میں جماعت کا ہونا لازم ہوگا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ تاہم یہ کہنا ممکن ہے کہ دوسری جماعتوں کی بنسبت جمعہ میں بڑی جماعت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اس میں جماعت شرط ہے اور جمعہ کا لفظ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بھی کہا گیا ہے: اَلْجُمُعَةُ جَامِعَةٌ لِّلْجَمَاعَاتِ جماعت میں کم از کم دو افراد کا ہونا ضروری ہے اس لئے جمعہ میں تین افراد کا ہونا ضروری ہے جس طرح امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ جب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے جماعت ایک شرط ہے اور امام دوسری شرط ہے اس لئے آپ نے فرمایا امام کے علاوہ تین افراد ہونا ضروری ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک والی خود ہو یا وہ جمعہ کی اجازت دے تب جمعہ صحیح ہوگا، جبکہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ سلطان کی موجودگی یا اس کی طرف سے اجازت کو شرط قرار دینے کی ایسی کوئی دلیل بھی نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابو عبیدہ جو بنی نضیر کا غلام ہے سے روایت کیا کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوا، جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے۔ حافظ ابن حجر نے کہا محصوری کا عرصہ چالیس روز تھا لوگوں کو کبھی حضرت طلحہ، کبھی حضرت عبد الرحمٰن بن عدیس رضی اللہ عنہما اور کبھی ان کے علاوہ کوئی اور نماز پڑھاتا۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ ایک واقعہ ہے یہ جائز ہے کہ امام کی اجازت سے ایسا ہوتا ہو جس طرح یہ بھی جائز ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر ایسا ہوتا ہو اس لئے یہ کسی کے حق میں بھی دلیل نہیں بن سکتی۔ اس لئے حضور ﷺ کا یہ فرمان ہی حجت رہے گی جس نے جمعہ کی نماز کو چھوڑا، جبکہ اس کا امام ہو خواہ ظالم خواہ عادل۔ خبردار اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی کو دور نہ فرمائے، اس کے معاملہ میں برکت نہ ڈالے اور اس کی نماز نہ ہوگی (1) اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ اس میں امام کا ہونا لازمی شرط ہے جس طرح وَلَهٗ اِمَامٌ جَائِرٌ اَوْ عَادِلٌ یہ جملہ حال ہے۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث ہے جسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع طریقہ سے نقل کیا ہے۔ اس میں عبد اللہ عدوی ہے جو ضعیف ہے۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے روایت کیا ہے اس میں علی بن زید جدعان ہے۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دونوں سندیں ثابت

1۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 77 (وزارت تعلیم)

نہیں۔ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس حدیث کی سند کمزور ہے۔

مسئلہ:۔ظہر کا وقت نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے کیونکہ یہ ظہر کی نماز کے قائم مقام ہے۔جمعہ کی ادائیگی کے ساتھ ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے اس لئے جب تک ظہر کی نماز فرض نہ ہو اس وقت تک جمعہ کی نماز بھی فرض نہ ہوگی جب تک وہ فرض نہ ہو وہ ادا نہ ہوگی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جمعہ کی نماز سورج ڈھلنے سے پہلے بھی ہو جاتی ہے کیونکہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ہم جمعہ کی نماز کے بعد دوپہر کا کھانا کھاتے اور قیلولہ کیا کرتے تھے۔حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ہم حضور ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھتے تھے پھر ہم واپس لوٹتے تو دیواروں کا سایہ نہ ہوتا جس سے ہم سایہ حاصل کرتے(1) دونوں حدیثیں صحیحین میں ہیں۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ہم حضور ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھتے پھر ہم قیلولہ کے لئے لوٹتے اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔اس کا جواب یہ ہے دوپہر کا کھانا نہ کھانا اس کو لازم نہیں کہ جمعہ کی نماز سورج ڈھلنے سے پہلے ہوتی تھی یہاں استثناء مجاز پر مبنی ہے۔معنی یہ ہوگا ہم دیواروں کا اتنا سایہ نہیں پاتے جس سے ہم سایہ حاصل کرتے کیونکہ سائے ابھی لمبے نہ ہوتے تھے کہ ان میں پیدل یا سوار چلا جا سکتا یہ ابتدائی وقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ہماری دلیل وہ احادیث ہیں جن کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا اس میں تحریر کیا امابعد اس دن کو پیش نظر رکھو جس میں یہودی زبور بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔تم بھی اپنے بچوں اور عورتوں کو جمع کرو جب زوال کے وقت سورج ڈھل جائے تو دو رکعتیں ادا کرنے کے ساتھ اللہ کی عبادت کرو۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت ادا کرتے جب سورج ڈھل جاتا(3) اسے امام بخاری اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا اور کہا یہ روایت صحیح ہے۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہا ہم جمعہ کی نماز پڑھتے تھے پھر جب سورج ڈھل چکا ہوتا تو ہم اپنی آرامگاہوں میں چلے جاتے تھے(4)۔حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس وقت جمعہ کی نماز پڑھتے تھے جب سورج ڈھل چکا ہوتا۔اسے امام مسلم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا(5)۔یوسف بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لائے مکہ والے اس وقت نماز جمعہ پڑھتے،جبکہ سایہ حجر میں تھا۔آپ نے کہا تم نماز جمعہ اس وقت تک نہ پڑھو جب تک کعبہ کا سایہ سامنے سے نہ آ جائے (سورج ڈھل نہ جائے اور سایہ آگے نہ بڑھ جائے) اسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔اگر کسی نے جمعہ کی نماز جمعہ کے وقت میں شروع کی یہاں تک کہ جمعہ کا وقت ختم ہو گیا۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اب وہ ظہر مکمل کرلے (جمعہ کی نماز پر ہی بنا کرلے) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور وہ ظہر کی نماز نئے سرے سے پڑھے کیونکہ جمعہ اور ظہر دو مختلف نمازیں ہیں ایک کی دوسری نماز پر بنا درست نہیں۔جمعہ کی ادائیگی کے ساتھ ظہر کی نماز کا سقوط یہ خلاف قیاس ہے اس لئے ضابطہ کے مطابق اس میں جو کچھ وارد ہوا ہے ان کی رعایت کرنا ضروری ہے ان میں سے ایک وقت بھی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب اس نے جمعہ کی نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ عصر کا وقت داخل ہو گیا تو وہ جمعہ کی نماز پڑھے

1۔صحیح مسلم،جلد 1،صفحہ 283 (قدیمی) 2۔صحیح بخاری،جلد 1،صفحہ 128 (وزارت تعلیم) 3۔ایضاً،صفحہ 123
4۔صحیح مسلم،جلد 1،صفحہ 283 (قدیمی) 5۔ایضاً

جب تک سورج غروب نہ ہو جائے اگرچہ وہ فارغ سورج کے غروب ہونے کے بعد ہی ہو۔ یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اس اصول پر مبنی ہے کہ ظہر کا ضروری وقت عصر کی طرح سورج کے غروب ہونے تک ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ کی ادائیگی کے لئے اذن عام ضروری ہے یہاں تک کہ اگر والی نے شہر کا دروازہ بند کر دیا، اپنے لشکر جمع کر لئے اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے سے روک دیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز صحیح نہ ہو گی، جبکہ جمہور کا اس مسئلہ میں امام صاحب سے اختلاف ہے۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ میں اشارۃ النص سے دلیل پکڑی ہے۔ نداء اجازت کا تقاضا کرتی ہے یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نداء (اذان) کو جمعہ کی طرف سعی کا سبب بنایا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نداء جمعہ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے جس طرح اللہ کا فرمان وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا اس پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن کی تلاوت کے وقت قرآن سننا اور خاموش رہنا واجب ہے نہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سننا اور خاموش رہنا قرأت کے جائز ہونے کے لئے شرط ہے یہاں تک کہ یہ کہا جائے کہ اگر مقتدی قرأت کرے (امام کی قرأت کو نہ سنے) تو امام کے لئے نماز اور خطبہ میں قرأت جائز نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ میں کہتا ہوں یہ ممکن ہے کہ سابقہ حدیث سے یہ استدلال کیا جائے کہ جمعہ کی نماز کے لئے اعلان اور اذن عام شرط ہے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا کہ وہ مدینہ طیبہ میں لوگوں کو جمعہ پڑھائیں، جبکہ آپ نے خود مکہ مکرمہ میں جمعہ کی نماز ادا نہ فرمائی، جبکہ آپ کے لئے یہ تو ممکن تھا کہ آپ اپنے گھر میں صحابہ کے ساتھ نماز پڑھ لیتے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اعلان اور اذن عام جمعہ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے، جبکہ مکہ مکرمہ میں ایسا ممکن نہ تھا۔

مسئلہ:۔ جو آدمی کسی ایسے دیہات میں رہتا ہو جہاں جمعہ نہیں ہوتا یا وہ جنگل میں رہتا ہو کیا اس پر شہر میں جا کر جمعہ کی نماز پڑھنا واجب ہے؟ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی رائے ہے اس پر جمعہ کی نماز واجب نہیں۔

امام ابو یوسف، امام شافعی، امام احمد اور اسحٰق رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا اگر ان تک ایسے موذن کی آواز پہنچتی ہو جس کی آواز بہت بلند ہے وہ ایسے وقت اذان دے جب آوازیں پرسکون ہوں اور ہوا بھی تیز نہ ہو تو ان پر جمعہ کی نماز میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کا قول کیا ہے تاہم ایک فرسخ کی حد معین کی ہے، جبکہ ربیعہ نے چار میل کی حد معین کی ہے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بعض علماء نے کہا یہ مقدار ایک میل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ مقدار دو میل ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی حد معین نہیں کی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے حد کے بارے میں ان دونوں (امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) کے قول جیسا قول ہے۔ اس قول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اور حضور ﷺ کا فرمان: اِنَّمَا الْجُمُعَةُ عَلٰی مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ[1] اسے ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ ایک روایت میں ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے جمعہ اس پر ہے جس نے اذان کو سنا۔ سعید بن مسیب نے کہا جسے رات گھر میں اتارے (جو جمعہ پڑھ کر گھر آ سکے) اس پر جمعہ واجب ہے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو شہر سے چھ میل کی مسافت پر ہو اس پر جمعہ کی نماز واجب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ مروی ہے جو آدمی شہر سے تین فرسخ دور

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 151 (وزارت تعلیم)

رہتا ہے اس پر جمعہ کی نماز واجب ہے۔ بدائع (1) میں ہے یہ قول اچھا ہے۔ شائد ان دونوں قولوں میں اس آدمی کے لئے حد بیان کی گئی ہے جسے رات اس کے گھر لے جاتی ہے (وہ گھر پہنچ جاتا ہے) کیونکہ جو چھ میل دور رہتا ہے یا نو میل دور رہتا ہے اس کے جانے اور واپس گھر آنے میں بارہ یا اٹھارہ میل بن جاتے ہیں۔ یہ سفر کی ایک منزل ہوتی ہے کیونکہ بارہ میل عموماً ایک منزل کا کم از کم فاصلہ ہے اور اٹھارہ میل زیادہ سے زیادہ فاصلہ ہے۔ اس قول کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو حضور ﷺ سے مروی ہے۔ جمعہ اس پر لازم ہے جسے رات اپنے گھر لے آئے (جو جمعہ کی ادائیگی کے بعد گھر پہنچ سکے) اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (1) حدیث قابل حجت نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس حدیث کو سنا تو آپ نے فرمایا اپنے رب سے استغفار کر۔ اس کی سند میں حجاج بن نصیر ہے۔ ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا علماء نے اس کی حدیث کو چھوڑ دیا وہ معارک بن عباد سے روایت کرتا تھا۔ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی احادیث منکر ہیں۔ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی حدیث کمزور ہے وہ عبداللہ بن سعید مقبری سے روایت کرتا ہے۔ یحییٰ بن سعید شیبانی نے ایک مجلس میں اس کی تکذیب کی۔ یحییٰ بن معین نے کہا وہ کچھ بھی نہیں اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔ جو آدمی جمعہ کی اذان سنے یا جو رات گھر آسکے یا مدینہ کے قریب بستیوں والے صحابہ کا حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنا یا اہل قباء کے مدینہ طیبہ میں نماز پڑھنا جس طرح ہم نے ذکر کیا یا ذوالحلیفہ کے مکینوں سے یہ استدلال کرنا کہ ان پر جمعہ کی نماز واجب ہے جائز نہیں کیونکہ یہ ان پر جمعہ کے واجب ہونے پر دلالت نہیں کرتیں کیونکہ ظاہر یہ ہے وہ حضور ﷺ کے ساتھ اس لئے جمعہ کی نماز پڑھتے تھے تاکہ فضیلت حاصل کرلیں نہ کہ اس وجہ سے پڑھتے تھے کہ ان پر جمعہ کی نماز واجب ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل قباء کے ایک آدمی سے جو روایت کی ہے جو وہ اپنے باپ سے نقل کرتا ہے جو صحابی تھا اس نے کہا ہمیں حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ہم قباء سے مدینہ طیبہ جمعہ میں حاضر ہوں (2) اس سند میں ایک مجہول راوی ہے۔

مسئلہ:۔ جب جمعہ کے روز عید آجائے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عید کی نماز میں حاضر ہونے نے ہم سے جمعہ کی نماز کو مؤخر کر دیا ہے۔ لوگ ظہر کی نماز پڑھیں گے۔ عطاء نے کہا جمعہ اور ظہر دونوں نمازیں ساقط ہو جائیں گی۔ عید کے بعد عصر کی نماز پڑھی جائے گی۔ زیادہ صحیح قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے فرمایا دیہاتیوں میں سے جو آدمی عید کی نماز میں حاضر ہو ان کے لئے جائز ہے کہ عید کے بعد وہ واپس چلا جائے اور جمعہ کی نماز چھوڑ دے مگر خانہ بدوشوں سے جمعہ ساقط نہیں ہوتا (انہیں دوبارہ جمعہ کے لئے آنا ہوگا)

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا عید کی وجہ سے جمعہ کی نماز ساقط نہیں ہوتی جس پر جمعہ واجب ہے اسے جمعہ ادا کرنا ہوگا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن ارقم کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا عیدون کے پہلے حصے میں ہے پھر آپ نے جمعہ میں رخصت دی پھر فرمایا جو چاہے وہ جمعہ پڑھے تاہم جمعہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع سے ثابت ہے۔ اس کو اخبار آحاد سے ساقط کرنا جائز نہیں تو پھر نفلی نماز فرضی نماز کے قائم مقام کیسے ہوسکتی ہے۔ اس بات میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے حضور ﷺ کے زمانے میں دو عیدیں جمع ہوگئیں آپ نے لوگوں کو عید پڑھائی پھر فرمایا جو جمعہ کی نماز میں آنا چاہے وہ آجائے اور جو نہ آنا چاہے وہ نہ آئے۔ اس کی سند میں مبدل بن علی ہے جو ضعیف ہے۔ ایک راوی قبازہ بن مغلس ہے یحییٰ بن معین نے کہا وہ کذاب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی کی مثل ہے اس کی سند میں بقیہ نامی راوی ہے جو مدلس

1۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 66 (وزارت تعلیم) 2۔ ایضاً (1) کتاب کا نام ہے مترجم۔

ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں حدیثوں کو روایت کیا ہے۔

مسئلہ:۔ جس آدمی پر جمعہ فرض ہو وہ سورج کے ڈھلنے کے بعد سفر کا ارادہ کرے تو اس کے لئے روانہ ہونا جائز نہیں ہاں اگر اسے راستہ میں جمعہ پڑھنا ممکن ہو تو ایسا کر سکتا ہے یا یہ خدشہ ہو کہ روانہ نہ ہونے کی صورت میں ساتھیوں سے پیچھے رہ جائے گا تاہم زوال سے پہلے اس کے لئے سفر پر روانہ ہونا جائز ہے یہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا نقطہ نظر ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مطلق جائز نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جہاد کا سفر ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ جو سفر کے جواز کے قائل نہیں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس نے جمعہ کے روز سفر کیا فرشتے اس کے لئے بددعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے سفر میں ساتھی نہ پائے، اس سند میں ابن لہیعہ ضعیف ہے۔ جو جہاد کے لئے سفر کو جائز سمجھتے ہیں انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ میں بھیجا۔ یہ سفر جمعہ کو ہوا تھا، ان کے ساتھی چلے گئے اور وہ خود نماز پڑھنے کے لئے پیچھے رہ گئے اور بعد میں ان سے جا ملنے کا ارادہ کیا۔ جب نماز جمعہ پڑھی تو حضور ﷺ نے فرمایا تم کیوں پیچھے رہ گئے؟ عرض کی میں نے ارادہ کیا کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ لوں اور بعد میں ان سے جا ملوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا زمین میں جو کچھ ہے اگر سب بھی خرچ کر دو تب بھی تم ان کے پہلے روانہ ہونے کے مقام کو نہ پہنچ سکو گے۔ اسے امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے معلل قرار دیا ہے کیونکہ یہ منقطع ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حجاج بن ارطاۃ منفرد ہے جو ضعیف ہے۔ جو جمعہ کے روز سفر کے جواز کے قائل ہیں انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے ابوداؤد نے مراسیل میں زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے جمعہ کے روز چاشت کے وقت سفر کا ارادہ کیا ان میں اس بارے میں کچھ کہا گیا۔ انہوں نے جواب دیا حضور ﷺ نے جمعہ کے روز سفر کیا تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جمعہ سفر سے نہیں روکتا۔ سعید بن منصور نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے روز سفر کیا، آپ نے نماز جمعہ کا انتظار نہ کیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا زوال کے بعد جمعہ واجب ہوتا ہے۔ نماز جمعہ کے واجب ہونے کے بعد سفر پر روانہ ہونا جائز نہیں اس سے قبل جائز ہے۔ اس پر زہری اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت دلالت کرتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ شہر خواہ بڑا ہی کیوں نہ ہو ایک سے زیادہ جگہ جمعہ جائز نہیں یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا۔ یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیمی قول بھی یہی ہے۔ اصحاب املاء نے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت کیا ہے کہ شہر میں زیادہ مقامات پر جمعہ کی نماز جائز نہیں ہاں اگر درمیان میں بڑی نہر ہو کہ وہ دو شہروں کی طرح ہو جائے اسی وجہ سے آپ یہ کہتے تھے کہ پل توڑ دیا جائے اگر نہ توڑا گیا تو جس حصہ میں جمعہ پہلے ادا کیا گیا وہ جمع ہو جائے گا اگر سب نے اکٹھے پڑھا تو دونوں فاسد ہوں گے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ بڑے شہر میں دو جگہ تو جمعہ پڑھا جا سکتا ہے تین جگہ نہیں پڑھا جا سکتا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب شہر بہت بڑا ہو، اس کے رہائشی زیادہ ہوں جس طرح بغداد ہے تو اس میں دو جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے اگر ایک سے زیادہ کی ضرورت نہ ہو تو پھر یہ جائز نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا بغداد اصل میں کئی دیہات تھے ہر دیہات میں جمعہ ہوتا تھا

پھر جب ان کی آبادی مل گئی تو جمعہ اپنی حالت پر باقی رہا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا راجح اور بعد والا قول یہ ہے کہ شہر جب بڑا ہو جائے اور ایک جگہ لوگوں کا جمع ہونا مشکل ہو تو دوسری جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے بلکہ ضرورت کے مطابق متعدد جمعے پڑھنے جائز ہیں۔ محمد بن حسن سے مروی ہے مطلقاً متعدد جگہ جمعے پڑھنا جائز ہے۔ اسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ایک شہر میں دو یا زیادہ مساجد میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ ابن امام رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اسی پر ہم عمل کرتے ہیں کیونکہ لَا جُمُعَةَ اِلَّافِيْ مِصْرٍ والا قول مطلق ہے جب شہر ہونے کی شرط متحقق ہوگئی تو اس کی ہر طرف میں بھی یہ شرط متحقق ہوگئی۔ جس میں زیادہ جگہ جمعہ پڑھنے کی ممانعت ہے اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ اسے جمعہ کہا گیا ہے کیونکہ یہ کئی جماعتوں کو جمع کرنے کا تقاضا کرتا ہے اس لئے جمعہ تمام کو جامع ہوگا۔ اثرم نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کیا ایک شہر میں دو جگہ جمعہ کی نماز پڑھی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ کسی نے ایسا کہا ہے۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا لوگوں نے اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا کہ حضور ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں صرف مسجد نبوی میں جمعہ کی نماز پڑھی گئی لوگوں نے جمعہ کے روز اپنی مساجد میں نماز نہ پڑھی بلکہ وہ ایک ہی مسجد میں جمع ہوئے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جمعہ دوسری تمام نمازوں سے مختلف ہے یہ نماز ایک ہی جگہ پڑھی جاتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ عطاء کے علاوہ بھی کسی نے شہر میں مختلف مقامات پر جمعہ کی ادائیگی کا قول کیا ہے۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ذکر کیا ہے کہ دور اسلام میں شہر میں قدیمی جمعہ کے علاوہ معتصم کے دور میں دار الخلافہ میں جمعہ پڑھا گیا، جبکہ جمعہ کے لئے مسجد نہ بنائی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلفاء مساجد میں لوگوں سے خوفزدہ تھے یہ (دوسواٹی) ہجری میں ہوا تھا پھر مکتفی کے دور میں ایک الگ جامع مسجد بنائی گئی جس میں لوگوں نے جمعہ کی نماز شروع کر دی۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ دمشق میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرات ابوموسیٰ اشعری، عمرو بن عاص اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کی طرف خطوط لکھے کہ وہ ایک جامع مسجد بنائیں اور قبائل کے لئے بھی الگ الگ مسجدیں بنائیں جب جمعہ کا روز ہو تو سب لوگ جامع مسجد میں جمع ہوں اور جمعہ کی نماز ادا کریں۔

فائدہ: ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب جمعہ کی شرائط لوگوں پر مشتبہ ہو جائیں تو لوگوں کے لئے مناسب ہے کہ وہ جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت ادا کریں۔ آدمی نیت یہ کرے کہ یہ ظہر کے آخری فرض ہیں جن کا وقت میں نے پایا اور اسے ادا نہیں کیا۔ اگر اس کا جمعہ صحیح نہیں ہوگا تو اس کے ظہر کے فرض ہو جائیں گے اگر جمعہ صحیح ہو گیا تو یہ چار رکعت نفل ہو جائیں گے۔

مسئلہ: جمعہ کے روز غسل کرنا سنت ہے۔ امام مالک اور داؤد رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ یہ واجب ہے کیونکہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بالغ پر جمعہ کے روز غسل کرنا واجب ہے، متفق علیہ (1)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کے روز آئے تو غسل کرے، متفق علیہ (2)۔ یہ حدیث مشہور ہے بلکہ متواتر ہے۔ ابوالقاسم بن مندہ نے ان راویوں کا شمار کیا جنہوں نے اسے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کیا ہے تو ان کی تعداد تین سو سے اوپر ہوگئی جنہوں نے اسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ان کی تعداد کو شمار کیا تو ان کی تعداد چودہ ہوگئی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ امر استحباب کے لئے ہے اور وجوب کا معنی سنت طریقہ پر اس کا لازم ہونا ہے

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 280 (قدیمی) 2۔ ایضاً، صفحہ 279

کیونکہ ایک قرینہ موجود ہے کہ یہ حکم ایسی چیز کے ساتھ ملا ہوا ہے جو واجب نہیں۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور حدیث ابو سعید سے مرفوع طریقہ پر مروی ہے۔ جمعہ کے روز ہر بالغ پر غسل کرنا، مسواک کرنا اور جو میسر ہو ایسی خوشبو لگانا واجب ہے(1)۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے لوگ خود اپنا کام کرتے تھے، وہ اسی حالت میں جمعہ کے لئے آجاتے تھے۔ انہیں کہا گیا کاش وہ غسل کر لیتے۔ غسل کے واجب نہ ہونے پر دلیل حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو سمرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے وضو کیا اس نے بھی اچھا کیا(2) جس نے غسل کیا اس نے بہت ہی اچھا کیا۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، اصحاب سنن اور ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث حسن ہے بعض نے اسے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے مرسل روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جس نے وضو کیا اور وضو کو اچھی طرح کیا پھر جمعہ کی نماز میں شامل ہوا اس نے خطبہ سنا اور خاموش رہا تو ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے(3) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ہفتہ سے تین دن زائد بھی روایت کئے ہیں۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ عدم وجوب والی احادیث وجوب والی حدیث جیسی قوی نہیں لیکن عدم وجوب پر صحابہ کا عمل اور اجماع امت یہ ثابت کرتا ہے کہ وجوب والی احادیث یا تو منسوخ ہیں یا ان میں تاویل کی گئی ہے۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ مہاجرین اولین میں سے ایک صحابی مسجد میں داخل ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے انہیں کہا یہ کونسا وقت ہے؟ اس صحابی نے جواب دیا میں کام میں مصروف تھا، میں گھر واپس نہیں لوٹا تھا کہ میں نے اذان کو سنا میں نے وضو کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا صرف وضو کیا، جبکہ تم جانتے ہو کہ حضور ﷺ جمعہ کے روز غسل کا حکم دیتے تھے(5)۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ صحابی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور کسی اور نے بھی غسل نہ کرنے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہ کہا اس سے پتہ چلتا ہے کہ غسل سنت ہے واجب نہیں۔ وہ احادیث جن سے غسل کے واجب ہونے کا استدلال کیا جاتا ہے ان میں تاویل کی گئی ہے وہ منسوخ نہیں ہیں اگر وہ منسوخ ہوتیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ نہ فرماتے کہ حضور ﷺ غسل کا حکم دیتے تھے کیونکہ منسوخ روایت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امر استحباب اور سنت کے لئے ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد چار چار نماز سنت ہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جمعہ کی نماز کے بعد چھ رکعتیں ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعتوں کے بارے میں کوئی خاص دلیل نہیں مگر عمومی دلیل ہے کہ حضور ﷺ سورج کے ڈھلنے کے بعد چار رکعات ادا فرماتے تھے فرماتے اس وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ میں پسند کرتا ہوں کہ ان میں میرا عمل صالح بلند ہو اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے نیز ظہر پر اسے قیاس کیا گیا ہے یہ درست ہے کہ حضور ﷺ ظہر سے پہلے چار اور صبح کی نماز سے پہلے دو رکعات نہیں چھوڑتے تھے(6) اسے امام بخاری، ابو داؤد اور

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 30 (صادر)　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 11　3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 283 (قدیمی)
4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 120 (قدیمی)　4۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 148 (صادر)　6۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 161 (د ت)

نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے جہاں تک جمعہ کی نماز کے بعد نماز کا تعلق ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک صحیح روایت ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے بعد نماز نہیں پڑھتے تھے، آپ تشریف لے جاتے اور گھر میں دو رکعت ادا فرماتے (1) اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ شیخین نے اپنی صحیحوں میں ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ میں ہوتے نماز جمعہ ادا فرماتے۔ آپ دو رکعت ادا کرتے پھر چار رکعت ادا فرماتے۔ جب مدینہ طیبہ میں ہوتے آپ جمعہ کی نماز ادا فرماتے پھر گھر لوٹ آتے تو دو رکعت ادا فرماتے تو آپ سے گزارش کی گئی تو آپ نے جواب دیا حضور ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ظاہر میں ہے کہ جمعہ کے بعد سنتیں چھ ہیں مگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے مکہ مکرمہ کے معمولات کو نہیں جانتے تھے جب آپ سفر کرتے، آپ مسجد میں نماز ادا فرماتے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہو جاتا تھا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کی نماز سے پہلے اور جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع میں یہی کہا ہے۔ ابن مبارک اور ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب تم میں سے کوئی جمع کی نماز پڑھے تو اس کے بعد چار رکعت پڑھے (2)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے جمعہ کے روز غسل کیا، مسواک کیا، خوشبو لگائی اگر اس کے پاس خوشبو ہو، اچھے کپڑے پہنے پھر گھر سے نکلا یہاں تک کہ مسجد میں آیا لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگیں پھر جتنی رکعتیں اللہ نے چاہا اتنی رکعتیں ادا کیں جب امام خطبہ دینے کے لئے آیا تو یہ خاموش رہا تو یہ عمل ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے لئے کفارہ ہو جائے گا (3) اسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا اور کہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تین دن زیادہ ذکر کئے ہیں (یعنی دس دن تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، جس نے کوئی نیکی کی اس کے لئے دس گنا اجر ہے (4) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے تاہم تین زائد دنوں کا ذکر نہیں کیا۔

اوس بن ابی اوس ثقفی سے مروی ہے، انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا جس نے جمعہ کے روز نہلایا (بیوی سے حقوق زوجیت ادا کئے) اور خود غسل کیا جمعہ کے لئے جلدی کی اور خطبہ میں بروقت پہنچ گیا قدموں پر چل کر مسجد گیا اور سواری پر سوار نہ ہوا، امام کے قریب جا کر بیٹھا، کوئی لغو کلام نہ کی اس کے لئے ہر قدم کے بدلہ میں سال بھر کے روزوں اور قیام کا اجر ہے۔ اسے امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہو تو مسجد کے ہر دروازے پر فرشتے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کے بیٹھنے کے اعتبار سے ان کے نام لکھتے ہیں جو پہلے آتا ہے اسے پہلے لکھا جاتا ہے۔ جب امام خطبہ دینے کے لئے باہر آ جاتا ہے تو صحیفے لپیٹ دیئے جاتے ہیں اور وہ

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 160 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 288 (قدیمی)
3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
4۔ صحیح ابن حبان، جلد 7، صفحہ 18 (مؤسسۃ الرسالۃ)

خطبہ سنتے ہیں نماز کے لئے سب سے پہلے آنے والا ایسے ہے جیسے کوئی اونٹ قربانی دے۔ اس کے بعد جو آتا ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی گائے قربانی دے۔ اس کے بعد جو آتا ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی مینڈھا قربانی دے یہاں تک کہ آپ نے مرغی اور انڈے کا ذکر کیا(1) اسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا، صحیحین میں روایت اسی طرح ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنوں میں سے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے ان میں سے بہترین دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔ اسی دن آپ کو جنت میں داخل کیا گیا۔ اسی دن آپ کو جنت سے نکالا گیا قیامت بھی اسی روز قائم کی جائے گی(2) اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ آپ سے ہی ایک اور روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے جس میں کوئی بھی مسلمان اللہ تعالیٰ سے خیر کو طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا کر دیتا ہے، متفق علیہ (3)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اضافہ کیا ہے یہ مختصر سی گھڑی ہے۔ شیخین کی روایت ہے کہ جمعہ میں ایک ایسی گھڑی ہے جسے مسلمان نماز پڑھتے ہوئے گزارتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس میں سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ وہ گھڑی امام کے منبر پر بیٹھنے اور نماز کے مکمل ہونے کے درمیان ہے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(4)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں طور کی طرف گیا وہاں کعب احبار سے ملا۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے تورات کی باتیں بتائیں میں نے اسے رسول اللہ ﷺ کی باتیں بتائیں میں نے اسے جو باتیں بتائیں ان میں یہ بھی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنوں میں جن پر سورج چمکتا ہے ان میں سے بہترین دن وہ ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی میں انہیں آسمان سے زمین پر اتارا گیا، اسی میں آپ کی توبہ قبول ہوئی، اسی میں آپ کا وصال ہوا، اسی میں قیامت برپا ہوگی۔ ہر جاندار جمعہ کی صبح کے وقت سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک قیامت کے ڈر سے چیختا چلاتا ہے مگر انسان اور جن ایسا نہیں کرتے اس میں ایسی گھڑی بھی ہے جسے ایک مسلمان اس حالت میں گزارے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھ رہا ہو اور اللہ تعالیٰ کے حضور سوال کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے۔ کعب نے کہا یہ سال میں ایک گھڑی ہے۔ میں نے کہا ہر جمعہ میں ایک گھڑی ہے۔ کعب نے تورات کو پڑھا تو اس نے کہا رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو ملا اور میں نے اسے کعب احبار کے ساتھ مجلس اور جمعہ کے روز کی فضیلت کے بارے میں ذکر کیا۔ میں نے یہ کہا تو کعب نے کہا یہ سال میں ایک گھڑی ہوتی ہے تو عبد اللہ بن سلام نے کہا کعب نے جھوٹ بولا ہے۔ میں نے کہا کہ کعب نے تورات پڑھی اور بتایا کہ یہ ہر جمعہ میں ایک گھڑی ہوتی ہے تو حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کعب نے سچ کہا پھر عبد اللہ بن سلام نے کہا میں جانتا ہوں کہ وہ گھڑی کونسی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے بتایئے مجھ پر بخل نہ کرنا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا یہ جمعہ کے روز کی آخری گھڑی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اسے کہا جمعہ کے روز آخری گھڑی کیسے ہوسکتی ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ مومن اسے نماز پڑھتے ہوئے گزارتا ہے، جبکہ جمعہ کی آخری گھڑی میں تو نماز نہیں پڑھی جاتی تو عبد اللہ بن سلام نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا جو آدمی نماز کے انتظار میں بیٹھتا ہے تو وہ نماز پڑھنے تک حالت نماز میں ہوتا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 282 (قدیمی) 3۔ ایضاً۔ 4۔ ایضاً۔

میں نے کہا کیوں نہیں یہ حضور ﷺ کا فرمان ہے تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا پس یہی مراد ہے۔ اسے (1) امام مالک، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

اوس بن ابی اوس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے دنوں میں سے بہترین دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی میں آپ کی روح قبض کی گئی، اسی میں نفخہ ہوگا۔ اسی میں صعقہ ہوگا۔ اس میں مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمارا درود کیسے آپ پر پیش کیا جائے گا، جبکہ آپ کا وصال ہو چکا ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو حرام کر دیا ہے (2) اسے ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ابولبابہ سے روایت ہے وہ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عید قربان اور عید فطر سے بھی عظیم ہے۔ اس کی پانچ خصوصیات ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس دن پیدا فرمایا، اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آسمان سے زمین کی طرف اتارا، اسی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی، روح قبض کی اسی میں ایک ایسی گھڑی ہے جس میں بندہ جو بھی سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے جب تک وہ حرام نہ ہو، اسی میں قیامت برپا ہوگی ہر مقرب فرشتہ، آسمان، زمین، ہوائیں، پہاڑ اور سمندر جمعہ کے دن سے ڈرتے ہیں (3) اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری صحابی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا، اس نے عرض کی ہمیں جمعہ کے فضائل میں سے بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس میں پانچ خصوصیات ہیں پھر تمام حدیث ذکر کی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت مروی ہے کہ سوال کیا گیا کس وجہ سے جمعہ کے دن کو جمعہ کہا گیا؟ فرمایا اسی دن تیرے باپ آدم کا خمیر تیار کیا گیا، اسی میں صور پھونکا جائے گا، اسی دن دوبارہ اٹھایا جائے گا، اسی میں پکڑ ہوگی۔ اس دن کے آخر میں تین ساعتیں ہیں جس میں ایک ساعت ایسی ہے اس میں جس نے جو بھی دعا کی اس کی دعا قبول ہوگی اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر جمعہ کے روز کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ یہ یوم مشہود ہے۔ اس روز ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور تم میں سے جو بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔ راوی فرماتے ہیں میں نے عرض کی کیا آپ کے وصال کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں، اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے، اسے رزق دیا جاتا ہے۔ اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان بھی جمعہ کے روز یا جمعہ کی رات فوت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبر کے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے (4) اسے امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند متصل نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن روشن دن ہے۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دعوات کبیر میں روایت کیا ہے۔

فائدہ:۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں جمعہ کی اس گھڑی کے بارے میں چالیس سے اوپر اقوال ذکر کئے ہیں۔ صاحب الحصن

1۔ موطا امام مالک، جلد 1، صفحہ 91 (وزارت تعلیم)
2۔ سنن ابن داؤد، جلد 1، صفحہ 150 (وزارت تعلیم)
3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 77 (وزارت تعلیم)
4۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 169 (صادر)

جزری نے ان میں سے اس قول کو پسند کیا ہے جسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ یہ امام کے باہر آنے اور نماز کے ختم ہونے کے درمیان کی گھڑی ہے(1) جبکہ اکثر علماء نے اس قول کو پسند فرمایا ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ جمعہ کی آخری ساعت ہے۔ اسی طرح امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عصر کے بعد آخری ساعتوں میں اسے تلاش کرو۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور ﷺ اس ساعت کو جانتے تھے پھر اسے بھلا دیا گیا جس طرح لیلۃ القدر آپ کو بھلا دی گئی۔ اسے ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا مجھے اس کا علم تھا پھر مجھے یہ بھلا دی گئی جس طرح مجھے لیلۃ القدر بھلا دی گئی۔ اثرم نے کہا یہ احادیث دو وجوہ میں سے ایک سے خالی نہیں یا تو ان میں سے بعض بعض سے زیادہ صحیح ہیں یا یہ گھڑی مذکورہ اوقات میں اسی طرح منتقل ہوتی رہتی ہے جس طرح لیلۃ القدر آخری دس راتوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔

میں کہتا ہوں حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں تطبیق دینا ممکن ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن سلام تورات کے حکم کو بیان کر رہے تھے، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں نماز جمعہ نہیں پڑھی جاتی تھی بلکہ وہ تو ہفتہ کے دن کو عظیم جانتے تھے، اسی میں وہ عبادت کرتے تھے۔ جب کسی دیہات اور جنگل بیابان میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تو ان کے حق میں وہ جمعہ کی آخری گھڑی ہوگی اور جہاں جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے تو ان کے حق میں وہ گھڑی نماز کی گھڑی ہوگی جس پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ ان دو قولوں کے علاوہ کوئی اور ایسا قول نہیں جس کی ایسی سند ہو جس پر اعتماد کیا جا سکے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ پڑھتے اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقین پڑھتے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(2) نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ عیدین اور جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلی اور ھل اتک حدیث الغاشیہ پڑھتے۔ بعض اوقات یہ دونوں (عید، جمعہ) ایک ہی دن ہو جاتے تو آپ ان دونوں میں بھی پڑھتے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(3) ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں سمرہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نماز جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلی اور ھل اتک حدیث الغاشیہ پڑھتے(4)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ نعمان بن بشیر سے سوال کیا گیا کہ حضور ﷺ سورۂ جمعہ کے بعد کوئی سورت پڑھتے تھے تو انہوں نے جواب دیا وہ ھل اتک حدیث الغاشیہ پڑھتے۔ ابوسعید سے مرفوع روایت مروی ہے جس نے جمعہ کے روز سورۂ کہف کی تلاوت کی اس کے لئے دونوں جمعوں کے درمیان ایک روشن نور ہوگا۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث اس کی شاہد موجود ہے۔

فصل:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے کہ جمعہ کے روز کوئی آدمی دوسرے شخص کو اٹھا کر خود نہ بیٹھے بلکہ اسے کہے کھل جاؤ(5) اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ارقم بن ارقم سے ایک مرفوع روایت مروی ہے کہ جو آدمی جمعہ کے

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 281 (قدیمی) 2۔ ایضاً، صفحہ 287 3۔ ایضاً، صفحہ 288

4۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 160 (وزارت تعلیم) 5۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 268 (التراث الاسلامی)

روز لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے اور امام کے نکلنے کے بعد دو آدمیوں کے درمیان جا بیٹھتا ہے تو پڑوسی کو دور کرنے والے کی طرح ہے۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس نے لغو بات کی اور اس نے لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا تو اس کے لئے ظہر کی نماز ہوگی۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے (1)۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾

"پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے [1] اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتے رہا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ [2]"

[1] جب نماز جمعہ ادا کر دی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔ فضل سے مراد رزق ہے۔ نماز کی وجہ سے پہلے تلاش رزق سے منع کیا اب تلاش رزق کا حکم دیا مراد اباحت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر چاہے تو باہر نکل جا اگر چاہے تو بیٹھا رہ اگر چاہے تو عصر تک نماز پڑھتا رہ۔ ایک قول یہ کیا گیا زمین میں پھیل جانے کا حکم دنیا کی طلب کے لئے نہیں ہے بلکہ مریض کی عیادت، جنازہ میں حاضر ہونے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بھائی کی ملاقات کے لئے جانا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف روایت نقل کی ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت حسن بصری، سعید بن جبیر اور مکحول رضی اللہ عنہم نے کہا وابتغوا من فضل اللہ سے مراد طلب علم ہے۔ ان تمام اقوال کی بناء پر امر استحباب کے لئے ہے۔

[2] تمام حالات میں اللہ کا ذکر کرو نماز کے ساتھ ہی اس کے ذکر کو خاص نہ کرو۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو آدمی بازار میں داخل ہوا اور اس نے یہ کلمات زبان سے ادا کئے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اللہ تعالیٰ اس کی دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے اور دس لاکھ خطائیں مٹا دیتا ہے اور دس لاکھ درجے بلند کر دیتا ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (2) اور کہا یہ روایت غریب ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر ازہر بن سنان کے بارے میں اختلاف ہے۔

حضرت عصمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب عمل اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے قبیح عمل تحریف ہے۔ ہم نے کہا اس کی تسبیح سے کیا مراد ہے؟ فرمایا لوگ باتیں کر رہے ہوں گے اور ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہا ہوگا ہم نے عرض کی تحریف سے کیا مراد ہے؟ فرمایا لوگ آسودہ ہوتے ہیں تو ان کا پڑوسی اور ساتھی ان سے کوئی چیز مانگتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں ہم بری حالت میں ہیں۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

شیخین نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جمعہ کے دن نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک تجارتی قافلہ آ گیا۔ صحابہ اس قافلہ کی طرف نکل پڑے یہاں تک کہ صرف بارہ صحابہ رہ گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت مروی ہے جسے کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ مسجد میں صرف آٹھ آدمی رہ گئے (3) تھے ابن عوانہ کی صحیح میں یہ روایت موجود

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 169 (الرشد) 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 180 (وزارت تعلیم) 3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 284 (قدیمی)

ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی ان میں سے ایک تھا جو مسجد میں موجود رہے تھے۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں صرف چالیس آدمی رہ گئے تھے، اس کی سند ضعیف ہے۔ علی بن عاصم اس کو روایت کرنے میں اکیلا ہے۔ حصین کے اصحاب نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ عقیلی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے اور یہ الفاظ زائد ذکر کئے ہیں۔ باقی رہنے والوں میں سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت ابوعبیدہ یا حضرت عمار رضی اللہ عنہم تھے۔ اسد بن عمر راوی کو شک ہوا ہے حضرت بلال اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم تھے یہ کل گیارہ افراد ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بارہویں بنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا۔

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١﴾

''اور (بعض لوگوں نے) جب دیکھا کسی تجارت یا تماشا کو تو بکھر گئے اس کی طرف[1] اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا[2] (اے حبیب! انہیں) فرمائیے کہ جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں لہو اور تجارت سے اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے[3]''

[1] انفضوا یعنی بکھر جاتے ہیں۔ اس جملہ شرطیہ کا عطف سابقہ جملہ شرطیہ پر ہے۔ اس کلام میں غائب کے صیغہ سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔ ضمیر واحد ذکر کی جو تجارت کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ اصل مقصود یہی ہے کیونکہ یہاں لہو سے مراد وہ طبل ہے جو قافلہ کی آمد پر بجایا جاتا تھا۔ یہاں حرف او ذکر کیا مقصود اس امر پر دلالت کرنا ہے کہ بعض لوگ محض طبل سننے اور قافلہ دیکھنے کے لئے چلے گئے تھے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب لوگ شادیاں کرتے تو عورتیں باجے بجاتیں۔ لوگ حضور ﷺ کو منبر پر کھڑے چھوڑ جاتے اور انہیں دیکھنے کے لئے چلے جاتے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ صاحب لباب النقول نے کہا گویا یہ آیت دونوں امروں کے بارے میں اکٹھے نازل ہوئی پھر میں نے ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نکاح کا قصہ اور قافلہ کے آنے کا ایک ہی سند سے ذکر کیا ہے پس ثابت ہوا کہ یہ آیت دونوں معاملات کے بارے میں نازل ہوئی، فللّٰہ الحمد۔ اس توجیہ کی صورت میں مفرد ضمیر تجارت کی طرف لوٹے گی اور اس امر پر دلالت کرے گی کہ تجارت کی ضرورت اور اس سے نفع حاصل کرنے کے باوجود جب حضور ﷺ کو چھوڑ کر اس کی طرف جانا مذموم ہے تو لہو کی طرف جانا بدرجہ اولیٰ مذموم ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کی تقدیر کلام یہ ہے: اِذَا رَاَوْا تِجَارَةَ نِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَاِذَا رَاَوْا لَهْوَا نِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا جب وہ تجارت کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف چلے جاتے ہیں اور جب کھیل کود کو دیکھتے ہیں تو اس طرف چلے جاتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اہل مدینہ کو قحط نے آلیا تھا بھاؤ بڑھ گئے تھے دحیہ بن خلیفہ شام سے تیل وغیرہ سامان لائے جبکہ حضور ﷺ جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، جب انہوں نے دحیہ کو دیکھا تو صحابہ بقیع میں اس کے پاس پہنچ گئے۔ انہیں ڈر ہوا کہ کہیں لوگ ان سے پہلے وہاں پہنچ جائیں تو نبی کریم ﷺ کے پاس صرف چند افراد رہ گئے۔ ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے تو یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری

جان ہے اگر تم سب چلے جاتے تو سب آگ سے ہلاک ہو جاتے۔

مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسی اثناء میں کہ حضور ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے کہ دحیہ بن خلیفہ کلبی شام سے سامان تجارت لے کر آ گیا جب وہ سامان تجارت لاتا تو کوئی عورت بھی ایسی نہ ہوتی جو نہ آتی کیونکہ جب وہ آتا تو ضرورت کی ہر چیز یعنی گندم آٹا وغیرہ لاتا تو وہ احجار زیت کے پاس فروکش ہوتا۔ یہ مدینہ کی منڈی کا مکان ہے پھر طبل بجایا جاتا تا کہ لوگوں کو آنے کی خبر دے۔ لوگ سامان خریدنے کے لئے اس کے پاس پہنچ جاتے۔ ایک دفعہ وہ جمعہ کے دن آ گیا۔ یہ واقعہ اس کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے، جبکہ حضور ﷺ منبر پر کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ لوگ دحیہ کلبی کے پاس جانے کے لئے مسجد سے نکل گئے اور مسجد میں بارہ مرد اور ایک عورت رہ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسجد میں کتنے آدمی باقی رہ گئے؟ لوگوں نے بتایا بارہ مرد اور ایک عورت تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو جانے والوں کے لئے آسمان سے معین پتھر برسا دیئے جاتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ یہاں لھو سے مراد طبل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا جب قافلہ مدینہ طیبہ آتا تو لوگ طبل اور تالیاں بجا کر اس کا استقبال کرتے تھے۔ لوگ آپ کو خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ جاتے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں اسی طرح تصریح کی ہے کہ وہ اس وقت نکل گئے تھے جب حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اس آدمی کی روایت پر ترجیح دی ہے جس نے یہ روایت کی وھو یصلی آپ ان دونوں میں یہ تطبیق دیتے ہیں کہ جس نے وھو یصلی کی روایت کی ہے اس نے بھی یصلی کو یخطب کے معنی میں مجاز آلیا ہے۔ اس ضمن میں کعب بن عجرہ کی حدیث گزر چکی ہے۔

علقمہ نے کہا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا حضور ﷺ بیٹھے ہوئے تھے یا کھڑے تھے تو آپ نے فرمایا کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتے تَرَكُوكَ قَآئِمًا لوگوں کا خطبہ کی حالت میں چلے جانا اور صرف بارہ افراد کا رہ جانا اس امر پر دلیل ہے کہ چالیس سے کم افراد کے ساتھ بھی جمعہ ہو سکتا ہے۔ یہ احتمال کہ حضور ﷺ نے انہیں جمعہ کی نماز نہیں پڑھائی اور انہیں ظہر کی نماز پڑھائی یا جانے کے بعد وہ واپس آ گئے تھے یا ان کے علاوہ لوگ جمع ہو گئے تھے اور آپ نے انہیں نماز جمعہ پڑھائی تھی سیاق کلام اس کا تقاضا نہیں کرتا اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل موجود ہے۔ اگر ان میں سے کوئی احتمال بھی ہوتا تو ضرور نقل کیا جاتا۔ ساتھ ہی ساتھ اس قصہ میں ایسی بھی کوئی دلیل نہیں کہ جمعہ کے لئے بارہ آدمیوں کا ہونا ضروری ہے جس طرح بعض علماء کا قول ہے جس پر اسعد بن زرارہ کے اس قصہ میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ حضور ﷺ نے پہلا جمعہ چالیس آدمیوں کو پڑھایا تھا اس لئے چالیس آدمیوں کا ہونا شرط ہے۔ نہ ہی اس امر پر کوئی دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے بنی عمرو بن عوف میں پہلا جمعہ ایک سو افراد کو پڑھایا تھا اس لئے جمعہ کے لئے سو آدمی شرط ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ اگر امام نے جمعہ کی نماز اتنے افراد کے ساتھ شروع کی جتنے افراد کے ساتھ مختلف اقوال کے مطابق جمعہ منعقد ہوتا ہے ان میں سے ایک آدمی چلا جاتا ہے اور وہ تعداد باقی نہیں رہتی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ اگر پہلی رکعت میں سجدہ سے پہلے وہ آدمی چلا گیا تو جمعہ کی نماز باطل ہو جائے گی اور وہ ظہر کی نماز نئے سرے سے شروع کرے گا۔ اگر وہ سجدہ کے بعد جاتا ہے تو جمعہ کی نماز مکمل کرے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر پہلی رکعت کے مکمل ہونے کے بعد وہ جاتا ہے تو پھر جمعہ کی نماز مکمل کرے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر تکبیر تحریمہ کے بعد بھاگ جاتا ہے تو نماز مکمل کرے گا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح ترین قول یہ ہے کہ نماز کے مکمل ہونے تک چالیس افراد کا ہونا شرط ہے جس طرح نماز کے مکمل ہونے کے لئے وقت کا ہونا شرط ہے۔ اگر امام کے سلام

پھیرنے سے پہلے بھی ایک آدمی کم ہو گیا تو سب لوگ ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ بھی ہے اگر اس کے ساتھ دو آدمی بھی رہ گئے تو وہ جمعہ کی نماز مکمل کرے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ بھی ہے اگر امام کے ساتھ ایک آدمی بھی باقی رہا تب بھی جمعہ کی نماز مکمل کرے گا۔ مزنی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے اگر لوگ اس وقت گئے جب امام ایک رکعت پڑھا چکا تھا تو امام جمعہ کی نماز مکمل کرے گا اگر چہ امام کے ساتھ کوئی بھی باقی نہ رہے۔ اگر امام ابھی پہلی رکعت میں ہو تو چالیس میں سے ایک بھی آدمی کم ہو گیا تو امام چار رکعت مکمل کرے گا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر لوگ قعدہ سے پہلے بھاگ گئے تو جمعہ کی نماز باطل ہو جائے گی اور وہ نئے سرے سے ظہر کی نماز پڑھے گا۔

مسئلہ:۔ جب مسبوق نے امام کے ساتھ نماز کا کوئی حصہ بھی پا لیا خواہ اس نے قعدہ پایا ہو یا سجدہ سہو پایا ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر اس نے ایک مکمل رکعت پالی تو اس نے جمعہ پالیا اور وہ جمعہ کی نماز مکمل کرے۔ اگر اس نے رکعت سے کم جمعہ کا حصہ پایا تو وہ ظہر کی نماز مکمل کرے۔ طاؤس نے کہا جب تک اس نے دونوں خطبے نہیں پائے اس نے جمعہ کو نہ پایا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ سے مراد نماز اور حضور ﷺ کے پاس رہنے کا ثواب ہے، یعنی یہ ثواب لہو ولعب اور تجارت سے بہتر ہے کیونکہ وہ یقینی اور قوی ہے، جبکہ جس نفع کا وہ خیال رکھتے ہیں وہ اس طرح نہیں اللہ تعالیٰ بہترین رازق ہے کیونکہ وہی رزق واجب کرتا ہے اس لئے اسی سے سوال کرو اور اسی سے رزق طلب کرو۔

مسئلہ:۔ رزق کی طلب میں اچھا انداز اور میانہ روی مستحب ہے، جبکہ لالچ اور مال کی محبت مکروہ ہے۔ ابو حمید ساعدی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا کی طلب میں اچھا انداز اپناؤ کیونکہ تمہیں وہی کچھ عطا کیا جاتا ہے جو اس کے حق میں لکھا ہوتا ہے (1) اسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ ابن شیخ اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی کی مثل روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے لوگو غناء، مال کی زیادتی کی وجہ سے نہیں بلکہ غناء، نفس کے غناء کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو وہی کچھ عطا فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں لکھا ہوتا ہے اس لئے طلب میں خوبصورت انداز اپناؤ جو چیز حلال ہے اسے لے لو اور جو چیز حرام ہے اسے چھوڑ دو (2) اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اس کی سند حسن ہے، اس کا پہلا حصہ متفق علیہ ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رزق بندے کو اسی طرح تلاش کرتا ہے جس طرح موت بندے کو تلاش کرتی ہے (3) اسے ابن حبان، بزار اور طبرانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں رزق انسان کو اس سے زیادہ تلاش کرتا ہے جتنا انسان رزق کو تلاش کرتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی آدمی رزق سے فرار اختیار کرتا ہے تو رزق اسے تلاش کر ہی لیتا ہے جس طرح انسان رزق کو تلاش کر لیتا ہے۔ اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط اور صغیر میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا بہترین ذکر ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو ضروریات کے

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 3 (تصویر بیروت)
2۔ مجمع الزوائد، جلد 4، صفحہ 70 (القدسی)، سنن کبریٰ از بیہقی، جلد 5، صفحہ 265 (الفکر)
3۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، صفحہ 136 (الفکر)

لئے کافی ہو(1) اسے ابوعوانہ اور ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اس حال میں صبح کرے کہ اس کا مقصود دنیا ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے کوئی حصہ نہیں۔ جو مسلمانوں کا خیال نہ رکھے وہ مسلمانوں میں سے نہیں۔ جو خوشی سے اپنے لئے ذلت کو قبول کر لے، جبکہ اسے مجبور نہ کیا گیا ہو تو اس کا بھی ہم سے کوئی تعلق نہیں(2) اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ کعب بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو بھوکے بھیڑیے جنہیں ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے وہ اتنا نقصان نہیں کرتے جتنا نقصان مال کا لالچ کرنے والا اور بے جا خرچ کرنے والا (اپنا) کرتا ہے(3) اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے نیز ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے میں بے نفع علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور ایسے دل سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس میں خشوع نہیں اور ایسے نفس سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو سیر نہیں ہوتا اور ایسی دعا سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو قبول نہیں ہوتی(4) اسے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ یہ امام مسلم اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک زید بن ارقم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی انسان کے پاس مال (جانور) کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرتا ہے اور ابن آدم کا پیٹ مٹی ہی بھرتی ہے اور جو انسان توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

1۔ صحیح ابن حبان، جلد 3، صفحہ 91 (مؤسسۃ الرسالۃ)
2۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 433 (الفکر)
3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 456 (صادر)
4۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 350 (قدیمی)

سورۃ المنافقون

آیاتہا ۱۱ سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِیَّۃٌ ۶۳ رکوعاتہا ۲

سورۃ المنافقون مدنی ہے، اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا میں نے عبداللہ بن ابی کو یہ کہتے ہوئے سنا جو لوگ حضور ﷺ کے ساتھ ہیں ان پر خرچ نہ کرو تا کہ وہ آپ کے پاس سے چلے جائیں۔ اگر ہم مدینہ لوٹے تو غالب ذلیل کو شہر سے نکال دے گا۔ میں نے یہ بات اپنے چچا کو بتائی۔ میرے چچا نے حضور ﷺ کو بتائی۔ حضور ﷺ نے مجھے بلایا میں نے سب کچھ آپ کو بتا دیا۔ حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلا بھیجا۔ انہوں نے قسمیں اٹھا دیں کہ انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ حضور ﷺ نے مجھے جھوٹا قرار دیا۔ اور اسے سچا قرار دیا مجھے ایسی پریشانی لاحق ہوئی جیسی اس سے قبل پریشانی نہ ہوئی تھی۔ میرے چچا نے کہا میں نے تجھے جھٹلانے کا کوئی ارادہ نہیں کیا تھا مگر حضور ﷺ نے تجھے جھٹلایا ہے اور تجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ حضور ﷺ نے بلا بھیجا اور ان آیات کی تلاوت کی(1) پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کی ہے۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ کو خبر پہنچی کہ بنو مصطلق جنگ کے لئے اکٹھے ہو رہے ہیں جن کا سردار حارث بن ضرار ہے جو جویریہ کا باپ ہے، وہ جویریہ رضی اللہ عنہا جو حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ جب حضور ﷺ نے یہ سنا تو آپ ﷺ نے زید بن حارثہ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب بنایا یہ محمد بن عمرو اور ابن سعد رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت ہے، جبکہ ابن ہشام نے کہا وہ ابوذر غفاری تھے۔ حضور ﷺ اس مہم کے لئے نکل پڑے۔ آپ نے مسلمانوں کی قیادت کی۔ اس لشکر میں تیس گھوڑے تھے، ان میں سے دس مہاجرین کے، دو حضور ﷺ کے تھے۔ حضور ﷺ کے ساتھ منافقوں کی بہت بڑی جماعت تھی تاکہ وہ بھی دنیا کا مال و متاع حاصل کریں۔ حضور ﷺ بنی مصطلق کو ایک چشمہ پر ملے جسے مریسیع کہا جاتا تھا، یہ قدید سے ساحل کی طرف تھا۔ حارث نے جنگ کی تیاری کر رکھی تھی حضور ﷺ نے صف بندی کی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے حکم کے مطابق لوگوں میں یہ اعلان کیا لا الہ الا اللہ کہو اس کے ساتھ اپنی جانیں اور مال محفوظ کر لو مگر لشکریوں نے تیر اندازی شروع کر دی، ایک دوسرے سے برسر پیکار ہو گئے اور قتل کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور بنی مصطلق میں سے کچھ لوگ قتل ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کے بچوں، عورتوں اور اموال کو وہاں سے منتقل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ مال غنیمت عطا فرمایا ابھی لوگ اسی چشمہ پر موجود تھے کہ لوگوں کو ایک مصیبت نے آلیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بنی غفار کا ایک مزدور تھا جسے جہجاہ بن

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 728 (وزارت تعلیم)

سعید غفاری کہتے، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گھوڑا پکڑ کر چلتا تھا جہجاہ اور سنان بن وبرہ جہنی جو بنی عوف کا حلیف تھا کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ یہ دونوں آپس میں لڑ پڑے جہجاہ نے سنان کو مارا جس کے باعث سنان کا خون بہنے لگا۔ جہنی نے انصار کو مدد کے لئے پکارا، جبکہ غفاری نے مہاجرین کو مدد کے لئے پکارا۔ ایک مہاجر نے جہجاہ کی مدد کی جسے جعال کہتے تھے۔ دونوں طرف سے جماعتیں جمع ہو گئیں، اسلحہ سونت لیا گیا۔ قریب تھا کہ بہت بڑا فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا حضور ﷺ باہر تشریف لائے فرمایا یہ جاہلیت کا شور وغل کیسا ہے آپ کو صورتحال سے آگاہ کیا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا رہنے دو یہ شرع میں ناپسندیدہ بات ہے پس ہر انسان اپنے بھائی کی مدد کرے وہ ظالم ہو یا مظلوم اگر اس کا بھائی ظالم ہو تو اسے ظلم سے روک دے اگر وہ مظلوم ہو تو ویسے اس کی مدد کرے پھر مہاجرین کی ایک جماعت نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور دوسرے انصار سے گفتگو کی۔ انہوں نے پھر سنان سے گفتگو کی تو اس نے اپنا حق چھوڑ دیا۔ عبداللہ بن ابی بیٹھا ہوا تھا، جبکہ اس کے پاس دس منافق بھی تھے جیسے مالک، سوید، داعس، اوس بن قیظی، زید بن ملت، عبداللہ بن نبیل اور معتب بن قشیر اسی جماعت میں زید بن ارقم بھی تھے جن کی عمر چھوٹی تھی۔ ابن ابی نے کہا اب انہوں نے یہ جرات کی کہ ہم سے مقابلہ کرتے ہیں اور ہم پر فخر کرتے ہیں اللہ کی قسم ہماری اور ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی نے کہا اپنے کتے کو خوب موٹا تازہ کرتا کہ تجھے کھا جائے اللہ کی قسم اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے تو عزت والا ذلیل کو نکال دے گا۔ عزت والے سے مراد اس کی اپنی ذات اور ذلیل سے مراد حضور ﷺ کی ذات تھی۔ پھر وہ اپنی قوم کے افراد کی طرف متوجہ ہوا یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے، تم نے انہیں اپنے شہروں میں عزت دی، تم نے انہیں اپنے مال دیے اللہ کی قسم اگر تم اپنا بچا ہوا کھانا آج بھی جعال جیسے لوگوں کو دینا چھوڑ دو تو وہ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہوں اور تمہارا شہر چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں، تم ان پر اپنے مال خرچ نہ کیا کرو یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ کے پاس سے چلے جائیں۔ زید بن ارقم نے کہا اللہ کی قسم تو ذلیل اور بے یار و مددگار ہے اور اپنی قوم کا مبغوض آدمی ہے، جبکہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت اور مسلمانوں کی طرف سے محبت حاصل ہے۔ عبداللہ بن ابی نے کہا خاموش ہو جا میں تو مذاق کر رہا تھا۔ زید بن ارقم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے اس کی بات کو ناپسند کیا اور آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے بچے شائد تمہیں غلطی لگی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کی نہیں اللہ کی قسم یا رسول اللہ (میں نے خود سنا) حضور ﷺ نے فرمایا شائد تجھے شبہ ہوا، اس نے عرض کی نہیں اللہ کی قسم (میں نے خود سنا) ابن ابی کی بات پورے لشکر میں پھیل گئی اور ابن ابی کے علاوہ لوگوں میں کوئی بات نہ تھی۔ انصار میں سے ایک جماعت حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ملامت کرنے لگی اور کہتے تو نے اپنے سردار پر ایسی بات کا الزام لگایا جو اس نے نہ کہی تھی تو نے ظلم کیا اور رشتہ داری کو توڑا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم جو کچھ میں نے کہا وہ میں نے سنا۔ اللہ کی قسم عبداللہ بن ابی سے بڑھ کر میرے باپ کو کوئی محبوب نہ تھا اگر میں یہ بات اپنے والد سے سنتا تو تب بھی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں کرتا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر ایسا حکم نازل فرمائے گا جو میری بات کی تصدیق فرمائے گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر قلم کر دوں۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں عباد بن بشیر یا محمد بن مسلمہ کو حکم دیں کہ اس کا سر آپ کے پاس لے آئیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عمر یہ کیسے ہو سکتا ہے پھر لوگ یہ باتیں کریں گے کہ محمد نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے بلکہ آپ نے وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ حکم اس وقت تھا جب رسول اللہ ﷺ کوچ کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے کیونکہ اس وقت سخت گرمی تھی جب تک ٹھنڈ نہ ہو جاتی آپ روانہ نہ

ہوتے تھے۔ لشکر کو بھی کچھ محسوس نہ ہوا انہیں بھی اس وقت پتہ چلا جب رسول اللہ ﷺ اپنی قصوی اونٹنی پر سامنے آ گئے، لوگ بھی چل پڑے۔ حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا بھیجا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا تو نے وہ گفتگو کی ہے جو مجھ تک پہنچی ہے۔ عبداللہ بن ابی نے کہا مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ پر کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی بے شک زید جھوٹا ہے۔ عبداللہ بن ابی کو اپنے خاندان میں بڑی وجاہت حاصل تھی۔ انصاری صحابہ میں سے جو حاضر تھے انہوں نے بھی عرض کیا ممکن ہے بچے کو بات میں وہم ہوا ہو۔ جو ابن ابی نے بات کہی وہ اسے یاد نہ رہی ہو۔ نبی کریم ﷺ نے اس کا عذر تسلیم کر لیا۔ انصاری صحابہ نے زید کو عموماً ملامت کی اور اسے جھٹلایا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے چچا نے کہا، جبکہ زید انہیں کے ساتھ ہوتے تھے میں نے تو تیری تکذیب کا کوئی ارادہ نہ کیا تھا یہ تو رسول اللہ اور دوسرے صحابہ نے تجھے جھٹلا دیا اور تجھ پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ حضرت زید حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ چلتے اس واقعہ کے بعد وہ حضور ﷺ کے قریب ہونے سے حیاء کرنے لگے۔ جب حضور ﷺ روانہ ہو گئے تو سب سے پہلے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپ کو ملے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ آپ کو ملے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے عرض کی: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ حضور ﷺ نے فرمایا وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ایسے وقت کوچ کیا جس وقت آپ پہلے کوچ نہیں کرتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کیا تجھے وہ بات نہیں پہنچی جو تمہارے ساتھی نے کہی۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کونسا ساتھی؟ فرمایا ابن ابی وہ یہ گمان رکھتا ہے کہ اگر وہ مدینہ پہنچ گیا تو عزت والا ذلت والے کو مدینہ طیبہ سے نکال دے گا۔ اس نے عرض کی اگر آپ پسند کریں گے تو آپ اسے نکالیں گے کیونکہ وہ ذلیل ہے اور آپ عزت والے ہیں کیونکہ عزت تو اللہ تعالیٰ کے لئے، آپ کے لئے اور مومنوں کے لئے ہے۔ پھر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کے ساتھ نرمی کیجئے اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت مدینہ لایا، جبکہ اس کی قوم اس کے لئے ہار بنا رہی تھی ہار میں صرف ایک پوتھی رہ گئی تھی جو یوشع یہودی کے پاس تھی کیونکہ یوشع کو ان کی ضرورت کا علم تھا اس لئے اس نے ان سے زیادہ قیمت وصول کی۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ آپ کو یہاں لے آیا۔ عبداللہ بن ابی کا یہ خیال ہے کہ آپ نے ہی اس کی بادشاہی کو چھینا ہے۔ عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ (جو مخلص مومن تھے) کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خبر پہنچی تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ عبداللہ بن ابی کو اس بات کی وجہ سے قتل کرنا چاہتے ہیں جو اس کی طرف سے آپ ﷺ کو پہنچی ہے تو مجھے اس بات کا حکم دیجئے اللہ کی قسم میں اس کا سر آپ ﷺ کی اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے آپ کی خدمت میں پیش کروں گا اللہ کی قسم تمام خزرج جانتے ہیں کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی بھی اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا نہیں یا رسول اللہ ﷺ مجھے خوف لاحق ہے اگر آپ ﷺ میرے بغیر کسی کو عبداللہ بن ابی کو قتل کرنے کا کہیں گے اور وہ اسے قتل کر دے گا تو میرا نفس مجھے اس بات کی اجازت نہیں دے گا کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو زمین پر چلتا ہوا دیکھ سکوں تو میں اسے قتل کر دوں گا تو میں کافر کے بدلہ میں ایک مومن کو قتل کر دوں گا اور جہنم میں داخل ہو جاؤں گا، جبکہ آپ ﷺ کی معافی افضل اور عظیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ میں نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا اور نہ ہی میں نے اس کے قتل کا حکم دیا ہے جو ہمارے درمیان رہتا ہے ہم اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس علاقہ کے لوگوں نے اتفاق کر لیا تھا کہ وہ عبداللہ بن ابی کو اپنا

بادشاہ بناتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ آپ کو یہاں لے آیا اللہ تعالیٰ نے اسے پست کر دیا اور ہمیں آپ کے ذریعے بلند کر دیا۔ اس کے ساتھ اب بھی ایک جماعت ہے جو اس کے ارد گرد رہتی ہے جو گزشتہ باتیں ذکر کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے غلبہ پا لیا ہے پھر حضور ﷺ لوگوں کو ساتھ لے کر سارا دن چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ ساری رات چلتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ آپ دن کا پہلا حصہ بھی چلتے رہے یہاں تک کہ سورج کی تپش لوگوں کو تکلیف دینے لگی پھر آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ اتر پڑے۔ ابھی لوگوں نے زمین کو چھوا ہی تھا کہ سب سو گئے۔ حضور ﷺ نے یہ اس لئے کیا تھا تا کہ لوگوں کی توجہ اس بات سے ہٹا دیں جو عبداللہ بن ابی نے کہی تھی پھر حضور ﷺ چلے یہاں تک کہ آپ حجاز کے چشمہ بقعاء پر اترے جو نقیع سے بالائی جانب ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن عبداللہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو سخت آندھی چلی قریب تھا کہ سوار کو دفن کر دیتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک منافق کی موت کی وجہ سے آندھی چلی ہے۔ جب ہم مدینہ طیبہ آئے تو وہاں ایک بڑا منافق مر چکا تھا محمد بن عمرو نے کہا جب سخت آندھی نے صحابہ کو آ لیا تو انہوں نے کہا یہ آندھی کسی عظیم واقعہ کی وجہ سے چلی ہے جو مدینہ طیبہ میں واقع ہوا ہے۔ مدینہ طیبہ میں صحابہ کی بیویاں اور بچے تھے، جبکہ حضور ﷺ اور عیینہ بن حصین کے درمیان ایک معاہدہ تھا اس کی مدت ختم ہو چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں تم پر کوئی آفت نہیں آئی ہر راستہ پر ایک فرشتہ نگہبانی کر رہا ہے جب تک تم مدینہ طیبہ نہیں پہنچ جاؤ گے اس وقت تک دشمن مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا بلکہ بات یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک بڑا منافق فوت ہو گیا ہے، اسی وجہ سے آندھی چلی ہے۔ منافقین کو اس کی موت کی وجہ سے شدید غصہ ہوا تھا۔ وہ منافق زید بن رفاعہ بن تابوت تھا جو اسی دن فوت ہوا تھا۔ یہ منافقوں کا بہت بڑا سہارا تھا۔ محمد بن عمر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آندھی بہت سخت تھی آج تک ایسی شدید آندھی نہیں چلی تھی۔ یہ سورج ڈھلنے تک جاری رہی پھر یہ پچھلے پہر ختم ہو گئی۔ اہل مدینہ نے کہا یہ آندھی اس اللہ کے دشمن کے دفن ہونے تک جاری رہی اس کے بعد اسے سکون ہو گیا۔ عبادہ بن صامت نے اس روز عبداللہ بن ابی کو کہا آج تیرا وہ دوست فوت ہوا جس کے مرنے سے اسلام کو فتح حاصل ہوئی اور وہ زید بن رفاعہ بن تابوت ہے۔ عبداللہ بن ابی نے کہا ہائے افسوس اللہ کی قسم وہ میرا دوست تھا پوچھا ابو الولید تجھے کس نے بتایا تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ وہ اس وقت مرا ہے، ابن ابی سخت پریشان اور غمگین ہوا۔

محمد بن عمر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصوی اونٹوں میں گم ہو گئی۔ مسلمان ہر طرف اسے تلاش کر رہے تھے۔ زید بن صلت جو منافق تھا اس نے کہا، جبکہ وہ انصار کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا جن میں حضرت عبادہ بن بشر اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ زید نے پوچھا کہ یہ لوگ ہر طرف کیوں جا رہے ہیں تو صحابہ نے جواب دیا یہ رسول اللہ ﷺ کی گمشدہ اونٹنی تلاش کر رہے ہیں۔ اس نے کہا کیا اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جگہ کے بارے میں آگاہ نہیں کرے گا تو پاس بیٹھنے والے لوگوں نے اس کی اس بات کو ناپسند کیا اور کہا اے اللہ کے دشمن اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے تو نے نفاق کیا ہے پھر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اس کی طرف آگے بڑھے اور کہا اللہ کی قسم اگر میں یہ جانتا کہ رسول اللہ ﷺ کی کیا رائے ہے تو میں نیزا تیرے پیٹ سے آر پار کر دیتا اے اللہ کے دشمن تو ہمارے ساتھ آیا ہی کیوں تھا، جبکہ تیرے اندر یہ خباثت تھی۔ اس نے جواب دیا میں تو دنیا کے لالچ میں آیا تھا۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اپنی زندگی کی قسم حضور ﷺ تو ہمیں اس اونٹنی سے بھی بڑی باتوں کی خبر دیتے

ہیں آپ ہمیں آسمان کی خبریں دیتے ہیں، سب نے باری باری اس سے بات کی، انہوں نے کہا اللہ کی قسم تیرے ساتھ کبھی سفر میں موافقت نہ ہوگی اور نہ ہی ہم کبھی تیرے ساتھ کسی سائے میں بیٹھیں گے۔ اگر ہمیں تیری خباثت کا علم ہوتا تو ہم کبھی بھی تیرے ساتھ اکٹھے نہ بیٹھتے وہ صحابہ کی باتوں سے خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ صحابہ نے اس کا سامان اٹھا کر پھینک دیا۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ساتھیوں سے بھاگ کر آپ کی خدمت میں پناہ چاہی۔ جبرئیل امین وحی لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جبکہ منافق پاس بیٹھا سن رہا تھا کہ ایک منافق نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی ہے اور اس نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اونٹنی کی جگہ کے بارے میں کیوں نہیں بتاتا؟ صحابی نے کہا مجھے اپنی زندگی کی قسم حضور ﷺ ہمیں اس سے بڑی باتیں بتاتے ہیں۔ غیب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی جگہ کے بارے میں بتا دیا ہے وہ تمہارے سامنے والی گھاٹی میں ہے اس کی مہار ایک درخت کے ساتھ اٹک گئی ہے۔ اس طرف جاؤ رسول اللہ ﷺ نے انہیں جس سمت کا بتایا تھا وہ اسی جگہ سے اونٹنی کو لے آئے۔ جب اس نے اونٹنی کو دیکھا تو سخت پشیمان ہوا جلدی سے اپنے ساتھیوں کی طرف آیا تو اس کا سامان پھینک دیا گیا تھا۔ وہ ساتھی اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا تھا۔ جب وہ ساتھیوں کے قریب ہوا تو ساتھیوں نے کہا ہمارے قریب نہ ہو۔ اس نے کہا میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں وہ ان کے قریب ہوا اور کہا میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم میں کوئی حضور ﷺ کے پاس گیا ہے اور میں نے جو بات کہی تھی وہ حضور ﷺ کو بتائی ہے۔ سب نے کہا اللہ کی قسم ہم نے تو آپ کو کچھ نہیں بتایا اور نہ ہی ہم اپنی جگہ سے اٹھے ہیں۔ میں نے جو بات کی وہ قوم کے پاس ہی پائی، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے سب کچھ بیان کر دیا پھر جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا سب کچھ بیان کر دیا پھر کہا مجھے حضور ﷺ کی شان میں شک تھا اب میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں گویا میں آج ہی مسلمان ہوا ہوں۔ ساتھیوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو وہ تیرے حق میں بخشش کی دعا کریں گے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، اپنے گناہ کا اعتراف کیا۔ حضور ﷺ نے اس کی بخشش کی دعا کی۔

جب حضور ﷺ وادی عقیق میں پہنچے تو حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ سامنے آ گئے، آپ اونٹوں کو تلاش کرنے لگے یہاں تک کہ ان کے باپ عبداللہ بن ابی کی سواری گزری۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اونٹ کو بٹھا لیا اور پھر اس کی ٹانگ باندھ دی تو عبداللہ بن ابی نے کہا اے بے وقوف تو یہ کیا کرتا ہے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا جب تک حضور ﷺ تجھے اجازت نہیں دیں گے تم مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے، جبکہ تم خوب جانتے ہو کہ عزت والا کون ہے اور ذلیل کون ہے؟ تم، یا رسول اللہ مسلمانوں میں سے جو بھی گزرتا حضرت عبداللہ اسے جانے دیتے۔ جب کوئی اور گزرتا تو وہ یہ کہتا تو اپنے باپ کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے یہاں تک کہ حضور ﷺ ان کے پاس سے گزرے۔ آپ نے اس بارے میں پوچھا تو آپ کو عرض کی گئی کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو روک رکھا ہے اور کہا ہے جب تک آپ ﷺ اجازت نہیں دیں گے وہ عبداللہ بن ابی کو مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ حضور ﷺ گزرے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کی سواری کا پاؤں باندھے ہوئے تھے، جبکہ ابن ابی یہ کہہ رہا تھا میں بچوں اور عورتوں سے بھی زیادہ کمزور ہوں۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا اسے جانے دو تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے جانے دیا۔

محمد بن عمر نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے اس روز حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو ابن ابی کو یہ کہتے ہوئے سنا، جبکہ یہ آیات نازل نہیں ہوئی تھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو۔ آپ تیرے لئے بخشش کی دعا کریں گے تو میں نے اسے سر ہلاتے ہوئے دیکھا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے اللہ کی قسم تیرے سر موڑنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن نازل فرما دے گا جو نماز میں پڑھا جائے گا۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ چل رہے تھے، جبکہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اپنی سواری حضور ﷺ کے سامنے لے آئے۔ مراد یہ ہوتی کہ آپ توجہ فرمائیں کہ اچانک آپ پر وحی نازل ہوئی۔ زید بن ارقم نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سخت تکلیف میں تھے آپ ﷺ کی پیشانی پر پسینہ نمودار ہو چکا تھا اور آپ کی سواری بوجھل ہو رہی تھی تو میں پہچان گیا کہ حضور ﷺ پر وحی کی جا رہی ہے۔ مجھے امید تھی کہ میرے سچا ہونے کے بارے میں کوئی حکم نازل ہوگا۔ زید نے کہا جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے میرے کان پکڑ لئے، جبکہ میں بھی اونٹنی پر سوار تھا یہاں تک کہ میں اپنی جگہ سے بلند ہو گیا آپ مجھے آسمان کی طرف بلند کر رہے تھے اور فرما رہے تھے اے لڑکے تیرے کانوں نے صحیح سنا، اللہ تعالیٰ نے تیری بات کی تصدیق کر دی۔ سورۂ منافقون اول سے آخر تک ابن ابی کے حق میں نازل ہوئی اس کے بعد اگر ابن ابی کوئی بات کرتا تو اس کی قوم خود ہی اسے ملامت کرتی۔ حضور ﷺ کو جب ابن ابی کی قوم کے طرز عمل کی خبر پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تیری کیا رائے ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور ﷺ کا امر بہت ہی برکت والا ہے۔ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ سورۂ منافقون سفر میں نازل ہوئی ابھی حضور ﷺ مدینہ طیبہ میں فروکش نہیں ہوئے تھے (1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لا چکے تو زید بن ارقم نے کہا میں دکھ اور حیاء کی وجہ سے اپنے گھر میں بیٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ منافقون کو نازل فرمایا جس میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور عبداللہ بن ابی کی تکذیب تھی۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید کا کان پکڑا اور کہا اے زید اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کی ہے اور تیرے کان کو پورا کر دکھایا ہے (تیرے کان نے صحیح سنا) علماء نے ذکر کیا جب یہ آیت نازل ہوئی اور یہ واضح ہو گیا کہ عبداللہ بن ابی نے جھوٹ بولا تو اسے کہا گیا اے ابو حباب تجھ میں سخت آیات نازل ہوئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ کہ آپ تیرے لئے دعائے مغفرت کریں تو اس نے اپنا سر جھٹک دیا اور کہا تم نے مجھے ایمان لانے کا حکم دیا تو میں ایمان لے آیا۔ تم نے مجھے اپنے مال کی زکوۃ دینے کا حکم دیا تو میں نے زکوۃ دی، اب میرے لئے محمد کو سوائے سجدہ کے کوئی چیز باقی نہیں رہی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ (2) جب ابن ابی مدینہ طیبہ میں داخل ہوا تو وہ چند دن بھی نہیں ٹھہرا تھا کہ بیمار ہو گیا اور مر گیا۔

فائدہ:۔ یہ واقعہ سن چھ ہجری شعبان میں واقع ہوا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ خلیفہ بن خیاط اور قتادہ نے بھی یہی بیان کیا۔ قتادہ اور عروہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا یہ شعبان سن پانچ ہجری میں ہوا۔ اسی واقعہ میں حضور ﷺ نے حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ محمد بن اسحق، احمد، ابوداؤد اور محمد بن عمر رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا خوش اخلاق اور خوبصورت عورت تھی اسے جو بھی دیکھتا فریفتہ ہو جاتا۔ جب حضور ﷺ چشمہ پر موجود تھے تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا مال مکاتبہ کے بارے میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے اس کا حاضر ہونا پسند نہ کیا اور میں پہچان گئی کہ حضور ﷺ اسے اسی نظر سے دیکھیں گے جس نظر سے میں اسے دیکھ رہی ہوں۔ اس نے عرض کی یا رسول

1۔ ماخوذ از سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 334 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 390 (الفکر)

اللہ ﷺ میں مسلمان عورت ہوں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ کے رسول برحق ہونے کی شہادت دیتی ہوں میں جویریہ بنت حارث ہوں جو اپنی قوم کا سردار ہے ہمیں جو مصیبت پہنچی ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہیں میں ثابت بن قیس اور اس کے چچازاد بھائی کے حق میں مشترکہ طور پر آئی ہوں۔ ثابت نے اپنے چچازاد بھائی سے مجھے لے لیا ہے اور مجھ سے اتنے مال پر مکاتبہ کیا جس کی ادائیگی کی مجھ میں طاقت نہیں۔ میں امید لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں اس لئے اس مال مکاتبہ میں میری مدد کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا اس سے بہتر تجھے قبول ہے۔ اس نے عرض کی اس سے بہتر کیا ہے یارسول اللہ ﷺ حضور نے فرمایا میں تیری طرف سے مال مکاتبہ ادا کر دوں گا اور تجھ سے شادی کرلوں گا۔ اس نے عرض کی مجھے منظور ہے۔ حضور ﷺ نے ثابت بن قیس کی طرف پیغام بھیجا اور جویریہ کا مطالبہ کیا۔ ثابت نے کہا جویریہ آپ کے لئے ہے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ حضور ﷺ نے مال مکاتبہ ادا کر دیا اور جویریہ کو آزاد کر دیا اور اس سے شادی کرلی اور باہر تشریف لائے، جبکہ بنی مصطلق کے افراد تقسیم ہو چکے تھے اور مسلمان ان کی عورتوں سے وطی کرنے کے مالک بن چکے تھے۔ اب مسلمانوں نے کہا بنی مصطلق تو حضور ﷺ کے سسرال ہیں ان کے پاس بنی مصطلق کا جو بھی فرد تھا سب کو آزاد کر دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا حضور ﷺ کے نکاح کرنے سے سو افراد آزاد ہوئے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی عورت اپنے خاندان کے لئے باعث برکت ثابت نہیں ہوئی۔

محمد بن عمر نے حرام بن ہشام سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے حضور ﷺ کی آمد سے تین روز قبل ایک خواب دیکھا کہ چاند یثرب سے آتا ہے اور میری گود میں آگرتا ہے۔ مجھے پسند نہ آیا کہ میں اس کے بارے میں کسی کو بتاؤں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے علاقہ میں حملہ کے لئے تشریف لائے۔ جب ہمیں گرفتار کرلیا گیا تو مجھے امید ہوئی کہ خواب پورا ہوگا۔ جب حضور ﷺ نے مجھے آزاد کر دیا اور مجھ سے شادی کرلی اللہ کی قسم میں نے اپنی قوم کے بارے میں کسی سے بات بھی نہ کی یہاں تک کہ مسلمانوں نے میری قوم کے افراد کو چھوڑ دیا مجھے محسوس تک نہ ہوا یہاں تک کہ میری چچازاد بہن نے مجھے سب کچھ بتایا تو میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ حافظ ابن عابد نے روایت کیا ہے کہ حارث بن ابی ضرار جو جویریہ کا باپ تھا اپنی بیٹی کا فدیہ دینے کے لئے آیا جب وہ عقیق کے مقام پر پہنچا تو اس نے ان اونٹوں کو دیکھا جنہیں وہ فدیہ کے لئے لایا تھا اسے دو اونٹ بڑے پسند آئے جو بہت عمدہ تھے۔ اس نے ان دونوں کو عقیق کی وادی میں چھپا دیا پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی اے محمد ﷺ تم نے میری بیٹی کو گرفتار کرلیا ہے یہ اس کا فدیہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ دو اونٹ کہاں ہیں جنہیں تم نے عقیق کے مقام پر فلاں فلاں گھاٹی میں چھپایا ہے حارث نے کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں مجھے وہ دونوں اونٹ پیارے لگے تھے جو میں نے وہاں چھپا دیئے تھے۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں تھا۔ محمد بن عمر نے روایت کیا ہے ابوسعید کہا کرتے تھے بنی مصطلق کا وفد آیا، انہوں نے بچوں اور عورتوں کا فدیہ دیا اور اپنے شہروں کی طرف پلٹ گئے۔

فائدہ:۔ اس قصہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دی۔

شیخین نے ابن عون سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ان سے یہ پوچھوں کہ قتال سے پہلے اسلام کی دعوت کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟ انہوں نے جواب لکھا یہ ابتداء اسلام میں تھا۔ حضور ﷺ نے بنی مصطلق پر حملہ کیا تھا، جبکہ وہ غافل تھے اور ان کے اونٹ چشموں پر پانی پی رہے تھے۔ آپ نے ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیا اور ان کے بچوں کو گرفتار کرلیا(1) اس

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 345 (وزارت تعلیم)

میں یہ بھی مروی ہے۔ یہ حدیث مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کی، جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر لشکر میں تھے۔

إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ①

"(اے نبی مکرم) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں [1]۔ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں [2]"

[1] منافقین سے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی مراد ہیں۔ شہادت یہ شہود سے مشتق ہے جس کا معنی علم رکھتے ہوئے خبر دینا ہے۔ شہود کا معنی حضور اور اطلاع ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشهود به (رسول اللہ) کی تصدیق کی اور منافقین کی شہادت میں تکذیب کی کیونکہ ان کی طرف سے یہ خبر علم یقینی کے ساتھ صادر نہیں ہوئی تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مابعد کلام کی۔

[2] وہ یہ خبر دینے میں جھوٹے ہیں کہ ان کا یہ قول ان کے یقینی علم سے صادر ہو رہا ہے اس لئے اس پر شہادت کا لفظ صادق نہیں آتا۔ یہ تعبیر اس وقت درست ہوگی جب یہ جملہ خبریہ ہو اگر یہ کہا جائے کہ یہ انشاء کے لئے ہے تو اس صورت میں یہ جملہ صدق و کذب کا احتمال نہیں رکھے گا تاہم ان کا یہ قول إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ سچا کلام ہے اس میں کوئی شک نہیں اس وقت وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اپنے گمان میں جھوٹے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

معتزلہ میں سے نظام (1) نے یہ گمان کیا کہ صدق اسے کہتے ہیں جو اعتقاد کے مطابق ہو اور کذب اسے کہتے ہیں جو اعتقاد کے مطابق نہ ہو۔ انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا، جبکہ حقیقت وہ نہیں جو نظام نے گمان کیا ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ②

"انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اس طرح روکتے ہیں اللہ کی راہ سے بے شک یہ لوگ بہت برے کرتوت ہیں جو یہ کر رہے ہیں [1]"

[1] ایمان سے مراد ان کی جھوٹی قسمیں ہیں یا اُن کی یہ شہادت ہے کیونکہ شہادت بھی قسم کے الفاظ میں سے ہے۔ جنة کا معنی ڈھال ہے، یعنی انہوں نے اس شہادت کو قتل اور قید سے ڈھال بنا رکھا ہے۔ یہ جملہ کاذبون کی صفت ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ صدوا یا صدود سے مشتق ہوگا تو اس کا معنی ہوگا انہوں نے اعراض کیا اور رک گئے، یعنی یہ فعل لازم ہوگا یا صدا سے مشتق ہوگا تو معنی ہوگا انہوں نے لوگوں کو روک دیا نفاق اور دین میں داخل ہونے سے رکنے یا روکنے کا جو وہ عمل کر رہے ہیں کتنا ہی وہ برا عمل ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③

"(ان کا) یہ (طریق کار) اس لئے ہے کہ وہ (پہلے) ایمان لائے پھر وہ کافر بن گئے پس مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر تو (اب) وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں [1]"

[1] اسم اشارہ سے مراد نفاق، قسموں کو ڈھال بنانا اور ایمان لانے سے رکنا اور روکنا ہے۔ یہ سب کچھ محض اس لئے ہے کہ جب مومنین

(1) اس کا نام ابراہیم بن سیار تھا، یہ ایک معتزلی عالم تھا اس کا نظریہ تھا اللہ تعالیٰ جہل اور قبیح کو پیدا کرنے پر قادر نہیں۔

کے پاس ہوتے ہیں تو ظاہر میں ایمان لاتے ہیں اور جب شیاطین کے پاس تنہائی میں ہوتے ہیں تو کفر کرتے ہیں یا اس کا معنی یہ ہے جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ایمان لے آتے ہیں پھر جب شیاطین سے شبہات سنتے ہیں تو کفر کرتے ہیں۔ طبع کا عطف کفروا پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ایسی مہر لگا دی ہے کہ اب وہ حق کا ادراک نہیں کر سکتے اور ایمان کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ فھم میں فاء سببیہ ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۖ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝

"اور جب آپ انہیں دیکھیں گے تو ان کے جسم آپ کو بڑے خوشنما معلوم ہوں گے اور اگر وہ گفتگو کریں تو توجہ سے آپ ان کی بات سنیں گے [1] (درحقیقت) وہ (بیکار) لکڑیوں کی مانند ہیں جو دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی گئی ہوں [2] گمان کرتے ہیں کہ ہر گرج ان کے خلاف ہی ہے [3] یہی حقیقی دشمن ہیں پس آپ ان سے ہوشیار رہیے [4] ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ کیسے سرگرداں پھرتے ہیں [5]"

[1] اذا رایتھم کا عطف اتخذوا پر ہے۔ ان کے جسم ضخیم اور روشن رنگ والے ہونے کی وجہ سے آپ کو خوشنما لگتے ہیں اگر وہ بات کرتے ہیں تو آپ ان کی بات سنتے ہیں کیونکہ آپ گمان کرتے ہیں کہ وہ سچ بول رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا عبداللہ بن ابی بڑا جسیم اور فصیح تھا جب وہ کوئی بات کرتا تو حضور ﷺ اس کی بات توجہ سے سنتے (1)۔

[2] ابو عمرو، کسائی اور قنبل رحمہم اللہ تعالیٰ نے خشب کو شین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یہ خشبہ کی جمع ہے۔ جس طرح بدنہ کی جمع بدن آتی ہے، جبکہ باقی قراء نے شین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جس طرح اسد۔ یہ تشبیہ والا جملہ لقولھم کی ضمیر مجرور سے حال ہے۔ معنی یہ ہوگا آپ ان کی باتیں سنتے ہیں، جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ وہ ان لکڑیوں کے مشابہ ہیں جنہیں دیواروں کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایسے جسم ہیں جو علم، عرفان اور عقل سلیم سے خالی ہیں۔

[3] علیھم شیء فعل واقعۃ علیھم کے متعلق ہے، یعنی وہ گمان کرتے ہیں کہ ہر آواز پر انہیں پر پڑنے والی ہے کیونکہ ان کے دلوں میں رعب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ان کی یہ حالت اس لئے ہے کیونکہ انہیں خوف رہتا ہے کہ ان کا نفاق ظاہر ہو جائے گا اور ان کے خون مباح کر دیئے جائیں گے وہ لشکر میں کوئی آواز نہیں سنتے جیسے کوئی کسی دوسرے کو بلائے یا کوئی جانور بھاگ جائے یا گمشدہ چیز کا اعلان کیا جائے مگر وہ یہی گمان کرتے ہیں کہ ان کے قتل اور قید کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اس تعبیر میں علیھم، یحسبون کا مفعول ثانی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ علیھم ظرف لغو ہو جو صیحۃ کے متعلق ہے اور اس کا مفعول ثانی ھم العدو ہو۔ اس صورت میں ھم ضمیر کل کی طرف لوٹے گی، خبر کی وجہ سے ضمیر کو جمع ذکر کیا ہے لیکن فاحذرھم کے قول کا اس پر مرتب ہونا اس تاویل کی اجازت نہیں دیتا بلکہ یہ قول اس امر کا قرینہ ہے کہ ھم العدو کی ضمیر منافقین کی طرف راجع ہے، یعنی یہ لوگ عداوت میں کامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے، یعنی ان کے ساتھ نہ بیٹھو اور ان سے بے خوف نہ ہو جاؤ کیونکہ جو انسان اپنے بارے میں خوف رکھتا ہو وہ دشمنی میں کامل ہوتا ہے اور جس سے وہ ڈرتا ہے اسے نقصان پہنچانے میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں سے دور کرے وہ کیسے حق سے بھٹکے ہوئے ہیں یہ بددعا ہے اور اپنی ہی ذات سے مطالبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمتوں سے دور کردے اور مومنوں کو اس بات کی تعلیم دی جارہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں بددعا کریں۔

ابن جریر، قتادہ اور ابن منذر نے عکرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ ہم پہلے اس قصہ میں ذکر کرآئے ہیں کہ عبداللہ بن ابی سے کہا گیا کاش تم حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوتے، آپ تیرے حق میں بخشش کی دعا کرتے تو وہ اپنا سر جھٹکنے لگا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝

"اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تا کہ اللہ کا رسول تمہارے لئے مغفرت طلب کرے تو (انکار سے) اپنے سروں کو گھماتے ہیں [1] اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ (حاضری سے) رک رہے ہیں تکبر کرتے ہوئے [2]"

[1] یَسْتَغْفِرْ جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے۔ لَوَّوْا یہ شرط کی جزاء ہے۔ نافع اور یعقوب رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ مقصود یہ شعور دلاتا ہے کہ انہوں نے یہ فعل یکے بعد دیگرے کیا ہے، وہ سر جھٹکنے کا عمل تکبر کی وجہ سے کرتے تھے۔

[2] تاء ضمیر سے مراد مخاطب ہے، یعنی اس قول کے وقت حاضر ہونے والے کو دیکھتا کہ وہ استغفار سے اعراض کرتے ہیں اور وہ معذرت پیش کرنے سے تکبر کرتے ہیں، یہ یصدون کے فاعل سے حال ہے۔

ابن منذر نے عروہ، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ الآیۃ تو حضور ﷺ نے فرمایا میں ستر سے زیادہ دفعہ بخشش کی دعا مانگوں گا(1)۔

سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝

"یکساں ہے ان کے لئے کہ آپ طلب مغفرت کریں ان کے لئے یا طلب مغفرت نہ کریں ان کے لئے [1] اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا انہیں [2] بے شک اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا [3]"

[1] اَسْتَغْفَرْتَ اپنے معطوف کے ساتھ مل کر مصدر کے حکم میں ہے اور مبتدا ہے اور سواء اس کی خبر ہے۔ معنی یہ ہوگا تیرا ان کے لئے دعا کرنا اور دعا نہ کرنا ان کے لئے برابر ہے۔

[2] لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ یہ اس استواء کا بیان ہے۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے عوفی کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب برأت والی آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں اپنی بات سنوں گا ان کے بارے میں مجھے رخصت دی گئی ہے اللہ کی قسم میں ستر دفعہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کروں گا شاید اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے تو یہ آیت نازل ہوئی(2)۔

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا　2۔ ایضاً

سے وہ کیونکہ کفر اور نفاق میں منہمک ہیں اس لئے وہ اصلاح احوال کے گمان سے ہی خارج ہیں۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝

"یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں نہ خرچ کرو ان (درویشوں) پر جو اللہ کے رسول کے پاس ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ (بھوک سے تنگ آ کر) تتر بتر ہو جائیں اور اللہ کے لئے ہی ہیں خزانے آسمانوں اور زمین کے لیکن منافقین (اس حقیقت کو) سمجھتے ہی نہیں [1]"

[1] منافق انصار سے کہتے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے پاس رہنے والے غرباء جیسے جبجاہ کی مدد نہ کیا کرو۔ یہی بات ان کی بخشش نہ ہونے کا سبب ہے یہاں تک کہ وہ آپ کو چھوڑ کر یہاں سے چلے جائیں، جبکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ کے لئے ہیں جیسے جنت کی نعمتیں، بارش، رزق کو مقدر کرنا اور زمین سے حاصل ہونے والے تمام قسم کے رزق ہر چیز پر بادشاہت اسی کی ہے کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کو کچھ عطا نہیں فرماتا اور نہ ہی اس کے حکم کے بغیر کوئی روک سکتا ہے۔ یہ جملہ يَقُوْلُوْنَ کے فاعل سے حال ہوگا لیکن منافق کچھ بھی نہیں سمجھتے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت سے جاہل ہیں اگر انہیں سمجھ بوجھ ہوتی تو اس قسم کی باتیں نہ کرتے۔

يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

"منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت والے وہاں سے ذلیلوں کو حالانکہ (ساری) عزت تو صرف اللہ کے لئے، اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے ہے مگر منافقوں کو (اس بات کا) علم ہی نہیں [1]"

[1] یہ سابقہ يَقُوْلُوْنَ سے بدل ہے کیونکہ ان کے گمان کے مطابق صحابہ پر خرچ نہ کرنا یہ حضور ﷺ کو کمزور کرنے کا سبب تھا اور آپ کی کمزوری آپ کے مدینہ سے نکل جانے کا سبب ہے گویا خرچ کرنے سے رکنا یہ حضور ﷺ کو مدینہ طیبہ سے نکال دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قول کو تمام منافقین کی طرف منسوب کیا ہے اگرچہ ان میں سے کہنے والا صرف عبداللہ بن ابی تھا کیونکہ وہ سب اس خبیث قول پر راضی تھے۔

عزت کا معنی غلبہ اور قوت ہے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ یہ دوسرے يَقُوْلُوْنَ کے فاعل سے حال ہے۔ حقیقت میں عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جبکہ اللہ کے رسول اور مومنین کے لئے عزت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت دی، دین کو غلبہ دیا اور دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کی مگر منافقوں میں جہالت زیادہ ہے اور وہ دھوکے میں مبتلا ہیں اس لئے وہ کچھ نہیں جانتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

"اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کریں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے [1]"

لے اموال کی تدبیر اور ان کا اہتمام تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے۔ مفسرین نے یہاں ذکر سے مراد پانچ نمازیں لی ہیں(1) جبکہ لفظ عام ہے جو تمام عبادات کو شامل ہے۔

جو ایسے امور میں مشغول ہو گئے جو ذکر سے مانع ہیں تو وہی خسارہ پانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے عظیم الشان چیز کو حقیر کے بدلے میں بیچ دیا گویا سابقہ آیت میں منافقین پر صراحۃً طعن و تشنیع کی گئی۔ اس آیت اور مابعد آیت میں اشارہ میں طعن و تشنیع کی گئی کیونکہ مال اور اولاد کی وجہ سے نماز سے غافل ہونا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا، موت کے مؤخر ہونے کا سوال کرنا یا اس کی آرزو کرنا یہ سب منافقوں کی شان ہے۔ مومنوں کو یہ زیبا نہیں کہ ان میں سے کسی ایک چیز میں بھی ان کے ساتھ مشابہت اختیار کریں۔

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ⑩

"اور خرچ کرلو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پیشتر کہ آجائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو (اس وقت) وہ یہ کہنے لگے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت کے لئے کیوں مہلت نہ دی تاکہ میں صدقہ (وخیرات) کر لیتا اور نیکوں میں شامل ہو جاتا"۔

لے اَنْفِقُوْا کا عطف لا تلھکم پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد مال کی زکوٰۃ ہے۔ مِنْ قَبْلِ یہ اَنْفِقُوْا کی ظرف ہے۔ موت سے یہاں موت کی علامات مراد ہیں اس وقت وہ وصیت کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کونسا صدقہ اجر کے اعتبار سے عظیم ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو اس وقت صدقہ کرے جب تندرست ہو، مال کی محبت رکھتا ہو، تجھے فقر کا اندیشہ ہو اور مالدار بننے کی خواہش رکھتا ہو۔ اتنی دیر تک صدقے کو مؤخر نہ کرنا کہ موت حلقوم تک آپہنچے تو یہ کہے اتنا مال فلاں کو دے دو اتنا مال فلاں کو دے دو(2)، متفق علیہ۔ اگر اس نے زندگی میں صدقہ نہ کیا ہو تو وہ موت کے بعد کہے کاش تو نے مجھے تھوڑی مہلت دی ہوتی تو میں صدقہ کرتا اور صالحین میں سے ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے لولا میں لا زائدہ ہے اور لو تمنی کے معنی میں ہے۔ اصدق اصل میں اتصدق تھا، تاء کو صاد میں بدل دیا گیا پھر صاد کو صاد میں مدغم کیا گیا، یہ لولا کے جواب میں ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوئی: لَوْ لَا کَانَ مِنْکَ تَاخِیْرِیْ فِی الدُّنْیَا فَتَصَدُّقٌ مِّنِّیْ۔

ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے اکون پڑھا ہے۔ یہ اصدق پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ مصحف کے رسم خط میں واؤ کو اختصار کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، جبکہ باقی قراء نے واؤ کے بغیر مجزوم پڑھا ہے کیونکہ جب فاء کو ترک کیا جائے تو اصدق میں جزم کا وہم ہے گویا اسے فاء اور اس کے مابعد کے محل پر عطف کیا گیا ہے۔ صالحین سے مراد مومنین ہیں۔ یہ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ایک جماعت نے کہا یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ آیت مومنین کے حق میں نازل ہوئی(3) یہاں صلاح سے مراد فرائض کو بجالانا اور منہیات کو ترک کرنا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ضحاک اور عطیہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جس آدمی کو موت آئے اس کے پاس مال ہو اور وہ زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ حج کی طاقت

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

رکھے اور حج نہ کرے تو وہ موت کے وقت دوبارہ زندگی کا مطالبہ کرے گا اور پھر یہ آیت پڑھی میں صالحین میں سے ہو جاؤں گا، یعنی حج کروں گا۔

وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

''اور اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیا کرتا کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آ جائے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو۔''

وہ تمنا کرتے بھی تب بھی اللہ تعالیٰ اسے مہلت نہیں دے گا۔ یہ جملہ یقول کے فاعل سے حال ہے۔ نَفْسًا اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے جب تمہارا وقت مقرر آ جائے گا اور اس کی عمر ختم ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر انہیں جزاء دے گا کیونکہ وہ ان کے اعمال سے باخبر ہے۔ ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے تَعْمَلُوْنَ کو یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے تاکہ یہ ماقبل کے موافق ہو جائے، جبکہ باقی قراء نے تاء کے مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے۔

سورۃ التغابن

آیاتہا ۱۸ | سُوْرَۃُ التَّغَابُنِ مَدَنِیَّۃٌ ۶۴ | رکوعاتہا ۲

سورۃ التغابن مدنی ہے اس میں 18 آیتیں اور 2 رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ①

"اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر چیز جو زمین میں ہے اسی کی حکومت ہے اور اسی کے لئے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ۱"

۱ اس کی تفسیر پہلے کئی دفعہ گزر چکی ہے۔ لَهُ الْمُلْكُ اور لَهُ الْحَمْدُ میں حصر کے لئے ظرف کو مقدم کیا ہے۔ یہ جملہ ظرفیہ لفظ اللہ جلالت سے حال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے کیونکہ اس کی ذات کی وہ نسبت جو قدرت کا تقاضا کرتی ہے وہ ہر ممکن کی طرف برابر ہے اس لئے وہ چیز پر قادر ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ②

"وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مومن ہیں اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے ۱"

۱ تم سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پھر تم میں سے بعض مومن ہو گئے۔ اور بعض کافر ہو گئے اس پر فاء تعقیبیہ دلالت کرتا ہے، یعنی ان سے یہ عمل بعد میں واقع ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال یعنی ایمان، کفر، طاعت اور معصیت کو جانتا ہے اس لئے وہ تمہیں ضرور جزاء دے گا۔

اس آیت کریمہ میں معتزلہ کے لئے کوئی دلیل نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان اور کفر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے نہیں اور نہ ہی اس کی مخلوق ہیں بلکہ یہ بندے کی مخلوق ہیں۔ دلیل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تمام اشیاء ازل میں مقدر ہو چکی ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ یا انسان کے افعال میں بندہ کو ایک قسم کا اختیار دیا گیا ہے کیونکہ بندے کو اس کا کاسب بنایا گیا ہے انہیں افعال پر ثواب یا عذاب مرتب ہوتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ یہی وہ صحیح مذہب ہے جس پر صحابہ اور مابعد علماء کا اجماع ہے۔ اس وجہ سے اس مذہب کے برعکس آیت کا معنی کرنا درست نہیں کیونکہ وہ جہنم کی طرف لے جانے والا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے وہ کہتا ہے اے میرے رب یہ نطفہ ہے، میرے رب یہ جما ہوا خون ہے اور میرے رب یہ

گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اس کی تخلیق مکمل کرے تو فرشتہ عرض کرتا ہے اے میرے رب یہ مذکر ہے یا مونث، بد بخت ہے یا سعادت مند، اس کا رزق کیا ہے؟ اس کی موت کا وقت کیا ہے؟ وہ اس کی ماں کے پیٹ میں سب کچھ لکھ دیتا ہے۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا(1)۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے اس کے آخر میں یہ بھی ہے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم میں سے ایک جنتیوں کا سا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو کتاب اس پر غالب آ جاتی ہے اور اسے جہنم میں داخل کر دیتی ہے(2)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقادیر زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی ہیں فرمایا جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا(3) اس باب میں کثیر احادیث ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مومن اور کافر پیدا کیا پھر جس طرح پیدا کیا تھا اسی طرح انہیں دنیا میں بھیجتا ہے(4) یعنی بعض کے لئے کفر مقدر کیا تو اسے ایسے اعمال کی طرف متوجہ کرتا ہے جو اسے کفر کی طرف لے جاتے ہیں اور بعض کے لئے ایمان کو مقدر کیا تو اسے ایسے اعمال کی توفیق دیتا ہے جو اسے ایمان کی طرف بلاتے ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ بچہ جسے حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا اس کی سرشت میں کفر تھا اسی چیز کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ۝

"اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا اور اسی کی طرف سب نے لوٹنا ہے[1]"

[1] ترکیب کلام میں بِالْحَقِّ شبہ فعل ملتبسا کے متعلق ہو کر حال بن رہا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حکمت بالغہ کے ساتھ پیدا کیا جو صانع حکیم پر دلالت کرتے ہیں اور اسے انسانو تمہیں تمام حیوانات سے ظاہر و باطن میں بہترین صورت کے ساتھ پیدا کیا اور تمہیں کائنات کے ایسے اچھے اوصاف کے ساتھ مزین کیا جو علم، عقل اور معرفت کے لئے مناسب تھے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس لئے اپنی صلاحیتوں کو رذائل اپنا کر ضائع نہ کرو کہ تمہیں قبیح ترین صورتوں میں اٹھایا جائے۔

یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۚ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

"وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے نیز وہ جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے[1]"

[1] اللہ تعالیٰ اسرار اور معتقدات کو جانتا ہے جو سینوں میں پنہاں ہیں جس کا جاننا مناسب ہے وہ کلی ہو یا جزئی اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے کیونکہ ہر چیز کی طرف اس کی نسبت برابر ہے یہاں قدرت کو علم پر مقدم فرمایا ہے کیونکہ مخلوقات کی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت اولاً اور

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 976 (وزارت تعلیم)　　2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 332 (قدیمی)
3۔ ایضاً، صفحہ 335　　4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

بالذات ہے اور اس کے علم پر دلالت اس طرح ہوتی ہے کہ مخلوقات میں بڑا استحکام پایا جاتا ہے۔ علم کو مکرر ذکر کرنا یہ ان کے لئے وعید کو مکرر لانے کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور رضا کو مکرر لانے کی طرح ہیں۔ یَعْلَمُ اپنے معطوف کے ساتھ مل کر یہ اس ھو کی تیسری خبر ہے جو ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ میں ہے۔

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ٘ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۵

”کیا نہیں آئی تمہارے پاس ان کی خبر جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے پس چکھ لیا انہوں نے اپنے کام (یعنی کفر) کا وبال اور ان کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے [1]۔“

[1] اے کفار تمہیں اپنے سے قبل کفار جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، عاد، ثمود حضرت لوط علیہ السلام کی قوم، اصحاب ایکہ وغیرہ کی خبریں نہیں پہنچیں۔ فَذَاقُوْا کا عطف كَفَرُوْا پر ہے۔ اس میں فاء سببیہ ہے۔ وَبَالَ کا معنی ضرر اور نقصان ہے، یعنی انہوں نے دنیا میں اپنے کفر کا نقصان پایا وَبَال کا اصل معنی ثقل اور بوجھ ہے اسی سے ایک لفظ یہ استعمال ہوتا ہے طعام وبیل یعنی ثقیل کھانا جو ہضم نہ ہو اور موٹے قطرات والی بارش کو مطر وابل کہتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْۤا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا٘ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝۶

”اس کی وجہ یہ تھی کہ آتے رہے ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر پس وہ بولے کیا انسان ہماری رہبری کریں گے پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ بھی (ان سے) بے نیاز ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور سب خوبیاں سراہا ہے [1]۔“

[1] ذٰلک اسم اشارہ سے مراد دنیا اور آخرت کا عذاب ہے۔ بِاَنَّهٗ میں باء سببیہ ہے۔ بینات سے مراد معجزات اور واضح دلائل ہیں۔ بَشَرٌ اسم جنس ہے اس کا اطلاق واحد اور جمع سب پر ہوتا ہے جب کہ یہاں جمع مراد ہے اسی لئے یَّهْدُوْنَنَا ذکر فرمایا یھدینا ذکر نہیں فرمایا یہاں استفہام انکاری ہے، یعنی انہوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ بشر بھی اللہ کا رسول اور اس کی طرف دعوت دینے والا ہو سکتا ہے اس لئے انہوں نے کفر کیا اور واضح دلائل میں تدبر کرنے سے اعراض کیا، جبکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے غنی ہے ان کی اطاعت کی تو کوئی حیثیت نہیں رسول مبعوث کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے اور جو انسان خود اپنے نقصان پر راضی ہو وہ نظر رحمت کا مستحق نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ ہر چیز سے غنی ہے اور خود اپنی ذات میں محمود ہے وہ کسی اور حمد کرنے والے کا محتاج نہیں۔

زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْاؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝۷

”گمان کرتے ہیں کفار کہ انہیں ہرگز دوبارہ زندہ نہ کیا جائے گا فرمائیے کیوں نہیں میرے رب کی قسم تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے [1]۔“

[1] الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا سے مراد اہل مکہ ہیں۔ لَّنْ یُّبْعَثُوْا یہ زَعَمَ کے مفعول کے قائم مقام ہے اور زَعَمَ کا معنی علم کا دعویٰ کرنا ہے۔

لَتُبۡعَثُنَّ یہ بلی کا بیان ہے جسے قسم کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہے۔ما عملتم سے مراد خیر اور شر ہے، یعنی تمہارا محاسبہ کیا جائے گا اور تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کیا جائے گا۔ یہ دوبارہ اٹھانا اور محاسبہ کرنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کیونکہ جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ممکن ہے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کمال قدرت رکھتا ہے۔

فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ النُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ۝

"پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے [1]"

رَسُوۡلِہٖ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے اور نور سے مراد قرآن ہے کیونکہ یہ معجز ہونے کی وجہ سے خود ظاہر ہے اور دوسروں کے لئے شرائع اور احکام کو ظاہر کرنے والا ہے وہ کیونکہ اعمال پر آگاہ ہے اس لئے تمہیں اعمال پر جزاء دے گا۔

یَوۡمَ یَجۡمَعُکُمۡ لِیَوۡمِ الۡجَمۡعِ ذٰلِکَ یَوۡمُ التَّغَابُنِ ؕ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡ بِاللّٰہِ وَ یَعۡمَلۡ صَالِحًا یُّکَفِّرۡ عَنۡہُ سَیِّاٰتِہٖ وَ یُدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ۝

"جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن [1] یہی گھاٹے کے ظہور کا دن ہے اور جو ایمان لے آیا اللہ پر اور نیک عمل کرتا رہا اللہ دور فرما دے گا [2] اس سے اس کے گناہوں کو اور داخل فرمائے گا اسے باغوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے ندیاں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے تا ابد یہی بہت بڑی کامیابی ہے [3]"

[1] یَوۡمَ یہ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خبیر کے مضمون کی ظرف ہے، یعنی اس روز وہ تمہیں بدلہ عطا فرمائے گا۔ یہ لتنبون کی ظرف ہے یا اذکر فعل مقدر کی ظرف ہے۔ یعقوب نے نجمعکم جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ یوم الجمع سے مراد یوم قیامت ہے کیونکہ اس روز فرشتے، جن، انسان پہلے اور پچھلے سب جمع ہوں گے۔ اس میں لام تعلیل کے لئے ہے، معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے روز حساب اور جزاء کے لئے جمع فرمائے گا۔

[2] تغابن غبن سے تفاعل کے وزن پر ہے۔ اس دن لوگ ایک دوسرے کو نقصان دینے کی کوشش کریں گے کیونکہ خوش بخت لوگ بدبختوں کی ان منازل میں فروکش ہوں گے جو ایمان اور عمل صالح کی صورت میں ان کے لئے مقدر تھیں اور اس لئے بھی کہ مظلوم کو ظلم کے عوض میں ظالم کی نیکیاں دے دی جائیں گی۔ یہ تغابن التجار سے مجاز ہے۔ اس میں الف لام عہدی ہے، یعنی وہ حقیقی تغابن کا دن ہوگا دنیوی تغابن کا دن نہیں ہوگا۔

عبد الرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر اور حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ مومن اپنے مکانات اور بدبختوں کے ان مکانات کے مالک ہو جائیں گے جو ان بدبختوں کے لئے اطاعت کی صورت میں تیار کئے تھے (1)۔ سعید بن منصور، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہم اللہ

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 427 (العلمیہ)

تعالیٰ نے بعث میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے دو گھر ہیں ایک گھر جنت میں ہے اور ایک گھر جہنم میں ہے۔ جب کوئی آدمی مرتا ہے پھر جہنم میں داخل ہوتا ہے تو جنتی اس کے جنت والے گھر کا وارث بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اولئک ھم الوارثون کا یہی معنی ہے(1)۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ کہتے ہیں تو اس ہستی پاک کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ اگر مرنے والا مومن ہو تو وہ یہ کہتا ہے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اسے کہا جاتا ہے اپنے جہنم کے ٹھکانے کو دیکھ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں جنت میں تیرے لئے ٹھکانہ بنا دیا ہے(2)۔

ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اپنے وارث کو میراث دینے سے بھاگا اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی میراث کو ختم کر دیتا ہے(3) امام مسلم اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی ہمارے درمیان مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس کوئی درہم نہ ہو اور نہ ہی کوئی سامان ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس نے دنیا میں نمازیں، روزے اور زکوٰۃ دی ہوگی مگر ساتھ ہی ساتھ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا۔ اس کو بھی اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی، دوسرے کو بھی اس کی نیکیاں دے دی جائیں گے اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں جبکہ لوگوں کے حقوق اس پر ابھی باقی ہوں تو ان کی خطائیں لی جائیں گی اور اس پر ڈال دی جائیں گی پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا(4)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے جس کسی پر کسی بھائی کے بارے میں ظلم ہو وہ دنیا میں اس سے معاف کرا لے کیونکہ آخرت میں کوئی دینار اور درہم نہیں ہوگا۔ اگر ظلم کرنے والے کے اعمال صالحہ ہوں گے تو ظلم کی مقدار کے حساب سے اس سے اعمال صالحہ لے لئے جائیں گے۔ اگر ظالم کے اچھے اعمال نہ ہوں تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی(5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ وہاں نہ دوانق ملیں گے اور نہ ہی قیراط (حق ادا کرنے کے لئے نقدی نہیں ملے گی) بلکہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں گی اور مظلوم کی برائیاں ظالم کو دے دی جائیں گی۔

؎ نافع اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے یکفر کو نکفر پڑھا ہے۔ اسی طرح ندخل کو بھی جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ اسی طرح سورۂ طلاق میں یدخلہ پڑھا ہے۔ یہ دونوں چیزیں (گناہوں کی بخشش اور جنت میں داخل ہونا) بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ اس میں نقصان کو دور کیا گیا ہے اور نفع کو حاصل کیا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

"جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہوں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ"

1۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 585 (العلمیہ)
2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 184 (وزارت تعلیم)
3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 3، صفحہ 312 (العلمیہ)
4۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 64 (وزارت تعلیم)
5۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 331 (وزارت تعلیم)

ہے لے"

گویا یہ دونوں آیات تغابن کا بیان اور اس کی تفصیل ہے یا یہ آخرت میں جمع کرنے کی غرض و غایت کا بیان ہے جو معنی یوم الجمع سے سمجھا جا رہا تھا۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ⑪

"نہیں پہنچتی (کسی کو) کوئی مصیبت بجز اللہ کے اذن کے لے اور جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۲ے"

لے مِنْ مُّصِیْبَةٍ میں مِن زائدہ ہے اور مصیبة محل رفع میں ہے جو اصاب کا فاعل ہے، یعنی کسی انسان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے ارادہ سے ہوتی ہے۔

۲ے جو یہ تصدیق کرتا ہے کہ اسے جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتی ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ جو مصیبت تجھے پہنچی ہے وہ تجھ سے خطا ہونے والی نہیں تھی اور جو تجھے نہیں پہنچی وہ تجھے پہنچنے والی نہ تھی تو اللہ تعالیٰ اسے صبر، رضا اور تسلیم کی توفیق نصیب فرماتا ہے۔ ابن دیلمی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، میں نے اس سے کہا میرے ذہن میں تقدیر کے بارے میں شبہات پیدا ہوئے ہیں مجھے کچھ آقائے دو عالم ﷺ کے ارشادات سنائیے تاکہ اللہ تعالیٰ میرے دل سے ان شبہات کو دور فرما دے تو انہوں نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ اگر تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب دے تو پھر بھی وہ ظالم نہیں ہوگا اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی۔ اگر تو احد پہاڑ کے برابر اللہ تعالیٰ کی راہ میں سونا خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک تیرا صدقہ قبول نہیں فرمائے گا جب تک تو تقدیر پر ایمان نہیں لائے گا اور تو یہ نہیں جان لے گا کہ جو مصیبت تجھے پہنچی ہے وہ تجھ سے خطا ہونے والی نہ تھی اور جو تجھے نہیں پہنچی وہ تجھے پہنچنے والی نہ تھی اگر تو اس عقیدہ کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر مر گیا تو تو جہنم میں داخل ہوگا پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا انہوں نے بھی یہی کچھ بیان کیا کہا پھر میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انہوں نے بھی یہی کہا پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے بھی حضور ﷺ کی ایسی ہی احادیث بیان کیں (1) اسے امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے یہاں تک کہ دلوں اور ان کے احوال سے بھی واقف ہے۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ⑫

"اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی پھر اگر تم نے روگردانی کی (تو تمہاری قسمت) ہمارے رسول کے ذمہ فقط کھول کر (پیغام) پہنچانا ہے لے"

لے اَطِیْعُوا کا عطف اٰمنوا پر ہے۔ درمیان میں معترضہ جملے ہیں۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کی تو یہ حضور ﷺ کو کچھ نقصان نہ دے گی کیونکہ حضور ﷺ کے ذمہ تبلیغ کرنا تھا اور آپ نے تبلیغ کر دی اس اعراض کرنے کا نقصان تمہیں

1۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 69 (العلمیہ)

ہی پہنچے گا۔ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ میں فاء سببیہ ہے ایمان لانے اور اطاعت کرنے کے حکم کا پہنچا ہی ان تولیتم کا سبب ہے۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾

''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں [1] پس اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو [2]''

[1] یہ جملہ ایمان لانے اور اطاعت کرنے کے حکم کی علت بیان کرتا ہے۔

[2] فَلْيَتَوَكَّلِ کا عطف اٰمِنُوا اور اَطِيْعُوا پر ہے۔ اس میں خطاب کے صیغہ سے غائب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی اٰمِنُوْا وَاَطِيْعُوْا وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلُوْا حصر کرنے کے لئے ظرف کو مقدم ذکر کیا ہے جب خیر اور شر اس کی تقدیر میں محصور ہے تو توکل کا حصر اسی پر ہونا چاہئے کسی اور پر نہیں ہونا چاہئے۔ یہاں اسلوب کلام کو بدل دیا تاکہ اس بات پر دلالت ہو کہ ایمان توکل کا تقاضا کرتا ہے اس کی دلیل ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ یہ اس صورت میں ہوگا کہ ظرف مابعد کے متعلق ہو، ظرف (علی اللّٰه) کو فاء جزائیہ پر مقدم کرنا اس لئے جائز ہے کہ ظرف میں وسعت ہوتی ہے ورنہ یہ فعل مقدر کے متعلق ہوگا جس کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی: وَاِنْ كُنْتُمْ مُتَوَكِّلِيْنَ عَلٰى اَحَدٍ فَتَوَكَّلُوْا عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ عَلَيْهِ۔ اگر تم اللہ پر توکل کرنے والے ہو تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرو پس چاہئے کہ مومنین اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں یہاں پر توکل کرنے کے فعل کا تکرار تاکید کے لئے ہے اور اس بات کا شعور دلانے کے لئے ہے کہ ایمان توکل کا تقاضا کرتا ہے۔ امام ترمذی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور صحیح بھی قرار دیا ہے کہ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ مسلمان ہوئے مگر ان کی بیویوں اور بچوں نے انہیں ہجرت کرنے سے روک دیا (1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کی بیویوں اور بچوں نے انہیں روک دیا اور کہا ہم نے تمہارے اسلام لانے پر تو صبر کیا ہے، تمہارے فراق پر صبر نہیں کر سکتے تو ان مسلمانوں نے اپنے گھر والوں کی یہ بات مان لی پس انہوں نے ہجرت نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

''اے ایمان والو تمہاری کچھ بیبیاں اور تمہارے بچے تمہارے دشمن ہیں [1] پس ہوشیار رہو ان سے اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے [2]''

[1] وہ دشمن اس لئے ہیں کیونکہ انہوں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دیا ہے تم ان کے شر اور گمراہی سے بے خوف نہ ہو جاؤ اور ان کی اطاعت نہ کرو کہ ان کی اطاعت کر کے تم ہجرت کو ہی چھوڑ بیٹھو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے امام ترمذی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت میں فرمایا جب یہ لوگ مدینہ طیبہ آئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو لوگوں کو دیکھا کہ وہ دین میں بڑی سمجھ بوجھ رکھتے ہیں تو انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی بیویوں، بچوں اور انہیں سزا دیں جنہوں نے ان کو ہجرت سے روکا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (2)۔ جب تم ان کی عداوت پر مطلع ہو چکے ہو تو انہیں معاف کر دو اور ان کے ساتھ انہیں جیسا سلوک نہ کرو، انہیں شرمندہ کرنے سے اعراض کرو اور ان کے گناہ بخش دو وَاِنْ تَعْفُوْا والا جملہ اور جو جملے اس پر معطوف ہیں یہ سب ان من ازواجکم

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 165 (وزارت تعلیم)

2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

وَاَوْلَادِكُمْ پر معطوف ہیں۔

3۔ اگر تم معاف کر دو گے اور ان کے گناہ بخش دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم پر رحم فرمائے گا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء بن یسار سے نقل کیا ہے کہ تمام سورۂ تغابن مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مگر یہ آیات مالک بن اشجعی کے حق میں نازل ہوئیں۔ وہ اہل و عیال والا تھا۔ جب وہ جہاد کے لئے تیاری کرتا تو وہ رونے لگتے اور اسے نرم کرنے کی کوشش کرتے اور کہتے تو ہمیں کن کے پاس چھوڑ کر جائے گا، وہ بھی نرم ہو جاتا اور ٹھہر جاتا، جہاد پر نہ جاتا تو یہ آیت اور سورت کے اختتام تک آیات مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں، یعنی وہ تمہارے دشمن ہیں جو تمہیں اطاعت اور جہاد کو ترک کرنے پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ ان کی باتیں ماننے سے احتیاط کرو اگر تم انہیں معاف کر دو، ان سے درگزر کرو اور انہیں بخش دو تو انہوں نے تمہاری جو مخالفت کی ہے اس پر انہیں سزا نہ دو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے(1)۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮

"بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں 1 اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر عظیم ہے 2"

1۔ فِتْنَةٌ یعنی مال اور اولاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہیں۔ جس نے اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ادا کئے، جبکہ بے شمار رکاوٹیں موجود تھیں تو اللہ تعالیٰ ابرار کی منازل میں انہیں جگہ عطا فرمائے گا۔ ایسے لوگ ان سے افضل ہوں گے جنہوں نے رکاوٹوں کے بغیر حقوق ادا کئے۔ اسی وجہ سے اہلسنت نے یہ نقطہ نظر اپنایا ہے کہ خاص بشر، یعنی انبیاء خاص ملائکہ سے افضل ہیں اور عام بشر، یعنی اولیاء اور صلحاء عام فرشتوں سے افضل ہیں کیونکہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکنے والا کوئی نہیں جنہیں مال اور اولاد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حقوق کی ادائیگی سے غافل کر دے، نافرمانیوں کے ارتکاب پر برانگیختہ کرے اور وہ حرام کھائے اللہ تعالیٰ اسے اسفل السافلین (جہنم کا نچلا گڑھا) میں ڈال دیتا ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم ہے اس لئے اسے طلب کرو اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو مال، اولاد اور ان کے لئے سعی کرنے پر ترجیح دو۔

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ نے بیویوں اور بچوں کی دشمنی کا ذکر کیا اور من بعضیہ ذکر فرمایا ہے کیونکہ بعض بیویاں اور بعض بچے اس طرح نہیں ہوتے، جبکہ فتنہ ہونے میں من بعضیہ ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ دل کو غافل کرنے سے تو خالی نہیں ہوتے۔ ہم سورۂ جمعہ میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کر آئے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں تو انہیں اٹھا لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جب آیت اتقوا اللّٰه حق تقاته نازل ہوئی تو صحابہ پر یہ عمل بڑا شاق ہو گیا۔ وہ اتنا طویل قیام کرتے کہ ان کی پنڈلیوں میں سوجن آ جاتی اور پیشانیاں زخمی ہونے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر تخفیف کرتے ہوئے مابعد حکم نازل کیا(2)۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑯

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

"پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے اور (اللہ کا فرمان) سنو اور اسے مانو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو یہ بہتر ہے تمہارے لئے اور جنہیں بچالیا گیا ان کے نفس کے بخل سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں [1]"

[1] فَاتَّقُوا اللّٰهَ کا عطف امنوا و اطیعوا پر ہے۔ اس میں فاء سببیہ ہے کیونکہ ایمان تقویٰ کا سبب ہے، معنی یہ ہے کہ تقویٰ کے حصول کے لئے اپنی ساری جدوجہد اور طاقت خرچ کرو، اس کی نصیحتیں سنو، اس کے احکام کی اطاعت کرو محض اس کی رضا کی خاطر اس کے راستہ میں اپنے مال خرچ کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ خیراً فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی اِفْعَلُوْا مَا هُوَ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِكُمْ یہ سابقہ حکم پر عمل کرنے پر برانگیختہ کرنے کے لئے تاکید پر دلالت کرتی ہے یا یہ انفقوا کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا یا یہ محذوف مصدر کی صفت ہے جو انفاقاً ہے یا یہ کان کی خبر ہے جو مقدر ہے اور امر کا جواب ہے۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

"اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ اسے کئی گنا کر دے گا تمہارے لئے [1] اور بخش دے گا تمہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان (اور) بہت حلم والا ہے [2]"

[1] یا تو لفظ اللہ اسم جلالت سے پہلے مضاف مقدر ہے، تقدیر کلام اس طرح ہے اِنْ تُقْرِضُوْا عِبَادَ اللّٰهِ یا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مال صرف کیا جائے اور اس کی بارگاہ سے ثواب اور جزا کی امید رکھی جائے۔ قَرْضًا حَسَنًا سے مراد یہ ہے یہ عمل اخلاص اور خوش دلی سے کیا جائے۔ وہ ریاکاری، شہرت، احسان اور تکلیف سے بری ہو اور یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔

[2] اللہ تعالیٰ اسے دس گنا سے سات سو یا اس سے بھی زیادہ تک بڑھا دے گا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ ابن کثیر، ابن عامر، یعقوب رحمہم اللہ تعالیٰ نے باب تفعیل سے یضعف پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے باب مفاعلہ سے پڑھا ہے۔

[3] مال خرچ کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا پہلے جو انفاق کا حکم دیا گیا تھا یہ ان تقرضوا اللہ اس کی علت ہے۔ اللہ تعالیٰ تھوڑے عمل پر اجر عظیم عطا فرمانے والا ہے اور بردبار ہے جلد سزا نہیں دیتا۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

"ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے سب پر غالب بڑا دانا ہے [1]"

[1] لوگوں سے جو چیز غائب ہے یا جس کا وہ مشاہدہ کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں یا جو چیز اب موجود ہے یا اس سے قبل پائی گئی یا بعد میں پائی جائے گی ان سب کو جانتا ہے، وہ غالب ہے، وہ مکمل قدرت اور علم والا ہے یہ پانچوں خبریں لفظ اللہ اسم جلالت پر محمول ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ھو ضمیر ہے۔

سورۃ الطلاق

اٰیاتھا ۱۲　سُوْرَۃُ الطَّلَاقِ مَدَنِیَّۃٌ ۶۵　رکوعاتھا ۲

سورۃ الطلاق مدنی ہے، اس میں 12 آیتیں اور 2 رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابورکانہ نے ام رکانہ کو طلاق دی پھر ابورکانہ نے مزینہ کی ایک عورت سے شادی کر لی۔ وہ عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا ابورکانہ تو میرے کسی کام کا نہیں (1) تو یہ آیت نازل ہوئی یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کی سند کمزور ہے۔ یہ روایت غلط ہے کیونکہ عبد یزید ابورکانہ مسلمان ہی نہیں ہوا تھا (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت صفیہ (۱) رضی اللہ عنہا کو طلاق دی۔ وہ اپنے گھر والوں کے پاس چلی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا حضور ﷺ سے عرض کی گئی کہ آپ حضرت حفصہ سے رجوع کر لیں کیونکہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا روزے دار اور قیام کرنے والی تھیں (3)۔ ابن جریر نے قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے مرسل روایت نقل کی ہے۔ ابن منذر نے ابن سیرین رحمہما اللہ تعالیٰ سے مرسل روایت ذکر کی۔ ابن ابی حاتم نے مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص اور طفیل بن عمرو بن سعید کے حق میں نازل ہوئی (4)۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝

"اے نبی (مکرم) (مسلمانوں سے فرمائیے) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور شمار کرو عدت کو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے نہ نکالو انہیں ان کے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں بجز اس کے کہ وہ ارتکاب کریں کسی کھلی بے حیائی کا اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی حدوں سے تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تجھے کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے گا"

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 533 (العلمیہ)　2۔ ایضاً، صفحہ 215۔　3۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا۔　4۔ ایضاً

(۱) تفسیر مظہری میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نام لکھا ہوا ہے، جبکہ دوسری تفاسیر میں حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کا نام ہے۔

1۔ یہاں ندا حضور ﷺ کے ساتھ خاص کی گئی، جبکہ حکم کے اعتبار سے خطاب عام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ امت کے امام ہیں۔ حضور ﷺ کو ندا کرنا ایسے ہی ہے جیسے تمام مومنین کو ندا کرنا ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام تو آپ سے کی گئی لیکن حکم سب کو شامل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس میں مجاز ہے اصل میں کلام ہے اے نبی مکرم اپنی امت سے کہو جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو۔ آیت میں ارادہ کرنے والے کو فاعل کی جگہ رکھا ہے جس طرح ان آیات میں ارادہ کرنے والے کو فاعل کے قائم مقام رکھا ہے: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ، فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔

2۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین نے کہا لعدتھن میں لام وقت کے لئے ہے، یعنی انہیں عدت کے وقت میں طلاق دو۔ اس کی تائید امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کرتی ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حیض میں طلاق حرام ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر حضور ﷺ کی خدمت میں کیا۔ حضور ﷺ سخت ناراض ہوئے پھر فرمایا وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے پھر اسے اپنے پاس روکے رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر اسے حیض آئے پھر وہ پاک ہو۔ اب اگر اسے یہ مناسب لگے کہ وہ اسے طلاق دے تو حقوق زوجیت ادا کرنے سے پہلے وہ اسے طلاق دے دے یہ وہ وقت ہے جس میں مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو طلاق دیں، متفق علیہ (1)۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ آیت اس قصہ کے بارے میں نازل ہوئی، یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تھی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدت طہر کی صورت میں ہوگی، حیض کی صورت میں نہ ہوگی۔ آیت میں قروء سے مراد طہر ہیں۔ احناف نے کہا لام وقت کے لئے ہو اور فی کے معنی میں ہو، یہ استعمال میں معروف نہیں اگر لام کو وقت کے معنی میں لیا جائے تو دو باتوں میں سے ایک ضرور لازم آئے گی یا تو عدت طلاق سے پہلے لازم ہوگی یا طلاق کے ساتھ ہی لازم ہوگی کیونکہ طلاق کا اس کے وقت میں وقوع کا تقاضا یہی ہے بلکہ یہاں لام عاقبت کے لئے ہے، یعنی پہلے طلاق واقع ہو اور بعد میں عدت شروع ہو جس طرح لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ موت کے لئے جنو اور بربادی کے لئے عمارات بناؤ، یعنی عورتوں کو طلاق دو یہاں تک کہ اس کے بعد عدت شروع ہو یا لام محذوف کا صلہ ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی تم اپنی بیویوں کو طلاق دو کہ وہ اپنی عدتوں کا سامنا کرنے والی ہوں۔ تمام عربوں کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ تاریخ بتانا چاہیں تو یوں کلام کرتے ہیں خَرَجْتُ لِثَلٰثٍ بَقِيْنَ مِنْ رَمَضَانَ میں اس وقت روانہ ہوا جب رمضان کے تین دن باقی تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں موجود ہے اس طرح ہے کہ حضور ﷺ نے یوں تلاوت کی: اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی قراءتوں کا معنی یہ ہے کہ عدتیں شروع ہونے سے قبل انہیں طلاق دو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عدت حیض کی صورت میں پوری کی جائے گی طہر کی صورت میں پوری نہیں کی جائے گی۔ حیض یا طہر کی صورت میں عدت کے پورا کرنے اور حیض میں طلاق کے حرام ہونے کا مسئلہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ: علماء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ جب طہر میں عورت سے حقوق زوجیت ادا کئے ہوں اس میں طلاق دینا حرام ہے کیونکہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 476 (قدیمی) 2۔ ایضاً، صفحہ 477

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ حقوق زوجیت سے پہلے اسے طلاق دے ایسی عورت جس سے جماع نہ کیا(1) ہو۔ اسے حیض کی حالت میں طلاق دینا حرام ہے۔ ایسی چھوٹی عورت جسے حیض نہ آتا ہو اسے وطی کے بعد طلاق دینا یا جو عورت مایوسی کی عمر کو پہنچ چکی ہو اسے وطی کے بعد طلاق دینا حرام نہیں کیونکہ حرمت عدت کے طویل ہونے کی وجہ سے ہے غیر مدخول بھا (جس سے وطی نہ کی گئی ہو) پر کوئی عدت نہیں۔ چھوٹی عورت اور مایوس عورت کی عدت کیونکہ مہینوں کے اعتبار سے ہوتی ہے اس لئے اگر انہیں جماع کے بعد بھی طلاق دی جائے تو عدت طویل نہیں ہوتی اس لئے کوئی حرج نہیں۔

یاد رکھتے ہوئے عدت کو شمار کرو، پورے تین حیض ٹھہرو تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عدت کے ختم ہونے کے بعد رجوع واقع ہو جائے یا عدت کے ختم ہونے سے پہلے کسی اور خاوند سے شادی نہ کر بیٹھو یہ سب ناجائز ہے۔ عدت کو لمبا کرنے اور انہیں نقصان پہنچانے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرو طلاق رجعی دی گئی ہو یا بائنہ۔ عورتوں کو ان گھروں سے نہ نکالو جن گھروں میں وہ طلاق کے وقت رہائش پذیر تھیں یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے یہ ان کے خاوندوں کے گھر ہیں وہ خود بھی اپنی پسند سے نہ نکل جائیں۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو یا بائنہ خاوند کے گھر سے دن یا رات کے وقت ضرورت کے بغیر نکلنا جائز نہیں کیونکہ ضرورت عبادات میں بھی مستثنیٰ ہوتی ہے اور ضرورت ممنوع چیزوں کو بھی مباح کر دیتی ہے۔ جیسے گھر ہی گر پڑے، مال چوری ہونے کا خوف، گھر کا کرایہ نہ ہو دونوں میاں بیوی کے لئے گھر تنگ ہو یا خاوند فاسق ہو، جبکہ طلاق بائنہ ہو اور وہاں ایسا کوئی شخص بھی موجود نہ ہو جو رکاوٹ بن سکے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس عورت کو طلاق بائنہ دی گئی ہو وہ دن کے وقت اپنی ضروریات کے لئے نکل سکتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں مذہب مروی ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر اس عورت کو سوت بیچنے، روئی خریدنے یا اس جیسا کوئی کام ہو تو دن کے وقت اس کے لئے نکلنا جائز ہے رات کے وقت نکلنا جائز نہیں اس پر اجماع ہے۔ علماء نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ان کی خالہ کو طلاق دی گئی تو اس نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی کھجوروں کی نگہداشت کرے۔ ایک مرد نے اسے باہر نکلنے پر جھڑکا تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اپنی کھجوروں کی نگہداشت کرو کیونکہ ممکن ہے کہ تو انہیں صدقہ کرے یا کوئی نیکی کرے۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(2)۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اخبار آحاد قطعی آیت کے معارض نہیں ہو سکتیں ہاں اجماع اسی پر ہے کہ وہ انتہائی مجبوری کی صورت میں باہر جا سکتی ہے۔

مسئلہ: جب عورت پر سفر میں عدت لازم ہو، جبکہ وہ اقامت کی جگہ پر نہ ہو جس جگہ وہ ہے اگر اس کے اور اس کے اپنے شہر کے درمیان سفر کی مسافت نہ ہو تو وہ واپس اپنے گھر آ جائے تو وہ واپس آ جائے اگر دونوں جانب برابر سفر ہو تو اسے اختیار ہوگا کہ واپس آ جائے یا اپنے مقصد کے لئے سفر جاری رکھے اس کے ساتھ ولی ہو یا نہ ہو تاہم گھر واپس آ جانا بہتر ہے تا کہ اس کی عدت خاوند کے گھر میں گزر جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ زیادہ قریبی کو اختیار کرے اگر جس جگہ وہ ہے اس کے اور اس کے گھر کے درمیان سفر کی مسافت ہو، جبکہ اس کے اور جہاں وہ جا رہی تھی اس کے درمیان کم فاصلہ ہو تو وہ اپنے مقصد کے لئے جائے اگر اس جگہ وہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہری ہوئی ہے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہاں ہی عدت گزارے، جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے اپنے وطن کی طرف لوٹنے اور اپنی منزل کی طرف جانے کا اختیار ہوگا۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 476 (قدیمی)

2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 486 (قدیمی)

مسئلہ:۔ جس عورت کا خاوند فوت ہو چکا ہو اس کے لئے دن کے وقت اپنے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے، رات کے وقت نکلنا جائز نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بالکل جائز نہیں۔ یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ غزوہ احد میں چند صحابہ شہید ہو گئے تو ان کی عورتوں نے کہا ہمیں اپنے گھروں میں وحشت ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے انہیں اجازت دی کہ وہ ایک کے گھر میں جمع ہو کر باتیں کر لیا کریں۔ جب نیند کا وقت ہو جائے تو ہر عورت اپنے گھر چلی جائے۔ سورۂ بقرہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن کی حدیث گزری ہے کہ حضور ﷺ نے اسے خاوند کی وفات کی عدت میں فرمایا تھا اپنے گھر میں رہو یہاں تک کہ عدت مکمل ہو جائے (1)۔

ؔ یہ استثناء مفرغ ہے اور ظرف کے محل میں ہے، معنی یہ ہوگا انہیں کسی وقت بھی نہ نکالو ہاں تم انہیں نکال سکتے ہو جب وہ بدکاری کریں۔ حضرت ابن عمر، سدی اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا فاحشہ کے لئے عدت ختم ہونے سے پہلے بھی خاوند کے گھر سے نکلنا جائز ہے (2) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ عجیب و غریب نقطہ نظر ہے۔ قیاس خطابی میں یہ بات کہی جاتی ہے تو بدکاری نہ کر مگر جب تو بدکار ہو تو کسی کو گالی نہ دے مگر جب تو قطع رحمی کرنا چاہتی ہو (3) اس صورت میں استثناء وَلَا یَخْرُجْنَ سے ہوگی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا فاحشہ سے مراد زنا ہے۔ اسے حد جاری کرنے کے لئے لے جایا جائے گا پھر اسے گھر واپس کر دیا جائے گا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ توجیہ الفاظ کے اعتبار سے زیادہ ظاہر ہے کیونکہ الا کا لفظ غایت کے لئے آیا (الیٰ کے معنی میں ہے) کوئی بھی شے اپنی غایت نہیں ہو سکتی (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فاحشہ مبینہ سے مراد یہ ہے کہ وہ مطلقہ عورت خاوند کے گھر والوں سے بدکلامی کرتی ہو تو اسے نکالنا صحیح ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی نافرمانی پر اسے طلاق دے دے۔ ان دونوں تاویلوں کی صورت میں یہ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ سے مستثنیٰ ہے۔

ؔ تلک اسم اشارہ سے مراد مذکورہ احکام ہیں۔ اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا کیونکہ اس نے اپنے آپ کو عذاب پر پیش کیا ہے۔ لعل اللہ یہ جملہ مفرد کی تاویل میں ہو کر لا تدری کا مفعول ہے اے مخاطب تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کیا صورتحال پیدا فرما دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اَحْصُوا الْعِدَّةَ کی علت ہے، معنی یہ ہوگا شاید اس بغض، فراق اور اعراض کے بعد اللہ تعالیٰ خاوند کے دل میں عورت کے لئے محبت اور رغبت پیدا فرما دے تم طلاق پر شرمندہ ہو جاؤ اور رجوع کا ارادہ کر لو۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ

"تو جب وہ پہنچنے لگیں اپنی میعاد کو تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا جدا کر دو انہیں بھلائی کے ساتھ لے اور گواہ مقرر کر لو دو معتبر آدمی اپنے میں سے لے اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو ان باتوں سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو

1۔ شرح فتح القدیر، جلد 3، صفحہ 298 (التجاریہ)
2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
3۔ شرح فتح القدیر، جلد 3، صفحہ 297 (التجاریہ)
4۔ شرح فتح القدیر، جلد 3، صفحہ 297 (التجاریہ)

ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ۳؎ اور جو خوش بخت ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کا راستہ ۴؎ ‘‘

۱؎ بَلَغْنَ اور اَجَلَهُنَّ کی ضمیران مطلقہ عورتوں کی طرف لوٹ رہی ہے جنہیں طلاق رجعی دی گئی ہو۔ پہلے عام مطلقہ عورتوں کا ذکر تھا یہاں ان میں سے بعض کے لئے حکم ذکر کیا گیا یہ اس کے عموم کو باطل نہیں کرتا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ اس میں حکم عام ہے، جبکہ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ میں ضمیر عموم کی طرف نہیں لوٹ رہی بلکہ ان میں سے خاص افراد کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے جن کی عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جائے تو ان سے اچھے طریقہ سے رجوع کر لو یا اچھے طریقہ سے انہیں چھوڑ دو تو وہ بغیر کسی تکلیف کے تم سے جدا ہو جائیں۔ تکلیف کے ساتھ جدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس سے رجوع کرے پھر عدت کو لمبا کرنے کے لئے طلاق دے دے۔

۲؎ شک وشبہ سے بچنے اور جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے دو عادل گواہ بنالو۔ یہاں گواہ بنانے کا امر استحباب کے لئے ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک روایت اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا صحیح ترین قول ہے، جبکہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی دوسری روایت میں ہے کہ گواہ شرط ہیں کیونکہ امر وجوب کے لئے ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ طلاق پر گواہ بنانا بالا جماع واجب نہیں بلکہ امر استحباب کے لئے ہے جس طرح اس آیت میں امر استحباب کے لئے ہے وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ یہ ممکن نہیں کہ رجوع کے حق میں تو امر وجوب کے لئے ہو اور جدائی کے حق میں امر استحباب کے لئے ہو ورنہ حقیقت ومجاز کا جمع ہونا لازم آئے گا۔

۳؎ اے گواہو جب تمہیں گواہی کے لئے بلایا جائے تو محض اللہ کے لئے گواہی دو، دنیاوی غرض کے لئے گواہی نہ دو۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے اسے یہ نصیحت کی جاتی ہے کیونکہ ایماندار ہی اس سے نفع حاصل کرتا ہے اور اسی کو نصیحت کرنا مقصود ہے۔

ابن مردویہ نے کلبی رحمہما اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے ابو صالح سے، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ عوف بن مالک اشجعی آیا عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے بیٹے کو دشمنوں نے قید کر لیا ہے اور اس کی ماں بھی سخت پریشان ہے آپ ﷺ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تو اور تیری اہلیہ کے لئے یہی حکم ہے کہ کثرت سے **لا حول ولا قوة الا باللہ** پڑھو۔ عورت نے کہا کتنا اچھا اللہ کے رسول نے تمہیں حکم دیا ہے۔ وہ دونوں کثرت کے ساتھ یہ ورد پڑھنے لگے اس کے بیٹے سے دشمن غافل ہوا۔ اس نے ان کے ریوڑ کو ہانکا اور اپنے باپ کے پاس لے آیا(1)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بکریوں کی تعداد چار ہزار تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عوف بن مالک حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی یا رسول اللہ ﷺ دشمنوں نے میرے بیٹے کو قید کر لیا ہے ساتھ ہی تنگدستی کی شکایت کی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ سے ڈرو، صبر کرو اور کثرت سے **لا حول ولا قوة الا باللہ** پڑھو۔ عوف نے ایسا ہی کیا۔ ایک روز وہ اپنے گھر میں تھا کہ اس کا بیٹا اس کے پاس پہنچ گیا، جبکہ اس کا دشمن غافل ہو گیا تھا اس نے اونٹ لئے اور اپنے باپ کے پاس انہیں لے آیا(2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل سالم بن جعد اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

سے بھی روایت کیا ہے کہا یہ آیت اشجع کے حق میں نازل ہوئی جو فقیر اور تنگدست تھا، جبکہ اہل وعیال بے شمار تھے پھر اسی کی مثل روایت نقل کی(1)۔ خطیب نے اپنی تاریخ میں جریر رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور مرسل سند سے نقل کیا ہے۔ کثیر شواہد کی بناء پر یہ روایت صحت کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں جو یہ کہا تھا کہ وہ منکر ہے اب اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

سے جو مصیبت اور آزمائش میں تقویٰ اختیار کرے، صبر کرے، جزع فزع چھوڑ دے اور محرمات کا ارتکاب نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے نکالنے کی کوئی راہ پیدا فرما دیتا ہے۔

وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۖ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۖ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهٖ ۚ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝

"اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے[1] جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لئے وہ کافی ہے[2] بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے[3] مقرر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ[4]"

1۔ اللہ تعالیٰ فقر و تنگدستی کے بعد ایسی جگہ سے رزق حلال عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے عوف بن مالک کو رزق عطا فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس پر فاقہ آ پڑے وہ اپنی تکلیف لوگوں کے سامنے رکھے اللہ تعالیٰ اس کے فاقہ کو ختم نہیں کرتا اور جس پر فاقہ آئے اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی شکایت کرے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر اسے رزق عطا فرمائے(2) اسے ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا اور کہا امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دے یا تو موت عطا کر کے یا مال و دولت سے نواز کر۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی بھوکا یا ضرورت مند ہو اس نے اپنی ضرورت کو لوگوں سے چھپایا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا تو یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ حلال مال سے اسے سال بھر کا رزق عطا فرمائے(3)۔

فائدہ:۔ امام بغوی نے کہا مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا عوف بن مالک کے بیٹے نے ریوڑ اور مال پر قبضہ کیا اور اپنے باپ کے پاس لے آیا اس کا باپ عوف حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا سب واقعہ عرض کیا اور پوچھا اس کا بیٹا جو مال لایا ہے کیا وہ حلال ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا حلال ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

فائدہ:۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دینی اور دنیاوی منافع کے حصول اور نقصانات کو دور کرنے کے لئے کثرت سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھنے کا حکم دیا اس کی مقدار بھی معین فرمائی کہ ہر روز پانچ سو دفعہ ان کلمات کا ورد کرے اس سے قبل اور بعد میں سو سو دفعہ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہو وہ اسے اپنے

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 2۔ جامع ترمذی، جلد 2 صفحہ 56 (وزارت تعلیم) 3۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

پاس باقی رکھنا چاہے تو وہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھے(1) اسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عقبہ بن عامر کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں ابوموسیٰ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ یہ کلمات جنت کے خزانوں میں سے خزانہ ہے(2)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے جس نے لا حول ولا قوۃ الا باللہ کے کلمات کہے تو یہ ننانوے بیماریوں کی دواء ہے جن میں سے سب سے کم درجے والی غم ہے۔

مسئلہ:۔ جب کوئی مسلمان دارالحرب میں قیدی یا چور کی حیثیت سے خفیہ طریقہ سے داخل ہوا اور اس نے امان بھی نہ لی ہو اس نے کسی حربی کا مال چوری، غصب یا کسی اور طریقہ سے قبضہ میں لیا ہو پھر اسے دارالاسلام میں لے آیا ہو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور اس کی ملکیت حلال ہوگی اس مال سے خمس نکالنا لازم نہیں ہوگا اگر حربی نے اس کے پاس مال امانت کے طور پر رکھا ہو یا وہ دارالحرب میں امان لے کر داخل ہوا ہو خواہ تاجر کی حیثیت سے گیا ہو یا سیاح بن کر گیا ہو پھر وہ ان کے مال پر قابض ہوا اور دارالاسلام میں لے آیا تو حرام ملکیت کے ساتھ اس کا مالک ہوگا کیونکہ اس نے دھوکہ دیا ہے اور وعدہ کو توڑا ہے اس پر کوئی خمس نہیں ہوگا اگر اس نے حربی کا مال زبردستی لیا تو اس کا حکم غنیمت کا ہوگا اس میں خمس واجب ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عکرمہ، شعبی اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا آیت کا معنی یہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کیا اور طلاق سنت دی تو اللہ تعالیٰ رجوع کی کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر ایسی چیز سے نکلنے کی کوئی راہ بنا دیتا ہے جو لوگوں کے لئے تنگی کا باعث ہو۔ ابوالعالیہ نے کہا شدت سے نکلنے کی کوئی راہ بنا دیتا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے اسے جس چیز سے منع کیا ہے اس سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ میں کہتا ہوں نظم آیت اشجعی کے قصہ کے مطابق ہے اور عام حکم کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ وہ سورت کے سیاق کے مناسب ہے جملہ معترضہ سابقہ جملہ کی تاکید کے لئے ہے معنی یہ ہوگا مردوں میں سے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے عورت کی نافرمانی اور سرکشی کے باوجود وہ اس پر ظلم نہیں کرتا جب اس کی نافرمانی کی وجہ سے یا کسی اور صحیح غرض کی وجہ سے وہ جدائی کا ارادہ کرتا ہے حیض کے عالم میں طلاق نہیں دیتا عدت کو لمبا کر کے اسے نقصان پہنچانے کا قصد بھی نہیں کرتا، اسے گھر سے نہیں نکالتا اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز بھی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے معصیت اور عورت کے برے رویے سے چھٹکارا کی کوئی راہ پیدا فرما دے گا اور اس بیوی کے بدلہ میں ایسی نیک عورت عطا فرما دے گا جو اس کے دل میں کھٹکی تک نہیں ہوگی۔ عورت کی بھی یہی صورتحال ہے جب وہ اللہ سے ڈرے، نافرمانی اور طلاق طلب کرنے کے ساتھ خاوند پر ظلم نہ کرے یا خاوند کی طرف سے اذیت دینے پر دو صبر کرے اللہ تعالیٰ اس عورت کے لئے اس مصیبت سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا فرما دے گا، اسے کھانا عطا فرمائے گا اور مردوں میں سے صالح خاوند عطا فرمائے گا جس کے بارے میں اس کے دل میں خیال تک نہ گزرا ہوگا یہ عام متقین کے لئے عمومی حکم کا فائدہ بھی دیتا ہے کہ انہیں دونوں جہانوں کی مضرتوں سے خلاصی اور دونوں جہانوں کی بھلائیوں کا فائدہ بھی دے گا۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں اگر تمام لوگ اس کو پکڑ لیں تو یہ آیت ان کے لئے کافی ہو جائے وہ ومن یتق اللہ ہے(3) اسے امام احمد، ابن ماجہ اور داری رحمہم اللہ تعالیٰ نے ابوذر سے روایت کیا ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور اس میں یہ اضافہ

1۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 122 (الفکر) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 605 (وزارت تعلیم) 3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 520 (العلمیہ)

کیا۔ حضور ﷺ لگا تار اسے پڑھتے اور دہراتے رہے۔

1 جس چیز کا اس نے قصد کیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو وہ بھی تمہیں اسی طرح رزق عطا فرمائے گا جس طرح وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے۔ وہ صبح بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر واپس آتے ہیں(1) اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار افراد حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے وہ وہ افراد ہیں جو منتر نہیں کراتے، فال نہیں پکڑتے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، متفق علیہ۔ ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ وہ داغ نہیں لگواتے(2)۔

2 وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے مکمل کرتا ہے، اس کی مراد فوت نہیں ہو سکتی اس کے فیصلے کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ حفص رحمۃ اللہ علیہ نے بالغ کو اضافت کے ساتھ تنوین کے بغیر پڑھا ہے جس طرح متن میں موجود ہے، جبکہ باقی قراء نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور امر کو نصب دی ہے۔

مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا انسان اللہ تعالیٰ پر توکل کرے یا نہ کرے وہ کام کو مکمل کرنے والا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جو اس پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے اور اسے اجر عظیم عطا فرماتا ہے(3)۔

3 قدر کا معنی تقدیر یا مقدار ہے۔ سابقہ آیت میں طلاق کا وقت عدت کا عرصہ اس کو شمار کرنے کا حکم سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بعد میں جن مقادیر کا ذکر آ رہا ہے ان کی یہ تمہید ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تنگدستی اور خوشحالی کا وقت مقرر کر رکھا ہے جس کے آنے پر وہ ختم ہو جاتی ہے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اس میں جزع فزع کوئی فائدہ نہیں دیتی یہ توکل کے واجب ہونے کا بیان ہے مسروق کا قول اس تاویل کے مناسب ہے۔

ابن جریر، اسحاق بن راہویہ، حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے علماء نے صحیح سند کے ساتھ ابی بن کعب سے روایت کیا ہے جب عورتوں کی عدت کے بارے میں سورۂ بقرہ میں آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے کہا کچھ عورتیں باقی ہیں جن کا ذکر نہیں ہوا جیسے چھوٹی عمر کی عورتیں، بوڑھی عورتیں اور حاملہ عورتیں تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(4)۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝

"اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں 1 اگر تمہیں شبہ ہو 2 تو ان کی عدت تین ماہ ہے 3 اور اسی طرح ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آیا ہی نہیں 4 اور حاملہ عورتوں کی میعاد ان کے بچے جننے تک ہے 5 اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے تو وہ اس کے کام میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے 6"

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 57 (وزارت تعلیم)
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 116 (قدیمی)
3۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
4۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا

1. وَ الّٰٓئِیْ میں قراء کا اختلاف سورۂ مجادلہ میں گزر چکا ہے۔ محیض مصدر میمی ہے، یہ حیض سے بنا ہے ایسی عورتیں جو بڑھاپے کی وجہ سے امید نہیں رکھتیں کہ وہ حیض کی امید رکھیں۔ بعض علماء نے اس کی عمر پچپن سال مقرر کی ہے اور بعض نے ساٹھ سال معین کی ہے۔

2. اگر تمہیں ان کی عدت میں شک ہو اس شرط میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عورتیں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں یا جنہیں حیض آتا ہی نہیں ان کی عدت کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مستنبط کرنا درست ہے وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ کیونکہ عموماً تین حیض تین مہینوں میں متحقق ہوتے ہیں۔ جب حیض نہ آتا ہو تو ایسے زمانے کی رعایت واجب ہوگی جس میں عموماً تین حیض آتے ہیں جس طرح علماء نے پندرہ سال، سترہ سال یا اس جیسے اقوال کے ساتھ ان کے بالغ ہونے کا حکم لگایا ہے کیونکہ عموماً اس عمر میں بچہ بالغ ہو جاتا ہے جس طرح شرع شریف نے سال کے گزرنے کو مال میں اضافہ کے قائم مقام کیا ہے کیونکہ سال بھر میں عموماً مال میں اضافہ ہو ہی جاتا ہے اس کی بے شمار مثالیں ہیں، جس طرح سالوں کے اعتبار سے مایوسی کو مقدر کرنا۔

3. مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ خلاد بن عمر بن جموح نے حضور ﷺ سے اس عورت کی عدت کے بارے میں سوال کیا جسے حیض نہیں آتا تو یہ آیت نازل ہوئی(1)۔

4. وہ عورتیں جنہیں حیض نہیں آتا وہ عمر کی چھوٹی (نابالغ) ہوں، قریب البلوغ ہوں یا بالغ ہوں مگر مایوسی کی عمر کو پہنچی ہوئی ہوں۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جس پر سابقہ کلام دلالت کرتی ہے، یعنی اس طرح ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ یہ اپنے معطوف کے ساتھ مل کر فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کے مفہوم پر معطوف ہے کیونکہ لِعِدَّتِهِنَّ میں اضافت اور العدۃ میں لام تعریف عہد خارجی کے لئے ہے، یعنی ان کی عدت اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ سے معلوم ہے یہ اضافت اور لام اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان عورتوں کی عدت جنہیں حیض آتا ہے وہ تین حیض ہے۔ یہ آیت اس پر معطوف ہے جو آزاد عورتوں کے ساتھ مختص ہے جنہیں طلاق دی گئی ہو انہیں طلاق رجعی دی گئی ہو، بائنہ دی گئی ہو، ان سے خلع کیا گیا ہو، وہ مسلمان ہوں، کتابی ہوں، جبکہ وہ مسلمان کے عقد میں ہوں، لونڈیاں وہ کنیزائیں ہوں، مکاتبہ(ا) ہوں یا مدبرہ(ب) ہوں جب انہیں حیض نہ آتا ہو تو ان کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کے نصف کے برابر ہوگی، یعنی ڈیڑھ ماہ اسی پر اجماع ہے۔ ہم نے سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت کر دی ہے کہ لونڈی کے لئے کل دو طلاقیں ہیں، اسی کی عدت دو حیض ہیں جب حیض اور طلاق کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا تو ہم نے دو مکمل کر دیئے، جبکہ مہینہ کو تقسیم کیا جا سکتا ہے تو عدت ڈیڑھ ماہ رہ گئی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے ہمیں سفیان بن عیینہ نے روایت کیا انہیں محمد بن عبد الرحمٰن جو ابی طلحہ کے غلام ہیں نے روایت کیا، انہیں سلیمان بن یسار نے روایت کیا، انہوں نے عبد اللہ بن عتبہ سے روایت کیا، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ غلام دو عورتوں سے شادی کر سکتا ہے، دو طلاقیں دے سکتا ہے۔ لونڈی دو حیض عدت گزارے گی اگر اسے حیض آتا ہو یا ڈیڑھ ماہ عدت گزارے گی۔

مسئلہ:۔ ایک نوجوان عورت جسے حیض آتا تھا لیکن مایوسی کی عمر میں پہنچنے سے پہلے ہی اس کا حیض ختم ہو جاتا ہے۔ اکثر علماء کی یہ رائے

1۔ تفسیر خازن زیر آیت ہذا۔

(ا) جس کی آزادی کے لئے رقم پر معاہدہ کیا گیا ہو۔ (ب) جس سے یہ وعدہ ہو کہ مالک کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہوگی، مترجم۔

ہے کہ اس کی عدت اس وقت تک ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ اسے دوبارہ حیض آئے اور وہ تین حیض عدت گزارے یا وہ مایوسی کی عمر کو پہنچ جائے تو تین ماہ عدت گزارے۔ یہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ یہ عورتیں نہ ان میں داخل ہیں جو مایوسی کی عمر کو پہنچ چکی ہیں اور نہ ہی ان عورتوں میں شامل ہیں جنہیں حیض نہیں آتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک قول یہ مروی ہے کہ وہ نو ماہ انتظار کریں اگر اسے اس عرصہ میں حیض نہ آئے تو تین ماہ عدت گزارے۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا وہ ایک سال تک انتظار کریں اگر پھر بھی حیض نہ آئے تو تین ماہ عدت گزاریں۔

مسئلہ:۔ اگر مطلقہ عورت کو دو حیض آئیں پھر وہ مایوسی کی عمر کو پہنچ جائے، اس کا خون ختم ہو جائے تو نئے سرے سے مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارے۔ اگر مایوس عورت مہینوں کے اعتبار سے عدت گزار رہی تھی اس نے عدت کے گزرنے کے بعد خون دیکھا یا عدت کے درمیان خون دیکھا سابقہ عدت ختم ہو جائے گی۔ اگر اس عدت کے گزرنے کے بعد اس نے کسی سے نکاح کیا ہوگا تو اس کا نکاح بھی فاسد ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہوگا، جب اس نے خون عادت کے مطابق دیکھا ہوگا یعنی اس کا خون سیاہ ہو یا سرخ اگر وہ خون زرد، سبز یا میالہ دیکھے تو وہ حیض نہ ہوگا ہاں اگر مایوسی کی عمر سے پہلے بھی اسے زرد خون آتا ہو تو اس نے اب بھی ایسا ہی خون دیکھا یا اسے جما ہوا خون آتا تھا تو اس نے بھی خون اسی طرح دیکھا تو سابقہ حکم ہوگا۔

اگر طلاق مہینے کے آغاز میں ہوئی تو وہ بالاتفاق مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارے گا اگر مہینے کے درمیان طلاق واقع ہوئی تو دنوں کا اعتبار ہوگا اور اس کی عدت نوے دن میں ختم ہوگی۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک پہلے مہینے (1) کے تیس دن پورے کئے جائیں گے دوسرے درمیانی مہینے چاند کے مہینے ہوں گے۔

مسئلہ:۔ اس آیت میں ان عورتوں کی عدت کا حکم نہیں جن کے خاوند فوت ہو چکے ہوں کیونکہ بیوہ عورت کی عدت اگر وہ حاملہ نہ ہو تو چار ماہ دس دن ہے وہ نابالغ ہو، مایوس ہو یا جوان ہو اس آیت کے حکم کو مطلقہ عورتوں نہ کہ بیوہ کے ساتھ خاص کرنے کا سبب اجماع ہے۔ حالانکہ لفظ عام ہے۔ اجماع کی دلیل ابی بن کعب کی حدیث ہے جو ہم نے شان نزول میں بیان کی ہے۔ صحابہ نے یہ کہا تھا کچھ عورتیں ذکر کرنے سے رہ گئی ہیں جیسے نابالغ، بوڑھی اور حاملہ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ میں ان عورتوں کی عدت کا ذکر نہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ عام ہے یہ تمام بیواؤں کو شامل ہے کوئی بیوہ اس حکم سے خارج نہیں نیز یہ آیت کسی قسم کا شک وشبہ بھی نہیں رکھتی کیونکہ شک وشبہ تو دلیل ظنی سے متصور ہوتا ہے جبکہ یہ آیت اپنے عموم کی وجہ سے تمام بیواؤں کو شامل ہوگی۔

ف اگر یہ کہا جائے کہ یہ دلیل جس طرح یہ تقاضا کرتی ہے کہ آیت مطلقہ عورتوں کے ساتھ خاص ہو اسی طرح یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ بھی مطلقہ عورتوں کے ساتھ خاص ہو، جبکہ ایسا قول کسی نے بھی نہیں کیا تو یہاں اختصاص کی دلیل کو

(1) مثلاً اگر پہلے مہینے کے دس دن رہتے ہوں تو درمیان والے مہینے چاند کے اعتبار سے شمار ہوں گے ان دو مہینوں کے بعد اگلے مہینے کے بیس دن شمار ہوں گے۔ (مترجم)۔

کیسے چھوڑ دیا گیا ہے، جبکہ تینوں جملے ایک ہی ترتیب میں ہیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں یہاں تخصیص کی دلیل اجماع ہے ورنہ اخبار آحاد ہمارے نزدیک دلیل قطعی کی مخصص نہیں بن سکتیں، جبکہ یہاں اجماع اس کے برعکس ہے، یعنی اُولَاتُ الْاَحْمَالِ مطلقہ اور بیوہ دونوں کو شامل ہو۔

ابن علیہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب بیوہ حاملہ ہو تو اس کے لئے وضع حمل اور چار ماہ دس دن کی عدت گزارنا احتیاط کے طور پر لازمی ہے تاکہ دونوں آیتوں کے حکم پر عمل ہو جائے۔ جمہور علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وضع حمل کے ساتھ اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ ان کے حق میں وضع حمل کا اعتبار نہیں ہوگا۔ مؤطا امام مالک میں سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم نے ایسی عورت کے بارے میں اختلاف کیا جو خاوند کی وفات کے چند روز بعد بچہ جنتی ہے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا جب اس نے بچہ جن دیا تو اب اس کے لئے نکاح کرنا حلال ہے، جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا دونوں عدتوں میں سے لمبی عدت گزارنا ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میری رائے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام کریب کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا کہ آپ سے اس بارے میں یہ سوال کرے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ سبیعہ اسلمیہ نے اپنے خاوند کی وفات کے چند روز بعد بچہ جنا اس بات کا ذکر حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں کیا گیا آپ نے فرمایا تو حلال ہو چکی ہے جس سے چاہے نکاح کر لے (1)۔ صحیحین میں عمر بن عبداللہ بن ارقم کی حدیث ہے کہ وہ سبیعہ اسلمیہ کے پاس گئے اور ان سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو سبیعہ اسلمیہ نے جواب دیا کہ وہ حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں جو بنی عامر بن لوی سے تعلق رکھتے تھے، یہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے اور حجۃ الوداع میں ان کا وصال ہوا، جبکہ حضرت سبیعہ حاملہ تھیں چند دن ہی گزرے تھے کہ انہوں نے بچہ جن دیا جب نفاس سے فارغ ہوئیں تو دعوت نکاح کے لئے خوبصورت لباس پہنا۔ ابو سنابل بن بعکک جو بنی عبدالدار سے تعلق رکھتا تھا ان کے پاس گیا اس نے پوچھا میں کیا دیکھتا ہوں کہ تم نے زیب و زینت کی ہوئی ہے شائد تم نکاح کرنا چاہتی ہو اللہ کی قسم تو چار ماہ دس دن گزرنے سے پہلے نکاح نہیں کر سکتی تو حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا نے کہا جب ابو سنابل نے مجھے یہ کہا میں نے اپنے کپڑے اپنے اوپر لپیٹے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے اس بارے میں آپ سے دریافت کیا آپ نے مجھے یہ فتویٰ دیا کہ جب سے تو نے وضع حمل کر دیا ہے تو تو حلال ہو چکی ہے۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ اگر مناسب سمجھے تو کسی سے نکاح کر لے (2) جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ بیوہ کو بھی شامل ہے، جس طرح ابی بن کعب کی حدیث دلالت کرتی ہے میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہوگی یہ ان عورتوں کے لئے بھی ہے جن کو تین طلاقیں دی گئیں اور ان عورتوں کو بھی جن کے خاوند فوت ہو جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں یہ ان عورتوں کے لئے ہے جنہیں تین طلاقیں دی گئیں اور ان عورتوں کے لئے بھی حکم ہے جن کے خاوند فوت ہو گئے ہوں لیکن اس کی سند میں مثنی بن صباح متروک ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ آیت چار ماہ دس دن والی آیت کے لئے مخصص ہے کیونکہ بعد والی آیت کے ساتھ پہلی آیت کی

1۔ مؤطا امام مالک، جلد 1، صفحہ 530 (وزارت تعلیم)

2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 486 (قدیمی)

تخصیص جائز ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس آیت کے عموم کی محافظت اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ کو عموم پر رکھنے سے بہتر ہے کیونکہ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ کا عموم ذاتی ہے اور ازواج کا عموم بالعرض ہے یہاں حکم قیاسی ہے وہاں ایسا نہیں نیز حدیث سبیعہ بھی اس کی مؤید ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ آیت سورۂ بقرہ والی آیت جس میں مقدار کا ذکر تھا اس کے لئے ناسخ ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کیا تم اس پر سختی کرتے ہو، اس کے لئے رخصت تلاش نہیں کرتے۔ سورۂ طلاق سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے(1) ابوداؤد، نسائی، اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے جو چاہے، مجھ سے مباہلہ کرے۔ سورۂ طلاق سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی(2)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے جو چاہے میں اس کے مقابلہ میں قسم اٹھانے کو تیار ہوں۔

مسئلہ:۔ حاملہ آزاد ہو یا لونڈی ہو ان کی عدت میں کوئی فرق نہیں کیونکہ وضع حمل تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔

مسئلہ:۔ جڑواں بچوں کی ماں کی عدت آخری بچے کی پیدائش کے ساتھ ختم ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان حملھن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تمام حمل کا وضع ہو، یعنی جو کچھ رحم میں ہے سب باہر آ جائے۔

لے جو احکام الٰہیہ کی بجا آوری میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت کے معاملہ کو آسان کر دیتا ہے اور بھلائی کی ہی توفیق دیتا ہے۔

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝۵

"یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے(1) اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور (روز قیامت) ان کے اجر کو بڑا کر دے گا(2)۔"

لے ذٰلک سے مراد مذکورہ احکام ہیں ترکیب کلام میں یہ مبتدا ہے، اَمْرُ اللّٰهِ اس کی خبر ہے۔ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ یہ اَمْرُ اللّٰهِ سے حال ہے اس میں عامل اسم اشارہ کا معنی ہے۔

۲ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس کے حقوق کی رعایت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے کیونکہ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ۝۶

"انہیں ٹھہراؤ(1) جہاں تم خود سکونت پذیر ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ تاکہ تم انہیں تنگ کر دو(2) اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ بچہ جنیں(3) پھر اگر وہ (بچے کو) دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو تم انہیں ان کی اجرت دو(4) اور (اجرت کے بارے میں) آپس میں مشورہ کر لیا کرو دستور کے مطابق(5) اور اگر تم آپس میں طے نہ کر سکو(6) تو اسے کوئی دوسری دودھ پلائے گی(7)۔"

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 729 (وزارت تعلیم) 2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 510 (العلمیہ)

ل اس کا لَا تُخْرِجُوْهُنَّ کے ساتھ تعلق ہے۔ یہ مستانفہ ہے گویا یہ ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے این تسکنھن میں ھن کی ضمیر مذکورہ مطلقہ عورتوں کی طرف لوٹے گی یہ مطلقہ رجعیہ (ا)، بائنہ (ب)، آزاد، باندی، چھوٹی، بالغ اور مایوس سب کو شامل ہوگی۔

ے مِنْ حَیْثُ میں من زائدہ ہے، معنی یہ ہے جہاں تم رہتے ہو یا من بعضیہ ہے، جبکہ موصوف محذوف ہے، معنی ہوگا اسے ایسے مکان میں رہائش دو جو اس مکان کا بعض ہو جس میں تم رہتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا من، فی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مِنْ قَبْلِ اَنْ تَنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ۔ وجد کا معنی وسعت ہے، یعنی جس مکان میں رکھنے کی تم طاقت رکھتے ہو انہیں رہائش دینے میں انہیں تکلیف نہ دو کہ تم ان پر تنگی لانا چاہتے ہو جیسے تم انہیں ایسی جگہ رہائش دو جو اس عورت کے موافق نہ ہو یا مکان دوسرے رہائشیوں سے بھرا ہو یا اس کے علاوہ کوئی سبب ہو جس کی وجہ سے تم انہیں گھر سے نکلنے پر مجبور کر دو۔

سے اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک انہیں خرچہ دو۔ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو جب تک وہ عدت میں ہے اس کا خرچہ اور رہائش خاوند کی ذمہ داری ہے اسی پر علماء کا اجماع ہے اگر کسی خاوند کی ملکیت ہو تو خاوند پر لازم ہے کہ گھر سے نکل جائے اگر وہ رجوع کا ارادہ نہیں رکھتا تو عدت کا عرصہ اس گھر کو چھوڑ دے اگر گھر کرایہ پر لیا گیا تھا تو اس کا کرایہ خاوند کی ذمہ داری ہوگی۔ جس عورت کو طلاق بائنہ ہو چکی ہو وہ خلع کی صورت میں ہو، طلاق مغلظہ کی صورت میں ہو، لعان کی صورت میں ہو یا کنایہ کی صورت میں ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو رہائش اس کے ذمہ ہے۔ اکثر علماء کا بھی یہی قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عام ہے۔ اَسْكِنُوْهُنَّ اس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور امام شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ایسی عورت کے لئے رہائش خاوند کے ذمہ لازم نہیں۔

نفقہ کا مسئلہ:۔ ایسی عورت کو نفقہ دینے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قوم کی یہ رائے ہے کہ ایسی عورت کے لئے کوئی نفقہ نہیں اگر حاملہ ہو تو نفقہ لازم ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت حسن، شعبی، عطاء، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے (1) ان سب کی دلیل اس آیت کی شرط (ج) کا مفہوم اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث ہے کہ ابو عمرو بن حفص نے اسے طلاق بائنہ دی، جبکہ وہ خود شام میں تھے۔ انہوں نے اپنے وکیل کو جو دے کر بھیجا۔ فاطمہ بنت قیس سخت ناراض ہوئی تو وکیل نے کہا اللہ کی قسم آپ کا ہم پر کوئی حق نہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں سب واقعہ عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا تیرا اس پر کوئی نفقہ نہیں اور اسے حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر میں عدت گزارے پھر فرمایا وہ ایک ایسی عورت ہے جہاں میرے صحابہ اکٹھے ہوتے ہیں تو ابن ام مکتوم کے ہاں عدت گزار کیونکہ وہ ایک نابینا آدمی ہے تو اپنی چادر اتار سکے گی۔ جب تو عدت گزار چکے تو مجھے اطلاع دینا تو فاطمہ بنت قیس نے کہا جب میری عدت ختم ہوئی تو میں نے حضور ﷺ کو بتایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہما نے مجھے دعوت نکاح دی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوجہم تو ہمیشہ مسافر رہتا ہے۔ جہاں تک معاویہ کا تعلق ہے وہ محتاج ہے اس کے پاس تو کچھ مال نہیں تو اسامہ بن زید سے شادی کر لے تو مجھے یہ بات اچھی نہ لگی۔

1۔ تفسیر خازن زیر آیت ہذا

(ا) جس عورت کو ایک یا دو صریح طلاق دی جائے ایسی عورت کے ساتھ عدت کے اندر نکاح کے بغیر رجوع ہو سکتا ہے۔

(ب) ایسی عورت جس کو کنایہ کے الفاظ کے ساتھ طلاق دی گئی ہو عدت کے اندر اور بعد میں نکاح کرنا پڑتا ہے، (مترجم)۔

(ج) آیت میں شرط ذکر کی گئی ہے کہ اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کے لئے نفقہ ہے اگر حاملہ نہ ہو تو پھر نفقہ نہ ہوگا، (مترجم)۔

حضور ﷺ نے پھر فرمایا تو اسامہ سے نکاح کر لے۔ میں نے اسامہ سے نکاح کر لیا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں بھلائی عطا فرمائی اور مجھ پر رشک کیا جانے لگا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(1) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا تیرے لئے نفقہ اور سکنی نہیں(2)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی روایت کیا ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو ایک طلاق بھیجی جو باقی رہتی تھی اس وجہ سے تین طلاقوں والی روایت کا یہ معنی کیا جائے گا کہ تین طلاقوں کو مکمل کرنے کے لئے انہوں نے طلاق بھیجی اور فاطمہ کے لئے حارث بن ہشام اور عباس بن ربیعہ کو نفقہ دے کر بھیجا تو فاطمہ نفقہ پر سخت ناراض ہوئیں۔ دونوں نے کہا اللہ کی قسم تیرے لئے نفقہ اسی وقت لازم تھا جب تو حاملہ ہوتی۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان کی بات کا ذکر کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا تیرے لئے نفقہ نہیں ہے(3)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی ہی ایک روایت میں ہے کہ ابو حفص بن مغیرہ نے اسے تین طلاقیں دیں پھر وہ یمن چلا گیا۔ ابو حفص کے گھر والوں نے اسے کہا تیرا نفقہ ہم پر لازم نہیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ساتھ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے، جبکہ آپ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے(4)۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ان عورتوں (مطلقہ) کے لئے نفقہ ہوگا وہ حاملہ ہوں یا حاملہ نہ ہو۔ آپ اسی آیت سے استدلال فرماتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان من وجد محذوف کے متعلق ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی: اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ وَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ مِنْ وُّجْدِكُمْ کیونکہ سکنی کی تقدیر تو اللہ تعالیٰ کے فرمان اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ سے واضح ہو چکی تھی اگر یہاں اَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ کو مقدر نہ کیا جائے تو مِنْ وُّجْدِكُمْ کا کوئی فائدہ نہیں رہتا یہ الفاظ نفقہ کے بیان کے لئے آئے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت بھی اسی طرح ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حجت ہے، جبکہ مفہوم مخالف امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حجت نہیں وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ کی قید کا فائدہ تاکید اور اس وہم کو دور کرتا ہے کہ حمل کی مدت کے لمبا ہونے کی وجہ سے تمام عرصہ میں نفقہ دینا لازم نہیں، جبکہ وہ طلاق کی عدت گزار رہی ہو نیز اس وہم کو دور کرنا ہے کہ یہ خرچ تین حیضوں کی مدت کی مقدار یا تین ماہ تک محدود نہیں۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جواب یہ ہے اگرچہ یہ صحیح سند کے ساتھ مروی ہے لیکن وہ شاذ، مردود اور غیر مقبول ہے۔ اسے اسلاف نے رد کیا ہے اس کی معارض روایت موجود ہے اور اس میں اضطراب بھی ہے۔ اس کے اضطراب کی صورت تو یہ ہے کیونکہ تم یہ سن چکے ہو کہ بعض روایات میں ہے کہ خاوند نے اسے اس وقت طلاق دی، جبکہ وہ خود غائب تھا۔ دوسری روایت میں ہے پہلے طلاق دی پھر سفر کیا۔ بعض میں ہے کہ وہ خود حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئی اور گزارش کی بعض میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک جماعت کی صورت میں حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھا بعض روایات میں ان کے خاوند کا نام ابو عمرو بن حفص ہے، بعض میں ابو حفص بن مغیرہ ہے۔ اسلاف کی طرف سے رد کی صورت یہ ہے کہ اکابر صحابہ نے اس حدیث پر طعن کیا ہے جن کا ہم ذکر کریں گے، جبکہ ان کی یہ عادت نہیں کہ راوی کے عورت یا بدو ہونے کی وجہ سے وہ طعن کریں، جبکہ انہوں نے فریعہ بنت مالک جو ابو سعید کی بہن تھی جن کا خاوند فوت ہو گیا اور اس نے خاوند کے گھر میں عدت گزاری کی حدیث قبول کی، جبکہ اس حدیث کے علاوہ کوئی اس کی

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 483 (قدیمی) 2۔ ایضاً، صفحہ 484 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

پہچان نہیں ہے، جبکہ فاطمہ بنت قیس کا معاملہ تو مختلف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ضحاک بن سفیان کلابی اکیلے کی خبر قبول کی، جبکہ وہ بدو تھا۔ جن صحابہ نے اس حدیث کا رد کیا ان میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو اسحق رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ میں اسود بن زید کے پاس مسجد اعظم میں بیٹھا ہوا تھا، جبکہ ہمارے ساتھ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فاطمہ بنت قیس والی حدیث بیان کی کہ حضور ﷺ نے اس کے لئے نفقہ اور سکنی کا حکم نہ دیا۔ اسود نے کنکریاں اٹھائیں اور امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کو ماریں اور کہا تو ہلاک ہو تو اس قسم کی احادیث بیان کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا ہم ایک عورت کے قول کی وجہ سے قرآن اور سنت کا حکم نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ اسے بات یاد رہی۔ یا نہ رہی مطلقہ عورت کے لئے نفقہ اور سکنی دونوں ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (1) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت رد کر دی، ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کر دی کہ مطلقہ بیوی کے لئے نفقہ اور سکنی ہے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ جب کوئی بھی صحابی یہ کہے من السنۃ کذا تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے۔ جب حضرت فاروق اعظم فرمائیں من السنۃ تو پھر اس میں کیا شک ہوگا، جبکہ آپ سنن اور احکام سے خوب واقف تھے۔ امام طحاوی اور دار قطنی رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہ زائد ذکر کیا ہے سمعت رسول اللہ ﷺ یقول کہ جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں اس کے لئے نفقہ اور سکنی ہے (2) یہ روایت مرفوع ہونے اور اس کے مقابل ہونے میں زیادہ صریح ہے۔ سعید بن منصور نے کہا ہمیں معاویہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں اعمش نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب فاطمہ بنت قیس کی روایت کا ذکر کیا جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہم ایک عورت کی شہادت سے اپنے دین کو نہیں بدلیں گے۔ یہ اس بات پر شاہد ہے کہ صحابہ کے نزدیک مشہور یہی تھا کہ ایسی عورت کے لئے نفقہ اور سکنی خاوند پر فرض ہے۔ جنہوں نے اس حدیث کو رد کیا ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ آپ عورتوں کے معاملات کو دوسروں کی بنسبت زیادہ جانتی تھی۔ عورتیں آپ کے حجرہ میں آتیں اور حضور ﷺ سے مسئلہ پوچھتی تھیں۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ کیا آپ کو بنت حکم کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی، اس کے خاوند نے اسے طلاق بائنہ دی تو وہ اس کے گھر سے نکل گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اس نے بہت برا کیا۔ میں نے عرض کی کیا آپ نے فاطمہ کی بات نہیں سنی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اس کے قول کے ذکر میں کوئی بھلائی نہیں (3)۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا کیا تو یہ بات کرنے میں اللہ سے نہیں ڈرتی کہ مطلقہ عورت کے لئے کوئی سکنی اور کوئی خرچہ نہیں (4)۔ جس نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کو رد کیا ان میں اسامہ بن زید بھی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے حبیب ہیں۔ عبداللہ بن صالح رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ مجھے لیث بن سعد نے روایت کیا مجھے جعفر نے بیان کیا، وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ ابو سلمہ بن عبدالرحمن سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا محمد بن اسامہ کہا کرتے تھے کہ جب فاطمہ بنت قیس اس بارے میں (کہ عورت عدت میں گھر سے چلی جائے) کوئی بات کرتی تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں جو ہوتا اسے مارتے، جبکہ فاطمہ بنت

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 485 (قدیمی)
2۔ سنن الدار قطنی، جلد 4، صفحہ 27 (المحاسن)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 485 (قدیمی)
4۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 802 (وزارت تعلیم)

قیس نے حضور ﷺ کے حکم سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے شادی کی تھی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اس حقیقت حال سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہ رویہ آپ کا اسی صورت میں ہوسکتا ہے، جبکہ آپ کو علم ہو کہ یہ سب غلط ہے یا وہ یہ جانتے تھے کہ منتقل ہونے کے لئے کوئی خاص سبب ہونا چاہئے جیسے چوروں کا ڈر ہو یا مکان گرنے کا اندیشہ ہو۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تعبیر کی ہے۔

لیث نے کہا مجھے عقیل نے بیان کیا ہے وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا ہمیں ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے خبر دی پھر فاطمہ بنت قیس نے روایت نقل کی تو لوگوں نے اس کی بات کا انکار کیا۔ یہ عدت ختم ہونے سے پہلے خاوند کے گھر سے چلے آنے کے بارے میں بیان کرتی تھیں(1)۔ رد کرنے والوں میں مروان بن حکم بھی ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ مروان نے قبیصہ بن ابی ذوہیب کو ان کی طرف بھیجا۔ اس نے فاطمہ بنت قیس سے حدیث کے بارے میں پوچھا فاطمہ بنت قیس نے اسے بتایا مروان نے کہا تم نے یہ روایت ایک عورت سے سنی ہے ہم ایک عورت کی وجہ سے اس محفوظ طرز عمل کو نہیں چھوڑ سکتے جس پر لوگ عمل پیرا ہیں(2)۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس وقت لوگ صحابہ ہی تھے۔ یہ روایت متفق صحابہ کے اجماع کو بیان کرتی ہے اور اس کی صفت عصمت سے نکالی گئی ہے(3)۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جنہوں نے اس کی روایت کو رد کیا ہے ان میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، تابعین میں سے ابن مسیب، شریح، شعبی، حسن بصری، اسود بن یزید ہیں۔ ان کے بعد ثوری، امام احمد بن حنبل اور بعد کے کثیر لوگ ہیں(4) یہ حدیث شاذ ہے۔ جہاں تک اس کے معارض روایت کا تعلق ہے ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے۔ معجم طبرانی میں طبرانی کی سند ہے وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس کے لئے رہائش اور خرچہ ہے۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے حذب بن عالیہ سے وہ ابوالزبیر سے، وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس کے لئے رہائش اور خرچہ ہے(5) لیکن اس کے مرفوع ہونے کو ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا زیادہ مناسب یہ ہے کہ وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔

فائدہ:۔ اگر فاطمہ بنت قیس کی روایت کو درست مانا جائے تو اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ وہ اپنے سسرال کے بارے میں زبان درازی کرتی تھی جس کی وجہ سے گھر والوں کو اذیت پہنچتی تھی۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ قاضی اسماعیل نے اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ انہوں نے فاطمہ بنت قیس کو کہا تجھے اس زبان نے گھر سے نکالا(6) سعید بن مسیب نے کہا فاطمہ بنت قیس نے لوگوں کو مصیبت میں ڈال رکھا تھا، وہ بڑی زبان دراز تھی جسے ابن ام مکتوم کے سپرد کر دیا گیا(7) اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے سلیمان بن یسار نے کہا فاطمہ بنت قیس کو گھر سے اس لئے نکالا گیا تھا کیونکہ وہ بد اخلاق تھی(8) اسے ابوداؤد نے روایت کیا یہی چیز اس کے گھر سے نکلنے کا سبب بنی جہاں تک اس کو نفقہ نہ ملنے کی وجہ تھی کیونکہ اس کا خاوند موجود نہیں تھا اس نے جو کے علاوہ کوئی مال بھی کسی کے پاس نہیں چھوڑا تھا جو اس نے فاطمہ کے پاس بھیج دیئے تھے تو فاطمہ نے اس کے گھر والوں سے نفقہ کا مطالبہ کیا تھا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی سند میں اس طرح ہے کہ اس کے خاوند نے اسے تین طلاقیں دی تھیں پھر وہ یمن چلا گیا تھا اس

1۔ شرح فتح القدیر، جلد 3، صفحہ 341 (التجاریہ) 2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 484 (قدیمی) 3۔ شرح فتح القدیر، جلد 3، صفحہ 341 (التجاریہ)
4۔ ایضاً، صفحہ 340 5۔ سنن الدار قطنی، جلد 7، صفحہ 21 (محاسن) 6۔ شرح فتح القدیر، جلد 4، صفحہ 341 (التجاریہ)
7۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 313 (وزارت تعلیم) 8۔ ایضاً

کے گھر والوں نے فاطمہ سے کہا تھا تیرا ہم پر نفقہ لازم نہیں شائد اسی لئے حضور ﷺ نے اسے فرمایا نہ تیرے لئے نفقہ ہے نہ رہائش ہے کیونکہ اس نے کسی کے پاس کوئی مال نہیں چھوڑا تھا اور اس کے گھر والوں پر تیرا نفقہ لازم نہیں اس لئے تیرے لئے نفقہ نہیں۔ فاطمہ رسول اللہ ﷺ کے کلام کو نہ سمجھ سکی اس لئے وہ مطلقاً نفقہ نہ ہونے کا روایت کرنے لگی جسے صحابہ نے ناپسند کیا۔

مسئلہ:۔ بیوہ کے لئے نفقہ نہیں ہوگا اس پر علماء کا اجماع ہے وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو۔ اس کی رہائش کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی رہائش نہیں وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا یہی فرمان ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ اس کے لئے رہائش ہوگی۔ یہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ امام مالک، سفیان، ثوری، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ میں کہتا ہوں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے لیکن آپ یہ فرماتے ہیں اگر مرنے والے خاوند کے ترکہ میں سے اس بیوی کا مکان میں سے جو حصہ بنتا ہے وہ کافی نہ ہو اور وارث اسے اپنے حصہ سے خارج کر دیں تو وہ اس گھر سے نکل جائے کیونکہ یہ انتقال عذر کی وجہ سے ہے۔ عبادات میں عذر موثر ہوتے ہیں تو اس کی صورت یہی ہوگی جس طرح اسے مکان گرنے کا اندیشہ ہو یا مکان کرایہ پر ہو اور بیوہ مکان کا کرایہ دینے پر قدرت نہ رکھتی ہو اب جس گھر میں وہ منتقل ہوئی ہے اس گھر سے آگے وہ نہ نکلے۔ جمہور کی دلیل فریعہ بنت مالک کی حدیث ہے۔ ہم نے اسے سورۂ بقرہ میں آیت وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ کی تفسیر کے ضمن میں نقل کی ہے۔

۴؎ اگر وضع حمل کے بعد مطلقہ عورتیں تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں یا عدت کے مکمل ہونے کے بعد تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو دودھ پلانے پر انہیں ان کا اجر عطا کرو۔ ہم سورۂ بقرہ میں ذکر کر آئے ہیں کہ بچے کو دودھ پلانا ماں پر واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ اگر خاوند دودھ پلانے کے لئے عورت کو اجرت پر رکھے یا عدت گزارنے والی بیوی کو اجرت پر رکھے تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ جو فعل اس پر واجب ہے اس کی اجرت جائز نہیں۔ یہ امر تو اس بات کا بھی تقاضا کرتا تھا کہ مطلقہ عورت کو عدت گزرنے کے بعد اجرت پر رکھنا جائز نہیں لیکن ہم نے اس آیت کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا۔ اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ماں پر دودھ پلانا اسی وقت واجب ہوگا جب باپ پر اس کا خرچہ واجب ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ جب تک وہ عورت اس کی بیوی ہے یا وہ عدت گزار رہی ہے اس کا باپ عورت کے رزق کا انتظام کرے گا۔ جب عدت ختم ہو جائے گی تو اس پر نفقہ لازم نہیں ہوگا تو وہ اجرت ادا کر دے گا۔

۵؎ میاں بیوی دونوں کو خطاب ہے، یعنی تم میں سے ایک دوسرے کی بات کو قبول کرے جب دوسرا اسے اچھی چیز کا حکم دے۔ معروف ایسی چیز کو کہتے ہیں جو اچھی ہو۔ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کو نقصان پہنچانے کا قصد نہ کرے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کا معنی ہے کہ باہم مشورہ کر لیا کرو۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ماں اور باپ معلوم اجرت پر باہم رضامندی کا اظہار کریں (1)۔

۶؎ والدین کو خطاب ہے، یعنی اگر ماں پر بچے کو دودھ پلانا مشکل ہو اور وہ دودھ پلانے سے انکار کر دے تو باپ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔

اسے دودھ پلانے پر مجبور کرے بلکہ اسے معذور سمجھا جائے گا کیونکہ انتہائی شفقت کے باوجود جب وہ دودھ پلانے سے رک گئی تو اسے عاجز ہی گمان کیا جائے گا۔ اگر باپ کے لئے یہ مشکل ہو کہ ماں کو اجرت ادا کر سکے اور وہاں ایسی عورت موجود ہو جو اجرت کے بغیر اسے دودھ پلائے یا مثلی اجرت سے کم پر دودھ پلائے تو باپ کو مجبور نہیں کیا جائے گا کہ ماں کو مثلی اجرت پر رکھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ کسی اور عورت سے بچے کو دودھ پلا سکتا ہے۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا باپ کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ مثلی اجرت دے کر ماں سے دودھ پلوائے۔ باپ کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی اور سے دودھ پلوائے اگر چہ اسے ایسی عورت بھی میسر ہو جو اجرت کے بغیر اسے دودھ پلا سکتی ہو۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول ہے۔ یہ آیت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

کہ اسے دوسری عورت دودھ پلائے اس میں عورت کے انکار کرنے اور عذر کرنے پر عتاب ہے۔

مسئلہ:۔ جب خاوند کسی اور عورت سے دودھ پلوائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ماں کے پاس بچے کو رکھ کر دودھ پلائے جب تک ماں ایسے مرد سے شادی نہ کرے جو بچے کا غیر ذی رحم محرم ہو کیونکہ پرورش کرنے کا حق اسے ہی حاصل ہے کیونکہ عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس بیٹے کے لئے میرا پیٹ برتن تھا میرا پستان اسے سیراب کرتا تھا (مشکیزہ تھا) میری گود اس کے لئے محافظ تھی اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اب اس نے ارادہ کیا ہے کہ مجھ سے اسے چھین لے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جب تک تو کسی سے نکاح نہ کر لے تو اسے پاس رکھنے کی زیادہ مستحق ہے(1) اسے ابوداؤد اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ مؤطا امام مالک میں قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ ایک دن آپ قبا تشریف لے گئے آپ نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ وہ مسجد کے صحن میں کھیل رہا ہے آپ نے اس کا بازو پکڑا اور سواری پر اپنے سامنے بٹھا لیا۔ بچے کی نانی نے دیکھ لیا اور آپ سے جھگڑا کرنے لگی۔ دونوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمر رضی اللہ عنہم کو فرمایا بچے کو نانی کے حوالے کر دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی بحث و تمحیص نہ کی۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا والدہ کے والدین بھی بچے کے زیادہ مستحق ہیں۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ماں کا چھونا اس کی گود اور اس کی خوشبو بچے کے لئے تیری بنسبت بہتر ہے یہاں تک کہ بچہ جوان ہو جائے پھر اپنے لئے جو پسند کرے(2)۔

مسئلہ:۔ اگر ماں اتنی ہی اجرت طلب کرے جتنی اجرت کوئی اور عورت طلب کرتی ہے تو باپ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ کسی اور عورت سے دودھ پلوائے، اسی پر اجماع ہے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 310 (وزارت تعلیم) 2۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 4، صفحہ 180 (الزمان)

"خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق اور وہ تنگ کر دیا گیا ہے جس پر اس کا رزق تو وہ خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے [1] اور تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو مگر اس قدر جتنا اسے دیا ہے عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراخی دے دے گا [2]"

مسئلہ:۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا بیویوں اور مطلقہ عورتوں کا نفقہ شرع کی طرف سے مقدر ہے یا میاں بیوی کی مالی حالت سے قیاس کیا جائے گا یا صرف میاں کی مالی حالت سے معین کیا جائے گا۔ امام مالک، امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ اسی کو صاحب ہدایہ نے پسند کیا ہے کہ نفقہ شرع کی طرف سے مقدر نہیں بلکہ یہ اجتہاد کے سپرد ہے۔ اس میں میاں بیوی دونوں کی حالت کو دیکھا جائے گا خوشحال خاوند پر خوشحال بیوی کے لئے خوشحال لوگوں کا نفقہ لازم ہوگا۔ تنگدست مرد پر تنگدست بیوی کے لئے کم از کم اتنا نفقہ لازم کیا جائے گا جو ضروریات کو کفایت کر جائے۔ جب قاضی نے درمیانے نفقے کا فیصلہ کیا یا وہ دونوں کسی مقدار پر راضی ہوئے تو باقی ماندہ اس کے ذمہ ہوگا۔ یہ قول اس آیت سے اخذ کیا گیا ہے یہ اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ بیوی کی حالت کا اعتبار کیا جائے بلکہ یہ اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ خوشحال مرد پر فقیر بیوی کے لئے خوشحالی کا نفقہ لازم ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ اور یہ آیت اس امر کا بھی تقاضا کرتی ہے کہ فقیر پر اس کی طاقت کے مطابق نفقہ لازم ہو اور اس کے ذمہ کوئی چیز باقی نہ رہے گی اگرچہ بیوی خوشحال ہو۔

[1] یہ زیادتی کے واجب نہ ہونے کی تعلیل ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہی ظاہر روایت ہے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر روایت کے مطابق یہ کہا کہ جب خاوند تنگدست ہو اور بیوی خوشحال ہو تو تنگدستی کا نفقہ لازم کیا جائے گا اگرچہ وہ خوشحال ہے لیکن جب اس نے تنگدست مرد سے شادی کی تو وہ تنگدستی کے نفقہ پر راضی ہوگی (۱) جب خاوند خوشحال ہو اور بیوی تنگدست ہو تو خاوند پر خوشحالی کا نفقہ لازم ہوگا۔

جو آدمی یہ کہے کہ تنگدست خاوند پر خوشحال بیوی کے لئے درمیانی نفقہ لازم ہوگا اس میں مرد کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا جو قرآن سے ثابت ہے اور بیوی کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے۔ یہ عتبہ کی بیٹی ہے اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے وہ مجھے اتنا مال نہیں دیتا جو میرے اور میری اولاد کے لئے کافی ہو مگر اس کا مال اسے بتائے بغیر لے لیتی ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا تو اچھے طریقے سے اتنا مال لے لے جو تجھے اور تیری بیوی کو کفایت کر جائے، متفق علیہ (2)۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اخبار آحاد سے ایسا حکم بدلنا جائز نہیں ہوتا جو دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ صاحب ہدایہ نے اس اعتراض کو اس طرح دور کیا ہے ہم وہی کہتے ہیں جو قرآن کا حکم ہے کہ اس میں طاقت کے مطابق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے (اگر مرد تنگدست ہو اور عورت خوشحال ہو) تو باقی ماندہ مرد کے ذمہ رہے گا کیونکہ نص قرآن سے جو بات سمجھ آتی ہے وہ نفقہ دینے میں مرد کی حالت کا اعتبار کرنا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تنگدست طاقت سے زیادہ نفقہ نہ دے تاہم یہ اس امر کی نفی نہیں کرتا کہ مرد کے ذمہ نفقہ واجب کرتے وقت عورت کی حالت کا اعتبار کر لیا جائے حدیث یہی معنی دیتی ہے اس میں نص پر کوئی زیادتی نہیں کیونکہ اس میں مقصود مرد کی حالت کے موافق مال لازم کرنے کا مکلف بنانا ہے۔ حدیث نے بھی واجب کی مقدار میں عورت کی حالت کا اعتبار کرنے کا کہا ہے نہ

1۔ شرح فتح القدیر، جلد 3، صفحہ 322 (التجاریہ)   2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 808 (وزارت تعلیم)

کہ مال ادا کرنے میں یہ حکم دیا ہے اس لئے دونوں میں تطبیق ہوگئی۔ جب عورت خوشحال ہو اور مرد تنگدست ہو تو اس پر واجب زیادہ ہوگا، جبکہ مجبوری کی وجہ سے اتنا ہی مال دے گا جتنی وہ طاقت رکھے گا، جبکہ باقی اس کے ذمہ رہے گا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ حضور ﷺ ابوسفیان کی حالت سے آگاہ تھے، اس کی حالت کے بارے میں وضاحت نہ فرمائی اور اس کی بیوی کو اجازت دے دی کہ وہ ضرورت کے مطابق مال لے لے۔ اس حدیث میں عورت کی حالت کا بھی اعتبار نہیں کیا گیا کیونکہ کفایت کرنے والے اخراجات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد بالمعروف میں اشارہ اس طرف ہے کہ خاوند کی حالت کی رعایت کی جائے۔ اس کی بیوی کا اتنا مال لینا جو اسے اور اس کی اولاد کے لئے کافی ہو یہ اسی وقت ممکن ہے جب ابوسفیان اتنے مال کا مالک ہو جو اسے اور اس کی بیوی کے لئے کافی ہو۔ اس میں واضح دلیل موجود ہے کہ حضرت ابوسفیان خوشحال تھے اور بخل کی وجہ سے مال نہ دیتے تھے، واللہ اعلم۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نفقہ شرع کی طرف سے مقدر ہے اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس میں مرد کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا جس طرح آیت کریمہ میں مذکور ہے۔ خوشحال پر دو مد ہوں گے درمیانے پر ایک مد اور نصف ہوگا تنگدست پر ایک مد ہوگا تاہم آیت میں اس تقدیر پر کوئی دلیل نہیں۔

مسئلہ:۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بیوی جب خادم کی محتاج ہو تو خاوند کی خوشحالی کی صورت میں خادم دینا واجب ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تنگدست پر بھی خادم کا نفقہ ضروری ہے پھر علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب عورت ایک سے زیادہ خادموں کی ضرورت مند ہو تو امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا صرف ایک ہی خادم لازم ہوگا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے جب وہ دو یا تین خادموں کی ضرورت مند ہو تو خاوند پر ان کا نفقہ دینا لازم ہوگا۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس پر دو خادموں کا نفقہ لازم ہوگا ایک گھر کے مصالح کے لئے اور ایک باہر کی ضرورت کے لئے، واللہ اعلم پھر اللہ تعالیٰ نے تنگدستوں کو خوش کرنے کے لئے آسانی کا وعدہ ذکر کیا کہ جلد یا بدیر وہ تنگدستی کے بعد خوشحالی عطا فرمائے گا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸

"کتنی بستیاں تھیں جنہوں نے سرتابی کی اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں (کے فرمان) سے تو ہم نے بڑی سختی سے ان کا محاسبہ کیا اور ہم نے انہیں بھاری سزا دی لے"

لے كَاَيِّنْ کم خبریہ کے معنی میں ہے اور مبتدا ہے۔ اس کی خبر عتت ہے، یعنی اس بستی کے لوگوں نے سرکشی کی۔ یہاں قریۃ سے پہلے مضاف محذوف ہے اور فعل کی نسبت مضاف الیہ کی طرف کی گئی ہے۔ یہی صورت حاسبناھا اور عذبناھا میں ہے یا یہ قریۃ کی صفت ہے اور اس کی خبر اعداللہ لھم ہے، یعنی بستی کے کثیر لوگوں نے اللہ کے حکم پر طعن کیا اور سرکش معاند کی طرح اعراض کیا۔

حاسبناھا اپنے معطوف کے ساتھ مل کر عتت پر معطوف ہے، یعنی ہم نے سخت حساب لیا اس پر مناقشہ کیا کسی غلطی کو نہ معاف کیا اور نہ ہی درگزر سے کام لیا، یعنی ہم نے دنیا میں اس کے اعمال کا حساب رکھا اور دنیا میں ان کی جزاء دی یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے تمام گناہوں کو شمار کیا اور حفظہ کے صحیفوں میں انہیں لکھ دیا۔ نافع اور ابوبکر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے کاف کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی بہت بری سزا جیسے بھوک، قحط، قتل، قید اور ہلاکت وغیرہ۔

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝

”پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام نرا خسارہ تھا۔[1]“

[1] دنیا میں انہوں نے جو کفر کیا اور نافرمانیاں کیں ان کی سزا پائی۔ قبر اور آخرت میں اس کا انجام خسارہ ہے۔ اس میں مطلقاً کوئی نفع نہیں ہوگا کیونکہ ان کے لئے جنت کے عوض جہنم کی آگ ہوگی۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ ۚۖ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝

”تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک سخت عذاب[1] پس اللہ سے ڈرتے رہا کرو[2] اے دانشمندو[3] جو ایمان لائے ہو بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر[4]“

[1] اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کی تاویل میں یہی کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس آیت میں تقدیم وتاخیر ہے، اصل میں کلام یوں تھی ہم نے انہیں دنیا میں بھوک، قحط اور تمام قسم کی مصیبتوں کے ساتھ عذاب دیا اور آخرت میں ان کا سخت حساب لیا، ان کے معاملہ کا انجام خسارہ ہی خسارہ ہے۔

اکثر مفسرین نے کہا سب میں آخرت کا حساب اور اس کا عذاب مراد ہے ماضی کے لفظ کے ساتھ تعبیر امر کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔ یہ دونوں تاویلیں اس وقت درست ہو سکتی ہیں جب عتت، کَاَيِّنْ کی خبر ہو۔

[2] یعنی تم سرکشی نہ کرو اور اپنے رب اور اس کے رسول کے حکم سے اعراض نہ کرو تا کہ تمہیں بھی ایسا عذاب نہ پہنچے جیسا عذاب انہیں پہنچا۔ اس میں فاء سببیہ ہے کیونکہ ظلم پر وعید یہ تقویٰ بنانے کا سبب بن جاتی ہے۔

[3] اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یہ اُولِى الْاَلْبَابِ سے بدل ہے یا صفت موضحہ ہے کیونکہ لب کا تقاضا ایمان ہوتا ہے تو یہ جملہ تنبیہ کے لئے بطور جملہ معترضہ ذکر کیا ہے۔

[4] قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ یہ فاتقوا کے فاعل سے حال ہے یا اس کی علت ہے ذکر سے مراد قرآن ہے۔

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝

”ایک ایسا رسول[1] جو پڑھ کر سناتا ہے تمہیں اللہ کی روشن آیتیں[2] تا کہ نکال لے جائے انہیں جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اندھیروں سے نور کی طرف[3] اور جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور نیک عمل کرتا ہے تو وہ اس کو داخل فرمائے گا باغات میں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں جن میں وہ لوگ تا ابد رہیں گے بلاشبہ اللہ نے اس (مومن) کو بہترین رزق عطا فرمایا[4]“

[1] رسولا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی وارسل رسولا یا ذکرا کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا

یہ ذکر سے بدل کل ہے کیونکہ یہ رسالت کے معنی میں ہے یا اس سے پہلے مضاف محذوف ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی کتاب رسول یا ذکر سے بدل اشتمال ہے جو قرآن کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ذکر سے مراد جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے کیونکہ وہ کثرت سے ذکر کرتے ہیں یا وہ قرآن کے ساتھ نازل ہوتے تھے یا اس کا ذکر آسمانوں میں ہوتا ہے یا وہ بڑے شرف والا ہے یا اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے کیونکہ حضور ﷺ ذکر اور قرآن کی تلاوت میں مواظبت اختیار کرتے ہیں یا آپ ذکر کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ارسال کو انزال سے تعبیر کیا مقصود کلام کو مزین کرنا ہے یا آپ کی طرف وحی نازل کرنے کا یہ نتیجہ ہے۔ دونوں تاویلوں کی صورت میں رسولا ذکر سے بدل ہے۔

ے یہ جملہ رسول کی صفت حقیقی ہے یا قرآن کی صفت مجازی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم سے یہ حال ہو۔

ے ظلمات سے مراد کفر اور جہالت ہے اور نور سے مراد ایمان، فقہ اور اعمال صالحہ ہیں جو آخرت میں نور کو ثابت کرتے ہیں۔ اسم موصول سے مراد وہ مومن ہیں جو قرآن کے نازل ہونے کے بعد ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے کفر کے بعد ان کے لئے ایمان کو مقدر کیا اور جہالت کے علم سے نوازا۔ معنی یہ ہوگا تاکہ انہیں وہ حاصل ہو جائے جس پر وہ اب ہیں جیسے ایمان، اعمال صالحہ اور علوم حقہ۔ لیخرج انزل کے متعلق ہے۔

ے نافع اور ابن عامر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ندخلہ جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ ندخلہ میں ضمیر منصوب واحد ذکر کی، جبکہ خلدین کو جمع ذکر کیا ان دونوں میں من کے لفظ اور معنی کا اعتبار کیا گیا ہے۔

رزق سے مراد جنت ہے جس کی نعمتیں ختم نہیں ہوتیں۔ اس میں ان لوگوں کی عظمت کا بیان ہے جنہیں یہ رزق دیا گیا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ۬ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

"اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند ۱ نازل ہوتا رہتا ہے حکم ان کے درمیان ۲ تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے ۳"

۱ ترکیب کلام میں یہ جملہ مبتدا اور خبر ہے۔

۲ مثلهن سے مراد سات زمینیں ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ تشریف فرما تھے کہ ان پر ایک بادل آیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہ بادل ہے، یہ زمین کے آبکش اونٹ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے ایسی قوم کی طرف بھیجتا ہے جو نہ شکر کرتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو تمہارے اوپر کیا ہے؟ عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا وہ بلند چیز ایک ایسا چھت ہے جو محفوظ ہے اور بستہ موج ہے پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو تمہارے اور اس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا تمہارے اور اس کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو اس کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا اوپر آسمان ہے دونوں آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے پھر آپ نے اسی طرح

فرمایا یہاں تک کہ آپ نے آسمان اور زمین کے درمیان سات آسمان شمار کیے پھر پوچھا کیا تم جانتے ہو اس کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا اس سے اوپر عرش ہے۔ عرش اور ساتویں آسمان کے درمیان اتنی ہی مسافت ہے جو دو آسمانوں کے درمیان ہوتی ہے پھر پوچھا کیا تم جانتے ہو تمہارے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ زمین ہے پھر پوچھا کیا تم جانتے ہو اس کے نیچے کیا ہے؟ عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا اس کے نیچے ایک اور زمین ہے۔ دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے یہاں تک کہ آپ نے سات زمینوں کو شمار کیا اور ہر زمین کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا ذکر کیا پھر فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر تم کوئی رسی سب سے پست زمین کی طرف لٹکاؤ تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر ہی جا کر واقع ہوگی پھر آپ نے یہ آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ پڑھی(1) اسے امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔ ہم نے یہ حدیث اور اس کی تحقیق سورۂ بقرہ میں ذکر کی ہے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ کی زمینوں میں سے ہر زمین اس کے آسمانوں میں سے ہر آسمان میں اس کی مخلوق ہے اس کا امر ہے اور اس کی قضاء ہے(2) بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے ہر زمین میں تمہارے آدم کی طرح آدم ہے تمہارے نوح کی طرح نوح ہے، تمہارے ابراہیم کی طرح ابراہیم ہے تمہارے موسیٰ کی طرح موسیٰ ہے تمہارے نبی کی طرح نبی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی قضاء ان میں جاری ہوتی ہو اور ان سب میں اللہ کا حکم نافذ ہوتا ہے۔ اگر یہ حدیث درست ہو ہر زمین میں تمہارے آدم کی طرح آدم ہو تو یہ جائز ہوگا کہ معنی یہ ہو کہ ساتویں آسمان سے ساتویں زمین تک وحی کے ذریعے اس کا حکم نازل ہوتا ہو۔

یعنی اس پر کوئی چیز مخفی نہیں لتعلموا خلق یا ینزل کی علت ہوگی یا ایسے فعل کی جو مقدر ہے اور ان دونوں کو عام ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی جیسے کہ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کی کمال قدرت اور کمال علم پر دلالت کرتا ہے۔ علماً تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور احاطہ فعل کی فاعل کی طرف نسبت ہے اس سے تمیز ہے یا یہ مفعول مطلق ہے۔ اس صورت میں اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا کا معنی ہوگا وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ والا جملہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ کی علت ہے۔

1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 162 (وزارت تعلیم)
2۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔

سورۃ التحریم

آیاتہا ۱۲ | سُوْرَۃُ التَّحْرِیْمِ مَدَنِیَّۃٌ ۶۶ | رکوعاتہا ۲

سورۃ التحریم مدنی ہے، اس میں 12 آیتیں اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

صحیحین میں حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عبید بن عمیر کو یہ فرماتے ہوئے سنا میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرماتے۔ ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس قیام کرتے وہاں آپ ﷺ شہد نوش فرماتے میں اور حفصہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی نبی کریم ﷺ تشریف لائیں تو وہ آپ کو کہے میں آپ سے مغافیر کی بو پاتی ہوں۔ حضور ﷺ ان میں سے ایک پر داخل ہوئے تو اس نے وہی بات عرض کی تو حضور ﷺ نے فرمایا ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میں نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس شہد (کا شربت) پیا ہے۔ آئندہ میں ایسا نہ کروں گا تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ①

"اے نبی (مکرم) آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کر دیا ہے [1] (کیا یوں) آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں [2] اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے [3]"

[1] آپ ﷺ شہد کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں؟ یہاں استفہام انکار کے لئے ہے، یعنی یہ مناسب نہیں کہ آپ ﷺ حلال چیز کو حرام کریں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں بلکہ میں تو زینب بنت جحش کے پاس شہد کا شربت پیا کرتا تھا۔ اب میں نے قسم اٹھائی ہے کسی کو اس بارے میں نہ بتانا (2) یعنی حضور ﷺ نے اپنی زوجہ کی خوشنودگی کے لئے ایسا کیا۔ طبرانی اور ابن مردویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ابن ابی ملیکہ کے واسطہ سے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پیتے تھے۔ آپ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے عرض کی میں آپ سے مغافیر کی بو محسوس کرتی ہوں پھر آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے انہوں نے بھی ایسا ہی کہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرا خیال ہے یہ اس شربت کی وجہ سے ہوگا جو میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیا تھا۔ اللہ کی قسم اب میں اسے نہیں پیوں گا تو یہ آیت نازل ہوئی (3)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی شرح میں کہا کہ راجح قول یہ ہے کہ شہد والی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں،

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 792 (وزارت تعلیم) 2۔ ایضاً 3۔ معجم کبیر، جلد 11، صفحہ 117 (العلوم والحکم)

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نہ تھیں کیونکہ عبید بن عمیر کی سند ابن ابی ملیکہ کی سند سے قوی ہے (1) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت کی ہے وہ بھی اسے راجح کرتی ہے کہ حضور ﷺ کی ازواج کے دو گروہ تھے۔ ایک میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہن تھیں، جبکہ دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور باقی ازواج مطہرات تھیں (2) یہ روایت اسے ہی راجح کرتی ہے کہ شہد پلانے والی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عار محسوس کی کیونکہ وہ دوسرے گروہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

فائدہ:۔ صحیح بخاری میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ شہد پلانے والی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ حلوہ اور شہد پسند فرماتے تھے۔ جب آپ ﷺ عصر کی نماز سے فارغ ہوتے تو آپ اپنی ازواج کے پاس تشریف لے جاتے اور وہاں تشریف رکھتے۔ ایک روز آپ ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، آپ ﷺ جتنی دیر قیام فرماتے اس سے زیادہ وقت ٹھہرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں تفتیش کی تو آپ کو بتایا گیا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی قوم کی ایک عورت نے شہد کی ایک کپی آپ کو تحفہ کے طور پر پیش کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے شہد کا شربت نوش فرمایا ہے۔ میں نے کہا اللہ کی قسم ہم ضرور کوئی حیلہ کریں گی۔ میں نے اس کا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا اور میں نے کہا جب حضور ﷺ آپ کے پاس تشریف لائیں گے تو تیرے قریب تشریف فرما ہوں گے تو عرض کرنا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مغافیر کھایا ہے۔ آپ فرمائیں گے نہیں تو عرض کرنا پھر آپ ﷺ سے یہ بو کیسی آرہی ہے۔ حضور ﷺ کو یہ سخت ناپسند تھا کہ آپ ﷺ سے بو آئے تو آپ فرمائیں گے مجھے حفصہ رضی اللہ عنہا نے شہد کا شربت پلایا ہے تو عرض کرنا یا رسول اللہ ﷺ شائد مکھی نے عرفط کا رس چوسا ہوگا۔ میں بھی یہ بات کروں گی اے صفیہ تم بھی یہ بات کہنا۔ جب حضور ﷺ سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے عرض کی اس ذات کی قسم جس کے بغیر کوئی معبود برحق نہیں میں تیرے ڈر سے حضور ﷺ کو وہ بات اسی وقت کرنے والی تھی جب آپ ﷺ ابھی دروازے پر تھے (مگر نہ کی) جب حضور ﷺ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے قریب ہوئے تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مغافیر کھائے ہیں۔ فرمایا نہیں۔ عرض کی یہ بدبو کیسی ہے؟ فرمایا مجھے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے شہد کا شربت پلایا ہے۔ عرض کی مکھی نے عرفط کا رس چوسا ہوگا پھر آپ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے میں نے بھی ایسی ہی بات کہی پھر آپ ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے انہوں نے بھی ایسی ہی بات کہی پھر جب حضور ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا میں آپ کو شہد کا شربت نہ پلاؤں تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اس کی کوئی طلب نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہتیں سبحان اللہ ہم نے آپ ﷺ پر شہد کو حرام کر دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے اسے کہا خاموش رہ (3)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس حدیث جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ شہد پلانے والی زوجہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں اور سابقہ حدیث جس میں یہ ذکر تھا کہ شہد پلانے والی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں ان دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ان

1۔ فتح الباری، جلد 20، صفحہ 39 (المکتبات الازہریہ) 2۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 351 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 793 (وزارت تعلیم)

دونوں کو متعدد واقعات پر محمول کیا جائے، اس لئے ایک حکم کے لئے متعدد اسباب کا ہونا ممتنع نہیں۔ اگر ترجیح کو دیکھا جائے تو عبید بن عمیر کی روایت راجح ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی موافقت کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ایک دوسرے کی مددگار تھیں۔ اگر شہد پلانے والی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہوں تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گروپ میں شامل نہیں رہتیں لیکن یہ ممکن ہے کہ شہد پینے کا واقعہ متعدد بار ہوا ہو یہ اس کی حرمت اور آیت کے نزول کا اختصاص اس واقع کے ساتھ ہو جس میں حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما ایک دوسرے کی مددگار ہوں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پینے کا واقعہ پہلے ہوا ہو۔ اس معنی کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے کہ ہشام بن عروہ کی سند میں جس میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پینے کا واقعہ ہے۔ آیت کے شان نزول کا کوئی ذکر نہیں (1)۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ روایت جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہم آپس میں مددگار تھیں صحیح نہیں کیونکہ اس میں تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے جمع کا صیغہ استعمال نہیں ہوا۔ جبکہ افراد تین ہیں (2)۔ تطبیق اسی طرح ممکن ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پینے کا قصہ پہلے ہوا تھا۔ جب آپ سے مذکورہ بات کی گئی تو آپ نے حرمت کی تصریح کے بغیر شہد پینا چھوڑ دیا۔ اس بارے میں کوئی قرآنی حکم نازل نہیں ہوا پھر جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں شہد پینے کا واقعہ ہوا تو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے ایک دوسرے کی مدد کی تو حضور ﷺ نے شہد اپنے اوپر حرام کر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن رافع سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں پوچھا انہوں نے کہا میرے پاس شہد کی ایک کپی تھی حضور ﷺ اس سے شہد کھاتے آپ کو شہد بہت پسند تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اس کی مکھی عرفط کو چوستی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے اوپر حرام کر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی (3) طبری نے اسی طرح نقل کیا ہے سدی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر میں یہ روایت مرفوع ذکر کی گئی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ روایت مرسل اور شاذ ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے (4) اکثر مفسرین نے کہا یہ آیت حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کرنے کی وجہ سے نازل ہوئی (5)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی عورتوں میں باری بنا رکھی تھی۔ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی تو انہوں نے اپنے والد سے ملاقات کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی۔ جب وہ چلی گئیں تو حضور ﷺ نے اپنی لونڈی ماریہ قبطیہ کی طرف پیغام بھیجا اور اسے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل کیا اور اپنی خواہش پوری کی۔ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو دروازہ بند پایا تو دروازے کے پاس ہی بیٹھ گئیں، حضور ﷺ باہر تشریف لائے، جبکہ آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا تھا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے عرض کی کیا آپ نے مجھے اس لئے اجازت دی تھی؟ آپ نے لونڈی کو میرے گھر میں داخل کیا پھر آپ ﷺ نے میری باری اور میرے بستر پر اس سے خواہش پوری کی۔ کیا آپ کو میری حرمت اور حق کا کوئی خیال نہیں تھا۔ آپ اس قسم کا طرز عمل کسی اور زوجہ کے ساتھ تو نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا یہ میری لونڈی نہیں جسے

1۔ فتح الباری، جلد 20، صفحہ 39 (الکلیات الازہریہ) 2۔ ایضاً 3۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
4۔ فتح الباری، جلد 20، صفحہ 40 (الکلیات الازہریہ) 5۔ ایضاً

اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حلال کیا ہے اب خاموش ہو جا، یہ مجھ پر حرام ہے۔ میں اس طرح تیری رضا چاہتا ہوں اس بارے میں کسی اور زوجہ سے بات نہ کرنا۔ جب حضور ﷺ تشریف لے گئے تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس دیوار کو کھٹکھٹایا جو ان کے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے درمیان تھی تو کہا کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سناؤں کہ حضور ﷺ نے اپنی لونڈی اپنے اوپر حرام کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے راحت عطا کر دی ہے اور جو واقعہ ہوا تھا سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا۔ یہ دونوں آپس میں گہری دوست تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ واقعہ سن کر ناراض ہو گئیں۔ حضور ﷺ اسی طرح رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یاایھا النبی لم تحرم والی آیت ایک باندی کے بارے میں نازل ہوئی(1)۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق میں اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما ایک دوسرے سے پیار کرتی تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے والد سے ملاقات کرنے کے لئے گئیں۔ حضور ﷺ نے اپنی لونڈی کو بلا بھیجا۔ آپ کی لونڈی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آپ ﷺ کیساتھ رہی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو لونڈی کو اپنے گھر میں پایا۔ لونڈی چلی گئی تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اندر آئیں عرض کیا میں نے دیکھ لیا ہے کہ آپ کے پاس کون تھا؟ اللہ کی قسم آپ نے میرے ساتھ اسے برابری کا درجہ دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں تجھے راضی کروں گا، میں تیرے ساتھ راز کی بات کرتا ہوں اسے اپنے پاس محفوظ رکھنا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا وہ راز کیا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میری یہ باندی مجھ پر حرام ہے۔ یہ محض تیری رضا کے لئے ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(2)۔ حاکم اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک باندی تھی جس سے آپ ﷺ اپنی خواہش پوری کرتے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا لگاتار اصرار کرتی رہیں یہاں تک کہ حضور ﷺ نے اسے اپنے اوپر حرام کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی(3)۔ مختار میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کسی کو بھی نہ بتانا کہ ماریہ مجھ پر حرام ہے حضور ﷺ نے ماریہ سے اس وقت تک خواہش پوری نہ کی جب تک حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا نہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ نازل فرمائی(4)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے تو حضور ﷺ نے ماریہ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل کیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا گھر آگئیں اور ماریہ کو آپ ﷺ کے پاس پایا تو عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ نے میرے گھر میں اسے داخل کیا کسی اور بیوی کے گھر میں اسے داخل نہ کیا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے چھونا مجھ پر حرام ہے اے حفصہ میرا راز مخفی رکھنا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا گھر سے نکلیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں انہیں سب کچھ بتا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(5)۔ یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی کہ حضور ﷺ نے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر دیا تھا۔ اس وجہ سے نازل نہیں ہوئی جو سابقہ احادیث میں گزری ہے۔

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
2۔ ایضاً
3۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 535 (العلمیہ)
4۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا
5۔ ایضاً

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ احتمال بھی موجود ہے کہ آیت دونوں اسباب کے بارے میں نازل ہوئی ہو (1)۔ اس تطبیق پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو یزید بن رومان سے مروی ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں موجود ہے، اس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک کپی تحفہ کے طور پر پیش کی گئی جس میں شہد تھا۔ جب حضور ﷺ آپ کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کو روک لیتیں یہاں تک کہ آپ ﷺ شہد تناول فرماتے یا شربت نوش فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی حبشی لونڈی سے فرمایا جسے خضراء کہا جاتا۔ جب حضور ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جائیں تو دیکھنا آپ ﷺ کیا کرتے ہیں۔ لونڈی نے شہد کے بارے میں بتایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوسری ساتھیوں کی طرف پیغام بھجوایا اور کہا جب حضور ﷺ تمہارے پاس آئیں تو کہنا ہم آپ سے مغافیر کی بو پاتی ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا میں نے تو شہد استعمال کیا ہے اللہ کی قسم اب میں اسے نہیں کھاؤں گا۔ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی تو انہوں نے اجازت چاہی کہ وہ اپنے والد کے پاس سے ہو آئے۔ حضور ﷺ نے اجازت دے دی۔ وہ گئیں تو حضور ﷺ نے اپنی لونڈی کو بلا بھیجا اور اسے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل کر لیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو دروازہ بند پایا۔ حضور ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کے چہرے سے پسینہ بہہ رہا تھا جبکہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں۔ حضرت حفصہ نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا وہ مجھ پر حرام ہے دیکھنا کسی اور کو اس کی خبر نہ دینا، یہ تیرے پاس میرا راز (امانت) ہے۔ جب حضور ﷺ تشریف لے گئے تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس دیوار کو کھٹکھٹایا جو ان کے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے درمیان تھی اور کہا میں تجھے خوشخبری دیتی ہوں کہ حضور ﷺ نے اپنی لونڈی اپنے اوپر حرام کر لی ہے (2)۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ ماریہ کا واقعہ شہد پینے والا قصہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہوا اگرچہ شہد والا واقعہ پہلے ہوا، شاید راوی نے روایت میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پینے والے قصہ کو اور ماریہ کے حرام کرنے والے قصہ کو جمع کر دیا اور درمیان میں جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس شہد والا واقعہ ہوا تھا اور شہد کی حرمت والے واقعہ کو چھوڑ دیا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس آیت کے شان نزول میں تمام اقوال سے راجح ماریہ کا قصہ ہے کیونکہ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس کے ساتھ خصوصی تعلق ہے۔ جہاں تک شہد کا تعلق ہے ان میں ازواج مطہرات کی ایک جماعت شامل ہے جن میں حضرت سودہ، حضرت صفیہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن کے ساتھ شامل ہیں (3) جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

؎ یہ حرام قرار دینے کی وضاحت ہے یا تحرم کے فاعل سے حال ہے یا یہ جملہ مستانفہ ہے جو چیز حرام قرار دینے کا باعث تھی اس کا بیان ہے۔

؎ اللہ تعالیٰ آپ کی اس لغزش کو معاف فرما دے گا کیونکہ یہ مناسب نہیں کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہو اسے قسم اٹھا کر حرام کر دیا جائے اور اللہ آپ پر رحم فرمانے والا ہے، اس نے آپ کو ایک چیز اپنے اوپر حرام کرنے سے نکالا اس پر آپ کا مؤاخذہ نہیں کیا آپ کو عتاب کیا تا کہ آپ کو ایسی چیز سے بچائے جو مناسب نہ ہو۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

1۔ فتح الباری، جلد 18، صفحہ 299 (المکتبات الازہریۃ)
2۔ ایضاً، جلد 19، صفحہ 345 (المکتبات الازہریۃ)
3۔ ایضاً، صفحہ 345

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے لئے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ لے (یعنی کفارہ) اور اللہ تعالیٰ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے ع۔"

لے جو چیز قسم کے ساتھ حرام کی گئی تھی اس کا حلال کرنا اللہ تعالیٰ نے مشروع کر دیا ہے یا قسم کی گرہ کو کھولنے کا حکم دیا۔ یا اس کا معنی ہے تم پر فرض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم کیا ہے۔ جب تم قسم توڑ و کفارہ کے ساتھ قسم ختم ہو جاتی ہے، یعنی اس کا گناہ ختم ہو جاتا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ فرض کا صلہ علی آتا ہے لام نہیں آتا جبکہ یہاں ایسا نہیں۔ ہم اس کا جواب یہ دیں گے جب کفارے کا وجوب حلت کے نفع کو لانے والا ہے اور گناہ کو ختم کرنے والا ہے تو لام کو علی کی جگہ ذکر کیا کفارہ وہی ہے جو سورۂ مائدہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

ع اللہ تمہارا دوست اور مددگار ہے۔ یہ جملہ فرض کے فاعل سے حال ہے یا مستانفہ ہے۔ وہ ان چیزوں سے بخوبی واقف ہے جو تمہارے فائدے کی ہیں اور اپنے افعال اور احکام میں خوب مضبوط ہے۔

اس میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے کہ کیا حضور ﷺ نے اس قسم پر کفارہ ادا کیا تھا یا کہ نہیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو حرام قرار دینے پر حضور ﷺ نے ایک غلام آزاد کیا تھا جبکہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نے کوئی کفارہ ادا نہیں کیا تھا کیونکہ آپ کے تمام گناہ معاف ہیں۔ میرے نزدیک صحیح مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ اَيۡمَانِكُمۡ یہ لم تحرم کے بعد ہے اور یہ واضح دلیل ہے کہ مذکورہ تحریم کی وجہ سے آپ پر کفارہ فرض ہوا تھا اور آپ کا مغفور ہونا کفارہ کے واجب ہونے کے منافی نہیں جس طرح بھول جانے کی صورت میں سجدہ سہو واجب ہوا۔ نیز مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ایک امر کو ثابت کرنے پر شہادت ہے۔ اس لئے اسے قبول کیا جائے گا جبکہ حضرت بصری رضی اللہ عنہ کا قول نفی پر شہادت ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة۔ حارث بن ابی سلمہ نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ حضرت مسطح پر کوئی خرچ نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے(1)۔ تاہم اس آیت کے شان نزول کے متعلق بہت ہی غریب روایت ہے۔

مسئلہ:۔ جو آدمی یہ کہے میں نے اپنی یہ لونڈی یا کھانا یا فلاں کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا ہے تو امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ یمین ہوگی۔ یہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اس قول کی دلیل یہ آیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یا ایها النبي لم تحرم ما احل الله کیونکہ اس میں حلال چیز کو حرام قرار دینا قسم قرار دیا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہمیں سعید بن جبیر سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کسی حلال کو حرام قرار دینے پر کفارہ ادا کرنا ہوگا کیونکہ لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حلال کو حرام قرار دینا قسم نہیں۔ لیکن جب کسی نے لونڈی کو اپنے اوپر حرام کیا تو نفس لفظ سے اس پر کفارہ ہوگا توڑنے کی وجہ سے کفارہ نہیں ہوگا۔ اگر اس نے کھانے کو حرام قرار دیا تھا تو اس پر کوئی شے نہ ہوگی۔ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے یا میں نے تجھے حرام کر دیا۔ اگر اس نے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 898 (وزارت تعلیم)

طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوگی۔ اگر اس نے ظہار کی نیت کی تو وہ ظہار ہوگا۔ اگر تحریم کی نیت کی یا کوئی بھی نیت نہ کی تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم کا کفارہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ایلاء ہوگا۔ فیئ کے بعد کفارہ دینا لازم ہوگا۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مطلق تحریم یا عورت کی تحریم سے یمین (قسم) استدلال کرنا ضعیف ہے کیونکہ کفارہ کے واجب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قسم ہوگی جبکہ یہ احتمال موجود ہو کہ حضور ﷺ نے یمین کا لفظ ذکر کیا ہو۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا ضعف کسی پر مخفی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے مطلق تحریم کو ذکر کیا اس میں حلف کا ذکر ہے نہ عورت کے ساتھ تحریم کو خاص کیا گیا ہے۔ پھر اسے یمین کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ یہ اس امر پر واضح دلیل ہے کہ تحریم بذات خود یمین ہے۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ③

''اور (یہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے) جب نبی کریم نے رازداری سے اپنی ایک بیوی کو ایک بات بتائی [1] پھر جب اس نے (دوسری) کو راز بتا دیا [2] (تو) اللہ نے آپ کو اس پر آگاہ کر دیا آپ نے (اس بیوی کو) کچھ بتا دیا [3] اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی [4] پس جب آپ نے اس کو اس پر آگاہ کیا تو اس نے پوچھا کس نے آپ کو اس کی خبر دی ہے فرمایا مجھے اس نے آگاہ کیا جو علیم و خبیر ہے [5]''

[1] ظرف اذ کو فعل کے متعلق ہے۔ بعض ازواج سے مراد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہے حدیثا سے مراد شراب کو حرام کرنے والی بات ہے جو متعدد مذکورہ روایات میں آئی ہے یا ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کرنے والی بات ہے جو مفسرین کے نزدیک زیادہ راجح ہے۔ اس امر کو مخفی رکھنے کی حکمت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اس مخفی رکھنے کی حکمت وہ روایت بیان کرتی ہے جسے ابن سعد نے شعبہ رحمہما اللہ تعالیٰ کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت حفصہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی باری کے روز گھر سے باہر تشریف لے گئیں۔ حضور ﷺ ماریہ قبطیہ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر لائے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا واپس آگئیں اور انتظار میں رہیں یہاں تک کہ ماریہ چلی گئیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا جو آپ ﷺ نے کیا وہ میں نے دیکھ لیا ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اسے مخفی رکھنا یہ مجھ پر حرام ہے۔ حضرت حفصہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لے گئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہوں میری باری میں آپ نے ماریہ قبطیہ سے خواہش پوری کی جبکہ باقی ازواج کی باریوں کو محفوظ رکھتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخفی رکھنے کا حکم اس لئے تھا تا کہ حضرت عائشہ اس بات پر ناراض نہ ہوں کہ ان کی باری میں حضور ﷺ نے ماریہ قبطیہ سے خواہش پوری کی۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ راز آپ کے بعد خلافت کے بارے میں تھا جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بیان کر دیا تھا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتائی تھی کہ تیرا والد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا والد میرے بعد میری امت پر خلیفہ ہوں گے (1)۔ واحدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

عنہما سے روایت کیا ہے اللہ کی قسم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کی خلافت کا ذکر کتاب اللہ میں ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ إِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا۔ حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تیرا والد اور عائشہ کا والد میرے بعد لوگوں پر والی ہوں گے کسی کو بھی یہ خبر نہ بتانا۔ اس کی کئی سندیں ہیں۔ حضرت علی، حضرت میمون بن مہران، حبیب بن ثابت رضی اللہ عنہم، ضحاک اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے۔ میمون بن مہران نے کہا آپ نے یہ راز کی بات کہی تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔

۲ نبات کی ضمیر آپ کی زوجہ کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ راز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو راز کے افشا ہونے کے بارے میں آگاہ کیا۔ اس میں یہ دلیل ہے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات پر ناراض ہوئیں کہ آپ ﷺ نے کیوں ان کی باری میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے جماع کیا تو یہ نہ بتایا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھے اس بارے میں بتایا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اس بارے میں آگاہ کیا۔

۳ کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے عرف کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے راز کو ظاہر کیا تھا۔ اس پر آپ کو سزا دی۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے جو آدمی تیرے ساتھ برا سلوک کرے تو تو یہ کہے: لَأَعْرِفَنَّ لَكَ مَا فَعَلْتَ یعنی تو نے جو کیا ہے میں اس پر تجھے سزا دوں گا۔ حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ سزا دی کہ اسے طلاق دے دی۔ جب یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے کہا اگر آل خطاب میں کوئی اچھائی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ تجھے طلاق نہ دیتے جبریل امین آئے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کرنے کا کہا۔ حضور ﷺ اپنی ازواج سے ایک ماہ تک الگ تھلگ رہے اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بالا خانے میں رہے یہاں تک کہ آیت تخییر نازل ہوئی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔

مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق نہیں دی تھی بلکہ آپ نے طلاق کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت جبریل امین آئے اور کہا آپ ﷺ حفصہ کو طلاق نہ دیں کیونکہ وہ کثرت سے روزے رکھتی ہے اور راتوں کو قیام کرتی ہے اور وہ جنت میں آپ کی بیویوں میں سے ہے تو حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق نہ دی (2)۔

جمہور نے اسے باب تفعیل سے عرّف پڑھا ہے، یعنی حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ان رازوں میں سے بعض کا ذکر کیا جو حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہے تھے۔

۴ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے کہا کریم آدمی کبھی بھی تمام چیزوں کا احاطہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بعض چیزیں بتا دیں اور کچھ کو چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب نبی کریم ﷺ نے اس عمل کی وجہ سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے تو آپ نے ارادہ کیا کہ اسے راضی کریں تو آپ نے اسے دو راز کی باتیں بتائیں۔ ایک لونڈی کو اپنے اوپر حرام کرنے کی اور دوسری یہ بشارت کہ آپ ﷺ کے بعد خلافت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پاس ہوگی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ باتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو آگاہ کر دیا تو حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بعض چیزوں کے بارے میں خبردار کیا اور بعض سے اعراض کیا جس کے بارے میں آگاہ کیا۔ وہ لونڈی کو حرام کرنے والی بات تھی اور

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا   2۔ ایضاً

جس سے اعراض کیا وہ خلافت کا ذکر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ناپسند کیا کہ لوگوں میں یہ مشہور ہو(1)۔

ابن مردو یہ رحمۃ اللہ علیہ نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو وہاں ماریہ کو پایا۔ تو حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ بتانا، میں تجھے ایک خوشخبری سناتا ہوں کہ تیرا والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہوگا۔ جب وہ اٹھیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور انہیں خبر دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے اس بارے میں بات کی اور التماس کی کہ آپ ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیں۔ تو حضور ﷺ نے انہیں اپنے اوپر حرام کر لیا پھر حضور ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، فرمایا میں نے تجھے کہا تھا کہ تم عائشہ کو کچھ نہ بتانا تو تو نے اسے راز بتا دیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کیا لیکن خلافت کے معاملہ میں کوئی ناراضگی نہ کی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ (2)۔ طبرانی نے اوسط اور عشرۃ النساء میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے ان دونوں میں ضعف موجود ہے۔

ؐ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اس راز کے ظاہر کرنے کے بارے میں بتایا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا آپ کو کس نے بتایا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے علیم وخبیر نے بتایا ہے۔ آیت کا یہ حصہ جمہور کی قرأت عرّف کی تائید کرتا ہے کیونکہ اس کا معنی خبر دینا ہے۔ لیکن کسائی رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت کی نفی نہیں کرتا کیونکہ انہیں بتایا بھی گیا اور سزا بھی دی گئی۔ اس وجہ سے یہاں کوئی منافات نہیں۔

اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ④

''اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کر و ۱ اور تمہارے دل بھی (توبہ کی طرف) مائل ہو چکے ہیں ۲ (تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) اگر تم نے ایکا کر لیا آپ کے مقابلہ میں ۳ تو (خوب جان لو) کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے جبرئیل اور نیک بخت مومنین بھی آپ کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ سارے فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں ۴''

۱۔ اِنْ تَتُوْبَاۤ میں غائب کے صیغہ سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔ مقصود عتاب میں مبالغہ کرنا ہے۔ صحیحین میں عبید بن عمیر کی حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جو اس سورت کے آغاز میں مروی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ یہاں خطاب حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو ہے(3) کہ تم دونوں حضور ﷺ کے خلاف تعاون کرنے اور آپ ﷺ کا راز افشاء کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ یہاں شرط کی جزاء محذوف ہے جو اتیتما بالواجب ہے۔ یہاں علت کو جزاء کے قائم مقام کر دیا ہے۔

۲۔ تمہارے دل حق کے راستے پر استقامت اختیار کرنے کی بجائے اس سے بھٹک گئے ہیں کیونکہ تم ایسی چیز سے راضی ہو جو رسول اللہ ﷺ کو ناپسند ہے جیسے لونڈی کو اپنے اوپر حرام کرنا اور راز کو ظاہر کرنا جبکہ ہر ایک پر یہ لازم ہے کہ وہ اس چیز کو پسند کرے جو رسول اللہ ﷺ کو پسند ہو اور اسے ناپسند کرے جو رسول اللہ ﷺ کو ناپسند ہو۔ یہاں قلوب جمع کا صیغہ دو والوں کے لئے ذکر کیا ہے: قلبا

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا۔ 2۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا 3۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 792 (وزارت تعلیم)

کہا نہیں کہا مقصود یہ ہے کہ دو تثنیوں کو جمع کرنے سے جو ثقل واقع ہوتا ہے اس سے بچا جائے۔ خصوصاً اس صورت میں جب وہ ایک کلمہ کے حکم میں ہوں۔ اس میں فاء جزاء کی علت بیان کرنے کے لئے ہے کیونکہ دل کا بھٹکنا معصیت کا سبب ہے اور معصیت توبہ کو واجب کرتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں ہمیشہ اس بات پر حریص رہا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان دو عورتوں کے بارے میں پوچھوں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا یہاں تک کہ آپ حج پر تشریف لے گئے۔ میں نے بھی آپ کے ساتھ حج کیا۔ آپ قضائے حاجت کے لئے ایک طرف تشریف لے گئے۔ میں بھی پانی کا برتن لے کر ایک طرف ہو گیا۔ آپ نے قضائے حاجت کی۔ پھر آپ تشریف لائے۔ میں نے برتن سے آپ کے ہاتھوں پر پانی انڈیلا۔ میں نے آپ سے پوچھا یا امیر المومنین نبی کریم ﷺ کی بیویوں میں سے وہ کونسی دو بیویاں تھیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن عباس تم پر تعجب ہو وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں۔ پھر آپ نے تمام قصہ بیان کیا فرمایا میں اور بنی امیہ بن زید کے خاندان کے انصاری مدینہ طیبہ کے عوالی میں رہتے تھے۔ ہم باری باری حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن وہ آتا اور ایک دن میں حاضر ہوتا۔ جس دن میں آتا تو اس دن کی وحی اور دوسرے واقعات کے بارے میں انصاری بھائی کو بتاتا۔ جس دن وہ آتا وہ بھی اسی طرح کرتا ہم قریش اپنی بیویوں پر غالب رہتے تھے۔ جب ہم انصار کے پاس آئے یہ ایک ایسی قوم تھے جن پر بیویاں غالب تھیں ہماری بیویوں نے بھی انصار کی بیویوں سے اثر قبول کرنا شروع کر دیا۔ ایک روز میں نے بلند آواز سے بیوی کے ساتھ گفتگو کی۔ اس نے مجھے اسی طرح بلند آواز سے جواب دیا۔ اس کا جواب دینا مجھے بڑا عجیب لگا۔ تو میری بیوی نے کہا یہ کیوں عجیب خیال کر رہے ہو؟ اللہ کی قسم حضور ﷺ کی بیویاں آپ سے جھگڑتی ہیں۔ ان میں سے ایک نے آج پورے دن آپ ﷺ سے بات تک نہیں کی۔ اس خبر نے مجھے خوفزدہ کر دیا۔ میں نے کہا جس نے ایسا کیا وہ خسارے میں رہی۔ پھر میں نے کپڑے پہنے میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا۔ میں نے حفصہ سے کہا کیا تم میں سے کوئی ایسی بھی ہے جو آج پورا دن حضور ﷺ سے ناراض رہی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہاں بات اسی طرح ہے۔ میں نے کہا وہ خائب و خاسر رہے گی، کیا تم اس سے بے خوف ہو چکی ہو کہ حضور ﷺ کے ناراض ہونے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا جس کے نتیجہ میں تم ہلاک ہو جاؤ گی؟ نبی کریم ﷺ سے زیادہ مطالبے نہ کیا کرو، نہ ہی آپ ﷺ سے بحث کیا کرو اور نہ ہی آپ سے علیحدگی اختیار کیا کرو، جو ضرورت ہو مجھ سے لے لیا کرو، تجھے یہ چیز غیرت نہ دلائے کہ تیری پڑوسن زیادہ خوبصورت اور حضور ﷺ کو محبوب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم ان دنوں باتیں کرتے تھے کہ غسان نے ہم سے جنگ کرنے کے لئے گھوڑوں کو نعل چڑھائے ہیں۔ میرے انصاری ساتھی اپنی باری پر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ عشاء کے وقت ہمارے پاس پہنچا۔ اس نے میرا دروازہ زور سے کھٹکھٹایا۔ اس نے کہا غضب ہو گیا میں گھبرا گیا اور اس کی طرف نکلا۔ اس نے کہا آج بہت بڑا واقعہ رونما ہو گیا۔ میں نے کہا کیا ہوا کیا غسان حملہ آور ہو گیا ہے؟ اس نے کہا نہیں اس سے بڑا واقعہ ہوا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے کہا حفصہ خائب و خاسر ہو گئی۔ مجھے گمان تھا کہ یہ واقعہ ہو کر رہے گا۔ میں نے کپڑے پہنے اور صبح کی نماز حضور ﷺ کے ساتھ پڑھی۔ حضور ﷺ اپنے بالا خانہ میں تشریف لے گئے اور اس میں گوشہ نشین ہو گئے۔ میں حفصہ کے پاس گیا اور وہ رو رہی تھی۔ میں نے کہا اب کیوں روتی ہے؟ کیا

میں نے تجھے خبردار نہیں کیا تھا، کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے طلاق دے دی ہے۔ انہوں نے عرض کی میں کچھ نہیں جانتی کہ یہ سب کیا ہے آپ ﷺ بالاخانہ میں گوشہ نشین ہیں۔ میں ان کے گھر سے باہر نکلا۔ میں منبر کے پاس آیا۔ وہاں کچھ لوگ اکٹھے تھے جو رو رہے تھے۔ میں تھوڑی دیر ان کے پاس رہا پھر اندرونی غم مجھ پر غالب آ گیا۔ میں بالاخانہ کے پاس آیا جہاں حضور ﷺ گوشہ نشین تھے۔ میں نے آپ کے غلام سے کہا عمر کے لئے اجازت طلب کرو۔ غلام چلا گیا۔ نبی کریم ﷺ سے بات کی پھر واپس آیا اور کہا میں نے نبی کریم ﷺ سے گزارش کی اور آپ کے بارے میں ذکر کیا تو آپ خاموش رہے تو میں واپس آ گیا اور لوگوں کے پاس بیٹھ گیا جو منبر کے پاس موجود تھے پھر اضطراب مجھ پر غالب آ گیا۔ تو میں نے غلام سے کہا عمر کے لئے اجازت طلب کرو۔ غلام اندر گیا نبی کریم ﷺ سے گزارش کی پھر واپس آ گیا اور کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی تھی اور آپ کا ذکر کیا تھا تو آپ خاموش رہے تھے۔ تو میں واپس آ گیا۔ تو میں اسی جماعت کے پاس بیٹھ گیا جو منبر کے پاس موجود تھی۔ پھر پریشانی مجھ پر غالب آ گئی تو میں غلام کے پاس آیا اور عمر کے لئے اجازت کی درخواست کی وہ اندر گیا پھر لوٹا اور کہا میں نے آپ کا ذکر کیا تو آپ خاموش رہے۔ جب میں واپس آنے کے لئے مڑا تو غلام نے مجھے بلایا اور کہا حضور ﷺ نے آپ کو اجازت دے دی ہے۔ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ چٹائی پر بستر کے بغیر لیٹے ہوئے تھے اور چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو پر موجود تھے۔ آپ چمڑے کے ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے جس میں کھجور کے پتے تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا پھر عرض کی جبکہ میں کھڑا تھا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ آپ نے میری طرف آنکھ اٹھائی فرمایا نہیں اللہ اکبر۔ پھر میں نے عرض کی جبکہ میں ابھی کھڑا تھا تاکہ حضور ﷺ سے مانوس ہو جاؤں۔ پھر میں نے عرض کیا حضور ﷺ دیکھیں ہم قریش لوگ اپنی عورتوں پر غالب تھے۔ جب ہم مدینہ طیبہ آئے تو یہاں ایک ایسی قوم ہے جن پر ان کی بیویاں غالب ہیں تو رسول اللہ ﷺ مسکرا دیئے۔ پھر میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں حفصہ کے پاس گیا۔ میں نے کہا تجھے یہ چیز غیرت میں مبتلا نہ کر دے کہ تیری پڑوسن زیادہ خوبصورت اور حضور ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ آپ کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی تو حضور ﷺ دوسری دفعہ مسکرائے۔ جب میں نے آپ کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو میں بیٹھ گیا۔ میں نے کمرے میں نظر دوڑائی، اللہ کی قسم کمرے میں سوائے تین کچے چمڑوں کے کوئی ایسی چیز نہ تھی جو قابل قدر ہو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کی امت پر بھی فراخی کر دے کیونکہ ایرانیوں اور رومیوں پر اللہ تعالیٰ نے رزق کی فراوانی کر رکھی ہے اور انہیں دنیا سے نوازا گیا ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی نہیں کرتے۔ حضور ﷺ پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے اب بیٹھ گئے، فرمایا کیا تو بھی یہ خیال کرتا ہے اے ابن خطاب وہ ایسی قومیں ہیں جنہوں نے دنیاوی زندگی میں عمدہ چیزیں حاصل کر لی ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے بخشش کی دعا کیجئے۔ حضور ﷺ اس وجہ سے بیویوں سے تیس دن تک الگ تھلگ ہو گئے تھے کہ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کا راز بتایا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا میں ان پر ایک ماہ تک داخل نہ ہوں گا کیونکہ آپ ﷺ کو سخت دکھ ہوا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے آپ کو عتاب کیا تھا۔ ابھی انتیس دن گزرے تھے کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے آغاز کیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے یہ قسم اٹھائی تھی کہ آپ ہم پر ایک ماہ تک داخل نہیں ہوں گے۔ ابھی انتیس دن ہوئے ہیں، میں نے انہیں گن گن کر گزارا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے، وہ مہینہ انتیس دن کا ہی ہوا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

کہا پھر تخییر والی آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے مجھ سے اس کا آغاز کیا میں نے آپ کو اختیار کیا پھر آپ نے تمام عورتوں کو اختیار دیا سب نے وہی کیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا(1)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا میں ایک ایسی بات کا تم سے ذکر کرنے والا ہوں جس کے بارے میں جلدی جواب دینے کی ضرورت نہیں بلکہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا آپ خوب جانتے تھے کہ میرے والدین مجھے آپ سے جدائی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا پھر آپ ﷺ نے آیات تخییر کی تلاوت کی میں نے کہا کیا اس معاملہ میں والدین سے مشورہ کروں میں اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو پسند کرتی ہوں یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک ماہ تک بیویوں سے اس لئے علیحدگی اختیار کی تھی کیونکہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ کا راز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا تھا(2)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہونے کے لئے اجازت طلب کی جبکہ آپ نے لوگوں کو آپ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ ان میں سے کسی کو بھی اجازت نہیں دی جا رہی تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت مل گئی اور وہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو گئے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے اجازت طلب کی حضور ﷺ نے انہیں بھی اجازت دے دی آپ نے دیکھا کہ حضور ﷺ تشریف فرما ہیں اور آپ کے گرد آپ کی ازواج ہیں جبکہ آپ ﷺ بالکل خاموش اور غمگین ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں ایسی بات کروں گا جو حضور ﷺ کو ہنسا دے گی۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ دیکھئے اگر بنت خارجہ (آپ کی بیوی) مجھ سے نفقہ کا سوال کرے تو میں اس کی گردن مروڑ دوں تو رسول اللہ ﷺ ہنس دیئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ میرے ارد گرد ہیں جس طرح تم دیکھ رہے ہو یہ مجھ سے نفقہ کا سوال کرتی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف اٹھے تا کہ اس کی گردن مروڑ دیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف اٹھے تا کہ اس کی گردن مروڑ دیں دونوں کہہ رہے تھے کبھی بھی رسول اللہ ﷺ سے ایسی چیز کا سوال نہ کرنا جو آپ ﷺ کے پاس نہ ہو پھر آپ نے ایک ماہ یا انتیس دن تک عورتوں سے گوشہ نشینی اختیار کی پھر تخییر والی آیت نازل ہوئی تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس گفتگو کا آغاز کیا(3)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ تمام واقعات جیسے شہد، ماریہ، راز افشاء کرنا، نفقہ کا مطالبہ کرنا، زینب کا تین دفعہ ہدیہ واپس کرنا اور ہر دفعہ حضور ﷺ کا ہدیہ زیادہ کرنا اس گوشہ نشینی کا سبب ہو۔ جس طرح ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے عمرہ کی سند سے روایت کیا ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتی ہیں کہ یہ آپ کی گوشہ نشینی کا سبب تھا یہی چیز حضور ﷺ کے مکارم اخلاق، وسعت ظرفی اور کثرت سے درگزر کرنے کے لائق تھی کہ حضور ﷺ نے اس وقت گوشہ نشینی اختیار کی یہاں تک کہ اس کا سبب بار بار ان کی طرف سے متحقق ہوا اور پھر حضور ﷺ ان سے راضی ہو گئے(4)۔

ے کوفیوں نے ایک تاء کو حذف کر کے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے تشدید کے ساتھ ایک تاء کو ظاء میں مدغم کر کے پڑھا

1۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 482 (قدیمی)　　2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 705 (وزارت تعلیم)
3۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 480 (قدیمی)　　4۔ فتح الباری، جلد 19، صفحہ 346 (الکلیات الازہریہ)

ہے اس کا معنی ہے کہ تم دونوں نبی کریم ﷺ کے خلاف ایک دوسرے سے تعاون کریں ایسی باتوں میں جو آپ کو تکلیف دیتی ہیں جیسے نفقہ میں زیادتی کا مطالبہ کرنا، آپ ﷺ کے راز کو افشاء کرنا اور تم دونوں توبہ بھی نہیں کرتیں۔ یہ جملہ شرط ہے اس کی جزاء محذوف ہے میری مراد یہ ہے تم آپ کے خلاف کامیاب نہ ہو گی۔

یعنی کیونکہ اللہ تعالیٰ جبرائیل امین اور صالح مومن آپ ﷺ کے مددگار ہیں اس میں ھو ضمیر فصل ہے جبرائیل امین جو تمام فرشتوں کا رئیس اور سردار ہے یہاں صالح صیغہ مفرد ہے اور اس سے جنس مراد ہے اسی وجہ سے اضافت کے ساتھ اس میں عموم پیدا کیا گیا یا یہ جمع کا صیغہ ہے۔ دو ساکنوں کے ملنے کی وجہ سے قرأت میں واؤ جمع کو گرا دیا اور کتابت میں بھی اسے گرا دیا یعنی تمام صالح مومن آپ کے متبعین، مددگار اور حمایتی ہیں۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا صالح مومنین سے مراد مخلص مومن ہیں جو منافق نہیں۔ حضرت ابن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ صالح مومنین سے مراد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں(1)۔ حضرت ابن مسعود اور ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان جِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ یا تو لفظ اللہ تعالیٰ پر معطوف ہے اور محل پر محمول ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ظھیر ہے یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اکیلی ذات ہی مددگار کے طور پر کافی ہے۔ جبرائیل امین، صالح مومنین اور ملائکہ کا مددگاروں میں ذکر یہ ان ہستیوں کی تعظیم کے لئے ہے۔ ملائکہ میں سے جبرئیل امین کو خاص طور پر ذکر کیا مراد آپ کی عظمت بیان کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ جبرائیل امین اور صالح مومنین کے بعد فرشتے بھی آپ کے مددگار ہیں۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ظھیر واحد کا صیغہ ہے مگر جمع کا معنی دیتا ہے جیسے حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا میں رفیق جمع کا معنی دیتا ہے یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جبرائیل امین خاص فرشتے ہیں اور عام بشر سے افضل ہیں عام بشر سے مراد صالح مومنین ہیں اور عام بشر یعنی صالح مومن عام ملائکہ سے افضل ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب حضور ﷺ نے اپنی ازواج سے علیحدگی اختیار کی پھر حدیث ذکر کی تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی یا رسول اللہ ﷺ عورتوں کے بارے میں آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہئے اگر آپ نے انہیں طلاق دے دی ہے تو اللہ تعالیٰ، ملائکہ، جبرائیل امین، میکائیل، ابوبکر اور مومنین آپ کے ساتھ ہیں میں اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جب بھی میں نے کوئی بات کی تو اللہ تعالیٰ سے امید رکھی کہ وہ میری بات کو سچ کر دکھائے گا تو یہ آیت نازل ہوئی(2)۔

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓىٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىٕحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ۝۵

"کچھ بعید نہیں کہ اگر نبی کریم تم سب کو طلاق دے دیں تو آپ کا رب تمہارے عوض آپ کو ایسی بیبیاں عطا فرما دے جو تم سے بہتر ہوں گی پکی مسلمان، ایمان والیاں، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ دار، کچھ پہلے بیاہیاں اور کچھ کنواریاں۔"

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
2۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 480 (قدیمی)

لے یہ جملہ جواب شرط ہے۔ نافع اور ابو عمرو رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے یبدلہ تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ کن جمع کی ضمیر ذکر کی جبکہ خطاب حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تھا مقصود انہیں غلبہ دینا ہے یا خطاب عام ہے آیت میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس پر دلالت کرے کہ حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق نہیں دی تھی اور نہ ہی یہ دلالت ہے کہ عورتوں میں ان سے بہتر بھی تھیں کیونکہ تمام کے لئے طلاق کو معلق کرنا ایک کی طلاق کے منافی نہیں اور جب معلق ہوتو جب تک شرط نہ پائی جائے جزاء متحقق نہیں ہوتی۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ قدرت کے بارے میں خبر دی جارہی ہے واقع ہونے کی خبر نہیں دی جارہی۔

مُسْلِمٰتٍ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے والی مومنات یعنی رسولوں کی تصدیق کرنے والی قٰنِتٰتٍ یعنی اطاعت پر مواظبت اختیار کرنے والی یا نماز پڑھنے والی یا دعا کرنے والی تٰٓئِبٰتٍ یعنی گناہوں سے توبہ کرنے والی یا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والی یا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی طرف رجوع کرنے والی عٰبِدٰتٍ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت گزار یا رسول اللہ ﷺ کے حکم کے سامنے جھکنے والی سٰٓئِحٰتٍ یعنی روزے دار، روزے دار کو سائحات سے تعبیر کیا کیونکہ سیاحت کرنے والے کے پاس زاد راہ نہیں ہوتا وہ اس وقت تک کھانے پینے سے رکا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ ایسا آدمی پائے جو اسے کھلائے اس لئے روزے دار کو اس کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ وہ افطاری تک کھانے پینے سے رکا رہتا ہے۔ بعض نے کہا روزے کی دو قسمیں ہیں:۔1۔ حقیقی اس سے مراد کھاتے پینے اور جماع کو ترک کرنا ہے، 2۔ حکمی اس سے مراد اعضاء یعنی کان، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں اور دوسرے اعضاء کو گناہوں سے روکنا ہے یہاں سائحہ سے مراد ایسا روزے دار ہے جو اس قسم کا روزہ رکھتا ہے یا اس سے مراد اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والیاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا اس سے مراد وہ عورتیں ہیں کہ جہاں حضور ﷺ جاتے ہیں وہ آپ ﷺ کے ساتھ رہتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا سائحون انہیں کہتے ہیں جو اس آیت کا مصداق ہیں: اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا۔

ثیبٰت اور ابکار کے درمیان حرف عطف ذکر کیا کیونکہ ان دونوں میں منافات (جدائی) ہے۔ ایک اور وجہ یہ ہے کہ دونوں صفت کے حکم میں ہیں کیونکہ معنی یہ ہے کہ بعض ازواج میں ثیابت (شادی شدہ) کی صفت ہے اور بعض میں بکارت (نوخیز دوشیزہ) کی صفت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

"اے ایمان والو تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے لے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو سخت مزاج ہیں ۲ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجالاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے ۳"

لے فرائض ادا کرنے اور نافرمانیاں ترک کرنے کے ساتھ اپنے آپ کو اور تعلیم دے کر، ادب سکھا کر، نیکی کا حکم دے کر اور برائی سے روک کر اپنے گھر والوں کو ایسی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے نارا موصوف ہے اور وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اس کی صفت ہے یعنی اس آگ کو ان دونوں کے ساتھ اسی طرح بھڑکایا جائے گا جس طرح دوسری آگ کو لکڑی یا ایندھن کے ساتھ

بجز کا یا جاتا ہے۔

2؎ یہ جملہ نارا کی دوسری صفت ہے یعنی جہنم کے داروغے جہنمیوں پر سخت دل ہوں گے اور بڑے قوی ہوں گے ان میں سے ہر ایک ایک ہی دفعہ ستر ہزار افراد کو جہنم میں دھکیل دے گا یہی زبانیہ ہیں۔ ضیاء مقدسی نے جہنم کی آگ کی صفت بیان کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جہنم پیدا کرنے سے ہزار سال پہلے جہنم کے داروغے پیدا کر دیئے گئے ہر روز ان کی قوت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک جن پر انہیں مسلط کیا گیا ہے انہیں پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑ کر چلاتے ہیں (1)۔

ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے عیون الاخبار میں طاؤس سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مالک کو پیدا کیا اور اس کی جہنمیوں کی تعداد کے برابر انگلیاں پیدا کیں کسی جہنمی کو عذاب نہیں دیا جاتا مگر مالک کی انگلی کو ساتھ ہی عذاب دیا جاتا ہے اللہ کی قسم اگر وہ اپنی انگلی آسمان پر رکھ دے تو اسے پگھلا دے۔

3؎ یہ جملہ لفظ اللہ اسم جلالت سے بدل اشتمال ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے جو انہیں حکم دیا جاتا ہے اس کو بجا لاتے ہیں یعنی وہ احکام بجالانے میں کوتاہی نہیں کرتے اور جو انہیں حکم دیا جاتا ہے اسے ادا کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

"اے کفار آج بہانہ نہ بناؤ تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو (کرتوت) تم کیا کرتے تھے 1؎۔"

1؎ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ یہ معذرت کرنے سے نہی کی علت ہے جب وہ جہنم میں داخل ہوں گے تو اس وقت انہیں یہ کہا جائے گا معذرت پیش نہ کرنے کے بارے میں نہی اپنے حقیقی معنی میں ہے وہ معذرت اس طرح کریں گے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اور ان کا قول رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا جبکہ انہیں یہ معذرت کوئی نفع نہ دے گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

"اے ایمان والو اللہ کی جناب میں سچے دل سے توبہ کرو 1؎ امید ہے تمہارا رب دور کر دے گا تم سے تمہاری برائیاں اور تمہیں داخل کرے گا ایسے باغات میں جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی 2؎ اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ (اپنے) نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے (اس روز) ان کا نور ایمان دوڑتا ہوگا ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب مکمل فرما دے ہمارے لئے ہمارا نور اور بخش دے ہمیں بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے 3؎"

1۔ الدر المنثور زیر آیت ہذا۔

لے عام قراء کی قرأت میں نصوحا کے نون پر زبر ہے۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور نصح سے مشتق ہے نصح کا معنی ایسے قول اور فعل کی تلاش جس میں اس قائل اور فاعل کی بھلائی ہو اصل میں یہ توبہ کرنے والے کی صفت ہے کیونکہ وہ توبہ کے ذریعے اپنے ساتھ بھلائی کرتا ہے تاہم مجازاً اور مبالغہ کے لئے توبہ کی صفت ذکر کر دی یا نصاحہ سے مشتق ہے جس کا معنی سینا ہے کیونکہ توبہ ان چاقوں کو سی دیتی ہے جو گناہ کی وجہ سے دین اور تقویٰ میں پڑ جاتے ہیں یا نصح بمعنی اخلاص سے مشتق ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے: عسل ناصح یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب شہد ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہو اس صورت میں اس کا معنی ہوگا ایسی توبہ جو ریاکاری اور شہرت کے حصول سے پاک ہو۔

ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نون کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مصدر ہے۔ نصح کے معنی میں ہے جیسے شکر اور شکور آتا ہے یا نصاحت کے معنی میں ہے جیسے ثبات اور ثبوت استعمال ہوتا ہے اس صورت میں اس سے پہلے ذات یا تنصح کا لفظ محذوف ہوگا یا توبوا محذوف ہوگا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عمر و نے کہا توبہ نصوح یہ ہے کہ وہ توبہ کرے پھر گناہ کی طرف نہ لوٹے جس طرح دودھ، کھیری کی طرف نہیں لوٹتا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا توبہ نصوح یہ ہے کہ بندہ گزشتہ عمل پر شرمندہ ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ زبان سے استغفار کرے، دل سے شرمندہ ہو اور اعضاء کو اس عمل سے روک دے۔ قرظی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا توبہ نصوح میں چار چیزیں ہوتی ہیں۔ زبان سے استغفار کرے، اعضاء کو اس عمل سے روک دے، دل سے اس کی طرف رغبت نہ کرے اور برے دوستوں سے دور رہے(1)۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے توبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا توبہ نصوح میں چھ چیزیں ہوتی ہیں سابقہ گناہوں پر شرمندہ ہو، فرائض کو بجا لائے، ظلم کو ختم کرے (حقوق ادا کرے) مدعی کو راضی کرے، آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہ کر اپنے آپ کو پاک کرے جس طرح اس نے معصیت میں اپنے آپ کو آلودہ کیا۔

لے یہاں امید کا صیغہ ذکر کر کے یہ شعور دلانا مقصود ہے کہ گناہوں کا بخشنا اس کا فضل و احسان ہے بندوں کی توبہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں کی جا سکتی بندے کو ہر حالت میں خوف اور امید کے درمیان ہونا چاہئے۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی کی طرف وحی کی کہ اپنی امت کے اطاعت گزاروں کو کہہ دو کہ وہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کریں میں قیامت کے روز بندے کو حساب کے لئے کھڑا کروں گا اگر عذاب دینا چاہوں گا تو اسے عذاب دوں گا اور اپنی امت کے نافرمانوں کو کہو مایوس نہ ہوں کیونکہ میں بڑے بڑے گناہ بخش دیتا ہوں اور مجھے کچھ پرواہ نہیں ہوتی(2)۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے قیامت کے روز بنی آدم کے تین دیوان (رجسٹر) لائے جائیں گے ایک دیوان میں عمل صالح ہوگا، ایک دیوان میں اس کے گناہ ہوں گے، ایک دیوان میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہوں گی۔ نعمتوں کے دیوان میں سے سب سے چھوٹی نعمت سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے عوض میں عمل صالح لے لو وہ تمام اعمال صالحہ کو گھیرے گی اور کہے گی تیری عزت کی قسم میں نے ابھی پورا حق نہیں لیا گناہ باقی رہ جائیں گے اور

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا
2۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 647 (الفکر)

اعمال صالحہ تمام ختم ہو جائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر رحم کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو فرمائے گا اے میرے بندے میں نے تیری نیکیوں میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے اور تیری برائیوں کو معاف کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تجھے عطا کر دیں(1)۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو بھی اس کا عمل نجات نہیں دے گا۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کو بھی حضور ﷺ نے فرمایا مجھے بھی نہیں مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی رحمت اور فضل میں لپیٹ رکھا ہے(2) اس بات میں کثیر احادیث ہیں۔

یوم لیدخلکم کی ظرف ہے الذین کا عطف النبی پر ہے مقصود ان کی تعریف کرنا ہے اور ان کے علاوہ جو لوگ ہیں انہیں اشارۃ یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے گا اس تاویل کی صورت میں نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى والا جملہ انہیں رسوا نہ کرنے کی علت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اسم موصول مبتدا ہے اور نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى والا جملہ ان کی خبر ہے يَقُوۡلُوۡنَ والا جملہ جملہ مستانفہ ہے یا اسم موصول کی خبر کے بعد خبر ہے یہ بات وہ اس وقت کہیں گے جب منافقین کا نور ختم کر دیا جائے گا ان کے اعمال کے حساب سے ان کے انوار میں فرق ہوگا۔ اس لئے وہ فضل و احسان کے طور پر نور مکمل کرنے کی التجا کریں گے۔ ہم نے نور کے مختلف ہونے اور وہ اعمال جو اس نور کا سبب ہیں ان کا ذکر سورۃ حدید میں کر دیا ہے اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ نور مکمل کرنے کی علت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ وَمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ‌ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ۝۹

"اے نبی کفار اور منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کرو اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور لوٹ کر آنے کی بہت بری جگہ ہے [1]"

[1] کفار سے تلوار اور دلیل کے ساتھ جہاد کیجئے جب منافقوں کا نفاق ظاہر ہو جائے تو ان کے نفاق کو رد کر کے اور انہیں رسوا کرنے کے ساتھ جہاد کیجئے۔ جن سے آپ جہاد کر رہے ہیں ان پر سختی کیجئے اور ان پر رحم نہ کیجئے۔ وَمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ یہ جملہ کفار اور منافقین سے حال مقدرہ ہے۔ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ میں مخصوص بالذم جہنم ہے یا مَاۡوٰٮهُمۡ ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّـلَّذِيۡنَ كَفَرُوا امۡرَاَتَ نُوۡحٍ وَّامۡرَاَتَ لُوۡطٍ‌ ؕ كَانَـتَا تَحۡتَ عَبۡدَيۡنِ مِنۡ عِبَادِنَا صَالِحَـيۡنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمۡ يُغۡنِيَا عَنۡهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا وَّقِيۡلَ ادۡخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيۡنَ ۝۱۰

"بیان فرمائی ہے اللہ نے کفار کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال [1] وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں [2] پھر ان دونوں نے ان دونوں سے خیانت کی [3] پس وہ دونوں (نبی ان کے شوہر) اللہ کے مقابلہ میں انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے [4] اور انہیں حکم ملا تم دونوں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ [5]"

1۔ حلیۃ الاولیاء، جلد 5، صفحہ 195 (مطبعۃ السعادۃ) 2۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 257 (وزارت تعلیم)

1۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام واعلہ تھا اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام واھلہ تھا امرۃ نوح اور امرۃ یہ دونوں مثلاً سے بدل ہیں اور ان سے پہلے امرۃ کا لفظ محذوف ہے یہی ترکیب امراۃ فرعون میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی حالت کو بیان فرمایا ہے کہ انہیں ان کے کفر کے باعث عذاب دیا جائے گا ان کا نبی کریم ﷺ سے جو نسبی تعلق ہے وہ کوئی فائدہ نہیں دے گا جس طرح ان دونوں کو انبیاء کے ساتھ تعلق نے کوئی فائدہ نہ دیا۔

2۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس سے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی تعظیم مقصود ہے ان کی صفت صلاح ذکر کر کے ان کی تعریف فرمائی کیونکہ صلاح میں کمال عصمت کی صورت میں متحقق ہوتا ہے جو نبوت کی علامت ہے۔

3۔ ان دونوں نے کفر اور نفاق کے ذریعے ان سے خیانت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کسی نبی کی بیوی نے کبھی بھی بے حیائی نہیں کی (1) ان کی خیانت یہ تھی کہ وہ ان دونوں ہستیوں کے دین پر نہ تھیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی لوگوں سے یہ کہتی تھی یہ مجنون ہے۔ جب کوئی آدمی حضرت نوح پر ایمان لاتا تو وہ قوم کے سرداروں کو بتا دیتی حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کے لوگوں کو مہمانوں کے بارے میں بتاتی جب بھی کوئی رات کے وقت مہمان آتا تو وہ آگ روشن کرتی جب دن کے وقت کوئی مہمان آتا تو وہ دھواں ڈال دیتی تاکہ قوم کو پتہ چل جائے کہ کوئی مہمان آیا ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ ایمان کا اظہار کرتیں اور نفاق کو پوشیدہ رکھتیں (2)۔

4۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود ان سے عذاب الٰہی کو دور نہ کر سکے حالانکہ دونوں ان کے خاوند تھے۔

5۔ یہ بات ان دونوں بیویوں کو موت کے وقت یا قیامت کے روز کہی جائے گی کہ دوسرے ان کافروں کے ساتھ تم بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ جن کا انبیاء کے ساتھ کوئی تعلق اور رشتہ داری نہیں یا جن کی مومنین کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے کفار کی اس امید کو ختم کر دیا کہ انہیں کسی اور کا ایمان فائدہ دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اگر ایک آدمی ایماندار ہو تو کسی اور کا کفر اسے کوئی نقصان نہیں دے گا۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾

"اور اسی طرح اللہ نے اہل ایمان کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال پیش فرمائی 1۔ جبکہ اس نے دعا مانگی اے میرے رب بنا دے میرے لئے اپنے پاس ایک گھر جنت میں 2۔ اور بچا لے مجھے فرعون اور اس کے کافرانہ عمل سے 3۔ اور مجھے اس ستم پیشہ قوم سے نجات دے 4۔"

1۔ فرعون کی بیوی کا نام آسیہ تھا وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن کے عقد میں تھی اس کے خاوند کے کفر نے اسے کچھ نقصان نہ دیا۔ مفسرین نے کہا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غالب آ گئے تو فرعون کی بیوی آپ پر ایمان لے آئی جب فرعون کو آسیہ کے اسلام لانے کا علم ہوا تو اس نے اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں چار میخیں گڑھوا دیں اور دھوپ میں پھینک دیا۔ سلیمان نے کہا فرعون کی بیوی کو سورج کی

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا 2۔ ایضاً

دھوپ میں تکالیف دی جاتیں جب فرعونی اس کے پاس سے چلے جاتے تو فرشتے اس پر سایہ کر لیتے (1)۔

2 اذ ظرف ہے جو کائن کے متعلق ہے یہ مثلا امرأۃ فرعون کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہوں مثلا امرأۃ فرعون کائن وقت قولہا اے میرے رب جنت میں اپنے پاس میرے لئے گھر بنا دے۔ اس عندیت کی کوئی کیفیت نہیں کیونکہ اللہ مکان سے منزہ ہے اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس کے گھر کو اس کے لئے ظاہر فرمایا جسے حضرت آسیہ نے دیکھا۔

3 مجھے فرعون اور اس کے عمل یعنی اس کی اذیتوں سے نجات عطا فرما۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں عمل سے مراد شرک ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا یہاں عمل سے مراد فرعون کی جماعت ہے۔

4 مجھے ایسی قوم سے نجات عطا فرما جو اپنے آپ پر کفر اور معاصی کے ذریعے اور دوسرے بندوں پر قبطیوں کے ذریعے اذیتیں دے کر ظلم کرتے ہیں۔ یہ قبطی فرعون کے پیروکار تھے۔ اس قصہ میں یہ مذکور ہے کہ فرعون نے ایک بڑا پتھر لانے کا حکم دیا تا کہ حضرت آسیہ پر پھینکا جائے جب وہ لوگ بھاری پتھر لے آئے تو اس وقت حضرت آسیہ نے یہ دعا کی اللہ تعالیٰ نے جنت میں اسے موتی کا گھر دکھایا اور اس کی روح پرواز کر گئی تو وہ بھاری پتھر آپ کے جسم پر پھینک دیا گیا جس میں روح باقی نہ تھی اس لئے انہیں کوئی درد نہ ہوا۔ حسن بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کو جنت کی طرف اٹھا لیا وہ اسی میں کھاتی پیتی ہے۔

وَ مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ﴿۱۲﴾

"اور (دوسری مثال) مریم دختر عمران کی ہے جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا 1 تو ہم نے پھونک دی اس کے اندر اپنی طرف سے روح 2 اور مریم نے تصدیق کی اپنے رب کی باتوں کی 3 اور اس کی کتابوں کی اور وہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے تھی 4۔"

1 مریم کا عطف امرأۃ فرعون پر ہے جبرائیل امین نے ان کی قمیص کے گریبان میں ایسی پھونک ماری جو ان کے رحم تک جا پہنچی جس کے باعث وہ حاملہ ہو گئیں جب روح پھونکنے کا عمل اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا اور انسانوں کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے واقع ہوتے ہیں تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فعل نفخ کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی۔

2 یعنی ایسی روح پھونکی جسے ہم نے بغیر کسی واسطے کے پیدا کیا تھا۔ یہاں اخفش رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق من زائدہ ہے اور یہی مناسب ہے۔ سیبویہ نے کہا من بعضیہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں من بعضیہ ہے یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ۔

3 اس نے صحف منزلہ کی تصدیق کی یا اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی طرف جو وحی کی اس کی تصدیق کی۔ یہاں کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کی بندوں کے لئے شریعتیں ہیں۔ ابو عمرو اور حفص رحمہما اللہ تعالیٰ نے جمع کا صیغہ کتب پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے واحد کا صیغہ پڑھا ہے اس سے وہ چیزیں مراد ہیں جو لوح محفوظ میں لکھی گئیں یا اس سے نازل شدہ کتابوں کی جنس ہے اسے کلمة اللّٰه و کتابه بھی پڑھا گیا ہے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل ہے۔

4 وہ طاعت پر مواظبت اختیار کرنے والی تھی قانتین کو مذکر ذکر کیا ہے مراد غلبہ دینا ہے اور یہ شعور دلانا ہے کہ مریم کا رتبہ کامل مردوں

1۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

کے رتبہ سے کم نہیں ہے یہاں تک کہ اسے کاملین میں شمار کیا گیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مردوں میں سے کامل بے شمار لوگ ہیں عورتوں میں سے کامل آسیہ فرعون کی بیوی اور مریم بنت عمران ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عورتوں پر فضیلت اسی طرح ہے جس طرح ثرید کھانے کی فضیلت تمام کھانوں پر ہوتی ہے(1) اسے امام احمد، شیخین نے صحیحین میں، امام ترمذی، ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے ثعلبی اور ابونعیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حلیہ میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے مردوں میں سے کامل بے شمار ہیں۔ عورتوں میں سے صرف چار کامل ہیں آسیہ، مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن کی فضیلت تمام عورتوں پر اس طرح ہے جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

میں کہتا ہوں شائد یہاں کمال سے کمالات نبوت اور اس سے بلند مقامات کو پانا ہے صحیحین کی روایت گویا سابقہ امتوں کی خبر دیتی ہے کیونکہ ان میں انبیاء کثیر ہوتے مگر کمالات نبوت کے درجہ پر عورتوں میں سے حضرت آسیہ، حضرت مریم پہنچیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جہاں بھر کی عورتوں میں سے حضرت مریم، حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ اور حضرت آسیہ تیرے لئے کافی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا عورتوں میں سے سب سے فضیلت والی حضرت مریم ہیں اور ہماری عورتوں میں بہترین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں یہ روایت متفق علیہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کریب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضور ﷺ نے آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کیا(2)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے سال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سرگوشی کی تو وہ رونے لگیں پھر حضور ﷺ نے ان سے گفتگو کی تو وہ ہنسنے لگیں جب حضور ﷺ کا وصال ہوگیا۔ میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کے رونے اور ہنسنے کے سبب کے بارے میں پوچھا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ حضور ﷺ نے مجھے پہلی دفعہ بتایا کہ وہ عنقریب اس دنیا سے جانے والے ہیں تو میں رونے لگی پھر آپ ﷺ نے مجھے بتایا کہ میں تمام جنتی عورتوں کی سردار ہوں سوائے حضرت مریم کے تو میں ہنسنے لگی۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے(3) ہم نے سورۃ آل عمران میں حضرت مریم، حضرت آسیہ، حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن کی باہمی فضیلت کے بارے میں بحث ذکر کی ہے۔

فائدہ:۔ ان دونوں مثالوں میں حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے اشارۃً اس کوتاہی کے بارے میں بات ہوئی ہے جو ان سے حضور ﷺ کے خلاف باہم تعاون کی غلطی ہوئی تھی جسے حضور ﷺ نے ناپسند کیا اور سخت ترین طریقہ سے انہیں سرزنش کی گئی اور یہ اشارہ کیا گیا کہ ان کا حق تو یہ بنتا تھا کہ وہ ایمان میں ان دو عورتوں کی طرح ہوں اور اس بات پر بھروسہ نہ کریں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہیں۔

الحمد للہ نویں جلد تکمیل کو پہنچی۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 284 (قدیمی) 2۔ ایضاً 3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 229 (وزارت تعلیم)